☆ مدیر اور مرتبین نے محنت شاقہ سے تمام مضامین کو بہتر انداز میں پیش کیا ہے۔ یقین ہے کہ مجلّہ **الاحسان** تصوف پر ایک بہترین علمی خدمت اور قابل قدر اثاثہ ثابت ہوگا۔ (روز نامہ راشٹریہ سہارا، ۱۸/جولائی ۲۰۱۰ء/ ڈاکٹر منور حسن کمال)

☆ مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے یہ علمی کتابی سلسلہ شروع کیا ہے اور ایک پلیٹ فارم مہیا کیا ہے کہ علمائے اسلام اور اہل علم و ادب کی آرا سے ہر کوئی مستفید ہو اور اوہام و غلط فہمیوں کی دیواریں ٹوٹنے لگیں۔ (اردو بک ریویو، اپریل، مئی، جون ۲۰۱۰ء/ عارف اقبال)

☆ موجودہ حالات کی سنگینی اور مادیت پسندی کے اس دور میں **الاحسان** جیسے کتابی سلسلے کا آغاز زوال پذیر انسانی اقدار کی بحالی میں یقیناً اہم اور مثبت کردار ادا کرے گا۔ (روز نامہ اردو ٹائمز، ممبئی/ وصیل خان)

☆ اس کے گیارہ ابواب کے نام بادہ و ساغر، احوال، بادۂ کہنہ، تذکیر، تحقیق و تنقید، بحث و نظر، شناسائی، صوفی ادب، زاویہ، پیمانہ اور مکتوبات ہیں اور تمام ابواب اسم با مسمیٰ ہیں۔ (ماہ نامہ جام نور، دہلی، جولائی ۲۰۱۰ء/ نورین علی حق)

☆ مجلّے کے تمام مضامین فکر انگیز اور بصیرت افروز ہیں۔ مادہ پرستی کے اس دور میں نئی نسل کو تصوف سے قریب کرنے کے لیے اس مجلّے کو عام کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، مارچ ۲۰۱۱ء/ محمد ساجد رضا مصباحی)

☆ چار سو آٹھ صفحات ارج مند کا یہ مجلّہ آج کے ماحول میں ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس کے مشمولات نہایت وقیع، محترم، معتبر، موثر اور معلومات افزا ہیں۔ (ماہنامہ کنزالایمان، دہلی، جون ۲۰۱۰ء/ پروفیسر طلحہ رضوی برق)

☆ یہ مجلّہ صرف ایک رسالہ ہی نہیں بلکہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے مطالعے سے نہ صرف بہت ساری غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا بلکہ منکرین تصوف کو اپنی روش اور نظریہ بدلنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ (سہ ماہی سنی دعوت اسلامی، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۰ء/ توفیق احسن برکاتی)

☆ ۴۰۸ صفحات پر پھیلا ہوا یہ مجلّہ مجموعی اعتبار سے تصوف پر علمی، تحقیقی و دعوتی مجلّہ ہے۔ (ماہ نامہ ماہ نور، دسمبر ۲۰۱۰ء/ طیب فرقانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف پر علمی، تحقیقی ودعوتی مجلّہ

کتابی سلسلہ **الاحسان** الہ آباد

زیر سرپرستی: داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی

مدیر: حسن سعید صفوی

مرتبین

مجیب الرحمٰن علیمی، ذیشان احمد مصباحی، ضیاء الرحمٰن علیمی، رفعت رضا نوری

معاونین

محمد عمران ثقافی، عارف اقبال مصباحی، کتاب الدین رضوی

مجلس مشاورت

ناشر

شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ/ خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

e-mail :alehsaan.yearly@gmail.com

shahsafiacademy@gmail.com

سلسلۂ مطبوعات شاہ صفی اکیڈمی نمبر (۲)

کتابی سلسلہ: الاحسان (شمارہ نمبر-۲)

مدیر: حسن سعید صفوی

ترتیب: مجیب الرحمٰن علیمی، ذیشان احمد مصباحی، ضیاء الرحمٰن علیمی، رفعت رضا نوری

سال اشاعت: مارچ ۲۰۱۱ء/ ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ

قیمت: ۱۰۰/روپے

کمپوزنگ: عبدالرحمٰن سعیدی، صاحب حسین سعیدی

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ/ خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

Al-Ehsaan(*a Journal on Islamic Sprituality*)
Published by:Shah Safi Academy, Jamia Arifia
Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad U.P.(India)211001
Ph:08081898965.09026981216-Email:alehsaan.yearly@gmail.com
Printed by:

انتساب

منبع کشف وکرامت، صاحب احوال ومقامات
فانی مطلق، باقی برحق، سلطان طریقت، خاتم المشائخ
حضرت خواجہ ابو سعید ابو الخیر قدس اللہ سرہٗ
(محرم الحرام ۳۵۷ھ/شعبان ۴۴۰ھ)

کے نام

جن کی
رباعیات ومقامات
علم وادب اور عرفان وآگہی کا لازوال گنجینہ ہیں
جن سے تشنگانِ شراب معرفت ومحبت
ہر دور میں سیراب ہوتے رہے ہیں!

مشمولات

حاصل مطالعہ

185-248

بحث ونظر

اسلامی اور غیر اسلامی روحانیت میں کیا فرق ہے؟

249-256

شناسائی

257-306

صوفی ادب

307-336

زاویہ

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی شخصیت اور فن پر خصوصی گوشہ

337-369

پیمانہ

371-387

مکتوبات

389-406

○ مولانا عبدالشکور مصباحی ○ مولانا محمد احمد مصباحی ○ مولانا عبدالمبین نعمانی ○ پروفیسر اختر الواسع ○ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی ○ ڈاکٹر سید شمیم منعمی ○ پروفیسر علی احمد فاطمی ○ مولانا مبارک حسین مصباحی ○ پروفیسر بدیع الدین صابری ○ ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی ○ فروغ احمد اعظمی ○ شمیم طارق ○ معین شاداب ○ زبیر قادری ○ ساجد رضا مصباحی ○ سید تالیف حیدر ○ صادق رضا مصباحی ○ شمس الدین علیمی ○ ابرار رضا مصباحی ○ پروفیسر عبدالمنان طرزی

بادہ وساغر

رباعی

تقشع غيم الجهد عن قمر الحب
واشرق نور الصبح فی ظلمة الغيب
وجاء نسيم الاعتذار مخففا
فصادفه حسن القبول من القلب

ترجمہ

جب ماہ محبت طلوع ہوا تو جہد و مشقت کا ابر چھٹ گیا
اور غیب کی تاریکی میں صبح نور نکل آئی۔
نسیم اعتذار سبک روی کے ساتھ آئی
تو حسن قبولیت نے در دل سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔

رباعی

چشم ہمہ اشک شد چو از غم بگریست
زعشق توبے چشم ہمی باید زیست
از من اثرے نماند ایں عشق چیست
چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

ترجمہ

آنکھ جب غم عشق میں روئی تو سراسر اشک بن گئی -
تیرے عشق میں آنکھوں کے بغیر ہی جینا چاہیے-
میرا نام و نشان مٹ گیا، یہ عشق کیا ہے؟
جب میں سراپا معشوق بن گیا تو پھر عاشق کون ہے؟

مناجات

حقیقت میں تیرے سوا یا الٰہی
نہیں ہے کوئی دوسرا یا الٰہی

ترے لائق حمد و ثنا یا الٰہی
زباں سے ہو کیسے ادا یا الٰہی

کوئی تجھ کو سمجھے تو کس طرح سمجھے
خرد سے ہے تو ماورا یا الٰہی

تری ذات اقدس کو تیرے علاوہ
کوئی بھی سمجھ نہ سکا یا الٰہی

خیال و قیاس و گماں سے ہے باہر
تری ذات رب علا یا الٰہی

بایں شانِ تنزیہ و تقدیس مولیٰ
یہ دل ہے ترا آئینہ یا الٰہی

سعیدؔ اللہ اللہ ہر سمت و ہر سو
تو ہی تو ہے جلوہ نما یا الٰہی

غزل

عیاں ہے راز ہستی، چشم حیرت باز ہے ساقی
کہ محو راز ہو جانا کشود راز ہے ساقی

وہ اُٹھی موج مے، وہ جام و مینا میں تلاطم ہے
جہانِ بے نشاں سے دعوتِ پرواز ہے ساقی

یہاں اِک خاک دانِ عنصری میں کیا گزرتی ہے
تو ہی ہمراز ہے ساقی، تو ہی دم ساز ہے ساقی

سنا کرتا ہوں راتوں کو برابر نعرۂ مستی
تری آواز ہے یا خود مری آواز ہے ساقی

غزل

اک طرف عشق کے بیمار خدا خیر کرے
اک طرف حسن کی سرکار خدا خیر کرے

جس نے دیکھا تجھے اک بار خدا خیر کرے
وہ ہوا بے خود و سرشار خدا خیر کرے

شیخ با جبہ و دستار خدا خیر کرے
رقص میں ہے سر بازار خدا خیر کرے

اک طرف حضرت یوسف کا جمال دلکش
اک طرف مصر کا بازار خدا خیر کرے

بے خودی کہیے اسے یا کہ جنوں کی معراج
سرہے اور سنگ در یار خدا خیر کرے

اک طرف شیخ کی فرسودہ بیانی توبہ
اک طرف ساز لب یار خدا خیر کرے

پھرہے باطل کی، ہراک سمت اطاعت کافروغ
پھر ہے منصور سر دار خدا خیر کرے

جوبھی دیکھے سعیدؔ اس کو وہی اس کا ہوئے
ایسا ہے وہ حسیں دلدار خدا خیر کرے

غزل

خام ہے عشق اگر چاق گریباں ہوجائے
وہ جنوں کیا ہے جو پابند بیاباں ہوجائے

خاک کردوں تپش عشق سے ساری ہستی
پھر وہی خاک غبار رہ جاناں ہو جائے

دل وہ کافر کہ جسے عشق عبادت سے عزیز
عشق وہ کفر جو پیدا ہو تو ایماں ہوجائے

سعی اخفاے محبت تو بہت کی صہبا
کیا کریں اس کو جو چہرے سے نمایاں ہوجائے

غزل

زعشقِ ذات کردم من غبار راہ نورانی
کہ انساں گر شناسد خود شود اُو ظلِّ سبحانی
منِ درویشِ خرسندم زیک جرعہ تہہِ خرقہ
تو شاہِ بندگانِ این جہاں گریاں ایں چہ معنی؟
بلے درِ عشق مجنوں رفت سوئے وادی و صحرا
پسِ صَحرا نوردی راز چہ باشد تو چہ دانی
حدیثِ مطرباں من خوب دانم ور نمی پرسم
سرود و نغمہ تو داری ولے ہم سوز درمانی!
بقول اقبال دنیا دعوتِ دیداست آدم را
''کہ بخشیدہ شدہ مستوریاں را ذوق عریانی''
زِ ہر ذرّہ ایں پیدا است ''لاموجود الا اللہ''
نہ من ترکی نہ من ہندی نہ ایرانی نہ افغانی
چرا کوشی قصرِ قیصر و کسریٰ کہ این فاسد
درونِ فقر و مستی ہست سلطانی جہاں بانی
زگیسوئے شبِ دیجور چو آمد قمر تاباں
شود حیراں عرب، خیرہ عجم، نیز عقلِ انسانی
بسوزد کبر و نخوت در دل اے کوثرؔ ز سجدہا
پس اے کہ سجدہ کن! تا دور باشد چاک دامانی

احوال

ابتدائیہ

اگر ایمان کو بیج اور اسلام کو تناور درخت فرض کیا جائے تو احسان کو اس کا پھل کہنا صد فی صد درست ہوگا- جس طرح پھل بغیر درخت کے اور درخت بغیر بیج کے ممکن نہیں، اسی طرح احسان یعنی تصوف کا تصور اسلام وایمان کے بغیر ممکن نہیں-تصوف یا احسان، ایمان واسلام کے کمال اور انتہا کا نام ہے- جب بندہ ایمان اور خشیت ربانی کے ساتھ اسلام کے قوانین پر عمل پیرا ہوتا ہے تو احسان تک اس کی رسائی ممکن ہو جاتی ہے-صوفیہ کرام اسی تصوف اور روحانی عمل کے علم بردار رہے ہیں-ان کی تعلیمات سے اسی روحانیت کا ثبوت ملتا ہے-صوفیہ کرام نے اپنے تمام صوفیانہ عقائد کی بنیاد صحیح اور مضبوط توحیدی اصولوں پر رکھی ہے-صوفیہ کرام کا اجماعی اور قطعی عقیدہ ہے کہ کوئی بھی اللہ کا شریک نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں اور اللہ کی کوئی بھی صفت معطل نہیں، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا- بلکہ کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہے سب کچھ اسی کی ذات وصفات سے ہے- بالذات اور حقیقی وجود صرف واحد مطلق کا ہے-تصوف کا مقصد اسی توحید کا عرفان ہے-

....

دو روز قبل محبّ گرامی محمد مجیب الرحمٰن علیمی ومحترم ذیشان احمد مصباحی نے بیان کیا کہ ''نعت رنگ'' کے مدیر سید صبیح الدین صبیح رحمانی جو ابھی دورۂ ہند پر تھے، نے بتایا کہ ''الاحسان'' کے چند شمارے جو پچھلے سفر میں آپ لوگوں نے عنایت فرمائے تھے، میں نے انہیں پاکستان کے کئی ذی علم دوستوں تک پہنچایا- اب وہ بے صبری سے دوسرے شمارے کا انتظار کر رہے ہیں، خود میں بھی اس کا منتظر ہوں- یہ رسالہ تمام اہل علم ودانش خاص طور سے تمام خانقاہوں میں پہنچنا چاہیے تاکہ لوگ تصوف کو صحیح طور پر سمجھ سکیں- انہوں نے اس خواہش کا بھی اظہار فرمایا کہ اسے پاکستان سے بھی

شائع ہونا چاہیے- یہاں محترم صبیح رحمانی کا تذکرہ بطور مثال ہے، ورنہ سچی بات یہ ہے کہ ہم نے جن شخصیات کے بھی سامنے اسے پیش کیا انہوں نے امید سے زیادہ اسے پسند فرمایا اور اپنے حوصلہ افزا کلمات سے نوازا- ان کی عنایتوں اور محبتوں نے ہمارے حوصلوں کو مہمیز کیا- ان عنایتوں پر ہم ان شخصیات کے بے حد ممنون ہیں اور اب مزید بہتر سے بہتر کی تلاش میں سرگرداں ہیں-

....

خانقاہ عالیہ عارفیہ کے زیر اہتمام چلنے والے ادارہ جامعہ عارفیہ کے طلبہ کا جشن یوم غزالی کے نام سے سالانہ پروگرام ہوتا ہے، جس میں طلبہ جامعہ علمی وادبی مظاہرہ کرتے ہیں- ۱۸/ جون ۲۰۰۹ء کو منعقد ہونے والے تیسرے جشن یوم غزالی کے موقع پر صوفیہ کے افکار ونظریات کو علمی اور تحقیقی انداز میں پیش کرنے کے لیے ایک تحقیقی ودعوتی مجلّہ ''الاحسان'' کی اشاعت کا اعلان کیا گیا اور ۷/ اپریل ۲۰۱۰ء/ ۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ کو چوتھا جشن منعقد ہوا جس میں ''الاحسان'' کے پہلے شمارے کی علما ومشائخ کے ہاتھوں رونمائی ہوئی- اس جشن میں مولانا یٰسین اختر مصباحی، دارالقلم دہلی، پیر طریقت حضرت سید محمد اختر چشتی زیب سجادہ خانقاہ صمدیہ، پھپھوند شریف، مولانا اسید الحق ولی عہد خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں، مولانا خوشتر نورانی، مدیر اعلیٰ جام نور، دہلی اور ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی وغیرہم شریک تھے-

....

''الاحسان'' کا دوسرا شمارہ جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ پہلے شمارے سے تھوڑا مختلف ہے- اس بار ایک نئے کالم ''حاصل مطالعہ'' کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں تصوف وسلوک سے متعلق معاصر دنیا کے چند ممتاز مسلم اہل دانش کی کتابوں کی روشنی میں ان کے صوفیانہ خیالات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے- اس خصوص میں کچھ مقالے ہمیں وقت پر موصول نہیں ہو سکے ورنہ یہ حصہ اور بھی گراں قدر ہوتا- باقی تمام ابواب وہی ہیں جو پہلے شمارے میں تھے- یعنی (۱) بادہ وساغر، (۲) احوال (۳) بادہ کہنہ (۴) تذکیر (۵) تحقیق وتنقید (۶) بحث ونظر (۷) شناسائی (۸) صوفی ادب (۹) زاویہ (۱۰) پیمانہ اور (۱۱) مکتوبات-

مشمولات کو وقیع اور خوب سے خوب تر بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے- جہاں 'بادہ وساغر' میں قدیم وجدید شعرا کی صوفیانہ شاعری پیش کی گئی ہے وہیں قدیم صالح اور جدید نافع کے امتزاج کو باقی رکھنے کے لیے 'بادہ کہنہ' میں متقدمین صوفیہ مثلاً امام عبدالکریم ابوالقاسم قشیری کی معروف زمانہ تصنیف رسالہ قشیریہ سے صوفیہ کے اصولی عقائد اور معروف فلسفی بوعلی ابن سینا کے نام شیخ ابوسعید ابوالخیر کے تاریخی مکتوب اور ابن سینا کے جوابی مکتوب کو شامل کیا گیا ہے-

'تذکیر' کے کالم میں صاحب سجادہ حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی کے افادات کو ''فقیہ، متکلم اور صوفی کے درجات'' کے عنوان سے محبّ گرامی مولانا مجیب الرحمٰن علیمی نے سلیقے سے مرتب فرما کر پیش کیا ہے- حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب نے حسب سابق اس بار بھی 'تذکیر' کے لیے ایک قیمتی تحریر ''حسد وکینہ کی تباہ کاریاں'' سے ''الاحسان'' کو نوازا ہے- موہالی، پنجاب کے رہنے والے جناب محترم شہباز احمد (سبھاش چند) جنہوں نے مرشد گرامی کے دست حق پر ہی اسلام قبول فرمایا ہے، نے بت پرستی سے خدا پرستی تک کے اپنے سفر کو ''خدا کی طرف واپسی'' کے عنوان سے لکھا ہے جو دیدۂ عبرت کا طالب ہے-

'تحقیق وتنقید' کے کالم میں شائع ہونے والے تقریباً تمام مضامین ومقالات خاص طور پر پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی، مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی اور مولانا کوثر امام قادری، کے مقالات علمی اور تحقیقی معیار کے حامل ہیں- 'تحقیق وتنقید' کے کالم میں ایک اہم اور معلوماتی مضمون جو اپنے پہلو میں تصوف اور صوفیہ کے حوالے سے مختلف افکار ونظریات سمیٹے ہوئے ہے ''تصوف: مشرق و مغرب کے مختلف تصورات'' کو پیش کیا گیا ہے- یہ مضمون آن لائن وکی پیڈیا سے ماخوذ ہے- اس کی بہت سی باتوں سے کسی کے لیے بھی اتفاق کرنا ممکن نہ ہوگا، لیکن اس کے باوجود اس مقالے کی شمولیت کا جواز یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے حامیان تصوف اور مخالفین تصوف دونوں کو سوچنے سمجھنے کے بہت سے نئے عنوانات ملیں گے اور یہ معلوم ہوگا کہ آج تصوف پر عالمی سطح پر کس طرح کی بحثیں چل رہی ہیں-

اس بار 'بحث ونظر' کا کالم اگرچہ تھوڑا ہلکا ہو گیا مگر دیگر تمام مشمولات اس کے کفارے کے طور پر حاضر ہیں- 'شناسائی' بھی معلوماتی ہے جس میں خانقاہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے- پچھلے شمارے میں 'صوفی ادب' میں صرف ایک تحریر شامل ہو سکی تھی، اس بار تین تحریریں ہیں، پہلی پروفیسر مسعود انور علوی کی امیر خسرو کی شاعری پر، دوسری پروفیسر عقیل ہاشمی کی تحریر 'ولی دکنی کی صوفیانہ شاعری' پر اور تیسری پروفیسر عبد المنان طرزی کی منظوم تحریر ہے جو مولانا روم کے فکر وفن کو پیش کر رہی ہے- تینوں تحریریں دعوت مطالعہ دے رہی ہیں-

پہلے شمارے میں 'زاویہ' مجدد علوم اسلامی امام غزالی کی شخصیت وکارنامے پر مشتمل تھا، اس بار امام غزالی سے بھی قدیم، عظیم صوفی خواجہ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کی شخصیت اور ان کے کارناموں پر مشتمل ہے- افسوس کہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر کی معروف عالم 'رباعیات' پر جو تحریر چھپنی تھی وہ وقت پر موصول نہ ہو سکی- 'مکتوبات' کے کالم میں بہت سے خطوط نہایت قیمتی آرا اور رہنما خیالات پر مشتمل

ہیں-ادارہ ''الاحسان'' نے رسالے کو زیادہ سے زیادہ علمی اور معلوماتی بنانے کی کوشش کی ہے-
اب ادارہ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہے ہم اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں-

....

آخر میں ہم ادارۂ ''الاحسان'' کی طرف سے اپنے تمام قلم کاروں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود وقیع، مستند اور علمی مقالوں سے ادارے کا تعاون کیا اور وہ قلم کار جو اپنی مصروفیات یا کسی اور عذر کی بنیاد پر ہمارا قلمی تعاون نہ کر سکے ان سے ہمیں امید ہے کہ وہ مستقبل میں ہمارا تعاون ضرور فرمائیں گے-حسب سابق اس بار بھی ہم اپنے ان کرم فرماؤں سے معذرت خواہ ہیں جن کی تحریریں مطبوعہ ہونے یا کسی اور وجہ سے شامل اشاعت نہ ہو سکیں-

تکمیل سخن کے لیے صاحب سجادہ حضرت شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ العالی کی خدمت میں خراج محبت پیش کرنا ضروری ہے کہ ''الاحسان'' جیسے رسالے کی اشاعت ان کی توجہات کا ثمرہ ہے-اللہ ان کا سایۂ عاطفت دراز فرمائے اور ہمیں ان کی رہنمائی میں نظری تصوف سے عملی تصوف تک رسائی کی توفیق بخشے-(آمین)

حسن سعید صفوی

واردات

کیا تصوف اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، صوفی اسلام اور غیر صوفی اسلام؟ پھر صوفی اسلام کیا ہے؟ ترکی کا رقص رومی یا امریکا کی شب سرمستی؟ پھر صوفی اسلام چاہتا کیا ہے؟ زندگی سے فرار، رنگ برنگے لباس، موٹے دانوں کا مالا، تعویذ اور گنڈا، تیل اور کلچا، رقص و نغمہ، یا کیا؟ اگر تصوف روحانیت کا نام ہے، تو کیا اس میں ظاہری احکام کی کوئی حیثیت ہے؟ باطنی تصورات تو تمام مذاہب میں موجود ہیں، تو کیا تصوف وحدت ادیان چاہتا ہے؟ یہ اور اس قسم کے درجنوں سوالات ہیں جو آج کے ''مسلم نوجوان'' کے ضمیر سے اٹھتے رہتے ہیں-

گزشتہ ایک صدی سے اصلاح و دعوت کے نام پر مسلمانوں میں کچھ ایسی تحریکیں اٹھیں، جن کے زیر اثر مسلم نوجوان طبعاً شدت پسند ہو گیا-اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا ہے-اب وہ واپس لوٹنا چاہتا ہے- واپسی کے لیے اس کے سامنے بس ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے صوفی اسلام کا راستہ، لیکن جب وہ اس طرف قدم بڑھاتا ہے تو مذکورہ بالا سوالات اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں-تشدد بیزار مسلم نوجوان اپنی ''اسلام پسندی'' کے ساتھ ان سوالات کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ عموماً ناکام ہو جاتا ہے-موجودہ دنیا تصوف کے نام پر جو ماڈل پیش کر رہی ہے وہ پر امن ماڈل تو ضرور ہے لیکن بالعموم اس میں ''زندگی'' اور ''اسلام'' کے وہ عناصر نظر نہیں آتے جو اسوۂ محمدی کی خاصیت ہیں-

....

عہد قدیم میں یونان اور روما میں جمہوریت کے تصورات ملتے ہیں-اسلام آیا تو اس نے ان تصورات کو کامل طور سے عملی صورت بخشا-یہ جمہوریت، صالحین و متقین ارباب حکمت و

بصیرت کے شورائی نظام کے تحت وجود پذیر ہوئی - ایک ایسی جمہوریت جس میں پادشاہی انارکی کا گزر ممکن تھا اور نہ ہی اس میں بے مغز سروں کی بھیڑ کا امکان تھا - افسوس کہ یہ آئیڈیل نظام مسلمانوں کے بیچ بہت دنوں تک نہیں چل سکا - پھر شخصی حکومتوں کا دور آیا اور ان حکومتوں میں وہی کچھ ہوا جو کسی بھی اچھی سے اچھی شخصی حکومت میں ہوسکتا ہے - مسلمان ملوکیت کے خوگر ہو گئے -

اٹھارہویں اور انیسویں صدی جمہوریت کے عروج کی صدی تھی ، بیسویں صدی کے آتے آتے جمہوریت اپنے کمال کو پہنچ گئی - یہ جاہل عوام کی حکومت تھی - مسلم ذہن اس حکومت کے لیے تیار نہیں تھا اور شاید اب تک اسے قبول کرنے کے لیے پورے طور سے تیار نہیں ہوسکا ہے - اس نے دلائل سے اس حکومت کا غیر اسلامی ہونا ثابت کیا ، اور اس طرف اس کی نظر نہیں گئی کہ تقریباً پچھلے چودہ سو سالوں سے وہ جس حکومت سے چمٹا ہوا ہے وہ بھی صحیح معنوں میں اسلام کی آئیڈیل حکومت نہیں ہے - خیر ! اس احساس نے اسے بغاوت پر آمادہ کیا - اس نے اپنی توجہ نئے دور کے مواقع کو استعمال کرنے سے زیادہ نئے دور کی نکتہ چینی پر مرکوز کردی - اس رجحان نے "الٰہی حکومت" کی تشکیل کا تصور بخشا - یہ تصور اپنے آپ میں چاہے جتنا اچھا ہو ، اس کے نفاذ کے لیے جن حالات واسباب کی ضرورت تھی ان کا فقدان تھا - اس فقدان نے مایوسی پیدا کردی جس کے نتیجے میں اضطراب ، تشدد ، غیر اطمینانی اور بغاوت جیسے جذبات مسلم ذہن میں پلنے لگے - نتیجہ ہمارے سامنے ہے -

....

" یورپ وامریکا اسلام کے دشمن ہیں اور یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں - " یہ معاصر مسلم ذہن کا عام تصور ہے - لیکن اس کے ساتھ اب ایک بات یہ بھی سمجھ میں آنے لگی ہے کہ مسلمان خود مسلمان کے دشمن ہیں - جس کا مجموعی نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو مٹا دینا چاہتے ہیں - اس کا بالواسطہ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان خود ہی اسلام کو مٹا دینا چاہتے ہیں ، یورپ وامریکا اور یہود ونصاریٰ کے بالمقابل احساس کمتری میں مبتلا مسلم ذہن داخلی جارحیت پر آمادہ ہے - میری ان تخیلاتی باتوں کو موجودہ پاکستان کی صورت حال کو سامنے رکھ کر دیکھیے تو بات زیادہ واضح ہوگی - اب سنی شیعہ کی تفہیم نہیں کرنا چاہتا ، اسے مٹا کر اپنا اصلاحی فریضہ مکمل کرنا چاہتا ہے اور یہی حال ارباب تشیع کا بھی ہے - اسی طرح دیوبندی ، بریلوی ، مقلدین اور غیر مقلدین سب ایک دوسرے کے سر پر سوار ہوکر اپنی بات منوانے کے درپے ہیں - ہر صبح مناظرے کا چیلنج کرتے ہیں اور شام میں جشن فتح مناتے ہیں - رات گئے ایک دوسرے کی مسجدوں اور خانقاہوں پر بم برساتے ہیں ، پھر صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کے خلاف شدید لفظوں میں بیان بازی کرتے ہیں - آج زمانے میں پننے کی باتیں بھی عجیب ہیں - رفع یدین ، رکعات تراویح اور ان جیسے مسائل جن پر ہزاروں سال پہلے ائمہ

مجتہدین نے تفصیلی بحث وتحقیق فرمادی ہے ایک بڑا طبقہ آج بھی انہیں کی تحقیق میں الجھا ہوا ہے اور نہ صرف الجھا ہوا ہے بلکہ صرف اپنی تحقیق انیق کو کتاب وسنت کا مفہوم ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کررہا ہے - زندگی کے دوسرے مسائل اس کی نظر میں ہیچ ہوگئے ہیں - وہ پوری دنیا پر حکومت کرنے کا خواب بھی دیکھتا ہے لیکن اس خواب کو زمین پر اتارنے کے جو Process ہیں ان سے وہ سرے سے بے خبر ہے - وہ اس بات کا بھی مدعی ہے کہ اسلام دین فطرت ہے لیکن یہ بات وہ عام انسانوں کو باحکمت وموعظت سمجھانے کے لیے تیار نہیں ہے - اس کا دعویٰ ہے کہ اسلام دین رحمت ہے لیکن ہر شخص جو اس کی بات نہ مانے اسے وہ بھنبھوڑ لینا چاہتا ہے - الحاصل موجودہ دنیا کے مسلمانوں کے بلند بانگ دعوے ان کے رویوں سے میل نہیں کھا رہے ہیں -

....

خلافت راشدہ کے خاتمے کے ساتھ ہی "مکمل اسلامی حکومت" کا خاتمہ ہوگیا - یعنی امور سلطنت میں جو اسلامی اصول ہیں انہیں رفتار زمانہ کے ساتھ مسلسل نظر انداز کیا جاتا رہا - اسے وسیع معنوں میں مذہب اور سیاست کی تقسیم بھی کہہ سکتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہوا کہ اسلامی حکومت کے خاتمے کے ساتھ اسلام نے بھی دم توڑ دیا ہو - اسلام مسلسل آگے بڑھتا رہا - مکمل اسلام "علما" کی شکل میں آگے بڑھا - یہاں میں "علما" کا لفظ معروف معنی میں نہیں استعمال کررہا ہوں ، یہاں وہ اصطلاح مراد ہے جو کتاب وسنت کی ہے ، جن کے بارے میں قرآن نے کہا کہ اللہ سے اس کے بندوں میں صرف علما ہی ڈرتے ہیں - **انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء** (القرآن) یہاں علما سے علمائے خاشعین مراد ہیں - یعنی وہ صاحبان عرفان جو اللہ سے ڈرتے ہیں - شب وروز اور ظاہر و باطن بہر طور وہ خدا کو پیش نظر تصور کرتے ہیں - وہ اپنے ہر عمل کو خدا کی مرضی کے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں - انہیں عرفان حق حاصل ہے ، اس لیے وہ ہر قدم پر اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں -

یہی علمائے خاشعین ہیں جو مفسرین ، محدثین ، فقہا اور متکلمین کے نام سے جانے جاتے ہیں - یہ نام کا اختلاف علمی شعبوں میں سے بعض سے ان کی دلچسپی اور اختصاص وانہماک کی وجہ سے ہے - یہی علمائے خاشعین درحقیقت صوفیہ ہیں - البتہ یہ ضرور ہے کہ لفظ "صوفی" سے زیادہ شہرت انہیں ملی جن پر "خشیت" کا پہلو بہت حاوی تھا اور علمی موشگافیوں پر ان کی توجہ کم تھی -

تاریخ اسلامیات میں ایک لفظ "علمائے سو" بھی کثرت سے استعمال ہوا ہے - اس لفظ سے تاریخ اسلام کے جاہلوں کی نہیں بلکہ ان عالموں کی جماعت مراد ہے جن کے اندر خشوع اور خشیت نام کی چیز نہیں ہوتی - ایسے علما تفسیر ، حدیث ، فقہ ، کلام ، کے ماہرین بھی ہوسکتے ہیں اور ہوئے ہیں لیکن انہیں "علمائے سوء" اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کے اندر قرآنی اصطلاح کے مطابق عالم کی

اولین شرط ''خشیت'' کا فقدان ہے۔

لفظ صوفی ان پر بھی بولا جاتا ہے جو معروف معنوں میں ''صوفی'' ہیں لیکن ان کا باطن بھی خشوع کی دولت سے محروم ہے۔ انہوں نے دنیا سے الگ اپنی خانقاہ بنا رکھی ہے، اس لیے نہیں کہ انہیں لذات دنیا سے سروکار نہیں بلکہ صرف اس لیے تاکہ نذرانے دینے والے یہاں آ کر نذرانے پیش کریں۔ انہوں نے دنیا پانے کے لیے دنیا چھوڑا ہے۔ ان پر لفظ ''صوفی'' کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے جس طرح سخت دل دنیا کے طالب کتاب خوانوں پر ''عالم'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

....

علماے خاشعین یا علماے حق کی جماعت تاریخ اسلامی کے ہر دور میں موجود رہی ہے۔ اس نے قیل وقال سے زیادہ اصلاح حال پر توجہ دی ہے۔ اس نے سماج کو لوٹنے کی نہیں سماج کو امن اور محبت لوٹانے کے لیے کوششیں کی ہیں۔ شاہی ایوانوں سے دور، مادی جنگ سے کنارہ کش، معاشی جستجو سے بے پروا، اس نے ہمیشہ انسانوں میں ''خشیت'' بھرنے کی کوشش کی ہے۔ انہیں ظاہر میں انسانوں کے لیے مفید اور باطن میں عرش الٰہی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی تلقین کی ہے۔ تعلق باللہ اور ترحم بالناس، دل کو اللہ سے جوڑنا اور انسانوں پر دست شفقت ڈالنا، یہی ان کا مشن رہا ہے۔ اسی مشن کے حاملین کے اوپر لفظ ''صوفی'' پورے طور پر فٹ ہوتا ہے اور انہیں ہی صحیح معنوں میں ''عالم'' بھی کہا جانا چاہیے۔ جن کے اندر خشیت ربانی نہ ہو اور جو انسانوں کے لیے خود کو مفید نہ بنا سکیں وہ کچھ بھی ہو سکتے ہیں، صحیح معنوں میں نہ تو صوفی ہو سکتے ہیں اور نہ ہی عالم ہو سکتے ہیں۔

اسلام کی ہزار سالہ تاریخ سلطنت وحکومت میں ایسے لوگوں نے بالعموم حکومت وسیاست سے کنارہ کش رہ کر اپنا مشن جاری رکھا۔ ان کا مشن اسی نوعیت کا تھا جیسے آج غیر حکومتی تنظیمیں NGOs اپنا کام کرتی ہیں۔ صرف فرق اس کا ہے کہ ان کے مشن میں اخلاص تھا اور اس کے اندر شہرت طلبی کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ جنگ، تشدد، منافرت، نفاق، کشت وخون، دغا وفریب سے بیزار انسان پھر اس مشن کی تلاش میں ہے۔ لیکن اسے اپنی تلاش میں کامیابی اب بظاہر مشکل ہی نہیں ناممکن معلوم ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اقبال نے اس شعر میں بتائی ہے:

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں　　　　کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری

عصر حاضر کا طالب حق جس دن اس تلاش میں کامیاب ہوگا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ تصوف اسلام کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کرتا، بلکہ صحیح معنوں میں اسلام وہی ہے جس کو تصوف پیش کرنا چاہتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ بعض اہل نظر اس لفظ ''تصوف'' کا استعمال ہی درست نہ سمجھیں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ تصوف جس آئیڈیل سوسائٹی کی بات کرتا ہے اس کا کوئی انکار کر دے۔ یہ بتانے کی

بھی ضرورت ہے کہ تصوف ترکی کے رقص وسرود اور امریکا کی شب سرمستی کا نام نہیں ہے۔ اب یہ بات بھی واضح کرنے کی ہے کہ تصوف زندگی سے فرار کا نہیں قرار کا نام ہے۔ تصوف آدمی کو صرف اپنی زندگی جینے تک محدود نہیں کرتا بلکہ وہ ''جینے دو'' کا اصول بھی بتاتا ہے۔ وہ صرف عزت وتوقیر کا خواہش مند نہیں ہوتا، وہ فرد اور سماج کو توقیر بخشتا ہے۔ حقیقت تصوف کو رنگ برنگے کپڑوں، تسبیح کے موٹے دانوں اور تعویذ اور گنڈوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ تصوف روحانی سفر کا نام ضرور ہے لیکن وہ اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ یہ سفر صرف جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں پر طے ہو سکتا ہے۔ جب یہ حقیقت سامنے آئے گی تو پھر روحانیت کے نام پر وحدت ادیان کے جو تصورات ہیں وہ از خود مٹ جائیں گے۔ جب یہ حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی تو عصر حاضر کا پریشان حال نوجوان از خود اس چشمۂ صافی سے قریب ہو کر اپنی پیاس بجھانے لگے گا۔

....

۹/۱۱ کے بعد معاصر دنیا کی گلوبل پالیسی وہابی اسلام کی جگہ صوفی اسلام کی حوصلہ افزائی کے لیے کمر بستہ ہے۔ اس پالیسی نے تصوف سے جڑے مسلمانوں کو خوش کیا ہے۔ ان کے حوصلے بڑھے ہیں۔ وہ اب بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ لیکن یہ ظاہرہ اپنے آپ میں خوش ہونے سے زیادہ غور کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے کئی ایسے سوال ہیں جن پر سنجیدہ غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) جس عالمی نظام کو ہر مسلمان اسلام اور مسلمانوں کا دشمن سمجھتا ہے، وہ آخر آج صوفی اسلام پر اتنا مہربان کیوں ہو گیا؟

(۲) اسلام کی بڑی دو تقسیمیں اس سے پہلے ہی ہو چکی ہیں، اب صوفی اسلام اور وہابی اسلام کی طرف یہ دوسری تقسیم کیا عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ہے؟

(۳) صوفی اسلام کے نام پر دنیا جو کچھ بھی پیش کر رہی ہے، یا مسلمانوں میں جو کچھ رائج ہے، کیا وہ سب سراہے جانے کے لائق ہے اور وہ سارے ''مشاغل'' صرف اس لیے لائق تحسین ہیں کہ انہیں وہابی نہیں کرتے؟ یا صوفی اسلام کی صحیح Defenation اور تعبیر کی ضرورت ہے؟

(۴) صوفی اسلام کا نعرہ لگانا اور ان مسلمانوں کو تپانا، جن کا تعلق بظاہر صوفی اسلام سے نہیں ہے، یہ رویہ کیا صوفی فکر کے مطابق ہے؟

یہ اور اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں جو ان ارباب نظر کی توجہ کے طالب ہیں جو آج صرف اس لیے خوش ہیں کہ صوفی اسلام کو موجودہ عالمی پالیسی اچھا کہہ رہی ہے۔

ذیشان احمد مصباحی

بادۂ کہنہ

امام ابوالقاسم قشیری
ترجمہ:اظہار احمد مصباحی

صوفیہ کے اعتقادی واصولی مسائل

یقیناً مشائخ صوفیہ نے اپنے صوفیانہ قواعد کی بنیاد صحیح توحیدی اصول پر رکھی ہے جن کے ذریعہ انہوں نے اپنے عقائد کو بدعت سے محفوظ رکھا اور اسلاف اور اہل سنت کا یہ عقیدہ کہ اللہ تعالی کی ذات کی کوئی مثال نہیں اور نہ ہی اس کے صفات معطل ہیں، اس عقیدے سے قریب ہو گئے -اور انھوں نے اللہ تعالی کی معرفت کما حقہ حاصل کی اور ان قواعد کے ذریعے معدوم و موجود کی صفت کو حقیقی طور پر معلوم کیا -اسی وجہ سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قدیم کو حادث سے الگ تھلگ ماننا یہی توحید ہے- پھر صوفیہ نے عقائد کی اصول کو واضح دلائل اور روشن شواہد سے پختہ کیا -جیسا کہ ابو محمد جریری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص علم توحید کے شواہد میں سے کسی شاہد پر مطلع نہ ہوا تو اس کے تکبر کا قدم بربادی کے گڑھے میں گر پڑا -مراد اس قول سے یہ ہے کہ جس نے بھی دلائل توحید میں تامل کے بغیر تقلید کو اختیار کیا تو وہ نجات کے راستوں سے گر کر ہلاکت کی جڑ میں آپڑا اور جس شخص نے صوفیہ کے الفاظ میں غور کیا اور ان کے کلام کو دقت نظر سے دیکھا تو اس نے ان کے مجموع و متفرق اقوال میں جو پایا ان میں غور کرنے سے یہ یقین ہوتا ہے کہ صوفیہ نے اپنی منشا کے مطابق اس ذات کی تحقیق میں کوتاہی نہیں برتی اور نہ ہی اس کی طلب میں کوئی کسر چھوڑی-

اس فصل میں اصولی مسائل کے متعلق صوفیہ کے متفرق اقوال کو ہم اجمالا بیان کریں گے پھر ان شاء اللہ اس کے بعد اختصاراً ترتیب وار ان مشمولات کو ذکر کریں گے جن کی عقیدے میں ضرورت ہوا کرتی ہے-

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر شبلی کو کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی کی ذات حد بندی اور حروف بیانی سے پہلے سے موجود ہے-

حضرت شبلی کی جانب سے یہ صراحت ہے کہ اللہ تعالی کے ذات کی نہ تو کوئی حد ہے اور نہ ہی اس کے کلام کے لیے حروف ہیں-

میں نے ابو حاتم صوفی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو نصر طوسی کو کہتے ہوئے سنا کہ رویم سے اس اول فرض کے بارے میں پوچھا گیا جس کو اللہ نے اپنی مخلوق پر فرض کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اول فرض اللہ کی معرفت ہے- اللہ تعالی کے قول **و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون** کی وجہ سے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **لیعبدون** کا معنی **لیعرفون** ہے-

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلی اہم حکمت، بندہ جس کا محتاج ہوتا ہے وہ مصنوع کے ذریعے صانع کی معرفت اور حادث کا حدوث کیسے ہے، یہ معلوم کرنے کی حکمت ہے، تا کہ وہ مخلوق سے خالق کی صفت اور حادث سے قدیم کی صفت کو پہچان کر اس کے حکم کا مطیع ہو جائے اور اس کی اطاعت کے وجوب کا اعتراف کر لے- اس لیے کہ جو شخص اپنے مالک کو نہ پہچان سکے وہ اپنے آپ کو اس کی ملکیت کیسے تسلیم کر سکتا ہے؟

مجھے خبر دیا محمد بن حسین نے انھوں نے کہا کہ میں نے محمد بن عبداللہ رازی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوطیب مراغی کو کہتے ہوئے سنا کہ عقل کے لیے رہنمائی کرنا ہے، حکمت کے لیے اشارہ کرنا ہے، معرفت کے لیے شہادت دینا ہے، عقل رہنمائی کرتی ہے، حکمت اشارہ کرتی ہے ،معرفت گواہی دیتی ہے کہ عبادات میں صفائی کا حصول توحید کی صفائی کے لیے ہو سکے-

توحید جنید بغدادی کے نزدیک: حضرت جنید بغدادی سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ موحد کا اللہ کی وحدانیت کے تحقق کو اس کے کمال احدیت کے ساتھ منفرد ماننا اور یہ تصور رکھنا کہ وہ ذات تشبیہ و تصویر، تمثیل و کیفیت بیانی، اشباہ و نظائر اور اضداد کی نفی کے ساتھ ایسا واحد ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی جنا گیا- ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھنا کہ اس کے مثل کوئی شئ نہیں ہے، وہی ذات سمیع و بصیر ہے-

ہمیں خبر دیا محمد بن احمد بن محمد بن یحیٰی صوفی نے انھوں نے کہا کہ ہمیں خبر دیا عبداللہ بن تمیمی صوفی نے، وہ حکایت بیان کرتے ہیں حسین بن علی دامغانی سے، انھوں نے کہا کہ معرفت کے بارے میں ابوبکر زاہر آبادی سے پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ معرفت ایک نام ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دل کے اندر تعظیم کا ایک ایسا عنصر پایا جائے جو تمہیں اللہ کی ذات کو معطل ماننے اور اس کو کسی کے مشابہ جاننے سے روک دے -

ابوالحسن بوشنجی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تمہارا یہ جاننا کہ اللہ کے مشابہ کوئی ذات نہیں ہے اور

صفات میں اس کی نفی نہیں ہے یہی توحید ہے- ہمیں خبر دیا شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ نے انہوں نے کہا کہ میں نے محمد بن غالب سے سنا، انھوں نے کہا کہ میں نے ابو نصر احمد بن سعید اسفنجانی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ حسین بن منصور نے کہا کہ ہر چیز کو فنا لازم ہے، اس لیے قدیم صرف اسی کی ذات ہے کیوں کہ جس ذات کا ظہور جسم کے ذریعے ہو عرض اس کو لازم ہوگا اور جس ذات کا اجتماع آلات کے ذریعے ہو آلات اس کے قوام کو برقرار رکھنے والے ہوں گے، اور جس ذات کو کسی وقت نے جوڑا ہو دوسرا وقت اسے جدا کر دے گا اور جس کو کسی دوسرے نے قائم کیا ہو وہ اس دوسرے کا محتاج ہوگا اور وہم وگمان میں اگر کوئی یقینی طور پر سما جائے تو کوئی نہ کوئی تصویر اس کے ذہن میں ضرور بنے گی اور جس نے کسی محل میں پناہ لی اس کو اینیت لازم ہوگی اور جس کے لیے جنس ہو اس کا طالب کیفیت کا مالک ہوگا اور اللہ تعالی کی ذات پر نہ تو فوق سایہ فگن ہو سکتا ہے، اور نہ ہی تحت اس کو گھٹا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی حد اس کا مقابلہ کر سکتی ہے اور نہ ہی کوئی دشمن اس سے مزاحمت کر سکتا ہے اور نہ ہی آگے پیچھے کا اس پر اطلاق ہو سکتا ہے نہ ہی اس سے پہلے کوئی تھا جس نے اس کو ظاہر کیا ہو نہ ہی اس کے بعد کوئی ہے جو اس کو ختم کر سکتا ہو اور نہ ہی لفظ ''**کل**'' اس کو جمع کر سکتا ہے ، نہ لفظ ''**کان**'' نے اسے وجود بخشا، نہ لفظ ''**لیس**'' نے اس کو فنا کیا، نہ اس کے وصف کی کوئی صفت ہے، نہ اس کے فعل کی کوئی علت ہے اور نہ اس کے وجود کی کوئی انتہا ہے-

خلاصہ یہ ہے کہ وہ مخلوق کے احوال سے منزہ ہے، اس کی پیدائش میں کوئی ملاوٹ نہیں، نہ ہی اس کے فعل کے لیے مشق و تدریب ہے، اس نے اپنی صفت قدیم سے مخلوق کو جدا رکھا، جیسا کہ مخلوق نے اپنی صفت حدوث سے اس کو جدا رکھا، اگر تم سوال کرو کہ وہ کب تھا؟ تو جان لو کہ اس کا وجود وقت کے وجود سے پہلے ہے اور اگر تم اس کی ذات کے تعلق سے ''ھو'' کہو تو جان لو کہ ''ھ'' اور ''و'' دونوں اس کی مخلوق ہیں، اور اگر تم اس کے تعلق سے یہ سوال کرو کہ وہ کہاں ہے؟ تو جان لو کہ اس کا وجود مکان پہ سبقت لے جا چکا ہے- یہ جان لو کہ حروف اس کی نشانیاں ہیں، اس کا وجود خود اس کا ثبوت ہے- اس کی معرفت اس کو یکتا، جاننا ہے، اس کی توحید اس کو سب سے ممتاز ماننا ہے- مخلوق اپنے وہم وگمان میں جو بھی تصویر کشی کر لے اللہ تعالی کی ذات اس کے برخلاف ہے، جس ذات سے مخلوق کا ظہور ہوا وہ مخلوق کے مرتبہ میں کیسے اتر سکتی ہے اور جس نے انہیں وجود بخشا وہ انہیں کی طرح کیسے ہو سکتی ہے، نہ نظریں اسے غور سے دیکھ سکتی ہیں، نہ ہی وہم وگمان اس کا سامنا کر سکتے ہیں، اس کا قرب باعث عزت ہے، اس کا بعد باعث اہانت ہے، اس کی بلندی اوپر چڑھے بغیر ہے، اس کا آنا قدموں سے چلے بغیر ہے، وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے، وہی قریب ہے، وہی بعید ہے، اس کے مثل کوئی چیز نہیں، وہی

سمیع وبصیر ہے-

میں نے سنا ابو حاتم سجستانی سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو نصر طوسی سراج سے سنا، وہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ یوسف اللہ حسین سے انہوں نے کہا کہ ایک شخص ذوالنون مصری کے پاس آیا اور اس نے ان سے توحید کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالی کے لیے اشیا کی تخلیق بغیر کسی مشق وتدریب کے، اور ان میں اللہ کی قدرت بغیر کسی ملاوٹ کے مان لینے کا نام توحید ہے- ہر شئی کی علت اس کی کاریگری ہے اور اس کی کاریگری کے لیے کوئی شئی علت نہیں ہے، بلند وپست، زمین وآسمان کا مدبر صرف وہی ہے-تمہارے وہم وگمان میں جو بھی تصویر ہوا اللہ تعالی کی ذات اس سے ماورا ہے-

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ توحید یہ ہے کہ تو یہ بات مان لے اور اقرار کرلے کہ اللہ ازل سے یکتا ہے، نہ تو کوئی اس کا ثانی ہے نہ تو کوئی چیز اس جیسے افعال کرسکتی ہے-

حضرت ابوعبداللہ خفیف نے فرمایا: قلوب کا ان ساری چھپی چیزوں کو مان لینا ایمان ہے جن کا علم اللہ کو حاصل ہے-

حضرت ابوالعباس سیاری نے فرمایا کہ اللہ تعالی کی عطا کرامت اور استدراج دو طریقوں پر ہے- جس عطا کو اس نے تیرے پاس باقی رکھا یہ کرامت ہے اور جس کو اس نے زائل کردیا یہ استدراج ہے- ایسی صورت میں تم کہو کہ میں اللہ کی مشیت پر ایمان رکھنے والا ہوں، ابوالعباس سیاری شیخ وقت ہیں-

میں نے استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہوئے سنا کہ کسی شخص نے ابوعباس رحمہ اللہ کے پیر کو دبایا تو انہوں نے کہا کہ کیا تو اس پاؤں کو پامال کرتا ہے جس کو میں نے اللہ کی معصیت میں کبھی اٹھایا ہی نہیں-

مومن حقیقی کا دعوی

ابوبکر واسطی نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ میں حقیقۃً اللہ پر ایمان رکھتا ہوں تو اس سے کہا جائے کہ حقیقت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالی کی ذات ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس سے آگاہ ومطلع ہے لہٰذا ہر وہ شخص جس کے اندر ایسا یقین نہ پایا جائے اس کا حقیقی مومن باللہ ہونے کا دعوی باطل ہے، اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت نے جو یہ کہا ہے کہ مومن حقیقی کے لیے جنت کا فیصلہ ہو چکا ہے- اب اگر وہ اس سے اللہ کی حکمت کے راز کو نہ سمجھ سکے تو اس کے مومن حقیقی ہونے کا دعوی صحیح نہیں ہے- میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن عنبری سے سنا وہ کہتے ہیں کہ

میں نے سہل بن عبداللہ تستری کو کہتے ہوئے سنا کہ مومنین اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی احاطے اور بغیر اس کی انتہا کو پائے ہوئے نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں-

ابوالحسن نوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے دلوں کا مشاہدہ کیا تو حضرت محمد ﷺ کے دل سے بڑھ کر کسی دل کو اپنا مشتاق نہ پایا جس کی وجہ سے فوراً ان کو معراج میں شرف کلامی کے ساتھ دیدار کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا- میں نے امام ابوبکر محمد بن حسن بن فورک رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن محبوب خادم ابوعثمان مغربی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ ایک روز مجھ سے ابوعثمان مغربی نے کہا کہ اے محمد! اگر تم سے کوئی پوچھے کہ تمہارا معبود کہاں ہے؟ تو تم اسے کیا جواب دوگے؟ امام محمد نے عرض کیا: میں جواب دوں گا کہ وہ ازل سے ہے پھر ابوعثمان نے کہا کہ اگر وہ تم سے سوال کرے کہ ازل سے وہ کہاں تھا؟ تو تم اسے کیا جواب دوگے؟ امام محمد نے کہا کہ میں جواب دوں گا کہ جہاں وہ اب ہے-یعنی بغیر مکان کے وہ جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے-امام محمد فرماتے ہیں کہ ابوعثمان نے اس قول سے خوش ہوکر اپنی قمیص مجھے نکال کردے دی-

اللہ تعالی خاص جہت سے پاک ہے: میں نے ابوبکر بن فورک رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہتے ہیں میں نے ابوعثمان مغربی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں اللہ تعالی کے لیے جہت کا معتقد تھا لیکن جب بغداد آیا تو وہ عقیدہ زائل ہوگیا، اس پر میں نے اپنے مکی دوستوں کے پاس لکھ بھیجا کہ اس وقت میں نے نئے طریقے سے اسلام قبول کرلیا ہے-

میں نے محمد بن حسین سلمی رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہتے ہیں میں نے ابوعثمان مغربی سے کہتے ہوئے اس وقت سنا، جب کہ ان سے مخلوق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ مخلوق کچھ سانچے اور تصویریں ہیں جن پر قدرت کے احکام چلتے ہیں-

افعال کا خالق اللہ تعالی ہے: امام واسطی نے کہا کہ جیسے ارواح واجساد خود سے نہیں بلکہ اللہ کی ذات سے قائم وظاہر ہیں، اسی طرح احساسات وحرکات بھی خود سے نہیں بلکہ اللہ تعالی کی ذات سے قائم وظاہر ہیں- اس لیے کہ احساسات وحرکات، ارواح واجساد ہی کی شاخ ہیں- اس سے یہ بھی صراحت ہوگئی کہ بندوں کے کسب بھی اللہ کی مخلوق ہیں جیسے کہ جواہر کا خالق صرف اللہ ہے اسی طرح سے اعراض کا بھی خالق صرف اللہ ہے-

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن عبداللہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر صیدلانی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خزاز سے کہتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ وہ صرف کوشش سے مقصد کو پالے گا تو اس نے امید دراز رکھی اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ بغیر کوشش کے وہ مقصد کو پالے گا تو اس نے صرف تمنا رکھی-امام واسطی نے کہا

کہ مقامات چند طرح کے ہیں جو درجہ بند ہیں اور جاری شدہ صفات ہیں تو تم ان سب چیزوں کو کوششوں سے کیسے پا سکتے ہو؟

امام واسطی سے کفر للہ یا کفر باللہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ کفر اور، ایمان، دنیا اور آخرت سب اللہ سے، اللہ ہی کی طرف، اللہ ہی کے ذریعے، اللہ ہی کے لیے ہیں- ان کی ایجاد وابتدا اللہ سے ہے اور ان کا مرجع وانتہا اللہ ہی کی طرف ہے- ان کی فنا وبقا اللہ کے ذریعے، ان کی تخلیق وملکیت اللہ ہی کے لیے ہے- حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ بعض علما سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ توحید یقین ہے پھر سائل نے پوچھا کہ یقین کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ مخلوق کے حرکات وسکنات فعل الٰہی ہیں- اسی کے جاننے کا نام یقین ہے- اگر تم نے اس کو جان لیا تو یقیناً تم نے اس کی توحید کو مان لیا-

میں نے محمد بن حسین رحمہ اللہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالواحد بن علی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن قاسم سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن موسیٰ واسطی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسین جوہری سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ذوالنون مصری کو یہ کہتے ہوئے اس وقت سنا جب کہ ان کے پاس ایک آدمی نے آکر یہ کہا کہ آپ اللہ سے میرے لیے دعا کر دیجیے تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم نے علم غیب الٰہی کی تائید صداقت توحید کے یقین کے ساتھ کی ہے تو کتنی مقبول دعائیں تمہارے لیے ہو چکی ہیں اور اگر تم نے اس کی تائید نہیں کی ہے تو ہلاک ہونے والے کو کوئی دعا نہیں بچا سکتی-

امام واسطی نے کہا کہ فرعون نے علی الاعلان ربوبیت کا دعوی کیا اور معتزلہ نے یہ قول کر کے کہ ''بندہ جو چاہتا ہے کرتا ہے'' باطناً ربوبیت کا دعوی کیا-

ابوالحسن نوری نے توحید کے بارے میں فرمایا کہ ہر وہ خیال جس سے تشبیہ کے احساسات واوہام مزاحمت نہ کریں اور ہر طرح کا حس اسی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہو یہی توحید ہے-

ہمیں خبر دیا ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ نے انہوں نے کہا کہ میں نے عبدالواحد بن بکر سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ہلال بن احمد سے سنا وہ کہتے ہیں کہ ابوعلی رودباری سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ذات الٰہی کو کسی کے مشابہ قرار دینے کے انکار اور اس کی صفات کے عدم تعطل کے اثبات پر دل کا استقامت حاصل کر لینا یہی توحید ہے اور دوسرے لفظوں میں توحید کی مختصر تعریف یہ ہے کہ اوہام وافکار جن کی تصویر کشی کرتے ہیں اللہ تعالی ان ساری چیزوں کے برخلاف ہے، اس کے قول **لیس کمثله شئ وهو السميع البصير** کی وجہ سے-

صفات باری تعالی باقی ودائم ہیں: ابوالقاسم نصر آبادی نے کہا کہ جنت اس کے باقی رکھنے

سے باقی ہے اور تمہارے اندر اس کا ذکر، اس کی رحمت ومحبت اور اس کے باقی رکھنے سے ہے، تو جو کسی کے باقی رکھنے سے باقی ہو اور جو خود سے باقی ہو دونوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے اور شیخ نصر آبادی نے جو قول کیا ہے یہی غایت تحقیق ہے کیوں کہ اہل حق نے کہا کہ اللہ تعالی کی صفات اس کے باقی رکھنے سے ہیں- اب اس مسئلہ پر تنبیہ اور اس کا بیان ہو گیا کہ جو ذات باقی ہے وہ خود اپنے باقی رکھنے سے ہے، برخلاف اس قول کے جس کا مخالفین اہل حق نے حق کی مخالفت میں کیا ہے-

ہمیں خبر دیا محمد بن حسین نے انہوں نے کہا کہ میں نے نصر آبادی کو کہتے ہوئے سنا کہ تم صفات فعل اور صفات ذات کے درمیان مشکوک ہو جب کہ یہ دونوں حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں- جب تمہیں وہ مقام تفرقہ میں بھٹکا دیتا ہے تو تجھے فعل کی صفتوں کے ساتھ ملا دیتا ہے اور جب تمہیں وہ مقام جمع میں پہنچا دیتا تو وہ اپنی ذات کی صفتوں کے ساتھ ملا دیتا ہے- ابوالقاسم نصر آبادی شیخ وقت ہیں-

میں نے استاذ امام ابواسحٰق اسفرائینی رحمہ اللہ سے کہتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ بغداد میں آمد کے بعد نیشاپور کی ایک مجلس میں مسئلہ روح پر میں درس دے رہا تھا اور یہ تشریح کر رہا تھا کہ روح اللہ کی مخلوق ہے اور ابوالقاسم نصر آبادی ہم سے تھوڑی دور پر کھڑے ہو کر غور سے ہماری بات سن رہے تھے پھر چند دنوں کے بعد ایک روز ہمارے پاس سے گزرے تو محمد فرا سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تم گواہ رہنا یقیناً میں نے اس شخص کے ہاتھ پر نئے طریقے سے اسلام قبول کیا-

میں نے محمد بن حسین سلمی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحسین فارسی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم ابن فاتک سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جنید بغدادی کو کہتے ہوئے سنا کہ شکل وشباہت والا بغیر شکل وشباہت والے سے کیسے مل سکتا ہے؟ افسوس ہے اس عجیب وہم وگمان پر، اللہ کے لطف وکرم کے بغیر ایسا ممکن ہی نہیں ہے- ہاں اگر اس کا لطف وکرم ہو جائے تو کوئی بعید بھی نہیں ہے، کیوں کہ وہاں نہ ادراک ہے نہ وہم اور نہ احاطہ بلکہ وہاں اللہ کی طرف سے یقین کا اشارہ اور ایمان کی تحقیق کے سوا کچھ نہیں-

ہمیں خبر دیا محمد بن حسین رحمہ اللہ نے، انہوں نے کہا کہ میں نے عبدالواحد بن بکر سے سنا وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا احمد بن محمد علی بردعی نے، انہوں نے کہا کہ ہم سے بیان کیا طاہر بن اسمعٰیل رازی نے، انہوں نے کہا کہ یحیٰی بن معاذ سے کہا گیا کہ مجھے اللہ عزوجل کے بارے میں بتائیے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ معبود واحد ہے- پھر ان سے پوچھا گیا کہ وہ کیسا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ قادر ہے، پھر پوچھا گیا کہ وہ کہاں ہے؟ تو جواب دیا کہ گھات میں ہے پھر سائل نے کہا کہ

میں آپ سے اس بارے میں نہیں پوچھ رہا ہوں، اس پر انھوں نے فرمایا کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مخلوق کی صفت ہے، رہی اللہ کی صفت تو وہ وہی ہے جس کی میں نے تمہیں خبر دی ہے۔

ہمیں بتایا محمد بن حسین نے انہوں نے کہا کہ میں نے ابوبکر رازی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعلی رودباری کو کہتے ہوئے سنا کہ جہل کے ساتھ وہم کرنے والا جو بھی وہم کرے کہ اللہ کی ذات ایسی ہے تو عقل اللہ کے تعلق سے اس کے برخلاف دلالت کرتی ہے۔

مع کے معنی: ابن شاہین نے جنید سے معنی ''مع'' کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ مع دو معنوں میں مستعمل ہے (۱) انبیا کے ساتھ نصرت وحفاظت کے معنی میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **اننی معکما اسمع واری**۔ ترجمہ: میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سنتا ہوں اور دیکھتا بھی ہوں (۲) عوام کے ساتھ علم اور احاطے کے معنی میں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **مایکون من نجوی ثلاثة الا هو رابعهم**۔ ترجمہ: تین لوگوں کی سرگوشی میں چوتھا اللہ ہوتا ہے اس پر ابن شاہین نے کہا کہ امت کو اللہ کی ذات پر باخبر کرانے کے آپ ہی جیسے لوگ حق دار ہیں۔

استواء علی العرش کے متعلق ذوالنون مصری کا قول: حضرت ذوالنون مصری سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان **الرحمن علی العرش استوی** کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا ثبوت دیا ہے اور اپنے مکان کی نفی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اشیا اس کے حکم سے ہیں جیسا اس نے چاہا ویسے ہی موجود ہیں۔

شبلی کا قول: شبلی سے اللہ تعالیٰ کے قول **الرحمن علی العرش استوی** کے تعلق سے پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ رحمٰن ہمیشہ سے ہے اور عرش حادث، رحمٰن کے ذریعہ قائم ہے۔

جعفر ابن نصیر کا قول: جعفر بن نصیر سے اللہ تعالیٰ کے قول **الرحمن علی العرش استویٰ** کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ اس کا علم ہر چیز کے متعلق یکساں ہے اور کوئی چیز کسی چیز سے زیادہ اس کے قریب نہیں ہے۔

امام جعفر صادق کا قول: حضرت امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں، یا کسی چیز سے یا کسی چیز پر ہے تو یقیناً اس نے شرک کیا۔ اس لیے کہ اگر وہ کسی چیز پر ہوگا تو وہ محمول ہوگا اور اگر وہ کسی چیز میں ہوگا تو محصور ہوگا اور اگر کسی چیز سے ہوگا تو حادث ہوگا۔

امام جعفر صادق کا ایک اور قول: نیز حضرت جعفر صادق ہی نے اللہ تعالیٰ کے قول **ثم دنا فتدلی** کے تعلق سے فرمایا کہ جس شخص نے یہ گمان رکھا کہ اللہ تعالیٰ بذات خود قریب ہوا تو اس نے اس کے لیے مسافت متعین کر دی، یقیناً قرب خداوندی تو یہی ہے کہ جس قدر کوئی ذات اس سے قریب

ہوئی، اسی قدر وہ ان کو انواع معارف سے دور کرتا گیا کیونکہ اس ذات کے لیے قرب وبعد نہیں ہے۔

میں نے استاذ ابوعلی کی ایک تحریر دیکھی جس میں یہ پوچھا گیا تھا کہ اللہ کہاں ہے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے تم آنکھ سے اس کو تلاش کر رہے ہو کہ وہ کہاں ہے؟

ہمیں خبر دی شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی، نے انہوں نے کہا کہ میں نے ابوالعباس ابن الخشاب بغدادی سے سنا، وہ کہتے ہیں میں نے ابوالقاسم ابن موسی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن احمد سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے انصاری سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے خزار کو کہتے ہوئے سنا کہ دل سے اشیا کے احساس کا خاتمہ کر کے دل کا اللہ کی طرف سکون پا جانا یہی قرب کی حقیقت ہے۔

قرآن غیر مخلوق ہے: میں نے محمد بن حسین سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی حافظ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابومعاذ قزوینی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعلی دلال سے سنا، وہ کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ بن قہرمان سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم ابن خواص کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ ایک شخص کے پاس ایسی حالت میں آئے کہ شیطان اسے زمین پر گرا کر دبوچے ہوئے تھا جس کی وجہ سے میں اس کے کان میں اذان دینے لگا۔ تب شیطان نے اس کے پیٹ سے مجھے آواز دی کہ ابراہیم بن خواص مجھے چھوڑ دو، آج میں اسے قتل کر کے چھوڑوں گا کیوں کہ یہ کہتا ہے کہ قران مخلوق ہے۔

ابن عطا نے کہا کہ جب اللہ تعالی نے حروف کو پیدا کیا تو اس میں کچھ اسرار ورموز چھپا دیے اور فرشتوں کو باخبر کیے بغیر تخلیق آدم کے بعد یہ سارے اسرار ورموز اللہ تعالیٰ نے آدم کو عطا کر دیے، یہی وجہ ہے کہ مختلف چلن کے ساتھ ساری زبانیں لسان آدم ہی پر جاری ہوئیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان زبانوں کے لیے کچھ مخصوص صورتیں بنا دیں۔ ابن عطا نے اس قول کی صراحت یہ کی ہے کہ حروف مخلوق ہیں۔ اور سہل بن عبداللہ نے کہا کہ حروف فعل کی زبان ہیں نہ کہ ذات کی زبان ہیں اس لیے کہ یہ حروف مفعول کے اندر فعل کا نتیجہ ہیں اس پر انہوں نے کہا کہ یہ بھی اس بات کی صراحت ہے کہ حروف مخلوق ہیں۔

حضرت جنید بغدادی نے شامیوں کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دل کے عمل کا نام توکل ہے اور دل کے قول کا نام توحید ہے اور فرماتے ہیں کہ اہل اصول نے بھی کلام کی یہی تعریف کی ہے کہ امر ونہی خبر واستخبار کا معنی جو دل میں قائم ہو، اسی معنی کا نام کلام ہے۔ شامیوں کے ایک اور استفتا کے جواب میں حضرت جنید بغدادی نے یہ بھی فرمایا کہ علم غیب کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کی ذات بالکل منفرد ہے، وہی ذات جانتی ہے جو ہوا اور جو کچھ ہوگا اور جو نہیں ہوگا اور یہ بات بھی وہ ذات جانتی ہے کہ جو ہوا وہ کیسے ہوا یا کیسے ہوگا۔

حسین بن منصور نے کہا کہ جو شخص حقیقت توحید کو پہچان لے اس سے کیوں؟ اور کیسے؟ کا لفظ ہی ادا نہیں ہو سکتا۔

ہمیں خبر دی محمد بن حسین نے، انہوں نے کہا کہ میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جعفر بن محمد سے سنا وہ کہتے ہیں کہ حضرت جنید نے فرمایا کہ سب سے اشرف واعلیٰ مجلس میدان توحید میں غور وخوض کرنے کے لیے بیٹھنا ہے۔

امام واسطی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روح سے عظیم کسی چیز کو نہیں بنایا جس سے صراحت ہوگی کہ روح مخلوق ہے۔

استاذ امام زین الاسلام ابوالقاسم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل حق نے اصولی مسائل میں جو اقوال پیش کیے ہیں، یہ ساری حکایتیں اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ مشائخ صوفیہ کے عقیدے بھی انہیں اقوال کے موافق ہیں۔ چوں کہ ہماری اولین ترجیح ایجاز واختصار ہے کہیں ہم اپنی اس حد سے تجاوز نہ کر جائیں اس خوف سے ہم نے اتنی ہی مقدار پہ اکتفا کر لیا۔ (**الرسالۃ القشیریۃ فی بیان اعتقاد ھذہ الطائفہ فی مسائل الاصول**)

○○○

روایت: شیخ عبد الحق محدث دہلوی
ترجمہ: مولانا محمد فاضل

خواجہ ابوسعید ابوالخیر کا خط ابن سینا کے نام

حضرت سلطان الاولیا خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے شیخ الرئیس ابوعلی بن سینا کو ایک خط لکھ کر دریافت کیا کہ وہ کون سا راستہ ہے جس سے سالک کوچۂ معرفت میں قدم رکھے اور عارف کے دل پر نور حقیقت ظاہر ہو جائے اور اس کا آئینہ دل ماسوا کی کدورت کے زنگ سے صاف وشفاف ہو جائے۔ ابن سینا نے بھی شیخ کو جو جواب دیا وہ حسن ادب اور وسعت نظر کا شہکار ہے۔ یہ خط عربی زبان میں ہیں۔ مکتوب اور مکتوب کے جواب کا متن کچھ اختلاف کے ساتھ منقول ہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں ان کا فارسی ترجمہ نقل کیا ہے۔ حضرت شیخ کے مکتوبات کے حوالے سے ہی ان کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

اے صاحب علم! حق تعالیٰ آپ کو صلاح ظاہر وباطن کی توفیق اور سعادت آخرت کی نعمت عطا فرمائے، یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ راہ راست صرف ایک ہے اور میں اسے یقین سے جانتا ہوں کہ شک وشبہ کے خس وخاشاک اس راہ سے دور ہیں۔ لیکن ایک طریق سے بھی ظنون وشکوک کی مختلف وادیاں نکل آتی ہیں کہ سالک کو اگرچہ اس میں شک نہیں ہوتا لیکن تحیر وتذبذب سے بھی خالی نہیں ہوتا۔ اور اس میں شک نہیں ہوتا اور میں ہر سالک طریق سے طلب راہ کرتا ہوں تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون سی راہ مقصود تک پہنچتی اور جمال مقصود حقیقی دکھاتی ہے۔ اس امید پر کہ شاید حق تعالیٰ اسی تحقیق وتصدیق کے طفیل حقیقت حال واضح فرما دے اور قلب کے سامنے مقصود کے دروازے کھول دے، اور آپ کو اے صاحب فضل وکمال علم! معقول کی توفیق دی گئی ہے اور اسی طریق میں آپ مشہور بھی ہیں آپ نے کیا پایا، اور بتائیے کہ آپ کہاں تک پہنچے ہیں۔ یہ بھی خیال

رہے کہ ترہب وتعرف کے ابتدائی حال میں تذبذب اور تردد لازم ہے جس سے اولاً طالب کے کاموں میں قلق واضطراب پیدا ہوتا ہے پھر جمعیت خاطر اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے- اور جو شخص زہد وانزوا کے راستہ سے سلوک طے کرتا ہے وہ بے شک منزل پر پہنچ جاتا ہے اور اس نسبت کا حصول معمولی مجاہدہ اور ریاضت سے بہت آسان ہے، لیکن اگر عقل کے سپرد معاملہ رہے تو بہت دشوار ہے **واللّٰہ ولی التوفیق** -

شیخ بوعلی ابن سینا نے اس کے جواب میں جو مکتوب تحریر فرمایا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے-

جناب والا کا مکتوب گرامی وصول ہوا- اس سے آپ پر اللہ تعالی کے الطاف وانعامات، ہدایت وتوفیق اور حبل متین کے ساتھ اعتصام معلوم ہوا اور اسی سے بارگاہ عزت میں داعیہ اقبال وتقرب، اللہ جل شانہ کی طرف توجہ، سلوک طریقت میں استواری، ویران دنیا کے غبار تعلقات سے قلب کی صفائی اور نفس وطبیعت کے مقذورات سے تنزہ کامل مفہوم ہو رہا ہے- مکتوب گرامی عزیز ترین ہے- اس کے اندر کا مضمون مسرت افزا اور اس کے آسمان معرفت کا طلوع شدہ ستارہ بے انتہا سعد ہے- اسے میں نے پڑھا اور سمجھا اور اس کے حقائق ومعانی میں غور وفکر کیا- اولا اللہ رب العزت کی حمد وثنا کی جس نے عقل عطا فرمائی اور عدل کو نافذ فرمایا اور اس کی بے حد وبے حساب نعمتوں کا شکر زبان سے ادا کیا اور مزید توفیق وہدایت ودرایت کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، اللہ تعالی میرے قدم صدق کو جادۂ طریقت پر ثابت رکھے اور اپنے ماسوا کی طرف التفات کرنے سے محفوظ فرمائے کہ اس سے بڑی لغزشیں پیدا ہوتی ہیں- وہ پروردگار جو بے کسوں کا سہارا اور مشکلات کا آسان فرمانے والا ہے، تمام امور کی تدبیر اسی کے علم سے اور تمام کائنات کی تقدیر اسی کے حکم سے ہوتی ہے- نہ آسمان وزمین کا کوئی ذرہ اس کے حیطہ علم سے خارج اور نہ بسط حرکت اور قبض سکون اس کے قبضہ قدرت سے باہر- وجود خیر اس کی رضا وامر سے ہے اور وقوع شر اس کی قضا وقدر سے- تمام حوادث اسی کی بارگاہ سے نازل ہوتے ہیں اور تمام امور اسی کی طرف راجع ہیں- اس کا امر ایک ہے لیکن شانیں کثیر- **ماامرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر** یعنی اس کا حکم تو صرف ایک ہے، پلک جھپکنے کی طرح، ہر امر اسی سے متفرع ہے اور ہر حادث اسی کی طرف منتہی- امر ملکوت اور سر جبروت کا یہی تقاضا ہے اور یہ امر وسر بہت عظیم ہے- سمجھا جس نے سمجھا اور نہ سمجھا جس نے کوشش نہ کی- سعید ازل سے ہوتا ہے اور شقی بھی ازل سے، نہ کسی میں طاقت کہ پوچھ سکے یہ کیوں کیا اور نہ کسی کو مجال کہ کہے کیا کر رہا ہے- **لایسئل عما یفعل وھم یسئلون** وہ کتنا خوش بخت ہے جس پر آخرت کا سودا سوار ہو گیا اور فانی کے عوض میں باقی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا-

اس عقل مند پر بڑا تعجب ہے جو اس دنیا کے عدم ووجود، رد وقبول، رنج وراحت اور غم وشادی

کو برابر نہ سمجھے، خواہشات دنیا کا حصول حرص وشہوت ہی کو زیادہ کرتا ہے اور اس کے انتفاع سے سیری حاصل نہیں ہوتی، اس سے مطلوب کا حاصل کرنا خیال ہی خیال اور اس کے محبوب کا وصل محال ہی محال ہے- اس کے کمال کو زوال لازم اور تمام احوال میں اس کا زوال ضروری ہے- اس کی تکلیف بھی بے انتہا ردی اور اس کی لذت بھی بے انتہا قبیح- اس کی صحت مکمل بیماری اور اس کی محبت عین گرفتاری ہے-

جس چیز کو دنیا میں سلامت سمجھا گیا ہے وہ بھوک مٹانے کی حاجت، ستر پوشی کی ضرورت اور وہ چند قطرات منی ہیں جو مباشرت کے وقت جسم سے نکلتے ہیں، اور اسے ہی تو تمام لذتوں کی جڑ سمجھتا ہے- خدا کی قسم دنیا کے ساتھ مشغولیت بے وقوف اور نفع سے بے خبر شخص رکھتا ہے اور اس میں تصرف مخبوط الحواس اور دیوانہ کرتا ہے- یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ مخلوق کے اختلاط سے تو گریز ہو اور اجانب واغیار کے ساتھ خلوت خانہ میں نشست ہو، عمر رفتہ کی فریاد کرے اور عشق کہنہ کو جدید اور نیا سمجھے، حدوث کو دیکھ کر ازل الآزال کا مطالعہ کرنے لگے اور ممارست فنا سے ابدالآباد کا منظر کھینچنے لگے- حتی کہ وہاں پہنچ جائے جہاں لذت در لذت اور کمال در کمال ہے- وہاں وہ آب زلال ہے کہ جتنا سیراب ہو گے اتنی ہی خوش گواری ہو گی، اور وہ رزق ہے کہ جتنی سیری حاصل کرو گے اتنی ہی لذت پاؤ گے- اس کی سیرابی وہ سیرابی نہیں کہ طبیعت کو ناگوار ہونے لگے اور اس کی سیری وہ سیری نہیں کہ بغیر لذت کے ذائقہ ہو جائے- اللہ تعالی ہماری بصیرت سے غفلت کے پردے، قلوب سے قساوت کے پردے، عقل سے اسباب حیرت اور نفوس سے اسباب حسرت دور فرمائے، اور تہذیب اخلاق وتکمیل اوصاف کی توفیق عنایت فرمائے، سلوک طریقت آسان فرمائے اور اس مکار، دھوکہ باز اور فریب دہ دنیا سے جو بظاہر لطف ومہربانی اور بباطن عداوت جانی کرتی ہے اور صورۃً ملاپ لیکن حقیقۃً جدائی ڈالتی ہے محظوظ رکھے، اور سلوک طریقت میں آپ کو ہمارا مقتدا اور امام بنائے اور جس مقام پر آپ پہنچے ہیں، آپ کے اتباع کی برکت سے ہمیں بھی اس مقام پر پہنچائے- (آمین)

جناب شیخ نے مجھ حقیر سے جو نصیحت ورہنمائی کے لیے فرمایا ہے اور اس درد کی دوا مجھ سے پوچھی ہے، یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی آنکھوں والا کسی اندھے سے راستہ معلوم کرے یا کوئی کانوں والا بہرے سے کوئی بات پوچھے- مجھ میں کہاں صلاحیت کہ آپ جیسے بزرگ کو نصیحت کے لیے زبان کھولوں، اور آپ کی اصلاح ورشد کے جواب کے ساتھ خطاب کر سکوں، طریقہ نجات کو بتا سکوں یا منزل مقصود کی طرف رہنمائی کر سکوں-

لیکن اعتراف تقصیر واقرار جہالت کے باوجود حق بات کہنے سے گریز نہیں اور بیان حقیقت

ناچار ہے،لہذا تمہارا اعتبار اول وآخر، ظاہر و باطن خدائے عزوجل ہو، اور چشم دل اسی کے مشاہدہ کے سرمہ سے سرمگیں، اور ملکوت اعلی اور آیات کبری جو اس مقام میں رکھی ہوئی ہیں ان کی طرف دیکھنے والی ہو-اس کے بعد یہ مشاہدہ ہو کہ ہر چیز میں اسی کی تجلیات ہیں اور ہر چیز کا ظہور اسی سے ہے:

ففی کل شیء لہ آیۃ تدل علی انہ واحد

(یعنی ہر چیز میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ وہ یکتا ہے)اور جب یہ حالت اس کی طبیعت بن جائے تو نگینۂ دل پر عالم ملکوت کی صورتیں منقش ہوں گی اور آئینۂ قلب پر تقدس لاہوت کی جلوہ ریزی ہوگی، سکینہ اور وقار کا اس پر فیضان ہوگا اور طمانیت وقرار اس میں پیدا ہوگا، دنیا اور اہل دنیا کو صرف نظر رحمت سے دیکھے گا، نعمت پروردگار کی شکرگزاری ان کو بخشے گا، جس مقام پر وہ خود ہے ان کو بھی اس کا طلب گار بنائے گا اور مواعید ومواثیق رحمت کو بیان کر کے ان کے جذبات میں شوق پیدا کر دے گا-اسے ہر حال میں لذت در لذت اور مسرت حاصل ہوگی-اپنی لذت سے لطف اندوز اور اپنی مسرت سے خوش ہوگا-لوگوں کے ساتھ ہوگا بغیر لوگوں کے، ہر جگہ ہوگا بغیر ہر جگہ کے-مخلوق اس پر تعجب کرے گی اور وہ مخلوق پر ان سے بھی زیادہ-مخلوق اس کے معاملہ میں حیران ہوگی اور وہ ان سے بھی زیادہ ان میں حیران-

خوب یاد رکھو کہ افضل ترین حرکت نماز ہے لیکن بوصف مراقبہ-اور بہترین سکون روزہ ہے لیکن حفظ مراتب کے ساتھ، نافع ترین نیکی صدقہ اور مخلوق کے ساتھ احسان کرنا ہے اور کامل ترین طریقہ مصائب وشدائد پر صبر وتحمل کرنا ہے، اور جب تک نفس قیل وقال کی طرف ملتفت ہے اور مناقشہ وجدال اور تاثر وانفعال کی مختلف صورتوں میں باقی ہے تو طبیعت کی کثافت اور کدورت سے صاف ہونا محال ہے، بہترین عمل وہ ہے جو مقام نیت سے صادر ہوا اور بہترین نیت وہ ہے جو حلم ومعرفت سے پیدا ہو-تمام فضائل کی، اصل حکمت ہے اور سب سے مقدم معرفت الہی ہے ،کلمات طیبہ کا صعود خدا کی طرف ہے اور اس کی رفعت کا سبب، عمل صالح-یہ تھی میری عرض داشت، خدائے تعالی سے میں بخشش کا طلب گار ہوں اور ہدایت وکفایت اسی سے طلب کرتا ہوں ،اور اسی کی قربت کا خواہاں ہوں-**انہ سمیع مجیب**-

شیخ بوعلی سینا کے مکتوب کا جو شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمہ اللہ کے نام ہے اسی مضمون کی ایک دوسری نقل اور بھی ہے-کہتے ہیں کہ شیخ نے ابوعلی سینا کو تحریر کیا کہ ''مجھے ایسی دلیل جو رہنمائی کرے اور پردہ غفلت کو چاک کر دے تحریر کیجئے''ابوعلی سینا نے جواب دیا کہ ''دلیل یہ ہے کہ ایمان مجازی کو چھوڑ کر کفر حقیقی میں داخل ہو جاؤ اور موالید ثلاثہ کے ماورا جو چیز ہے صرف اسی کی طرف التفات رکھو، بلکہ اپنا اشتغال باطن ماسوائے عوالم ثلاثہ کے ساتھ رکھو جو ناسوت ،ملکوت اور جبروت ہیں مگر

ذات محض کے مرتبہ میں جو لاہوت محض اور وحدت مطلقہ ہے-واللہ اعلم-روایت ہے کہ شیخ نے اس کے جواب میں یہ لکھا کہ مجھے ان کلمات واشارات نے اس مقام پر پہنچا دیا جہاں چار ہزار سال کی عبادت سے بھی نہ پہنچتا-**واللہ اعلم**-

یہ حکایت غرابت سے خالی نہیں-اسی وجہ سے عین القضاۃ ہمدانی نے فرمایا کہ ابوعلی سینا جو راہ سے ہٹے ہوئے محض ایک طبیب تھے وہ اس مقام پر کہاں کہ ابوسعید کو ایسا لکھے اور اس کے جواب میں ابوسعید یہ لکھیں کہ ان کلمات سے اس مقام پر پہنچ گیا کہ چار ہزار سال کی عبادت سے بھی نہ پہنچتا،لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ابوسعید نے ان کلمات کا ذائقہ محسوس کر لیا ورنہ ابوعلی جیسے کو سنگسار ہونا پڑتا-

ایک اور حکایت بھی ملفوظات مشائخ چشتیہ میں مذکور ہے کہ ابوعلی نے ایک شخص کو جاسوس بنا کر شیخ کی مجلس میں بھیجا کہ جناب شیخ پس پشت انہیں کس عنوان سے ذکر کرتے ہیں اور ان کے حق میں شیخ کا کیا نظریہ ہے، ایک روز اس شخص نے شیخ سے دریافت کیا کہ ابوعلی کے بارے میں کیا خیال ہے اور وہ کس مقام پر ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ طبیب فاضل اور دانشمند انسان ہے لیکن مکارم اخلاق اس میں نہیں ہیں-ابوعلی کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو شیخ سے اس کی شکایت کی اور لکھا کہ میں نے اتنی کثیر کتابیں مکارم اخلاق میں تصنیف کی ہیں، لیکن پھر بھی شیخ فرماتے ہیں کہ ہیں مکارم مجھ میں نہیں ہیں-شیخ نے جواب دیا کہ میں نے یہ کب کہا ہے کہ مکارم اخلاق نہیں جانتا میں نے تو یہ کہا ہے کہ مکارم اخلاق اس میں موجود نہیں-

(مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی مکتوب نمبر ۱۱،نور پبلی شنگ ہاؤس فراش خانہ دہلی ۱۹۹۰ء)

○○○

تذکیر

افادات:شیخ ابو سعید احسان اللہ صفوی
ترتیب:مجیب الرحمٰن علیمی

فقیہ، متکلم اور صوفی کے درجات

اسلام کا تعلق ظاہری و بدنی اعمال سے ہے، ایمان کا تعلق قلبی تصدیق سے، احسان جس کو ہم آج کی اصطلاح میں تصوف بھی کہتے ہیں، ان دونوں یعنی اسلام و ایمان کے کمال کا نام ہے۔

اسلام و ایمان کی خوب صورتی اور اس کا حسن احسان ہے۔حسن اور احسان کا مادہ بھی ایک ہے۔ اسلامیات یعنی ظاہری اعمال و افعال دوسرے الفاظ میں شرعی قوانین سے تعلق رکھنے والے اور ان کی حفاظت میں سرگرداں رہنے والوں کو فقہاے اسلام کہتے ہیں اور قلبی افعال یعنی ایمانیات سے متعلق مسائل سے بحث کرنے والوں کو متکلمین وائمہ عقائد کہتے ہیں اور ان دونوں کی حفاظت وپیروی کرتے ہوئے بغض وحسد، کینہ وعداوت، غیبت و چغل خوری سے بچتے ہوئے حسن خلق کا مظاہرہ کر کے اسلام و ایمان میں حسن پیدا کرنے والوں کو صوفیہ کہتے ہیں۔

چوں کہ احسان نام ہے اسلام و ایمان کے غایت کمال کا۔اس لیے اگر کوئی مسلم اور مومن نہ ہو تو وہ صوفی ہو ہی نہیں سکتا بلکہ مومن کا متقی ہونا احسان تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ فقیہ نام ہے محافظ قوانین اسلامی کا، وہ ظاہر کا نگراں اور عاقل ناقل ہوتا ہے اور متکلم وہ ہے جو افعال قلبیہ سے بحث کرتا ہے یعنی وہ عاقل باحث ہوتا ہے اور رہا صوفی تو وہ عاقل و باحث ہونے کے ساتھ شاہد بھی ہوتا ہے۔فقیہ نقل سے نتیجہ اخذ کرتا ہے، متکلم بحث کے بعد نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور صوفی مشاہدہ کے بعد کلام کرتا ہے۔(یہاں حقیقی صوفی کی گفتگو چل رہی ہے) یہی وجہ ہے کہ فقیہ کا درجہ عام اہل علم سے اعلیٰ ہے اور متکلم کا مرتبہ فقیہ سے بڑھ کر ہے جب کہ صوفی ان دونوں سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے بلکہ اسلامی علوم وفنون کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والا مثلاً محدث، فقیہ، متکلم، مفسر وغیرہم کوئی بھی صوفی کے ہم سرو برابر نہیں ہو سکتا۔

اس کے باوجود اہل علم کو معلوم ہے کہ علمائے ناقدین نے صوفیہ پر خوب نقد کیا ہے- نقد کوئی عیب نہیں ہے- نقد کا معنی غالباً کریدنا ہوتا ہے- اگر کوئی کرید کرے اور مقصد درست ہو تو ایسا نقد باعث اجر وثواب ہے، مثلاً انسان زمین کو کریدتا ہے تاکہ زمین کے بطن سے صاف وشفاف پانی کا چشمہ دریافت کرے- مرغی زمین پر پڑے ہوئے کچڑوں اور گندگی کو کریدتی ہے تاکہ اس سے اپنے اور اپنے بچوں کے لیے خوراک حاصل کرے-

کوئی نقد کرے اور مقصد ہو کہ کسی کو ذلیل وخوار کیا جائے تو ایسا ناقد نقصان اور خسارہ میں ہے، ہاں مگر کسی کی نیت کا علم دوسرے کو نہیں، علیم بذات الصدور صرف اللہ ہے- ناقد کو خود اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ وہ اس وقت کس حالت سے گزر رہا ہے-

بعض اوقات ناقد صرف اس لیے نقد کرتا ہے کہ امت کو آنے والے ممکنہ فتنوں سے بچایا جائے- اگر نقد نہ کیا گیا تو فتنہ کا دروازہ وا ہو جائے گا، جب کہ وہ جانتا ہے کہ بات درست ہے، مگر روایت جو عند الشرع اور عند الناس معتبر ہے اس سے وہ بات ثابت نہیں ہے، اس لیے نقد کیا جائے گا- مثلاً صوفیہ کی محبوب احادیث میں سے ایک حدیث **الفقر فخری** کے بارے میں ناقدین علما نے نقد کیا ہے- مگر یہ قول بالکل درست ہے اور معنیً قرآن سے ثابت ہے- اللہ تعالیٰ نے فرمایا **اللّٰہ الغنی و انتم الفقراء** صوفیہ اللہ کے محتاج اور ماسوا اللہ سے مستغنی ہوتے ہیں- اب اگر یہ فقر فخر نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر روایۃً یہ ثابت نہیں، یا اس کے راوی بہت زیادہ ضعیف ہیں- اس لیے علمی طور پر نقد کی گنجائش باقی ہے-

بات چاہے جس قدر بھی سچ ہو اگر گواہ نہیں تو مقبول نہ ہوگی- لیکن وہ شخص جس نے تنہا کسی واقعہ کو دیکھا ہو اور گواہ نہ رکھتا ہو تو کیا اس شخص سے بھی کہا جائے گا کہ تم نے جو دیکھا ہے وہ غلط ہے؟ اس کو سچ نہ جانو، ہرگز نہیں، مگر وہ گواہ نہیں رکھتا اس لیے دوسروں کو اس کا پابند بھی نہیں بنا سکتا- اس واقعے کو سچ ماننا اور جاننا اس ناظر وشاہد کے حق میں بلاشبہ درست ہے مگر دوسروں کے لیے درست نہیں کیوں کہ یہ واقعہ معتبر روایت سے ثابت نہیں- صوفیہ کاشف اور شاہد اور **ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ و ان لم تکن تراہ فانہ یراک** کے مقام پر ہوتے ہیں- ان کی بات ان کے حق میں درست ہے، اگرچہ دوسروں کے لیے درست نہیں- اب عاقل ناقد وہ ہے جو سد ذرائع کی غرض سے نقد تو کرے مگر تنہائی میں ان مشائخ کی ارواح سے استعانت کرے جن پر نقد کیا ہے اور اللہ سے دعا کرے کہ مولیٰ ہم کو اور ہماری قوم کو فتنے سے محفوظ فرما- ناقد کے دل میں اگر تھوڑا بھی کد ہو تو اس کو چاہیے کہ نقد سے پرہیز کرے، ورنہ وہ خود ہی سخت گھاٹے میں ہوگا-

فقہا، متکلمین، صوفیہ وغیرہم میں سے کوئی بھی ایسے نہیں جن پر نقد کی گنجائش نہ ہو بلکہ بڑے

سے بڑا ناقد خود اپنے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس پر نقد کی گنجائش باقی نہیں ہے- معصوم تو صرف انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی ذوات ہیں- نہ ناقد کو یہ جاننا چاہیے کہ وہ دوسروں سے افضل ہے اور نہ لوگوں کو یہ چاہیے کہ وہ یہ سمجھ بیٹھیں کہ ناقد اس ذات کا جس پر وہ نقد کر رہا ہے، یا اس کے تمام افکار وخیالات کا مخالف ہے، کیوں کہ ہم میں سے کوئی بھی علیم بذات الصدور نہیں- اللہ برے گمان سے محفوظ رکھے- **واجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم**- (الحجرات:۱۲)

○○○

حسد وکینہ کی تباہ کاریاں

معاشرے کے بگاڑ کے اسباب میں ایک بہت بڑا سبب بغض وحسد بھی ہے-.حسد یہ ہے کہ کوئی کسی کی نعمت کے زوال اور بربادی کی تمنا کرے، ایسا حسد حرام ہے اور کسی کی نعمت یا دولت دیکھ کر یہ خواہش کرنا کہ میرے پاس بھی یہ نعمت ہو جاتی -اس کو اردو میں رشک اور عربی میں ''غبطہ'' کہتے ہیں- یہ دینی چیزوں میں جائز ہے اور دنیاوی چیزوں میں برا-

حسد بہت بری بلا ہے، اسی سے بغض بھی پیدا ہوتا ہے، حسد کی ممانعت و مذمت قرآن پاک اور احادیث طیبہ میں بہت جگہ آئی ہے، حتی کہ حضور ﷺ کو قرآن میں حسد سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری ہے:

ومن شر حاسد اذاحسد ؛(فلق ۱۱۳/ ۵)-(تم کہو میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے حسد سے جب وہ حسد کرے- اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: **ولاتتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض ، للرجال نصيب مما اكتسبوا، وللنساء نصيب مما اكتسبن ، وسئلوا الله من فضله، ان الله كان بكل شىء عليما**، (النساء؛۴/۳۲)

اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی، مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے، عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ، اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے، (کنز الایمان)

حضرت صدر الافاضل مفسر مراد آبادی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: حسد نہایت بری صفت ہے، حسد والا دوسرے کو اچھے حال میں دیکھتا ہے تو اپنے لیے اس کی خواہش کرتا ہے، ساتھ میں یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا بھائی اس نعمت سے محروم ہو جائے یہ ممنوع ہے- بندے کو چاہیے کہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہے، اس نے جس بندے کو جو فضیلت (بڑائی) دی ہے خواہ دولت وغنا کی، یا دینی مناصب و مدارج کی، یہ اس کی حکمت ہے- عورتیں زیادہ حسد کیا کرتی ہیں، اس لیے آیت

مذکورہ میں خاص طور سے یہ بات بیان کردی گئی ہے کہ ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ رہنا چاہیے، جس نے جو کمایا یا عمل کیا ہر ایک کو اپنے اپنے حصے پر قانع ہونا چاہیے، دوسرے کی نعمت یا دولت اور عہدے پر للچائی نظروں سے دیکھنا مناسب نہیں، بلکہ ہر ایک کو اللہ ہی سے اس کا فضل مانگنا چاہیے کہ وہی سب کو دیتا ہے اور کسی کو زیادہ دیا تو کسی کو کم ،اس میں اس کی مصلحت وحکمت پوشیدہ ہے اور اپنی حکمت کو وہی خوب جانتا ہے لہذا حسد کرنا بے کار و بے سود ہے-

اب ذیل میں بعض وہ حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں جو حسد کی مذمت میں وارد ہوئیں ہیں-(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا! حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اور صدقہ خطا کو بجھاتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے اور نماز مومن کا نور ہے اور روزہ آگ (جہنم) سے ڈھال (بچاؤ) ہے- ابوداؤد نے اسی کے مثل ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی-

(مشکوٰۃ؛۴۲۸-الترغیب والترہیب للمنذری۳/ ۵۲۵،دار ابن کثیر ۱۴۱۷ھ بیروت)

(۲) معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد ایمان کو ایسا بگاڑتا ہے جس طرح اِیلوا (مصبر) شہد کو بگاڑتا ہے- (دیلمی مسند الفردوس، کنز العمال، ۱۰۶/۲) یعنی حس کی وجہ سے آدمی ایسی حرکتوں پر آمادہ ہو جاتا ہے جو ایمان کو خراب کر دیتی ہیں، یا بگاڑ دیتی ہیں، یا کمزوری پیدا کر دیتی ہیں، کیوں کہ حاسد جب تک محسود کو نقصان نہیں پہنچا لیتا چین سے نہیں بیٹھتا، چاہے اس کے لیے کوئی بھی جتن کرنا پڑے، جیسا کہ تجربہ شاہد ہے-

(۳) زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگلی امتوں کی بیماری تمہاری طرف بھی آگئی وہ بیماری بغض وحسد ہے، جو مونڈنے والی ہے، وہ دین کو مونڈتی ہے، بالوں کو نہیں مونڈتی، قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، جنت میں نہیں جاؤ گے جب تک ایمان نہ لاؤ اور ایمان والے نہیں ہو گے جب تک آپس میں محبت نہ کرو، میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں کہ تم اسے کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے، (وہ یہ ہے کہ) آپس میں سلام پھیلاؤ- یعنی سلام سے محبت بڑھتی ہے اور حسد کا جذبہ ختم ہوتا ہے- (امام احمد، ترمذی، مشکوٰۃ:۴۲۸)

(۴) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد اور چغلی اور کہانت نہ مجھ سے ہیں، نہ میں ان سے ہوں- (طبرانی، بحوالہ، بہار شریعت، الترغیب والترہیب،۳/۵۲۵، باب الحسد وسلامۃ الصدر) یعنی مسلمان کو ان چیزوں سے بالکل تعلق نہیں ہونا چاہیے- (صدر الشریعہ)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپس میں حسد نہ کرو، نہ بغض کرو، نہ پیٹھ پیچھے برائی کرو، یا نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو، اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔ (صحیح بخاری شریف ۲/۶۹۸، مشکوٰۃ: ۴۲۷)

(۶) حضرت ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: لوگ اس وقت تک خیریت اور اچھی حالت میں رہیں گے جب تک کہ ایک دوسرے پر حسد نہ کریں گے۔ (طبرانی، بحوالہ الترغیب للمنذری ۳/۸۹۶، مشکوٰۃ: ۴۲۷)

(۷) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: **لایجتمع فی جوف عبد مومن غبار فی سبیل اللہ وفیح جھنم ولا یجتمع فی جوف عبد الایمان والحسد۔**

کسی مؤمن کے پیٹ میں اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کی گرمی جمع نہیں ہوگی، کسی بندے کے دل میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہوتے، (الترغیب والترہیب للمنذری ۳/ ۵۴۶، فتاویٰ رضویہ ۹/ ۲۱، قسط اول) یعنی مؤمن صادق کے دل میں حسد کی گنجائش نہیں ہوتی، اور اگر کسی کے دل میں حسد ہو تو یہ اس کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔

(۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور حسد نہ کرو اور ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو، اللہ کے بندے ہو جاؤ آپس میں بھائی بھائی اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ (صحیح بخاری شریف ۲/ ۸۹۶)

(۹) امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت اصمعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے، حاسد میری نعمت کا دشمن ہے، میری قضا (فیصلے) پر ناراض ہوتا ہے اور میں نے بندوں کو جو نعمت تقسیم کی ہے اس قسمت پر وہ راضی نہیں (تفسیر در منثور ج ۶/۲۰۷) حاسد کی مذمت کے لیے یہ حدیث بہت کافی ہے، حسد کرنے والا صاحب ایمان ہے تو اس کو فوراً سچے دل سے توبہ کر کے اس کی نحوست سے نجات حاصل کرنی چاہیے ورنہ اس کا انجام بد اس کی آخرت کو تباہ کر کے چھوڑے گا۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن کعب اپنے والد کعب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بکریوں کے باڑے میں دو بھوکے بھیڑیوں کو بھیج دیا جائے تو وہ بھی فساد نہیں مچاتے جتنا کہ مال کی حرص اور حسد مسلمان کے دین میں تباہی مچاتے ہیں اور بیشک حسد نیکیوں کو کھا ڈالتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو۔ (الترغیب والترہیب للمنذری ۳/ ۵۴۸) یعنی جب مال کی غایت درجہ حرص ہوتی ہے اور کسی ایک بھائی کے ساتھ حسد پیدا ہو جاتا ہے پھر آدمی خلاف

دین کام پر آمادہ ہو جاتا ہے، اب اسے صرف مال جمع کرنے سے مطلب رہ جاتا ہے اور وہ حرص کی آگ بجھانے کی کوشش میں ہی لگا رہتا ہے جو بجھتی نہیں، یہاں تک کہ دین برباد ہو جاتا ہے، مثلاً بھائیوں کا حقوق غصب کر ڈالتا ہے، حرام طریقوں سے مال کمانے میں بھی دریغ نہیں کرتا یوں ہی جب اپنے کسی بھائی سے حسد پیدا ہو جاتا ہے تو وہ زوال نعمت کی فکر میں وہ وہ کام کر گزرتا ہے جس کی ایک صاحب ایمان سے توقع نہیں ہوا کرتی ہے کہ میرے بھائی کے پاس جو عہدہ ہے وہ ختم ہو جائے اور اس کے پاس جو مال ہے وہ برباد ہو جائے، اس کی تجارت تباہ ہو جائے، چاہے اس حرکت مذمومہ سے اس کو کچھ فائدہ ہو یا نہ ہو، اور ایسے ہی موقع پر آدمی یہ کفر بھی بک جاتا ہے کہ ہمیں حرام وحلال کی فکر نہیں گویا ایسا آدمی اپنی خواہش نفس کو خدا مان لیتا ہے، اور پھر کفر کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امان میں رکھے اور حسد کے وبال سے بچائے۔ آمین

(۱۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: آپ نے فرمایا کہ مجھ سے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بچے! اگر تجھ سے ہو سکے کہ اس حال میں صبح وشام کرے کہ تیرے دل میں کسی کے بارے میں دھوکا دھڑی یا حسد نہ ہو تو ایسا کر گزر۔ (ترمذی بحوالہ الترغیب ۳/ ۵۴۸) یعنی دھوکا اور حسد سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۱۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ نے فرمایا، ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آئے گا تو دیکھا کہ ایک شخص (جن کا نام سعد بن مالک انصاری تھا) تشریف لائے، حالت یہ تھی کہ وضو کے پانی سے داڑھی تر تھی، پانی ٹپک رہا تھا اور دونوں جوتوں کو بائیں ہاتھ میں لیے تھے، تین دن حضور نے ایسا ہی فرمایا: اور تینوں دن وہی شخص اسی حالت میں نکلے (ہم میں عبد اللہ بن عمر تھے) انہوں نے کہا میں ان کی رات کی عبادت دیکھوں گا، تین رات تک ان کی نگرانی کرتے رہے مگر معمولی ہی عبادت دیکھی جسے دیکھ کر ان کو تعجب ہوا، فرمایا: اے اللہ کے بندے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے بارے میں سنا تھا کہ تم پر ایک جنتی آئے گا، حضور نے تین بار فرمایا اور تینوں بار آپ ہی آئے، تو میں نے سوچا کہ میں آپ کے رات کے عمل اور عبادت کو دیکھوں پھر میں بھی اس پر عمل کروں (تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی جنتی فرما دیں) لیکن میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا، آخر اس مرتبے تک کس چیز نے پہنچایا؟ فرمایا: وہی تھوڑا عمل جو آپ نے دیکھا، پھر میں چلا تو راستے سے بلایا اور فرمایا وہی جو تم نے دیکھا اور مزید یہ کہ میں اپنے اندر کسی مسلمان سے کینہ نہیں رکھتا اور نہ کسی مسلمان پر اس کی نعمت کے سلسلے میں جو اللہ نے اسے عطا کی ہے

حسد کرتا ہوں ،تو حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: یہی وہ چیز ہے جس نے آپ کو اس مرتبے تک پہنچایا- اس حدیث کو امام احمد نے بخاری ومسلم کی شرائط پر روایت کیا، اور امام نسائی نے اور ابویعلی وبزار نے اس جنتی آدمی کا نام سعد بتایا ہے- (الترغیب ۳/ ۵۴۹ باب الترہیب من الحسد) یہ حدیث اور واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حسد اور کینے سے دوری آدمی کو جنتی بناتی ہے اور ان کا ارتکاب باعث ہلاکت ہے- اور یہ کہ حسد وکینے سے سینے کو پاک رکھنا بڑی بڑی عبادتوں پر بھاری ہے-

(۱۳) بیہقی کی روایت حضرت سالم بن عبداللہ سے ہے کہ حضرت سعد نے فرمایا: **آخذ مضجعی ولیس فی قلبی غمر علی احد** ،، میں اس حال میں بستر پکڑتا ہوں کہ میرے دل میں کسی کے بارے میں کینہ نہیں ہوتا (الترغیب ۳/ ۵۵۰) یہ وہی سعد ہیں جن کا واقعہ اوپر گزرا ،،

(۱۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، کہا، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ! کون لوگ افضل ہیں؟ فرمایا: جن کے دل میں حسد، کینہ اور برائی نہ ہو اور ہر وہ شخص جو زبان کا سچا ہو، روایت کیا اس کو ابن ماجہ اور بیہقی نے (الترغیب ۳/ ۵۵۱) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے ابدال جنت میں نماز، روزے اور صدقے کی کثرت کی وجہ سے نہیں جائیں گے ہاں! لیکن وہ اللہ کی رحمت، نفس کی سخاوت اور دل کی (کینے حسد وغیرہ) سے طہارت کی وجہ سے جنت میں جائیں گے- ابن ابی الدنیا نے اس حدیث کو مرسلاً روایت کیا (الترغیب ۳/ ۵۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابدال جو اولیاء اللہ میں ایک بلند مقام کے مالک ہوا کرتے ہیں وہ سخاوت، دل کے کینہ وغیرہ سے صفائی کے سبب اس مرتبے پر پہنچتے ہیں اور ان کی یہ خصلتیں بھی ان کے لیے جنت میں جانے کا سبب ہوں گی ،جب کہ دخول جنت کی نعمت اصلاً رحمت خداوندی سے حاصل ہوگی-

(۱۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان المؤمن یغبط والمنافق یحسد** مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے- (احیاء العلوم، ج:۳ ص:۲۳۴، دار صادر بیروت) اس سے معلوم ہوا کہ حسد منافق کی صفت ہے مومن کی نہیں- جو حسد کی بلا میں گرفتار ہیں وہ اس حدیث پاک کو بطور خاص دیکھیں اور سبق حاصل کریں-

(۱۷) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دوشنبہ اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کی مغفرت کردی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا، مگر اس شخص کو نہیں بخشا جاتا جو اپنے بھائی سے بغض وکینہ رکھتا ہو- تو کہا جاتا ہے ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ یہ دونوں صلح کرلیں- امام مسلم نے اس کو روایت کیا- (مشکوۃ: ۴۲۷)

اس حدیث کی روشنی میں کینہ پرور لوگ اپنا اپنا انجام معلوم کرلیں کہ رحمت خداوندی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتی جب کہ ہر مسلمان کو دوشنبہ اور جمعرات کو معافی دے دی جاتی ہے، لہذا اگر آپس میں کسی وجہ سے من مٹاہو جائے اور کینہ پرورش پاجائے تو چاہیے کہ جلد سے جلد اس کا تدارک کرلیا جائے- اس سے کینے کی برائی اور مذمت بھی معلوم ہوتی ہے جس کے سبب دو مسلمان آپس میں بگاڑ کرلیتے ہیں اور ہر ایک دوسرے سے منہ موڑتا نظر آتا ہے اور اگر یہ سلسلہ تین روز تک چلتا رہا تو اس کی قباحت اور برائی میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے جب کہ شریعت کی روشنی میں یہ ہرگز جائز نہیں- تین دن کی مہلت اس لیے دی گئی ہے کہ آدمی جب ایک جگہ رہتا سہتا ہے تو کبھی کبھی آپس میں کچھ ناچاقی کی صورت حال پیدا ہو ہی جاتی ہے ،لیکن اس کا سلسلہ تین دن سے زیادہ ہرگز دراز نہیں ہونا چاہیے، اس سلسلے میں بھی حدیث پاک ملاحظہ ہو:

(۱۸) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کسی مسلمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے تو جب اس سے ملے اسے تین بار سلام کہے (یعنی اگر ایک بار میں جواب نہ ملے تو تین بار سلام کرے) تو اگر دوسرے نے ہر بار جواب نہ دیا تو وہ اس کا بھی گناہ لے کر لوٹے گا یعنی جس نے سلام کیا اس کا گناہ اس کے سر پر جائے گا جس نے جواب نہیں دیا اور اس سلام کرنے والے کو بے قصور سمجھا جائے گا، اس کو ابوداؤد نے روایت کیا- (مشکوۃ ص ۴۲۸)

(۱۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے تو جس نے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کیا پھر اسی حال میں مرگیا تو جہنم میں جائے گا- اس کو امام داؤد نے روایت کیا- (مشکوۃ ،ص: ۴۲۸)

یعنی یہ قطع تعلق جہنم میں لے جانے کا سبب بن جائے گا، حیرت ہے کہ اتنی سخت وعید کے باوجود بہت سے لوگ اپنی شان اونچی رکھنے کی غرض سے اپنے مسلمان بھائی بلکہ بسا اوقات اپنے سگے بھائی یہاں تک کہ بعض لوگ اپنے باپ سے قطع تعلق کرلیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ کتنے بڑے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں، بلکہ یہاں تک کہہ دیتے ہیں میں فلاں سے مرتے دم تک نہ بولوں گا ،ایسے لوگوں کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے-

(۲۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت اس طرح بھی آئی ہے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ کسی مومن کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے، پھر اگر اسی حالت میں تین دن گزر جائے تو ہر ایک کو چاہیے کہ دوسرے سے

ملاقات کرے اور اس کو سلام کہے، پھر اگر اس نے سلام کا جواب دے دیا تو دونوں اجر میں برابر کے شریک ہو جائیں گے (یعنی دونوں کے سر سے قطع تعلق کا گناہ اتر جائے گا) اور اگر اس نے جواب نہ دیا (سلام کرنے والے کو) تو وہ گناہ کے ساتھ لوٹا اور سلام کہنے والا قطع تعلق کے گناہ سے نکل گیا- (مشکوٰۃ:۴۲۸)

اس حدیث پاک میں خاص طور سے حکم دیا گیا ہے کہ تین دن گزر جائیں تو ضرور جا کر ایک دوسرے کو سلام کر کے تعلقات استوار کر لے اور اس سلسلے میں اگر دونوں متفق ہو گئے تو دونوں ہی گناہ سے بری ہو جائیں گے ورنہ جو نہ ملے گا وہ خود تو گنہ گار ہوگا ہی دوسرے کا گناہ بھی اسی کے سر جائے گا- اب اس سلسلے کی ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں سال بھر قطع تعلق کی سخت برائی بیان کی گئی ہے-

(۲۱) ابو خراش سلمٰی (یا اسلمی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جو اپنے بھائی کو ایک سال تک چھوڑے دے تو یہ اس کے خون بہانے یعنی قتل کی طرح ہے- روایت کیا اس کو ابوداؤد نے- (مشکوٰۃ ۴۲۸، باب: **ما ینھی عنہ عن التھاجر**)

جو لوگ سالہا سال اپنے کسی بھائی سے تعلق منقطع کر لیتے ہیں وہ اس حدیث پاک سے نصیحت حاصل کریں کہ ایک سال تک قطع تعلق کا وبال قتل کی طرح ہے، اس سے اسلام کے اس نظریے کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو آپس میں متحد رہنے کا حکم دیتا ہے اور انتشار و افتراق کو پسند نہیں کرتا-

حسد کسی کے اندر ہو برا ہے، علما کے اندر ہو تو اور برا ہے کہ یہ علم دین کے ہوتے ہوئے اس مہلک مرض سے نہ بچ سکے، اس باب میں بھی ایک حدیث آئی ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا-

(۲۲) **ستة یدخلون النار البتة العرب بالعصبیة والامراء بالجور والدھاقین بالکبر والتجار بالخیانة واھل الرساتیق بالجھل والعلماء بالحسد** ،، (منہاج العابدین للغزالی ص:۴۱، مجلس برکات مبارک پور)

چھ قسم کے لوگ چھ باتوں سے جہنم میں جائیں گے
(۱) عرب تعصب کی وجہ سے
(۲) امرا (احکام) ظلم کی وجہ سے
(۳) اور گاؤں کے چودھری لوگ تکبر کی وجہ سے

(۴) اور تاجر خیانت کی وجہ سے
(۵) اور دیہاتی جہالت کی وجہ سے
(۶) اور علما حسد کی وجہ سے

(۲۳) حسد ایک ایسی قبیح بیماری ہے کہ حضور اقدس محسن عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو جن چیزوں کا خوف تھا ان میں ایک حسد بھی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں **اخوف ما اخاف علی امتی ان یکثر فیھم المال فیتحاسدون ویقتتلون** — مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اس بات کا خوف ہے کہ ان میں مال کی کثرت ہو جائے گی پھر وہ ایک دوسرے سے حسد کریں گے اور ایک دوسرے سے جنگ کریں گے- (احیاء العلوم:۲،۲۳۲)

(۲۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **استعینوا علیٰ انجاح حوائجکم بالکتمان فان کل ذی نعمة محسود** ، اپنی حاجتوں کو پورا کرنے میں چھپانے کے ذریعہ مدد حاصل کرو یعنی چھپا کر کام نکال لیا کرو اس لیے کہ ہر نعمت والا حسد کا شکار ہوتا ہے-
(احیاء العلوم:۲/۲۳۲)

(۲۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ لوگ اللہ کی نعمتوں کے دشمن ہوتے ہیں عرض کیا گیا وہ کون لوگ ہیں؟ خوش حالوں پر حسد کرنے والے (تنبیہ الغافلین)

حسد کے بیس نقصانات:

حسد کے نقصانات بے شمار ہیں دینی بھی دنیاوی بھی، ذیل میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے
(۱) حاسد اللہ و رسول کا نافرمان ہوتا ہے-
(۲) حاسد کے دل میں کامل ایمان باقی نہیں رہتا-
(۳) حاسد کی نیکیاں حسد کی وجہ سے بے اثر ہو جاتی ہیں-
(۴) حاسد دوستی اور صحبت کے لائق نہیں رہتا-
(۵) حاسد مصائب کو دعوت دیتا ہے اور نعمتوں کو اپنے سے دور کرتا ہے-
(۶) حسد کفار کی عادت ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے: **حسدا من انفسھم**-
(۷) حاسد سے قرآن میں پناہ مانگنے کا حکم آیا ہے، یعنی اس سے دور رہنے کی دعا قرآن میں وارد ہے-
(۸) حسد سے عداوت پیدا ہوتی ہے-
(۹) حسد آپس میں پھوٹ اور جدائی کا سبب ہے-
(۱۰) حسد اتحاد کا دشمن ہے-

(۱۱) حسد قرابت داری کو ختم کرنے والا ہے۔

(۱۲) حسد سے حقوق انسانی کی پامالی ہوتی ہے۔

(۱۳) حسد والا آدمی اختلاج قلب کا شکار ہو جاتا ہے، جو اس کی موت کا سبب بنتا ہے۔

(۱۴) حاسد حسد کی آگ میں جلنے کی وجہ سے دنیا کے کاروبار میں بھی پیچھے ہو جاتا ہے۔

(۱۵) حاسد اپنی عاقبت بھی برباد کرتا ہے اور دنیا بھی، یعنی **خسر الدنیا و الآخرۃ** کا مصداق ہوتا ہے۔

(۱۶) حاسد ہمیشہ رنج وغم میں مبتلا رہتا ہے جس سے اس کو سوائے نقصان کے فائدہ نہیں۔

(۱۷) ہر چیز کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا ہے، حسد میں کچھ فائدہ نہیں۔

(۱۸) حسد سے شیطان خوش ہوتا ہے اور خدا ناراض۔

(۱۹) حسد ناشکری ہے اور ناشکری عذاب الٰہی کو دعوت دیتی ہے، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے: **لئن کفرتم ان عذابی لشدید** ،

(۲۰) حسد کی وجہ سے حاسد کفر کے قریب ہو جاتا ہے، ابلیس کی مثال سامنے ہے کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت برداشت نہ کی اور کفر کر بیٹھا۔

ترک حسد کے فوائد واثرات:

(۱) حسد سے بچنے والا ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔

(۲) حسد سے دوری دخول جنت کا سبب ہے۔

(۳) حسد سے پرہیز کرنا باعث نجات وفلاح ہے۔

(۴) حسد سے دور رہنے والا مخلوق میں مقبول ہوتا ہے۔

(۵) حسد سے اجتناب کرنا قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔

اقوال سلف

(۱) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بری خصلتوں میں حسد سے بڑھ کر کوئی خصلت نہیں، اور فرمایا ہر آدمی کو تو میں راضی کر سکتا ہوں، مگر جو کسی نعمت پر حسد کرنے والا ہو تو اس کو کوئی راضی نہیں کر سکتا، کیوں کہ حاسد محض زوال نعمت سے راضی ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

کل العداوۃ قد ترجی اماتتھا   الا عداوۃ من عاداک من حسد

ترجمہ: ہر دشمنی کا علاج ہے، مگر وہ دشمنی لاعلاج ہے جو کسی حاسد کے اندر حسد کی وجہ سے پیدا ہو۔

(۲) حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں: حاسد کی تین نشانیاں ہیں:

(۱) جب سامنے آتا ہے تو چاپلوسی کرتا ہے

(۲) پیٹھ پیچھے غیبت کرتا ہے

(۳) اور جب دوسرے پر مصیبت آتی ہے تو خوش ہوتا ہے۔ (منہاج العابدین ص: ۴۱)

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے کسی ظالم کو مظلوم سے حاسد کے مقابلے میں زیادہ مشابہت والا نہیں پایا، ہمیشہ وہ افسردہ (غم زدہ) اور پریشان خیال اور ہر وقت غم میں مبتلا رہتا ہے۔ (منہاج العابدین، ایضا)

(۴) ابن المعز نے کہا: حاسد کا غصہ ایک بے گناہ شخص پر ہوتا ہے، اور جس نعمت کا وہ مالک نہیں اس کے بارے میں بخیل ہوتا ہے (یعنی بخیل وہ ہے جو اپنی دولت نہ خرچ کرے، یہاں دوسرے کی نعمت کے بارے میں اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ فلاں کو نہ ملے) اور حاسد ایسی چیز کا طالب ہوتا ہے جو اس کو ملنے والی نہیں۔

(۵) حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے دنیا کے باب میں کسی پر حسد نہیں کیا ہے، کیوں کہ اگر کوئی اہل بہشت سے ہے تو اس نعمت کے مقابلے میں جو اس کو جنت میں ملے گی دنیا بالکل حقیر ہے اور اگر وہ اہل دوزخ سے ہے تو جس وقت وہ آگ میں جلے گا دنیا کی نعمت سے اس کو کیا فائدہ ہوگا۔ (احیاء العلوم، امام غزالی) یعنی دنیا کی دولت اس کو عذاب نار سے نہیں بچا سکتی۔

(۶) کسی نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا، کیا مومن حسد کرتا ہے؟ آپ نے جواب دیا: تم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو بھول گئے۔ یعنی مومن بھی اگر حسد کرے تو تعجب نہ کرو لیکن اس کا انجام ذلت ہوتا ہے جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے مقابلے میں ان کے بھائیوں کا ہوا کہ بالآخر سب ان کے سامنے جھکے اور شرمندہ ہوئے، ہاں اگر دل میں آنے کے بعد زبان اور ہاتھ کو کام میں نہ لائے تو اس کا حسد اس کو نقصان نہیں پہنچا پاتا۔ (کیمیائے سعادت)

اور حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ ہی فرماتے ہیں: اے آدمی! تم اپنے بھائی سے حسد کیوں کرتے ہو؟ اللہ تعالی نے اسے جو کچھ عطا فرمایا ہے اگر یہ اس کا اللہ تعالی کی طرف سے اعزاز ہے تو جس کو اللہ نے عزت بخشی ہے اس پر تم کو حسد کرنے کا کیا حق؟ اور اگر کسی دوسری وجہ سے (یعنی آزمائش کے لیے) عطا کیا ہے تو جس کو جہنم میں جانا ہے اس سے حسد کا کوئی معنی نہیں۔ (احیاء العلوم، امام غزالی)

(۷) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جو کوئی موت کو بہت زیادہ یاد کرے گا، وہ نہ تو خوش ہوگا اور نہ کسی دوسرے پر حسد کرے گا۔ (کیمیائے سعادت)

(۸) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (۱) ہمیشہ خاموش رہا کر پرہیزگاری حاصل کرے گا-

(۲) دنیا پر مت للچا کہ اس سے قوی الحافظہ ہو جائے گا-

(۳) اور طعنہ زن مت بن، تاکہ لوگوں کی زبان سے محفوظ رہے-

(۴) حاسد مت بن، تاکہ تیری فہم میں تیزی آئے- (ایضا)

(۹) حضرت حاتم اصم نے فرمایا:

(۱) کینہ پرور آدمی دین دار نہیں ہوتا-

(۲) اور عیب لگانے والا عبادت گزار نہیں ہوسکتا-

(۳) چغل خور محفوظ نہیں رہتا-

(۴) اور حسد کرنے والا نصرت خداوندی سے محروم رہتا ہے- (ایضا)

(۱۰) علمانے حسد کو فواحش (بے حیائی کے کاموں) میں شمار کیا ہے، قرآن میں آیا ہے:

لاتقربوا الفواحش ما ظهر منهاوما بطن- (الانعام:۶/۱۵۱)

اور بے حیائیوں کے قریب مت جاؤ جوان میں سے کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی- تو چھپی ہوئی حسد ہے-

(۱۱) سلف صالحین نے فرمایا: سب سے پہلی غلطی انسانوں میں حسد کی پیدا ہوئی اور پھر اس کے نتیجے میں ہابیل کا قتل ہوا-

(۱۲) سب سے پہلے حسد شیطان نے کیا، چنانچہ حسد ہی کی وجہ سے حضرت آدم کو سجدہ نہیں کیا، باجودیکہ اللہ تعالی نے سجدہ کا حکم دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ حسد حکم الہی پر بندے کو عمل کرنے سے روک دیتا ہے- اور نافرمان بنا دیتا ہے-

ایک شاعر کا قول ہے-

اصبر علی کید الحسو　　دفان صبرک قاتله

کالنار تاکل نفسها　　ان لم تجدماتا کله

ترجمہ: حاسد کے حیلہ ومکر پر صبر کر، اس لیے کہ تیرا صبر کرنا ہی اس کا قاتل ہے، بالکل ایسے ہی کہ آگ خود کو کھاتی اور ختم کرتی رہتی ہے اگر اس کو کوئی ایسی چیز نہ ملے جسے وہ کھائے: یہی حال حاسد کا ہے کہ وہ محسود کا کچھ بگاڑ نہیں پاتا ہے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور حسد کی آگ میں جلتا اور گھلتا رہتا ہے-

اس مضمون کو حضرت شیخ سعدی نے ایک جگہ گلستاں میں بھی تحریر فرمایا ہے کہ حاسد کے پیچھے نہ

پڑو، اس کو کوئی سزا مت دو کہ وہ تو خود ہی اپنی حسد کی آگ میں جل رہا ہے، یہی سزا کیا اس کو کم ہے؟

اور ایک شاعر نے حسد کے بارے میں کہا ہے:

یاحاسدالی علی نعمتی　　أتدری علی من أسأت الادب

أسأت علی الله فی حکمه　　لانک لم ترض لی ماوهب

فاخزاک ربی بان زاد نی　　وسد علیک وجوه الطلب

ترجمہ: (۱) اے میرے حاسد جو میری اللہ کی دی ہوئی نعمت پر حسد کرنے والا ہے، کیا تو جانتا ہے کہ کس کے ساتھ تو برائی کی ہے-

(۲) تو نے اللہ کے فیصلے میں اس کے ساتھ برائی کا ارتکاب کیا ہے، اس لیے کہ اس نے مجھے جو عطا فرمایا ہے تو اس سے راضی نہیں-

(۳) تو میرے رب نے تجھے یوں رسوا کیا کہ اس نے مجھے مزید نعمتوں سے نواز دیا اور تیرے اوپر اس نے طلب کے دروازوں ہی کو بند کر دیا-

کیوکہ حاسد وہ نہیں جو خود نعمت کا طالب ہو بلکہ اس کو تو محض زوال نعمت غیر کی فکر ہوتی ہے-

اور ابوالحسن تہامی شاعر نے کیا پتے کی بات کہی ہے:

انی لارحم حاسدی من حرّما　　ضمنت صدورهم من الاوغار

نظروا صنیع الله بی فعیونهم　　فی جنةوقلوبهم فی النار

ترجمہ: (۱) میں اپنے حاسد پر ضرور ترس کھاتا ہوں اس وجہ سے کہ ان کے دل خود کینے کی آگ میں جل رہے ہیں-

(۲) اللہ نے میرے ساتھ جو مہربانی کی ہے اس کو تو وہ دیکھتے ہیں، گویا کہ ان کی آنکھیں جنت کا نظارہ کر رہی ہیں، مگر ان کے دل حسد کی وجہ سے جہنم کی آگ میں جل رہے ہیں (حاشیہ الترغیب والترہیب)

یعنی وہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کو نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں، جو کہ جنت کے مثل ہے لیکن اس سے خوش ہونے کے بجائے اندر اندر کڑھتے ہیں، یہ کڑھنا گویا اللہ کی نعمت سے کڑھنا ہے اور جہنم کی آگ میں جلنا ہے، اور حاسد کا انجام بھی جہنم ہی ہے-

حاسد کی سزائیں

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

حسد تمام برائیوں سے زیادہ مہلک ہے، کیوں کہ محسود پر اس کا اثر ہونے سے پہلے ہی حاسد اس کی وجہ سے پانچ سزاؤں میں مبتلا ہوتا ہے

(۱) حسد کی وجہ سے حاسد کو ایسی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس پر اسے کوئی اجر نہیں ملتا۔
(۲) حسد کی وجہ سے حاسد ایک مسلسل (اور بے فائدہ) غم میں مبتلا رہتا ہے، جب کہ دوسرے مصائب اور غم پر اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔
(۳) حاسد کی ہر طرف مذمت ہی ہوتی ہے، تعریف کوئی نہیں کرتا۔
(۴) حاسد سے خدا ناراض ہوتا ہے،
(۵) حاسد پر توفیق خیر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

اس لیے اس کو ہر وقت برائی ہی سوجھتی ہے، نیکیوں کی طرف توجہ نہیں ہوتی، اور اگر کبھی توجہ ہوئی بھی تو نیکیوں میں اس کا جی نہیں لگتا۔

حضرت احنف بن قیس فرماتے ہیں:
(۱) حاسد کو کبھی راحت نہیں ہوتی، وہ ہر وقت حسد کی آگ میں جلتا ہے۔
(۲) بخیل کے اندر وفاداری نہیں ہوتی۔
(۳) تنگ دل کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔
(۴) جھوٹے میں مروت نہیں ہوتی۔
(۵) خائن قابل اعتماد نہیں ہوتا۔
(۶) بداخلاق کے اندر محبت نہیں ہوتی۔

حسد سے بچنے کی تدابیر

حضور رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں میں اکثر لوگ مبتلا ہیں، (۱) بدگمانی (۲) حسد (۳) بدفالی۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان تینوں کے شر سے بچنے کی کیا تدابیر ہے؟ فرمایا:
(۱) کسی سے اپنا حسد ظاہر نہ کر اور محسود کی برائی نہ کر۔
(۲) کسی مسلمان کی طرف سے بدگمانی ہو تو اس کو صحیح نہ جان، جب تک مشاہدہ نہ کر لے۔
(۳) کہیں جاتے ہوئے راستے میں کیڑا یا کوا وغیرہ نظر آئے، یا تیرا کوئی عضو پھڑکے تو اس کی طرف دھیان نہ دے اور گزر جا (ان سے بدفالی نہ لے) اس طرح تو ان کے شر سے محفوظ ہو جائے گا۔ (تنبیہ الغافلین)

حسد سے بچنے کی آسان تدبیر یہ بھی ہے کہ جس کو اپنے سے بڑا دیکھے اور دل میں حسد کی چنگاری سلگنا شروع ہو تو فوراً یہ سوچ لے کہ جو کچھ منصب اور دولت ہے سب اللہ ہی کی دی ہوئی نعمت ہے، اس پر اعتراض کرنا اور اس کے زوال کی خواہش کرنا گویا اللہ سے مقابلہ کرنا ہے، اس کی

نعمت سے کڑھنا ہے اور اس کی دی ہوئی نعمت کے زوال کی خواہش کرنا ہے، جو پرلے سرے کی نادانی اور خالص شیطانی سوچ ہے، تو ان شاء اللہ جلد حسد کی آگ بجھ جائے گی اور اس کے عظیم نقصان سے بچ جائے گا۔

حسد کے بارے میں بندگان خدا کے اقوال اور ان کا طرز عمل

آدمی اگر پاک باطن اور صاف دل ہو تو وہ کسی کی نعمت پر حسد نہیں کرتا، جیسا کہ صوفیہ کرام کہ وہ کسی مسلمان سے حسد نہیں کرتے بلکہ الٹے حسد کرنے والوں کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آتے ہیں، ہمیں ان پاکان امت سے درس لینا چاہیے، ان کے نقش قدم پہ چلنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ یہی لوگ اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوتے ہیں اور عندالناس ان کی قدر و عظمت دلوں پر چھائی رہتی ہے، دنیا کے غموں سے بے پرواہ ہوتے ہیں اور یہی گروہ آخرت میں بھی بے فکر ہوگا جیسا کہ رب عزوجل کا ارشاد ہے، **-الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون-** (یونس: ۱۰/۶۲) سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم۔ (کنزالایمان)

لہذا ایسے پاکیزہ نفوس کی پیروی کرنا، ان کی زندگی کو مشعل راہ بنانا ہی کامیابی کی ضمانت ہے کیوں کہ یہ لوگ جو کچھ کرتے اور کہتے ہیں خالص اللہ کے لیے کرتے ہیں، اس لیے ان کی باتوں میں اثر انگیزی بھی خوب ہوتی ہے۔

ذیل میں حسد اور کینے سے متعلق صوفیہ عظام کے ارشادات و واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ جن کا مطالعہ حسد کی آگ بجھانے اور دلوں کے زنگ دور کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔

(۱) حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ تعالی فرماتے تھے: کسی حاسد کو آرام نصیب نہیں ہوتا اور نہ کسی بداخلاق کو سیادت ملتی ہے۔ کیوں کہ حاسد کی عادت میں جلنا ہے اور جلنے والے کو آرام کیسے ملے گا اور بداخلاق آدمی سے لوگ دور بھاگتے ہیں لہذا وہ لوگوں کی قیادت و سیادت ہر گز نہیں کر سکتا اور اگر اسے سیادت کا منصب مل بھی جائے تو بدخلقی کے ساتھ وہ اپنی ذمہ داری نبھا ہی نہیں سکتا۔

(۲) حضرت فرقد سنجی رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں:-
حسد ترک کرنے کا علاج زہد (دنیا سے بے رغبتی) اختیار کرنا ہے اور جس کو دنیا مرغوب ہو تو اس کو حسد لازم ہے، یعنی پھر وہ حسد سے نہیں بچ سکتا۔

(۳) حضرت سفیان ثوری فرماتے تھے:
حسد سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، جو فہم و فراست میں خوبی پیدا کرنا چاہتا ہے وہ کسی پر حسد نہیں کرتا، اور میں بعض اوقات نئے کپڑے اس لیے نہیں پہنتا کہ

میرے پڑوسی یا کسی دوسرے کے دل میں حسد نہ پیدا ہو۔

(۴) حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے۔

محسود کے پاس جو نعمت ہے اس کی وجہ سے وہ اس شخص یعنی حاسد سے بہتر ہے جس کے پاس نعمت نہیں جس پر حسد کیا جائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ کی اس نعمت پر شکر ادا کرے اور حاسد کو معذور سمجھے۔

(۵) حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حسد سے بچو یہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعہ آسمان میں اللہ کی نافرمانی کی گئی، (یعنی شیطان نے حسد کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا) اور یہی وہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعہ زمین پر اللہ کی نافرمانی کی گئی۔ (یعنی ہابیل کا قتل)

(۶) حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے:

اگر تم چاہتے ہو کہ اس شخص کے شر سے بچ جاؤ جو تم سے حسد کرتا ہے تو اپنے کاموں کو اس سے پوشیدہ رکھو۔

(۷) حضرت محمد بن سیرین (تابعی) رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے: میں نے کسی شخص سے اس کی دنیا یا دین کی وجہ سے کبھی حسد نہیں کیا اور یہ اللہ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے۔

(۸) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے:

قراء (یعنی علما) کی شہادت دوسرے لوگوں کے خلاف جائز قرار دیتا ہوں لیکن ان کی آپس میں شہادت جائز نہیں قرار دیتا ہوں کیوں کہ یہ لوگ آپس میں حسد کرنے والے ہوتے ہیں، اور ایسا ہی حضرت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فرمایا کرتے تھے۔

(۹) حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے:

حاسد کی علامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ لالچ کی وجہ سے تم سے قریب ہوگا اور اس کی بری طبیعت اسے تم سے دور کردے گی، (یعنی جب اس کی طمع پوری نہ ہوگی تو دور ہو جائے گا) اور لوگوں میں سب سے زیادہ حسد کرنے والے قریبی لوگ اور پڑوسی ہوا کرتے ہیں، کیوں کہ وہ اس کی نعمت کو دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے حسد کرتے ہیں، بخلاف دور والوں کے، کہ ان کو دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

(۱۰) اسی وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ قرابت داروں کو کہو کہ وہ (دور رہ کر) ملاقات کر جایا کریں، لیکن پڑوسی نہ بنیں (کہ اس کی وجہ سے قرابت داری میں فرق آجائے گا) (تنبیہ المغترین للامام الشعرانی

ص ۱۵۸-۱۵۹، برکات رضا پور بندر)

اولیا اللہ اور صوفیہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اخلاق کریمانہ سے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات اپنے دشمنوں اور حاسدوں کی بھی تعریف وتوصیف میں لگے رہتے ہیں اور ہمیشہ ان کا ذکر بھلائی سے کرتے ہیں۔

اب ذیل میں اس قسم کے بعض واقعات بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

(۱) حضرت عمرو بن عاص اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کچھ بات تھی، لوگوں نے ایک دن حضرت خالد کے پاس عمرو کا تذکرہ کیا تو انہوں نے حضرت عمرو کی تعریف کی اور ان کی خوبی بیان کی، تو آپ سے کہا گیا کہ وہ تو آپ کو پسند نہیں کرتے، تو حضرت خالد نے ارشاد فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان جو بات ہے وہ دین تک نہیں پہنچی ہے۔ (یعنی ہمارا اور ان کا اختلاف کسی دین کی معاملے میں نہیں ہے کہ ہم اس کا لحاظ کریں)

(۲) حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۷۳ھ) مصنف تنبیہ المغترین فرماتے ہیں:

الحمد للہ میں اس وصف سے متصف ہوں یعنی ان فقرا اور علما کے مناقب بیان کرتا ہوں، اور جو مجھ سے دشمنی رکھتے اور حسد کرتے ہیں حظ نفس کے لیے میں ان میں کسی سے دشمنی نہیں کرتا کیوں کہ میں ان کو دیکھتا ہوں، اپنے کو نہیں دیکھتا۔ (تنبیہ المغترین: ۲۵۲ مطبوعہ مرکز برکات رضا پور بندر، گجرات)

○○○

شہبازاحمد(سبھاش چند)

خدا کی طرف واپسی

میں سبھاش چند بن بابا چند چوندھیڑی ضلع موہالی کا باشندہ ہوں، ان دنوں پرانا بس اسٹینڈ لال ڈومنڈی پنجاب میں رہ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کی محبت بزرگوں سے وراثت میں ملی، اسی شوق و محبت کی وجہ سے دل میں ہمیشہ اسی بات کی خواہش رہی کہ اللہ سے ملاقات اور اس کا وصال حاصل ہو۔

ہندو مذہب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مورتی پوجا اور دیوی دیوتاؤں کی آرادھنا شروع کی اور محبت جو وراثت میں ملی اس کی وجہ سے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی۔ ۱۹۸۹ء تک کڑی محنت کی اور ہندو رسم کے مطابق ہفتے میں تین یا چار دن برت رکھ کر ان دیوی دیوتاؤں کو منانے کی کوشش کی، اور ہر طرح کے جتن کیے، ۱۹۸۶ء میں پٹیالہ ضلع سامانہ میں پنجاب حکومت کے نہری وبھاگ میں نوکری جوائن کر لی، اور وہیں میں اپنی بوا جی کے پاس سامانہ کے قریب رہنے لگا۔ وہاں سے میں ہر روز ڈیوٹی پر جاتا رہا، یہ سلسلہ ۱۹۸۹ء تک چلتا رہا، لیکن پنجاب سرکار کے قانون کے مطابق ۸۹ دنوں بعد ڈیوٹی میں بریک ڈال دیا جاتا اور تین چار روز کے وقفے کے بعد دوبارہ ڈیوٹی پر بلا لیا جاتا، میں نے اس زمانے میں سبھی دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی، لیکن میری نوکری پکی نہیں ہوئی، جب میں اپنے آفس کی طرف نکلتا تو راستے میں ایک بزرگ عبداللہ ثانی کا مزار آتا تھا جہاں اس علاقے کے لوگ بہت آیا کرتے اور اپنی مرادیں حاصل کرنے کے لیے حاضری دیا کرتے، میں ان کو روزانہ دیکھا کرتا تھا۔

۳۱/مارچ ۱۹۸۹ء کے زمانے میں عادت کے مطابق میری نوکری میں بریک ڈال دیا گیا، اس کی وجہ سے میں کافی مایوس ہوا، دکھے دل کے ساتھ جب میں ڈیوٹی سے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا تو راستے میں ان بزرگ کا مزار آیا، اور اس وقت میرے دل میں تمنا جاگی کہ کیوں نہ میں بھی ان بزرگ کی مزار پر ماتھا ٹیک کر کے اپنی مراد مانگوں، میں ان کے مزار پر حاضر ہوا، وہاں پہنچنے پر عجیب سا نظارہ دیکھنے کو ملا اور دل کو بہت سکون حاصل ہوا، میں نے وہاں حاضری پیش کی اور دعا کی اور

دل ہی دل میں یہ کہنے لگا کہ میں آپ کو جانتا تو نہیں مگر آپ کے پاس پہلی بار آیا ہوں اور پچھلے سات سالوں سے میں ایسے ہی سر جھکائے بغیر نکلتا رہا ہوں، لیکن آج بہت پریشان ہو کر آپ کی یہاں حاضر ہوا ہوں اور اب ان دیوی دیوتاؤں سے میرا یقین اٹھ گیا ہے اس لیے میں آپ سے دعا کرتا ہوں کہ میری نوکری پکی ہو جائے تو میں پھر آپ کے یہاں میں حاضری دوں گا، مجھے وہاں تقریباً سات آٹھ گھنٹے ٹھہرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد میں وہاں سے اپنے گھر چلا گیا۔

نوکری سے دس دن کے بریک کے بعد میں پھر ڈیوٹی پر چلا گیا اور وقت نکلتے نکلتے دوبارہ ۸۹ دن گزر گئے لیکن مجھے حیرانی اس وقت ہوئی جب ہر بار کی طرح اس بار مجھے کسی اعلیٰ افسر نے بریک کے لیے نہیں کہا جب دس پندرہ روز گزر گئے تو خبر ملی کہ اس کی نوکری پر لگے بریک کو ختم کر کے اس کو پکے طور پر منتخب کر لیا گیا ہے، اس وقت میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ اس طرح مجھے پکی نوکری مل گئی، اور کھنا ضلع لدھیانہ پنجاب میں میرا تبادلہ ہوا، نوکری کرتے کرتے بہت زمانہ گزر گیا، لیکن ان بزرگ کے مزار پہ کبھی حاضر نہیں ہو سکا، اور میں نے اس کو نظر انداز کر دیا، اس دوران میں نے اپنا تبادلہ اپنے گھر کے پاس کروا لیا اور ہر روز گھر سے جانے لگا، تب زندگی میں بڑی مشکلات کا سامنا کیا لیکن مشکلیں اور بڑھ گئیں، ۱۹۹۴ء تک مشکلوں میں گھرا رہا، اسی دوران میرا ایک دوست جو اجمیر شریف خواجہ غریب نواز کے دربار میں حاضری دیا کرتا تھا، اس نے میری مشکلوں کو بھانپتے ہوئے کہا کہ آپ بھی خواجہ صاحب اجمیر شریف کے دربار میں حاضری دے آئیں، ان سے صلاح و مشورے کے بعد جون ۱۹۹۴ء میں پہلی بار میں اجمیر شریف خواجہ غریب نواز کے دربار میں حاضر ہوا، مجھے وہاں بہت ہی سکون ملا، اس کے بعد تو سمجھیے کہ میری زندگی ہی بدل گئی۔

جب میں اجمیر شریف سے گھر واپس لوٹا اور وہاں کا واقعہ جب میں نے اپنے گھر والوں سے شیر (Share) کیا تو بڑی خوشی حاصل ہوئی، گھر آنے کے بعد روزانہ ڈیوٹی پر جانا جاری رہا، اسی دوران مجھے یاد آئی کہ کیوں نہ میں ان بزرگ عبداللہ ثانی کے مزار پر جا کر آؤں اور ان کی بارگاہ میں ماتھا ٹیک لوں۔

چھ سال بعد جب میں حضرت عبداللہ ثانی کے مزار پر حاضر ہوا تو میری زندگی کا نیا سفر شروع ہوا انہوں نے مجھے اسلام (خدا کا راستہ) دکھایا، اور جب کبھی مجھے ضرورت پڑتی، میں وہاں چلا جاتا، ۱۹۹۴ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک میں نے لگاتار اسلام کی جانکاری لی اور ایک اچھے پیر کی تلاش میں لگ گیا، ادھر ادھر، جہاں بھی پتا پاتا چلا جاتا، خواجہ غریب نواز کے ساتھ میری عقیدت اور بڑھ گئی، سال میں آٹھ، دس بار میں اجمیر شریف حاضر ہونے لگا، ۱۹۹۴ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک میں نے اچھے کامل اور قابل پیر کی تلاش میں لگا رہا، اس کے لیے میں پنجاب، ہریانہ، یوپی، راجستھان

اور ہما چل جہاں تک ممکن ہوسکا، آتا جاتا رہا، لیکن ہر بار مجھے مایوسی ہوئی کیوں کہ کہیں بھی مجھے قابل پیر یا گرو نہیں ملا-

آخر کار ۱۹۹۸ء میں پھر ایک بار خواجہ غریب نواز، اجمیر شریف کے دربار میں حاضر ہوا، وہاں جا کر ان کے مزار پر شکایت کی کہ اے غریب نواز! ہندوستان کے مالک! ولیوں کے ولی! کیا آج اسلام میں ایسا کوئی کامل پیر یا بزرگ ہندوستان میں نہیں ہے، اگر ہے تو کہاں ہے؟ مجھے بتا دیا جائے، جب رات کو سبھی لوگ سو گئے، اجمیر شریف خواجہ صاحب کا دروازہ بند ہو گیا تو میں وہاں دروازے کے باہر بیٹھ کر، دل ہی دل میں خواجہ صاحب سے یہی سوال کرتا رہا کہ اے غریب نواز! مجھے میرے سوال کا جواب دیجیے- خواجہ صاحب غریب نواز نے میری مراد پوری کی، جب میں آنکھ بند کر کے یہی سوال دل ہی دل میں کر رہا تھا تو مجھے میرے پیر ابو سعید میاں حضور سرکار کا پتا بتایا گیا- یہ ایک بار نہیں ہوا بلکہ جب بھی آنکھ بند کرتا تو خواب میں ان کے بارے میں بتایا جاتا، اور کہا جاتا کہ سید سراواں نزدیک الہ آباد یوپی، جاؤ، ان کا پتا بتا دیا گیا-

میں دوسرے دن خواجہ صاحب اجمیر شریف کے دربار سے اجازت لے کر بغیر کسی کو بتائے الہ آباد کی طرف چل پڑا- میرے ساتھ میری بیوی اور میرا چھوٹا بیٹا بھی تھا، الہ آباد ریلوے اسٹیشن پہنچ کر میں خواب میں بتائی گئی جگہ سید سراواں پوچھتے پوچھتے پہنچ گیا، جیسے ہی میں ابو سعید میاں حضور کی خانقاہ میں پہنچا تو سامنے میاں حضور نظر آئے، ان کے سامنے بہت سارے لوگ بیٹھے تھے، اللہ، اس کا ذکر، اور اس کی باتیں چل رہی تھیں، اس دوران میں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا، جب سارے لوگ چلے گئے تو تھوڑی دیر بعد سرکار میاں حضور صاحب سے اکیلے میں ملاقات کا وقت ملا، انہوں نے میرا نام اور پتا پوچھا، میں نے کہا کہ میں لال ڈو، پنجاب سے آیا ہوں، جیسے ہی میں نے یہ کہا تو ابو میاں سرکار نے مسکراتے ہوئے کہا کہ بیٹے! میرے پاس خواجہ غریب نواز اجمیر شریف نے بھیجا ہے، آپ پنجاب سے نہیں وہاں سے آئے ہو، یہ بات جیسے میں نے سنی، تو میری آنکھیں اور میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، اسی وقت میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ آج میری تلاش پوری ہو گئی، اور مجھے قابل پیر اور گرو مل گیا-

مجھے وہاں چار دن رکنے کے بعد واپس اپنے گھر پنجاب آنا تھا، میں نے سرکار ابو میاں حضور سے درخواست کی کہ سرکار مجھے بھی اپنا مرید کر لیں، تبھی سرکار نے کہا میں آپ کو تو مرید آپ کے وہاں، گھر، پنجاب آ کر ہی کروں گا، اسی وقت مجھے ایک اور فکر ہوئی کہ سرکار ابو میاں حضور پتا نہیں کب پنجاب آئیں گے، ابھی یہ بات میرے دل میں گھوم رہی تھی کہ ابو میاں حضور نے میرے دل کی بات کو پڑھ لیا، اور کہا کہ فکر مت کرو میں بہت جلد ہی پنجاب آ رہا ہوں، میں وہاں سے اپنے گھر

واپس آ گیا، میری گھر واپسی کے ایک ماہ بعد ہی مجھے فون پر پتا چلا کہ میاں حضور سرکار دلی پہنچ گئے ہیں اور پنجاب آ رہے ہیں، اس وقت میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی، جب سرکار میرے گھر آ گئے اور میرے پاس پانچ دن رکے، تب میں نے سرکار سے پھر سے اپیل کہ مرید کر لیں، تب سرکار نے قبول کرتے ہوئے مجھے میری پتنی اور بچوں کو اسلام قبول کرایا اس طرح ہم سرکار کے مرید ہو گئے، اس دن اسلام میں داخل ہونے کے بعد بہت کچھ سیکھنے کو ملا، جب بھی کوئی پریشانی ہوتی، ہم سرکار کے پاس حاضر ہو کر ان کو اپنی پریشانی کے بارے میں بتاتے تو پریشانی کا نام و نشان ختم ہو جاتا، اس کے بعد دھیرے دھیرے میرے دوست رشتے دار میرے پیر ابو میاں حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونے لگے اور میرے پیر کی رحمت سے بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور خدا کے راستے پر چل پڑے، میں آج کے دور میں تو یہی کہوں گا کہ خدا کے راستے کی تمنا سبھی کو تو ہے مگر اپنی سوچ کے مطابق جب انسان کو کوئی سچا پیر، گرو، سنت، مارگ درشکہ (رہنما) نہیں ملتا تب تک وہ انسان بھٹکتا ہی رہتا ہے، اور اس بھٹکنے میں اپنی پوری زندگی برباد کر لیتا ہے-

میں اس خدا کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے اپنے رسول محمد ﷺ کا راستہ دکھایا، جب پورا مرید ہونے کے بعد سات آٹھ سال گزر گئے تو میرے پیر نے مجھے حج کرنے کی طرف دھیان دلایا اور کئی سالوں کے انتظار کے بعد آخر وہ دن بھی آیا جب میرے آقا نے مجھے مکہ مدینہ بلایا، چنانچہ میں اور میری پتنی حج کے سفر کے لیے چل پڑے، -۵ نومبر ۲۰۱۰ء کو یہ مبارک دن آیا، اس وقت بھی میری دل میں یہ تمنا رہی کہ وہاں میرے پیر، گرو بھی اگر میرے ساتھ ہوتے تو اس کا مزہ کچھ اور ہوتا- میں بہت خوش نصیب نکلا، مجھے پتا چلا کہ میرے پیر بھی مکہ شریف پہنچ گئے ہیں، اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول کر لی اور میں نے یہ حج اپنے پیر کی موجودگی میں پورا کیا، آج میرے پیر کی مہربانیوں سے میری زندگی اور پورے پریوار کی زندگی بدل گئی ہے اور بہت سارے لوگ میرے سچے پیر سے فیض حاصل کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے، میں تو اس خدا سے یہی دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! میرے پیر کے روپ میں تو نے اپنا ایک روشن چراغ اس زمین پر بھیجا ہے، یہ روشن چراغ پوری دنیا میں روشن کر کے ہر انسان کے دل میں ایک سچے پیر کی طلب دے- اسلام کو اور روشن فرما اور ہم کو اپنی ملاقات کروا دے-

○○○

تحقیق وتنقید

تصوف-ایک انقلاب کی ضرورت

پیغمبراسلام حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کے وہ روشن پہلو جن کا زیادہ تعلق آپ کے اخلاق وکرداراور تزکیہ نفس وتصفیہ قلب سے ہے انہیں ہی احسان وسلوک اورتصوف وطریقت کہا جاتا ہے- اصحاب رسول ﷺ کے درمیان جن کے اولین نمونہ اصحاب صفہ تھے، جنہوں نے بہت سے علائق دنیوی سے بے نیاز ہوکر مسجد نبوی کے ایک مخصوص حصے میں مصروفِ عبادت وریاضت ہوکر اپنے شب وروز گزارنے کو ہی اپنا مطمح نظر بنالیا تھا- یوں تو سبھی صحابہ کرام ہراعتبار سے سیرت نبوی کے متبع، پاکیزہ نفس وپاکیزہ قلب اور جامع شریعت وسنت تھے،اور ہر شعبۂ زندگی میں ان کی بہت ساری مصروفیات تھیں، جب کہ اصحاب صفہ ہرطرف سے یک سو ہوکر مسجد نبوی میں خلوت گزیں ہوگئے تھے-

تصوف وطریقت کا مقصود اصلی اور معراج کمال معرفت نفس کے ساتھ معرفتِ الٰہی ہے، اور اس معرفت الٰہی یعنی خداشناسی اور خدارسی کے لیے علم کی شکل میں کتاب الٰہی اور عمل کی شکل میں ذات نبوی یہ دو ایسے نور ہیں جن کی راہنمائی میں ہی صراط مستقیم پر گامزن ہوکر خدائے سبوح و قدوس کی بارگاہ تک رسائی ہوسکتی ہے اور اس کا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے-

اسلامی تصوف کا امتیاز یہ ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر دنیا سے بے نیازی کا حکم دیتا ہے- اہل و عیال سے رشتۂ اخوت ومحبت قائم رکھتے ہوئے ان کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے- اسی طرح علم حاصل کرنے کی بطور خاص وہ تاکید کرتا ہے اور کسبِ معاش ورزق حلال واکل حلال وصدقِ مقال کی ہدایت دیتا ہے-

ان ساری صورتوں میں حکمِ الٰہی کی تکمیل اور رضائے الٰہی کی طلب اس کا اصل مقصد ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی تصوف کے حاملین خلق خدا کے درمیان رہتے ہوئے بھی ان سے مستغنی اور خلاق عالم کی طرف متوجہ اوراس کے فضل واحسان کے طالب ہوتے ہیں-

ہر عہد میں جلیل القدر صوفیہ و مشائخ کرام کا وجود رہا ہے، اور دنیا ان سے فیض حاصل کرتی رہی ہے- اس کے ساتھ ہی ساتھ تصوف کے سلسلے میں داخلی و خارجی سطح پر دو طرح کے خطرات کے طوفان عام طور پر برپا کیے جاتے رہے ہیں-

(۱) خوف خدا سے عاری کچھ لوگ تصوف کا لبادہ اوڑھ کر شہرت طلبی، شکم پروری و دنیا داری کی مذموم حرکات کرتے رہے ہیں-

(۲) روح شریعت و سنت سے نابلد کچھ لوگ تصوف کو نشانۂ تنقید و تنقیص بناتے رہے ہیں-

ان دونوں خطرات سے وہ صوفیہ و مشائخ کرام امت مسلمہ کو محفوظ رکھتے چلے آرہے ہیں جو فی الحقیقت وارثین سیرت نبوی و حاملین تصوف و طریقت ہیں-

اسلامی تصوف علم شریعت و سنت و اتباع شریعت و سنت کا عملی پیکر ہے- اور یہی پیکر محسوس نمائندۂ تصوف اسلامی ہے جو یقینی طور پر حق و صحیح اور نجات دہندہ ہے-

اسلامی تصوف محض نظری نہیں بلکہ عملی حقیقت ہے جس کی تعبیر یوں بھی کی جاتی ہے کہ تصوف قال نہیں بلکہ حال ہے- محض علم تصوف رکھنے والا شخص ساحل سمندر سے دور تماشائی کی طرح ہوتا ہے جو سمندر کے پانی سے سیراب نہ ہو سکے بلکہ اس کی ایک بھی بوند اس کے حلق کو تر نہ کر سکے-

تصوف کا رابطہ اسلام سے جتنا مضبوط و مستحکم ہوگا اس کا فیض بھی اسے اتنا ہی زیادہ حاصل ہوگا اور اسلام کی برکتیں اس کی زندگی کو کامیاب و کامراں بناتی رہیں گی-

تصوف از اول تا آخر جزو اسلام ہے- وہ اسلام جو قرآن حکیم اور سیرت نبوی کے آئینے میں آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور عیاں ہے- یہی اسلام روح تصوف ہے- یہی اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے- اسی دین اسلام کی تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خیر البشر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک جاری رہا اور قیامت تک یہی اسلام انسانوں کے درمیان جاری و باقی و قائم رہے گا- اسلام ہی دین واحد ہے جس کا کوئی ثانی نہیں- جس کی کوئی مثال نہیں- جس کا کوئی جواب نہیں- اس کے علاوہ جتنے مزعومہ ادیان و مذاہب ہیں جن کے متبعین انہیں ادیانِ سماویہ سمجھتے ہیں ان کا نہ کوئی وجود ہے نہ کوئی حقیقت- یہ اسلام وحدت دین کا قائل ہے نہ کہ وحدت ادیان کا- اور اسلام ہی وہ دین واحد ہے جو منزل من اللہ ہونے کے ساتھ ہمیشہ کے لیے مقبول عند اللہ بھی ہے-

دین اسلام از اول تا آخر ایک ہی ہے اور شریعت محمدیہ کے علاوہ کوئی شریعت نہیں- یہی دین اسلام اُن سارے انسانوں کی نجات کا ضامن ہے جو اس پر کامل یقین رکھتے ہیں اور اس کے ارکان و فرائض و تعلیمات و اشارات کو دل سے تسلیم کرتے ہیں-

تصوف اسلامی عقائد و اعمال کا مجموعہ ہے- معتقدات اسلامی کے خلاف تصوف کے اندر کوئی آمیزش ہمیشہ نا قابل قبول رہی ہے اور اعمال کی اصلاح کی طرف اس کی توجہ زیادہ مرکوز رہی ہے- قرآن حکیم و سنت رسول کے سلسلۃ الذہب سے منسلک عقاید و اعمال ہی اصل و خلاصۂ تصوف ہیں اور اسی اسلامی تصوف کے اہتمام و التزام سے طہارت قلب پیدا ہوتی ہے اور روحانی توانائی میں اضافہ ہوتا ہے-

معراج تصوف و طریقت یہ ہے کہ خود راہ حق پر چلتے ہوئے دوسروں کی صحیح راہنمائی اور جس حد تک اپنی وسعت و استطاعت ہو خلق خدا کی حاجت روائی کی جائے- کسی فارسی شاعر نے اس حقیقت کا اپنے اس شعر میں اظہار کیا ہے:

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دَلق نیست

سچے حاملین تصوف لوگوں کے قلوب کی آلائشیں دور کر کے انہیں صاف ستھرا کرتے ہیں اور انہیں اپنے رنگ میں رنگنے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں اور خلق خدا کی طرف سے انہیں جو کچھ بھی ناخوش گوار باتیں پیش آئی ہیں ان پر صبر کر کے تسلیم و رضائے الٰہی کی جانب اپنی ساری توجہ مبذول و مرکوز رکھتے ہیں-

صوفیہ و مشائخ کی بارگاہ میں ہر طرح کے لوگ حاضری دیتے ہیں، جن کی تعلیم و تلقین و ہدایت کا وہ بہتر اسلوب میں فریضہ انجام دیتے ہیں- ان کے یہاں صحیح بات وہی ہوتی ہے جس کا رشتہ ان کے اسلاف سے ہوتے ہوئے سیرت نبوی تک پہنچتا ہے اور شریعت مطہرہ جس کی تائید و توثیق کرتی ہے- ایسا نہیں ہے کہ کسی سچے صوفی کے یہاں ہر خیال و رائے اور ہر بات کو صحیح قرار دیا جائے- بلکہ صحیح بات وہی ہوگی جس کی شریعت و سنت کی جانب سے اجازت مل سکے- اور اگر کسی نام نہاد صوفی کے ہاں سب کچھ صحیح اور سب کچھ جائز ہے تو ایسے ہی نام نہاد صوفی کو "شیطان کا مسخرہ" کہا گیا ہے-

افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مدارس و جامعات، ہمارا مسلم معاشرہ، یہاں تک کہ ہماری خانقاہیں، اسلامی تصوف کے گراں قدر نمونے پیش کرنے سے عموماً قاصر ہیں- اور اس سے بھی زیادہ المیہ یہ ہے کہ اس متاع عزیز کی طلب کا جذبہ بھی مفقود ہوتا جا رہا ہے- حالاں کہ اس وقت دنیا جس گردش مصائب و آلام میں گرفتار ہے، اور جس اضطراب و بے چینی کا شکار ہے، اس کا تقاضا ہے کہ جگہ جگہ بزم تصوف آراستہ کی جائے، پیغام تصوف کو عام کیا جائے اور دورِ حاضر کی مضطرب انسانیت کو روح تصوف سے قریب اور ہم آہنگ کرنے کی خاطر خواہ کوشش کی جائے-

آج کی ترقی یافتہ دنیا نے جسم کی خواہشات و مطالبات کی تکمیل کا سارا سامان مہیا کرلیا اور مادیت کی جستجو میں زمین و آسمان ایک کردیا، لیکن روح کی تشنگی اور اس کی پیاس بجھانے کا اسے خیال تک نہ آیا- نتیجہ یہ نکلا کہ جو خطۂ ارض جتنا زیادہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے وہاں کی انسانی روح اتنی ہی زیادہ مضطرب اور بے چین ہے- کہیں کہیں اپنی تڑپتی روح کی تسکین کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر روح کا اضطراب گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے- ایسے عالم اضطراب میں اگر خم خانۂ تصوف کے چند قطرے ٹپکا کر ایسی روحوں کو شفا بخش دی جائے تو دور حاضر میں یہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہوگی- اور یہ خدمت صحیح اسلامی تصوف کو عملی شکل میں پیش کرنے کی صورت ہی میں انجام دی جاسکتی ہے-

کاش کہ اس جانب توجہ دی جائے اور اس آواز کو دل کے کانوں سے سنا جائے جو ہر چہار جانب سے اٹھ رہی ہے- خدا کرے یہ عظیم سعادت کچھ سعید روحوں کے حصے میں آئے اور ان کی مسعود کوششوں سے ایک روحانی انقلاب برپا ہوسکے- ایسا ہونا مشکل تو ضرور ہے مگر ناممکن نہیں- بلکہ امکانات روشن سے روشن تر ہوتے چلے جارہے ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
بہ امیدِ آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

☆☆☆

آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضؔا
مشتاق ، طبع، لذتِ سوزِ جگر کی ہے

OOO

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی

تصوف کی اجمالی تاریخ

تصوف کے آغاز وارتقا کے بارے میں دو مختلف نقطہ نظر ہیں، ایک راویتی ہے اور دوسرا تحقیقی ان دونوں میں جوہری اختلاف ہے دونوں مکاتب فکر کے عالمبرداروں کے درمیان بھی اختلاف ہے اس اختلاف میں حقیقت اکثر وبیشتر کھو جاتی ہے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ روایتی نقطہ نظر کے حاملین کرام تصوف کے استناد و اعتبار کے لئے اس کا رشتہ قران وسنت سے جوڑتے ہیں، رسول اکرم ﷺ کو علوم طریقت کا اسی طرح سر چشمہ مانتے اور بتاتے ہیں جس طرح آپ ﷺ علوم شریعت کے مصدر تھے- محققین علما و محدثین اور صوفیہ بھی تاریخی حقائق وشواہد کے تناظر میں طریقت کے آغاز وارتقاء کا جائزہ لیتے ہیں تو دوسری صورت نظر آتی ہے- (اس بحث کے ماخذ کے لئے ملاحظہ ہو: امام قشیری ،الرسالہ القشیر یہ ،امام غزالی ،احیاء علوم الدین ،ہجویری ،کشف المحجوب- جدید ماخذین: فواد سزگین ،تاریخ التراث العربی ،عربی ترجمہ محمود فہمی جوازی ،ریاض ۱۹۸۳ء- مقالہ تصوف ،اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ،ابن خلدون کے نقد وتبصرہ کے لئے ،راغب الطباخ، تاریخ افکار وعلوم اسلامی ،اردو ترجمہ دہلی ۱۹۸۳ء دوم، ۱۵۰ و مابعد وغیرہ)-

مشہور عام روایتی خیال یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بنفس نفیس طریقت کی بنا ڈالی اور اس کے اعمال واشغال کی تشکیل کی بعثت سے قبل غار حرا میں رمضان المبارک کے دنوں میں جوار وعبادت کو تصوف وطریقت کا ایک سنگ میل بتایا جاتا ہے بیعت ،خرقہ ،شب گزاری، ذکر وفکر اور متعدد دوسرے صوفی اشغال واعمال کے نبوی سنتوں سے استناد کیا جاتا ہے- ذات نبوی ﷺ سے مسلسل اور غیر منقطع سلسلہ کی خاطر یہ خیال بھی پروان چڑھایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو خاص علم طریقت عطا کیا ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے- ان سے یہ علم تصوف حضرت حسن بصری کو ملا اور ان کے بعد کی نسلوں کے نصیب آیا (مقالہ نگار تصوف ،اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ماسینون نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے-

دوسرے مقالہ نگار ابوبکر سراج الدین (سابق مارٹن لنگز) نے بعض ممتاز صحابہ کرام جیسے حضرت حذیفہ، ابوذر غفاری، سلمان فارسی وغیر کو بھی صوفیہ قرار دینے کی کوشش کی ہے) محققین کا اس عام روایتی خیال سے پورا اتفاق نہیں وہ استناد کی خاطر بعض افکار عام کو مان بھی لیتے ہیں۔ ان میں دوطرح کے اہل فکر ہیں ایک گروہ جن میں بڑے محققین محدثین وعلما شامل ہیں، صوفی اجماع واتفاق کا سہارا بھی لیتا ہے دوسرا گروہ تاریخی شواہد، دینی تعلیمات اور بنیادی حقائق کی بنا اپنی فکر پیش کرتا ہے جو روایتی نقطہ نظر کے حاملین سے یکسر مختلف ہے۔ دوسرا گروہ ان میں خاص اہمیت کے حاملین وہ صوفیہ کرام ہیں جو علم طریقت وتصوف کے اساطین سمجھے جاتے ہیں اور دین وتاریخ کے ماہرین بھی ہیں۔

اس مختصر مقالے میں ان دونوں مکاتیب فکر کے افکار وتحقیقات کا تجزیہ کر کے حقیقی صورت پیش کی جائے گی۔ امام قشیری (ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن خراسانی، م ۴۰۵/۱۰۱۴) تاریخ وتعلیم تصوف کے ایک بڑے شارح ہیں، تصوف کی نشو ونما کے موضوع پر وہ اپنے عظیم کارنامے ''الرسالۃ القشیریۃ'' میں بہت سیدھے سادے انداز میں تبصرہ کرتے ہیں: ''رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں اور اس کے بعد دین وسماج کے مسلم اکابر کا سب سے بڑا امتیاز ان کی صحابیت تھی اور وہ صحابی کہلاتے تھے اس کے علاوہ کسی اور خاص نام سے وہ موسوم ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے، کہ صحابیت سے بڑھ کر اور کوئی فضیلت نہ تھی، اس کے سامنے سب ہیچ تھا۔ دوسرے دور میں صحابہ کرام کے شاگردوں اور ان کے دیکھنے اور ملنے والوں کا نام تابعین تھا کہ وہ صحابہ کرام کی رویت وصحبت سے مشرف ہوئے تھے۔ تیسرے دور میں تابعین کے تربیت یافتہ اور معاصرین ''تبع تابعین'' کے لقب سے جانے جاتے تھے اور یہی تین، خیر القرون کی حدیث کا مطلب ہے۔ اس کے بعد اکابر وخواص امت کا تعارف مختلف طریقوں اور ناموں سے ہونے لگا اور ان کے مراتب واشغال جدا جدا ہو گئے وہ خاص بزرگ جو معاشرہ اور خاص کر خلافت وریاست کے معاملات سے کٹ کر صرف عبادت میں لگ گئے، زہاد وعباد (زاہد: دنیا سے کنارہ کش اور عبادت میں شغف رکھنے والے) کہلانے لگے، وہ عوام وخواص دونوں دنیا میں بے جا شغف سے ڈرانے لگے اس کے بعد بدعتیں اور جدت طرازیاں ظاہر ہونے لگیں اور تمام فرقوں اور طبقوں کے درمیان حریصانہ دوڑ اور مقابلہ جاتی ریس ہونے لگی۔''

امام قشیری نے اگرچہ صوفی اور تصوف کی بحث میں یہ خیال بھی واضح کیا ہے کہ ان دونوں کا چلن دوسری صدی ہجری سے یا اس کے کچھ پہلے سے شروع ہو گیا تھا اور ابوہاشم صوفی کو شیخ شہاب الدین سہروردی (۵۳۹/۱۱۴۵-۶۳۲/۱۲۳۴) نے اولین صوفی قرار دیا ہے اور انھوں نے

حضرت حسن بصری سے اک صوفی کی ملاقات کا ذکر بھی ان کی زاہدانہ طبیعت کے سبب کیا ہے لیکن وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تصوف وطریقت کا سلسلہ دراصل دوسری صدی ہجری یا نویں صدی عیسوی کے بعد ہی ہوا تھا۔

متعدد دوسرے محققین اور صوفیہ نے بھی اس خیال وفکر سے اتفاق کیا ہے جن میں بڑے بڑے اساطین طریقت وشریعت شامل ہیں (قشیری رسالہ قشیریہ اردو ترجمہ اسلام آباد ۱۹۷۰ء باب چودہ، فارسی متن، ۲۷-۲۸: ذھب صفوالدنیا وبقی کدرھا، سہروردی، عوارف المعارف بحوالہ شیخ جنید بغدادی، نیز مختلف کتب تصوف ومقالات)۔

شیخ ہجویری (علی بن عثمان جلابی، ۴۰۰/۱۰۰۹-۴۶۵/۱۰۷۲) نے اپنی کتاب میں امام ابو الحسن الفوشنجی (م ۳۴۸/۹۵۹) کا ایک قول عظیم نقل کیا ہے: ''آج کل تصوف ایک نام ہے بغیر حقیقت کے، لیکن زمانہ سابق میں یہ ایک حقیقت تھی بغیر نام کے'' پھر ہجویری رحمہ اللہ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کے زمانے میں یہ نام موجود نہ تھا لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں جلوہ گر تھی۔'' شاید ہر شخص کا عموم مبالغہ آمیز لگے لیکن یہ حقیقت ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ کرام کے اکابر خواص میں تو بلاشبہ یہ حقیقت موجود تھی اور عوام کی اکثریت بھی اس سے خالی نہیں تھی کہ وہ تو دین خالص کا عطیہ وثمرہ تھا۔ (سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی، بحوالہ کشف المحجوب، حضرت ہجویری داتا گنج بخش کے لقب سے معروف ہیں، کشف المحجوب فارسی کے مولف ہیں اور عظیم عالم دین اور محدث ومعلم بھی تھے۔ لاہور میں درس بخاری دیا۔ وہیں مدفون ہیں)

برصغیر پاک وہند کے عظیم ترین محدث ومفسر اور صوفی وفقیہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (احمد بن عبدالرحیم فاروقی حنفی، ۱۱۱۴/۱۷۰۳-۱۱۷۶/۱۷۶۲) ہیں۔ ان جیسا جامع شریعت وطریقت سلف صالحین میں بھی خال خال ملتا ہے اور خلف میں نابود ہے۔ حضرت شاہ رحمہ اللہ بطور محدث وعالم دین ایک نقطہ نظر رکھتے ہیں اور بطور صوفی وشیخ دوسرا، ان دونوں میں بسا اوقات تصادم نظر آتا ہے تصوف وطریقت کے آغاز وارتقاء کے بارے میں ان کا ایک خاص تحقیقی کارنامہ ہے جس پر بالعموم زیادہ توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ حضرت شاہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ہمعات میں اس کی تفصیل دی ہے اور دوسری کتابوں میں صرف اشارات سے کام لیا ہے وہ حقیقت آ گئیں ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے تصوف وطریقت کے رجحانات سے بحث کی ہے جو دوسروں کے ہاں بالکل نہیں ملتی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف وطریقت کے چار رنگ ہیں۔ ان کو کبھی ''دورہ'' بھی کہا ہے اور بعض دوسرے نام بھی استعمال کئے ہیں ان رنگہائے تصوف اور دورات طریقت کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

''اولین دورہ/رنگ/لون دراصل دورۂ شریعت تھا، حضرت شاہ کے مطابق اس کی تفصیل بہت اہم و معنی خیز ہے ''رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے زمانے میں چند نسلوں تک اہل کمال کی بیشتر توجہ زیادہ تر شریعت کے ظاہری اعمال کی طرف رہی - ان لوگوں کو باطنی زندگی کے ''جملہ مراتب'' شرعی احکام کی پابندی کے ذیل میں حاصل ہو جاتے تھے - چنانچہ ان بزرگوں کا ''احسان'' یعنی حاصل تصوف یہ تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے تھے، ذکر و تلاوت کرتے تھے، روزے رکھتے تھے، حج کرتے تھے، صدقہ اور زکوۃ دیتے تھے اور جہاد کرتے تھے، ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو سر نیچے کیے بحر تفکرات میں غرق نظر آتا - یہ بزرگ خدا تعالی سے ''قرب وحضوری'' کی نسبت، اعمال شریعت اور ذکر اذکار کے سوا کسی اور ذریعے سے حاصل کرنے کی سعی نہ کرتے تھے - بے شک ان اہل کمال میں سے جو محقق ہوتے ہیں ان کو ذکر اذکار اور نماز میں لذت ملتی، قرآن مجید کی تلاوت سے متاثر ہوے، اسی طرح شریعت کے دوسرے احکام بجالاتے، ان شرعی احکام کی بجا آوری سے ان کے باطنی تقاضوں کی تسکین بھی ہوتی تھی، ان میں سے کوئی شخص نہ بیہوش ہوتا اور نہ اسے وجد آتا، نہ وہ جوش میں آ کر کپڑے پھاڑتا، نہ شطح یعنی خلاف شرع کوئی لفظ اس کی زبان سے نکلتا یہ بزرگ تجلیات استتار اور اس قسم کے دوسرے مسائل پر مفصل گفتگو نہ کرتے، کشف وکرامات اور خوارق ان سے بہت کم ظاہر ہوتے اور سرمستی اور بے خودی کی کیفیت بھی شاذ و نادر ہی ان پر طاری ہوتی اور اگر کبھی کبھی یہ باتیں ان سے صادر بھی ہوتی تھیں تو قصداً نہیں، محض اتفاق سے ایسا ہوتا قصہ مختصر اس دور میں جسے تصوف یا احسان کا پہلا دور کہنا چاہیے، اہل کمال کا غالب طور پر یہی حال رہا -

دوسرا دورہ/ رنگ/ تغیر تصوف

حضرت جنید، جو گروہ صوفیہ کے سرخیل ہیں، ان کے زمانے میں یا ان سے کچھ پہلے تصوف کے ایک اور رنگ کا ظہور ہوتا ہے اس زمانے میں یہ ہوا کہ اہل کمال میں سے ایک عام طبقہ تو اسی طریقہ پر کاربند رہا جس کا ذکر پہلے دورہ کے ضمن میں ہو چکا ہے - لیکن ان میں سے جو خواص تھے انھوں نے بڑی بڑی ریاضتیں کیں اور دنیا سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور مستقل طور پر وہ ذکر وفکر میں لگ گئے - اس سے ان کے اندر ایک خاص کیفیت پیدا ہوگئی، اس کیفیت سے مقصود یہ تھا کہ دل کو تعلق باللہ کی نسبت حاصل ہو جائے چنانچہ یہ لوگ اس نسبت کے حصول میں لگ گئے، وہ مدتوں مراقبے کرتے اور ان سے تجلی، استتار، انس وخشیت کے احوال وافعال ظاہر ہوئے اور وہ اپنے احوال کو نکات اور اشارات میں بیان کرتے ...... یہ لوگ سماع سنتے، سرمستی و بے خودی میں بیہوش ہو جاتے، کپڑے پھاڑتے الغرض اس دور کے اہل کمال کا تصوف یہ تھا کہ وہ خدا کی عبادت دوزخ

کے عذاب سے ڈر کر یا جنت کی نعمتوں کی طمع میں نہ کرتے تھے، بلکہ ان کی عبادت کا محرک خدا کے ساتھ ان کی محبت کا جذبہ تھا -'' بقیہ دوالوان/رنگہائے تصوف اور ادوار طریقت کا تعلق تصوف کی تاریخ سے نہیں ہی، اس لئے اس کی تفصیل نظر انداز کی جاتی ہے، صرف فکر تصوف سے ہے اور وہ یہ کہ تیسرا رنگ غور وفکر اور جذب کا، شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی کے عہد میں - اور چوتھا وحدۃ الوجود کا شیخ ابن عربی کے عہد سے شروع ہوا -

(شاہ ولی اللہ دہلوی ہمعات، مرتبہ نور الحق علوی و غلام مصطفیٰ قاسمی، شاہ ولی اللہ اکادمی حیدرآباد سندھ ۱۹۶۴، ۱۶-۲۰، اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور، لاہور ۱۹۴۳، ۴۸، ۵۳، ترجمہ ناقص بھی ہے اور مترجم کی تشریحات بسا اوقات ناقص تر - اس نظریہ شاہ پر مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ '' خاکسار'' تصوف وطریقت کے چہار رنگ کا نظریہ شاہ ولی اللہ دہلوی پیش کردہ تصوف سیمینار، ہندی شعبہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مارچ ۲۰۱۰ء) (غیر مطبوعہ) مختصر تبصرہ کے لئے محمد مشتاق تجاروی (سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی) دہلی ۲۰۰۹، ۳۳-۳۴ و مابعد، نیز کتاب خاکسار'' حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی) شخصیت وحکمت کا ایک تعارف'' علی گڑھ ۲۰۰۱ء) -

بیشتر محققین صوفیہ وعلما کے مطابق تصوف وطریقت کا عہد نبوی اور عہد صحابہ وتابعین وتبع تابعین میں وجود نہ تھا وہ دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے اوائل (نویں صدی عسوی) کا ایک علمی، فکری اور تجربی ارتقا ہے لیکن روایتی اہل فکر اور خاص کر تصوف وطریقت کو رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے وابستہ کر کے شریعت و دین اسلام کے مانند اس کو ذات نبوی سے ماخوذ مانا ہے اور ابو نعیم اصفہانی (احمد بن عبداللہ بن احمد، ۳۳۶/۹۴۸-۴۳۰/۱۰۳۸) اور علامہ ابن الجوزی (عبدالرحمٰن بن علی قرشی، ۵۰۸/۱۱۱۴-۵۹۷/۱۲۰۱) وغیرہ تصوف کی تاریخ صحابہ کرام سے شروع کی ہے اور ایک تحقیق کے مطابق ڈیڑھ سو صحابہ کرام کو صوفیہ کی فہرست میں رکھا ہے - اکثر صوفیہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیشوا اور سر چشمہ تصوف مانتے ہیں - صوفیہ صحابہ میں وہ بالعموم اصحاب صفہ کو شامل کرتے ہیں - اس موضوع پر بعض کتابیں بھی لکھی گئی ہیں حالانکہ حضرات اصحاب صفہ کا تعلق کسی طرح سے بھی تصوف وطریقت سے نہ تھا - وہ دنیا وا مو معاشرہ سے الگ نہ تھے ان میں سے بہت سے اصحاب خلافت اسلامی کے کارکن وخادم تھے'' دین وشریعت کے پیشوا اور امام تھے جہاد میں شریک ہوتے، تجارت وزراعت اور حرفت کرتے تھے، اس کے باوجود وہ عظیم اسلامی عبقریات تھے اور ان میں زہد وانابت سمایا ہوا تھا ان کا زہد واتقا، اطاعت وانابت ذکر وفکر ان کو دنیا ومعاشرت کے فرائض وخدمات سے دور کرنے کا سبب نہیں بنا تھا، دراصل تصوف وطریقت کا ارتقا اسلامی خلافت ومعاشرہ کے دور زوال

کے آغاز سے وابستہ ہے اور اس کی مروجہ تاریخ ونشو ونما میں بہت سے ایسے مراحل ہیں جو حقائق وواقعات سے مستند نہیں کیے جاسکتے مگر کئے جاتے ہیں -(شیخ جنید بغدادی ،۳۴۳ ومابعد، امام قشیری، شیخ ہجویری وغیرہ کی کتب تصوف)-

تصوف وطریقت کی رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے وابستگی اور ان کی ذات وخدمات کو سرچشمہ بنانے کی کوشش دراصل اس کو اسلامی رنگ دینے اور معتبر ومستند بنانے کی عام طبقاتی کوششوں کا ایک حصہ ہے- مسلم معاشرہ میں نئے خیالات ،تازہ افکار اور غیروں سے مستعار علوم وفنون کے نفوذ کے بعد ایک رجحان ہر طبقہ میں پیدا ہوا وہ یہ کہ اپنے افکار واعمال اور علوم وعقائد کی دلیل رسول اکرم ﷺ کی سنت ،صحابہ اکرام کے تعامل اور قرآن مجید کی تعلیمات سے حاصل کی جائے - ہر طبقہ اور ہر فرقہ نے اس میں غیر منصفانہ مسابقت اور دوڑ لگائی ،صوفیہ بھی ان سے مبرا نہ تھے -(شاہ ولی اللہ دہلوی ، القول الجمیل ، اردو ترجمہ، پوری کتاب سلاسل اور ان کے نظریات پر ہے، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، اردو ترجمہ، ۱۸)-

صوفیہ کرام نے قرآن مجید کی آیات کریمہ کی من چاہی تاویلات وتشریحات کر کے ان کو طریقت پر چسپاں کیا - حالانکہ وہ شریعت ودین کی جان وروح ہیں اور ان کا تصوف وطریقت سے کوئی واسطہ نہیں - زہد وتقویٰ ، خشیت وانابت واطاعت اور ایسی تمام چیزیں اسلامی دین وشریعت کی تمام بنیادوں میں موجود ہیں اور ان کے بغیر کوئی شخص صحیح اور پکا مومن نہیں بن سکتا - قرآن مجید تہذیب نفس ،تعمیر معاشرہ اور تشکیل خلافت اور اپنی سہ گانہ جہات کی بنا پر اور ان کے ذریعہ پوری انسانیت کی فلاح وبہبود چاہتا ہے - وہ ایک ایسا فکری اور عملی نظام پیش کرتا ہے جو سراسر عمل پیہم وجہد مسلسل ہے (قرآن مجید کی ان تمام آیات کریمہ کو صرف تصوف وطریقت تک محدود کرنا سخت نادانی ہے - بعض تصوف زدہ حضرات وخواتین نے وحدۃ الوجود جیسے فلسفانہ نظریہ کو جس کا تصوف وطریقت سے کچھ تعلق نہیں ،قرآن مجید سے نہ صرف ثابت کیا ہے بلکہ قرآن مجید کو وحدۃ الوجود کی کتاب بنا دیا ہے، ملاحظہ ہو مثال کے طور پر: میر ولی الدین ،قرآن اور تصوف، اس کے علاوہ دوسری کتب ومقالات بھی ہیں)-

رسول اکرم ﷺ کے اعمال واشغال اور تعلیمات میں تصوف وطریقت کی تلاش بھی اسی طرح کی کوشش ہے، رسول اکرم ﷺ کے زہد وفاقہ ،تقویٰ وخشیت ،انابت وعبادت ،اور دوسرے تمام اعمال واشغال خالص شرعی ودینی تھے ، وہ اعتدال ونظام پابند تھے ،اور اسی شرعی اعتدال اور دینی نظام کا پابند آپ ﷺ نے سب صحابہ کرام کو بنایا تھا - بعثت سے قبل غار حراء میں رمضان مبارک کے دنوں میں جوار وعبادت دراصل دینِ حنیفی کی ایک روایت تھی جس پر تمام اکابر قریش ومکہ کا عمل تھا -

وہ شرعی اعتکاف کے مماثل یا اس کا ایک دوسرا پہلو تھا اور حضرت ابراھیم علیہ السلام سے چلتا آیا تھا - اس کا خانقاہی مراقبہ وغیرہ سے کوئی تعلق نہ تھا - صوفیہ کرام اور تصوف کے بعض اہل فکر وقلم نے اس جوار نبوی کی حیثیت نہیں پہچانی اور نہ اس کا ادراک کیا کہ وہ بعثت ونبوت سے قبل کا ایک دین حنیفی کا عمل تھا جو بعد میں اعتکاف وجوار مسجد میں بدل گیا تھا - ابوبکر سراج الدین جیسے پر جوش داعی تصوف نے جوار نبوی کو ابراہیمی تصوف اور اسلامی تصوف کے درمیان ایک رشتہ اتصال تک سمجھا اور سمجھایا ہے، اسی طرح وہ انھوں نے تصوف وطریقت کو ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث قرار دے دیا ہے (مقالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جوار نبوی پر تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کا مقالہ عہد جاہلی مکی میں تحنث کی اسلامی روایت ششماہی جہات الاسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور ،۹-۳۷) اس سے زیادہ خطرناک اور دوررس نتائج کا حامل روایتی صوفیہ کا یہ دعوی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص شریعت کے ماسوا خاص الخاص طریقت کا علم عطا فرمایا تھا اور اس فکر کے حاملین کرام نے دوسرے صحابہ کو اسی سے محروم بتایا ہے البتہ بعض دوسرے اہل فکر کا خیال ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بعض اور صحابہ اکرام کو بھی طریقت وتصوف کا علم وعمل سکھایا تھا - محققین صوفیہ ایک طرف تو اس خاص علم طریقت کو کسی ایک صحابی یا ایک طبقہ صحابہ کو عطا کرنے کے نظریہ کی مخالفت کرتے ہیں - اور دوسری طرف وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اولین ''فاتح باب جذب'' اور تصوف وطریقت کا علم بردار بھی قرار دیتے ہیں - ان کی یہ کوشش دراصل تحقیق وعقیدت کے درمیان پیوند کاری اور تفاہم وتطبیق کی بنا پر ہے اور جس کا شکار حضرت شاہ رحمہ اللہ جیسے اہل علم وحدیث بھی ہیں - اس باب میں محدثین اور علماے دین کا یہ متفقہ فیصلہ واجماع کلی یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے کسی صحابی کو دین وشریعت اور طریقت وانابت کا کوئی مخصوص علم نہ تو سکھایا اور نہ ہی ان کو اعمال بتائے - رسول اکرم ﷺ کی تمام تعلیمات تمام صحابہ کرام کے لئے بلکہ ان سے بڑھ کر تمام انسانوں کے لئے عام تھیں اور آج تک ہیں - آپ ﷺ نے کسی کو بھی کوئی خاص علم طریقت نہیں دیا - یہ ذات رسالت مآب ﷺ کی عمومیت تھی اور وہ سب کے لئے رحمت وہادی تھے -(حضرت علی رضی اللہ عنہ مقام جذب کے اولین حامل عالی مقام اور دوسرے تمام مراتب خاص کر تمام سلاسل تصوف کے مرجع وماخذ کے لئے ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ ہمعات ،۶۰ - ۶۱ ، مقالات اردو دائرہ معارف اسلامیہ ،شاہ ولی اللہ، تفہیمات ،۱/۸۵-۸۶: علوم باطنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے وصی تھے، اسی طرح وہ خلفائے ثلاثہ اور بعض دیگر صحابہ کے مراتب باطنی اور تفضیل ووصایت کے قائل تھے، نیز تفہیمات ۱/۱۰۳-۱۰۴، فیوض الحرمین ،اردو ترجمہ، ۱۷۱-۱۷۲، حضرت شاہ رحمہ اللہ نے اس پر دیگر تصانیف میں بھی بحث کی ہے)

صوفیہ کا دوسرا دعوی یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (۲۲/۶۴۳-۱۱۰/۷۲۸) کو وہ خاص علم طریقت سکھایا جو ان کو رسول اکرم ﷺ سے ملا تھا اور انھوں نے اپنے بعد اپنے دوسرے شاگردوں اور عقیدت مندوں کو سکھایا- اس مسئلہ پر عظیم ترین محدثین اور علما اور بعض محقق صوفیہ کرام کا یہ اتفاق ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تھی اور نہ ان صحابی جلیل سے کسی قسم کا استفادہ کیا تھا - اگرچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نوعمر بچے اور معاصر تھے، حضرت شاہ رحمہ اللہ نے بھی اسی عدم لقاء کو تسلیم کر کے کئی جگہ اس کا بطور محدث اظہار کیا ہے اور اپنے ناقدین کے تردیدوں کا جواب دیا ہے تاہم وہ بھی اس صوفیانہ طرفگی کا شکار ہو گئے کہ صوفیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری کے استفادہ وحصول علم پر اجماع و اتفاق ایک طاقت رکھتا ہے اور اسی بنا پر وہ اس عدم لقاء کے باوجود ان کے اجماع و اتفاق سے متاثر ہو گئے ہیں- (شاہ ولی اللہ، رنگہائے تصوف پر مذکورہ بالا مقالہ خاکسار، ہمعات اردو ترجمہ، ۱۰۷-۱۰۸، تفہیمات ۲/۵۴ وغیرہ متعدد تفہیمات، ہمعات فارسی ۶۰-۶۱ میں شاہ صاحب کی صراحت ہے: ''در حقیقت رجوع سلاسل اولیاء بسوئے ایشاں از جہت روایت ثابت نمی شود، وحسن بصری را بایشاں خصوصیتی با دیگراں نبا شد، معلوم نیست مع ہذا صوفیہ قاطبتھم طبقۃ بعد طبقۃ اتفاق کردند بارجاع سلسلۂ طریقت بایشاں ، ولابد ایں اتفاق بے وجہے نیست وایں وجہ نزدیک فقیر آں ست کہ ایشاں اول مجذوب اندازیں امت'' حضرت شاہ رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اولین مجذوب ہونے پر بھی شواہد وروایات نہیں پیش کیں صرف وجدانی اسباب سے ان کو فاتح باب جذب اور حضرت حسن بصری کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے باطنی علوم اخذ کرنے والا بتایا ہے، محدثین اور علمائے دین نے حضرت حسن بصری کے تمام فضائل ومناقب تسلیم کرنے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اخذ شریعت وطریقت کے واقعہ سے انکار کیا ہے)-

حضرت شاہ رحمہ اللہ نے غالبا اپنے رجحان تطبیق اور صوفیانہ مذاق کی بنا پر اپنی حدیثی تحقیق کو بالائے طاق رکھ دیا ہے مگر محدثین اور علما نے اس ملاقات وتلمذ حضرت حسن بصری کو تسلیم نہیں کیا- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی تمام روایات کو منقطع مانا ہے اس سے زیادہ دلچسپ اور اہم بات یہ ہے کہ جدید دور کے بعض ماہرین تصوف اور ان میں سے مغربی اہل فکر جو تصوف کے طرفداری ہیں سخن شناس نہیں، انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی تعلیم وتربیت کا صوفیانہ نظریہ نہیں تسلیم کیا ہے ان میں موجودہ دور کے ایک مغربی ماہر تصوف مسینون بھی شامل ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے

شجرۂ نسب

محدثین اور دوسرے عظیم علما دین وشریعت کی مانند صوفیہ کرام دراصل طریقت وتصوف کے شجرے بناتے ہیں- عام اور مقبول خیال یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے یہ طریقت کا سلسلہ چلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہونچا اور ان سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو ملا- ابوبکر سراج الدین اور دوسرے ممتاز اہل علم وفکر نے لکھا ہے کہ ''عام طور سے خود صوفیہ جس سلسلے کا پتہ دیتے ہیں اسے اگر تیسری صدی تک لیا جائے تو اس کی صورت یوں ہے حضرت علی (م ۴۰/۶۶۰)، حسن بصری (م ۱۱۰/۷۲۸)، حبیب العجمی (م ۱۵۶/۷۷۳) داؤد طائی (م ۱۶۵/۷۸۲) معروف کرخی (م ۲۰۱/۸۱۷) سری السقطی (م ۲۵۳/۸۶۷) جنید بغدادی (م ۲۹۷/۹۱۰)، اس سلسلے کی تاریخی صداقت پر شبہ کرنے کی کوئی صحیح وجہ موجود نہیں- اس پر ذھبی کی نکتہ چیناں محض خیالی ہیں-''

مقالہ نگار نے جس طرح امام ذھبی کی نکتہ چینوں کو خیال قرار دے کر سلسلہ شجرہ طریقت کو تاریخی واقعیت قرار دیا ہے اسی طرح ان کے اس خیال کو بھی خیالی قرار دیا جا سکتا ہے- اس کے متعدد تاریخی اور حقیقی اسباب و وجوہ بھی ہیں- ان میں ایک ماسینوں کا خیال وترجیح ہے کہ معروف کرخی کے روحانی سلسلہ کو بکر بن خنیس: ثابت البنانی کے واسطے سے حسن بصری رحمہ اللہ تک پہونچایا جائے- خود حسن بصری کے متعلق ان کی رائے ہے کہ وہ براہ راست حضرت علی کے مرید نہ تھے جن کے وصال کے وقت حسن بصری کی عمر صرف بیس سال تھی، بلکہ وہ ایک دوسرے صحابی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (م ۵۲/۶۷۲) سے فیضیاب ہوئے تھے- خود مشہور عالم مغربی ماہرین طریقت وتصوف نے بھی کسی ایک سلسلہ شجرۂ طریقت پر اتفاق نہیں کیا ہے- عظیم مسلم اہلِ فکر ونظر نے اس سے زیادہ بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ کسی ایک شیخ یا صوفی یا سالک کے صرف ایک ہی شیخ نہ ہوئے بلکہ وہ متعدد اور بسا اوقات بہت سے صوفیہ سے استفادہ کرتے تھے، ان سے اخذ طریقت کرتے تھے اور ان کے شاگرد بھی تھے، حضرت حسن بصری کے متعدد شیوخ تھے جس طرح ان کے متعدد تلامذہ اور مرید تھے- ان مریدوں اور شاگردوں نے بہت سے مشائخ سے طریقت لی تھی- (مقالہ تصوف اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی، ۳۸/۴۱ و مابعد، شاہ ولی اللہ، ہمعات، تفہیمات وغیرہ)-

زہاد وعباد ونساک سے صوفیہ تک

دوسری صدی ہجری/آٹھوی صدی عیسوی دراصل زہاد ونساک اور عباد کی صدی تھی جس کا سب سے بڑا امتیاز زہد تھا- وہ زہد جو ترک کسب (کمانے کو چھوڑنے) پر اکساتا ہے اور وہ زہد صحابہ کرام اور تابعین کے زہد وعبادت سے قطعی مختلف تھا، اس روایت کو فروغ دینے اور شائع

کرنے میں حضرت حسن بصری کے تلامذہ نے خاص کردار ادا کیا تھا اور دوسروں نے بقدر استطاعت حصہ لیا تھا- ان میں شامل تھے، مالک بن دینار (م۱۲۸/ ۷۴۶) محمد بن الواسع (۱۲۰/ ۷۳۸) متأخر الذکر کے مرید وشاگرد عبدالواحد بن زید (م ۱۷۷/۷۹۴) اور ان کے شاگرد شیخ ابوسلیمان دارانی (م۲۱۵/ ۸۳۱) نے تو باقاعدہ جماعتی تنظیم کی- دوسرے زہاد عصر تھے- امام ایوب سختیانی (م۱۳۱/ ۷۴۹) فرقد السنجی (۱۳۱/ ۷۴۹) ابوحازم سلمہ بن دینار مخزومی (م۱۴۰/ ۷۵۷ء) شیخ فضیل بن عیاض (م۱۸۷/۸۰۲) وغیرہ - یہ تمام حضرات صوفی سے زیادہ زہاد کہلاتے تھے-

اسی زمانے میں صوفی (صوفیہ کا چلن ہوگیا تھا مگر خال خال تھا- تصوف اور صوفیہ کا فروغ دوسری صدی کے اواخر کا ہے- تیسری صدی ہجری/ نویں صدی عیسوی دراصل عظیم ترین اور عہد ساز صوفیہ کا زمانہ ہے اور اسے تصوف وطریقت کا سنہری دور سمجھا جاتا ہے- اس کے نشان امتیاز حضرت جنید بغدادی تھے جنہوں نے تصوف وطریقت کی تجدید وتطہیر کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، ان کے پیشرووں میں بھی بہت عبقری شخصیات شامل تھیں جیسے شیخ ابوسلیمان دارانی، حاتم اصم (۲۳۷/ ۸۵۱) احمد بن عاصم انطاکی (م۲۲۰/ ۸۳۵) شیخ محمد بن حسین برجلانی (م۲۳۸/۸۵۲) ابویزید بسطامی (م۲۶۱/۸۷۴) ابن ابی الحواری (م۲۳۰/ ۸۴۵) یحیی بن معاذ رازی (م۲۵۸/ ۸۷۲) حمدون القصار (م۲۷۱/ ۸۸۵) وغیرہ متعدد شخصیات تھیں (بحث کے لیے سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی ۴۲-۶۵ ومابعد)-

حلقہ وسلسلہ کی تشکیل

شیخ عبدالواحد بن زید کو غالبا شرف جاتا ہے کہ انہوں نے زہاد ونساک کی ایک جماعت کی تشکیل کی اور ان کو شہر عبادان میں ایک مرکز پر جمع کیا- شیخ ابوسلیمانی دارانی اور ان کے متعدد اصحاب اس جماعت نساک سے وابستہ تھے- صوفیہ کی خانقاہوں اور زاویوں وغیرہ کے قیام سے قبل یہ ان کے پیشرووں کی جماعتی تشکیل اور گروہی تنظیم تھی، اس کا سبب بلاشبہ اس زمانے کے تدریسی حلقوں اور تعلیمی سلسلوں کا نظام تھا جس نے محدثین، فقہا، علما، اور مدرسین وغیرہ کو اپنے اپنے حلقے قائم کرنے پر آمادہ کیا تھا- فقہا میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت فقہاء ومجتہدین کی مثال سب سے روشن اور موثر ثابت ہوئی تھی اور عہد ساز بنی تھی-

تیسری/ نویں صدی سے صوفیہ کی خانقاہوں کا قیام بھی شروع ہوا جو دوسری جماعتی تنظیموں کی تحریک سے متأثر تھا- مولانا جامی (عبدالرحمٰن، ۸۱۷/۱۴۱۴-۸۹۸/۱۴۹۲) کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کے سرخیل شیخ جنید بغدادی نے بھی اپنی خانقاہ قائم کی تھی بعض لوگوں

نے حضرت جنید بغدادی کی خانقاہ کے قیام کی روایت پر شک وشبہ کا اظہار کیا ہے لیکن وہ صحیح نہیں لگتا- شیخ جنید بغدادی کے احوال اور تعلیمات اور مساعی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ایک مرکز کے بانی اور اس کے شیخ تھے جہاں ان کے مرید ان سے حصول علم کے لئے آتے تھے بہر حال ابن جوزی کے ایک بیان سے یہ قطعی ثابت ہوتا ہے کہ شیخ ابراھیم مصری (م۲۷۰/۸۸۳) نے اپنی ایک خانقاہ قائم کی تھی جس کو رباط کہا جاتا تھا- رباط کی تاریخ واہمیت بہت دلچسپ ہے اور وجہ تسمیہ بھی، جس طرح خانقاہ اور زاویہ وغیرہ کی تاریخ واہمیت ہے- چوتھی/ دسویں صدی سے خانقاہوں، رباطوں، زاویوں کی تشکیل وتعمیر اور تنظیم، تصوف وطریقت کی اجتماعیت کی علامت بن گئی وہ صرف گروہی شناخت اور جماعتی علامت نہ تھی بلکہ طریقت وتصوف کے مختلف مراکز کی حیثیت سے تعلیم وتربیت کے مدرسے تھے -(سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی، ۵۴ بحوالہ ابن الجوزی، المنتظم، آدم متز، الحضارۃ الاسلامیہ- مقالہ رباط اردو دائرۂ معارف اسلامیہ از Georges marcais نے قلع بند اسلامی خانقاہ کے معنی دیے ہیں اور سورہ انفال ۶۰: ومن رباط الخیل الخ سے سند لی ہے کہ وہ اصلا جہاد کی سرگرمیوں کا مرکز تھا جہاں جہاد کے گھوڑے باندھے جاتے تھے، وہ مذہبی بھی تھا اور فوجی بھی، بعد میں صوفیہ کرام نے خاص طور پر عرب ممالک وامصار میں اپنی خانقاہوں کے لیے اس اصطلاح کو اپنا لیا اور وہ ان مراکز کے معنی میں بدل گئی جہاں جہادِ نفس کی تعلیم دی جاتی تھی، ضروری نہیں تھا کہ رباط بہر حال قلعہ بند ہو وہ عام عمارت بھی ہوتی تھی)

سلاسل طریقت کا قیام

رباط، خانقاہ، زاویہ، وغیرہ کی تشکیل وتنظیم نے شیخ کو ایک مرکز طریقت سے وابستہ کر کے ایک خاص شناخت دے دی، اس مرکز میں شیخ کے مریدوں، عقیدت مندوں اور سالکوں کے علاوہ دوسرے عوام وخواص کی آمد ورفت بھی خاص مقاصد سے شروع ہوگئی، اس مرکزیت واجتماعیت نے شیخ خانقاہ کے دامان دولت سے وابستہ لوگوں خاص کر ان کے اکابر مریدوں، خلفاء وغیرہ کو ایک خاص سلسلہ سے باندھ دیا، اگرچہ شروع کی صدیوں میں بیشتر جویائے حق وطریقت مختلف مشائخ سے استفادہ کرتے تھے، تلامذہ اور شاگردوں کے حلقوں کا سلسلہ تو صحابہ کرام کے مبارک دور سے چلا آرہا تھا اور وہ زہاد ونساک کے حلقوں میں بھی جاری رہا- حضرت حسن بصری کے تلامذہ کی تعداد مختلف علوم وفنون میں کافی زیادہ تھی- ان میں بعض یا متعدد صرف طریقت کے حوالے سے معروف ہوئے، متعدد زہاد ونساک کے اپنے اپنے شاگرد ومرید تھے اور ان کے علاوہ بہت سے وابستگان عام تھے جو ان سے منسوب ہوتے تھے-(شاہ ولی اللہ دہلوی نے انتباہ، القول الجمیل اور ہمعات وغیرہ میں ان کا ذکر کیا ہے- دوسرے مقالہ وکتب نگاروں نے بھی ان پر بحث

کی ہے-حضرت حسن بصری وغیرہ کے تلامذہ کا ذکران پر کتب ومقالات میں ملتا ہے اور شیخ جنید بغدادی میں ان کے بعض اہم ترین تلامذہ کا ذکر کیا گیا ہے-

تیسری صدی ہجری/نوی صدی عیسوی سے سلسلوں کا نشان ملنے لگتا ہے اور حضرت جنید بغدادی کے زمانے تک متعدد سلاسلِ طریقت وجود میں آچکے تھے جو بالعموم اپنے شیخ کے نام سے منسوب ہوکر معروف اور روشناش خلق بنے تھے، امام قشیری، شیخ ہجویری اور متعدد دوسرے محقق صوفیہ نے وضاحت کی ہے کہ حضرت جنید بغدادی کے زمانے تک بہت سے سلسلے وجود میں آچکے تھے-وہ دوطرح کے تھے: ایک صحیح صوفی سلسلے اور دوسرے غلط اور گمراہ لوگوں کے طریقے -ان دونوں کا فرق بتایا ہے اور ان کے نام بھی لکھے ہیں حضرت جنید بغدادی کا سب سے عظیم کارنامہ یہ قرار دیا جاتا ہے کہ انہوں نے ملحدانہ اور غیر اسلامی افراد وطبقات وسلاسل کی بیخ کنی کی اور تصوف وطریقت کو صحیح اسلامی شریعت اور سنت کے مطابق قائم کیا اور بعد کے وہ تمام سلاسل طریقت جو جنیدیہ کے طریق پر گامزن ہیں وہ ہی صحیح سلاسل طریقت ہیں اور اہم ترین بات یہ ہے کہ تمام مشہور ومعروف سلاسل جنید بغدادی پر ہی تمام ہوتے ہیں (اولین مختصر سلاسل ''چہاردہ خانوادہ'' کے نام سے معروف ہیں: زیدیان عبدالواحد بن زید،۲/عیاضیان فضیل بن عیاض،۳/ادھمیان شیخ ابراھیم بن ادھم،۴/ھبیریان، شیخ ھبیرہ بصری،۵/چشتیان خواجہ علو دینوری (م۲۹۸/۹۲۰)،۶/ عجمیان/حبیبیان شیخ حبیب عجمی،۷/طیفوریان شیخ بایزید بسطامی،۸/کرخیان معروف کرخی،۹/ سقطیان شیخ سری سقطی،۱۰/جنیدیان شیخ جنید بغدادی،۱۱/گاذرونیان شیخ ابواسحاق گاذرونی،۱۲- فردوسیان شیخ نجم الدین کبری،۱۳اطوسیان شیخ علاء الدین طوسی،۱۴سہروردیان شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہرودری کی طرف منسوب ہیں-ان کا قیام وارتقاء تیسری صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری کے دوران ہوا تھا-ان کے علاوہ بھی بعض سلاسل تھے-شیخ ہجویری نے صرف بارہ کا ذکر کیا ہے جن میں سے دس کو معتبر ومقبول بتایا ہے اور دوفرقوں/سلسلوں کو مردود قرار دیا ہے)-

عظیم سلاسل طریقت

چھوٹے اور کم معروف سلسلوں نے جس روایت کو پروان چڑھایا تھا وہ عبقری صوفیہ کے ہاتھوں مستحکم وتوانا بنی، ان کے قیام اور نشو ونما میں کافی عرصہ لگا، بارھویں، تیرھویں صدی عیسوی ان عظیم سلاسل طریقت کے ارتقاء کا زمانہ ہے اور بعض اس کے بعد محکم بنے -تنظیم سلاسل کے آغاز سے بلکہ شیخ جنید بغدادی کے سلسلہ جنیدیہ سے بھی پہلے بعض سلسلوں کو ملحد، مردود اور غیر اسلامی قرار دیا گیا تھا-شیخ ہجویری کے زمانے تک جو بارہ اہم سلسلے موجود تھے وہ تھے: محاسبیہ، شیخ ابوعبداللہ بن حارث محاسبی، قصاریہ شیخ ابوصالح حمدون-طیفوریہ، شیخ طیفور بن عیسی، جنیدیہ، شیخ جنید بغدادی

، نوریہ ابوالحسن احمد نوری، سہلیہ: شیخ سہل بن عبداللہ تستری-حکیمیہ، شیخ حکیم ترمذی، خزاریہ: شیخ ابو سعید خزاز، خفیفیہ شیخ ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی، سیاریہ شیخ ابوالعباس سیاری، حلمانیہ شیخ ابو حلمان فارسی، حلاجیہ شیخ حسین بن منصور الحلاج کی طرف منسوب ہیں اور آخر دو کو گمراہ سلسلے بتایا ہے-(شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب باب چودہ، شاہ ولی اللہ، انتباہ۹، نے بعض کا ذکر کیا ہے)-

رفتہ رفتہ ان تمام سلاسل نے اپنا مقام ووقار بلکہ وجود کھو دیا، ان کی جگہ عظیم ترین سلاسل طریقت وجود میں آئے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے انتباہ اور القول الجمیل میں ان کا ذکر کیا ہے اور دوسرے مورخین تصوف نے بھی -ان میں بعض سلاسل کا اختلاف بھی ہے اور وہ ہیں- اچشتیہ۲سہروردیہ،۳کبرویہ،۴مداریہ۵نقشبندیہ۶شاذلیہ۷قادریہ۸شطاریہ۹عیدروسیہ-ان بزرگ سلاسل کے ذیلی سلسلے بھی تھے جیسے قادریہ میں اکبریہ، جیلانیہ وغیرہ اور چشتیہ میں نظامیہ وصابریہ وغیرہ- بلاشبہ ان تمام سلاسل کا شجرہ وسلسلہ حضرت حسن بصری کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک جوڑا جاتا ہے اور حضرت صدیق اکبر سے بھی- یہ شجرہائے طریقت اتنے زیادہ اہم نہیں ہیں جتنی یہ حقیقت کہ تمام بڑے سلاسل طریقت حضرت جنید بغدادی کے طریقہ پر گامزن ہیں اور ان کا سلوک وتصوف خالص سنت وکتاب پر مبنی تھا اور اس میں غیر اسلامی عناصر کی خاص طور سے بیخ کنی کی گئی تھی، شجرہ نسب اور انتساب کے لحاظ سے وہ سب قدیم ہیں لیکن ان کی اصل شناخت، مقام ومرتبت اور اعتبار ان کے عظیم ترین مشائخ سے ہے-ہندوپاک کے برصغیر میں خاص کر سلسلہ چشتیہ کا ارتقاء خواجہ معین الدین حسن سجزی رحمہ اللہ کے مبارک ہاتھوں ہوا اور ان کے عظیم خلفاء قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء اور ان کے خلفاء کے ہاتھوں پروان چڑھا، اسی طرح سہروردی سلسلہ شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا، قادری سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کے خلفاء کا، نقشبندیہ خواجہ محمد نقشبند اور خاص کر حضرت مجدد الف ثانی کا منظّم کردہ ہے، شاذلیہ امام ابوالحسن شاذلی کا کارنامہ ہے-موخر الزکر کے اثرات ہندوستان میں کم رہے تاہم وہ ایک اہم سلسلہ ہے-ان سلاسل کی ذیلی شاخیں بھی بنتی گئیں اور وہ کئی صدیوں پر محیط ہیں-

افکار وتعلیمات

تصوف وطریقت کا اصل مغز اس کی روحانی فکر اور دینی تعلیم ہے جن کے ذریعہ افراد وطبقات کو پاکیزہ بنانا چاہتی ہے اس کے تمام بنیادی افکار اصلا اسلامی تعلیمات ہیں اور ان کی تشریح وتفصیل اور تعبیر قرآن مجید، سنت نبوی اور تعامل سلف میں ملتی ہیں حضرت شاہ رحمہ اللہ کے بیان کردہ اولین دورہ کی تعلیمات اور اعمال واشغال صرف اسلامی شریعت ودین کے ہی اساسی

افکار واعمال ہیں دوسری صدی ہجری ر آٹھویں صدی عیسوی کے نظریات وتصورات کو ماہرین تصوف وطریقت نے اپنے اپنے انداز سے بیان کیا ہے- وہ حسب ذیل ہیں: ۱- محبت الٰہی جس کا ذکر قرآن مجید اور حدیث شریف میں ہے اور اس کے حصول کا طریقہ بھی - صوفیہ نے اسے عشق کے درجہ تک پہونچایا اور اس کے حصول کے لئے ذکر وفکر اور مراقبہ کے اشغال بیان کئے - اس کا انتہائی درجہ یہ قرار دیا گیا کہ صرف محبت الٰہی میں اللہ کی عبادت کی جائے اور جنت کی طلب اور دوزخ سے نجات سے دل ودماغ اور اندرون کو پاک کرلیا جائے- عشق کے اور بھی مراحل ہیں-

۲ - زہد دوسرا تصور ونظریہ ہے جس کا سادہ اسلامی مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا جائے مگر ان سے دل نہ لگائے - رفتہ رفتہ زہد کے اقسام اور ان کی تعریفات وجود میں آئیں جیسے بقول حضرت ابراھیم ادھمی زہد تین طرح کا ہوتا: زہد فرض، زہد فضیلت اور زہد سلامت - حرام ومشتبہات سے اجتناب تو اسلامی زہد میں شامل ہے مگر حلال چیزوں سے اجتناب صوفی تعمق وحزم ہے- اس میں خطرناک صورت اس وقت پیدا ہوئی جب بعد کے ادوار میں متعدد صوفیہ نے کسب واکتساب کے ترک کو بھی اس میں شامل کرلیا اور تجرد کو تصوف کا طرۂ امتیاز قرار دیا-

۳ - معرفت سے مراد اللہ کی معرفت اور پہچان ہے جس سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ انسان اپنی جہالت دور کرے اور رب کو پہچان لے، پھر معرفت کی بھی اقسام بن گئیں: معرفت الٰہی، معرف نفس، معرفت اوامر ونواہی، معرفت دشمنان دین واللہ تعالی - تیسری صدی ہجری کے بعد معرفت اور محبت وغیرہ تصورات میں فلسفیانہ رنگ آمیزی ہوگئی اور وہ خالص فلسفہ بنتا چلا گیا-

۴ - توکل کا اسلامی مفہوم یہ ہے کہ اسباب سے کام لے مگر ان پر تکیہ نہ کرے بلکہ اپنی جد وجہد کا نتیجہ اللہ تعالی پر چھوڑ دے بعد میں توکل میں انتہاء پسندی داخل ہوگئی اور ترک اسباب - اسقاط الوسائط کا تصور ایسا حاوی ہوا کہ انسانی جد وجہد معدوم ہوگئی-

تیسری/نویں صدی سے تصوف کے نظریات وتصورات میں فلسفیانہ رنگ داخل ہوا جس طرح دوسرے علوم میں داخل ہو- احضرت شاہ رحمہ اللہ نے دوسرے دورہ تصوف میں، جو حضرت جنید بغدادی کے متصل زمانے سے شروع ہوا، متعدد فلسفیانہ افکار کا ذکر کیا ہے- معرفت ومحبت الٰہی میں شدت پیدا ہوئی، ذوقی معرفت کا چلن بڑھا، فنا بقا کا تصور پیدا ہوا، جس نے حلاج کے حلول تک چھلانگ لگائی، توحید الٰہی کا فلسفہ صوفیانہ رنگ اختیار کرگیا - صوفیہ نے توحید ذاتی، توحید فعلی وغیرہ کی اقسام بنا کر ان کی فلسفیانہ تشریح کی یہاں تک تصوف کا مفہوم ومقصود یہ بن گیا کہ فنا بقا حاصل کی جائے بلکہ تصوف کو شیخ جنید رحمہ اللہ تک نے فنا بقا سے عبارت قرار دیا-

اگرچہ شیخ جنید بغدادی کے تصوف وسلوک کو خالص کتاب وسنت پر مبنی سمجھا جاتا ہے اور جس کی تطہیر غیر اسلامی عناصر سے کی گئی تھیں مگر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے تیسری/نویں صدی کے فلسفیانہ تصوف کی یلغار سے نہ بچ سکے- وہ اصلا یونانی فلسفہ سے اسلام کا دفاع کی کوشش تھی، بعد کی صدیوں میں وحدۃ الوجود کا خالص فلسفیانہ تصوف نہ صرف وجود میں آیا بلکہ ایسا مقبول ہوا کہ وہ تصوف کی اساس ونہاد بن گیا - یہ صحیح ہے کہ شیخ اکبر ابن عربی رحمہ اللہ کے فلسفہ وحدۃ الوجود کو صحیح نہیں سمجھا گیا اور شارحین نے بسا اوقات اس کے بیان میں انصاف نہیں کیا مگر یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ وحدۃ الوجود اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے وحدۃ الشہود اور ایسے دوسرے نظریات فلسفیانہ ہی ہیں (مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو، شاہ ولی اللہ دہلوی - شخصیت وحکمت کا ایک تعارف، چہار رنگ تصوف پر مقالہ خاکسار کے علاوہ سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی کے مختلف مباحث اور قدیم ومستند تواریخ ومباحث کتب تصوف وطریقت)-

تصوف وطریقت تمام عظیم صوفیہ اور اہل فکر کے نزدیک اتباع شریعت ودین ہے اور اس سے انحراف الحاد ہے، حضرت شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ اور ان کے تمام پیروؤں نے اس کو تسلیم کیا ہے، ان سب کی زندگی اعمال واحکام شریعت کی بجا آوری سے عبارت تھی - حضرت شاہ رحمہ اللہ نے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کو ایسا اولین بزرگ قرار دیا ہے جو اعتدال کی راہ اختیار کرنے والے اور سب کے شیخ تھے (الطاف القدس، ۵۱) لیکن فکر تصوف میں فلسفہ کا غلبہ ہوتا گیا - اس کے نتیجہ میں انتہا پسندی، شدت وحدت اور عدم توازن پیدا ہوتا گیا اور اعتدال اٹھ گیا جو دین وشریعت کا خاصہ ہے - آخری تجزیہ اور منصفانہ جائزہ یہ ثابت کرتا ہے کہ تصوف وطریقت کی دو سطحیں بن گئی تھیں - ایک فکری اور فلسفیانہ تصوف جو صرف اہل فکر وعلم اور عظیم صوفیانہ افراد وطبقات میں سے بھی صرف اہل کمال کے لیے خاص تھا - دوسری فرائض وسنن اور نوافل شریعت کے مانند صرف اعمال واشغال کی بجا آوری جو اہل کمال اور عام لوگوں دونوں کے لئے لازمی تھا، عظیم صوفیہ نے خاص سلاسل طریقت کے عبقریات نے سب کو اہل کمال اور عوام، دونوں کو اتباع شریعت کی پابندی کے ذریعہ حصول سعادت وطہارت کا طریق سکھایا اور فلسفیانہ افکار کو شرائط سے پابند کردیا - بقول حضرت شاہ یہی اصل اسلامی تصوف ہے اور اس کی تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن وسنت کے بیان کردہ فرائض واذکار کو تجربہ کے ذریعے جسم وجان کا لہو بنایا جائے کہ اسی سے باطنی ارتقا ہوتا ہے-

○○○

تصوف: مشرق ومغرب کے مختلف تصورات

مشہور آن لائن انسائیکلوپیڈیا "وکی پیڈیا" کی تحقیقات کی روشنی میں

تصوف (Sufism) کا لفظ اس طریقۂ کار یا اسلوبِ عمل کے لیے اختیار کیا جاتا ہے جس پر کوئی صوفی (جمع: صوفیہ) عمل پیرا ہو- اسلام سے قربت رکھنے والے صوفی، لفظ تصوف کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ؛ تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیۂ نفس (1) اور حدیث کی اصطلاح میں احسان (2) کہتے ہیں- تصوف کی اس مذکورہ بالا تعریف بیان کرنے والے اشخاص تصوف کو قرآن وسنت کے عین مطابق قرار دیتے ہیں؛ اور ابتدائی ایام میں متعدد فقہی علمائے کرام بھی اسی تصوف کی جانب مراد لیتے ہیں- پھر بعد میں تصوف میں ایسے افکار ظاہر ہونا شروع ہوئے کہ جن پر شریعت وفقہ پر قائم علما نے نا صرف یہ کہ ناپسندیدگی کا اظہار کیا بلکہ ان کو رد بھی کیا- ان تمام پہلوؤں کا جائزہ مضمون میں آجائے گا- فی الحال یہاں تصوف کی وضع کو مزید وضاحت سے بیان کرنے کی خاطر ایک اور تعریف William C. Chittick کے مطابق دی جارہی ہے:

"مختصر یہ کہ وہ مسلم علما جنھوں نے اپنی توانائیاں جسم کے لیے معیاری خطوطِ راہنمائی (guidelines) کو سمجھنے پر مرکوز کیں وہ فقیہ کہلائے، اور وہ جنھوں نے اس بات پر زور دیا کہ سب سے اہم مہم (task) درست فہم تک رسائی کے لیے عقل کی تربیت ہے، وہ پھر تین مکتبوں میں تقسیم ہوئے- الٰہوتیین (theologian)، فلاسفہ اور صوفیہ- یہاں ہمارے پاس اس انسانی وجود سے متعلق تیسرا ساحہ رہ جاتا ہے، یعنی روح- متعدد مسلم، جنھوں نے اپنی زیادہ تر کوششیں انسانی شخصیت کی (ان) روحانی ابعاد کی پرورش کے لیے مختص کردیں وہ صوفی کے نام سے جانے گئے-" (اصل عبارت کے لیئے ربط دیکھیے- (3)

ان مذکورہ بالا دو تعریفوں کے علاوہ بھی تصوف کی بے شمار تعریفیں بیان کی جاتی ہیں جن کا تذکرہ تعریفوں کے قطعے میں آجائے گا، مندرجہ بالا دو تعریفوں کا ابتدائیے کے لیے انتخاب اس لیے کیا گیا

کہ ان میں تصوف کا مکمل اسلامی نقطۂ نظر اور تصوف کا فلسفیانہ نقطۂ نظر دونوں آجاتے ہیں-

موافقت ومخالفت

تصوف کا لفظ، اسلامی ممالک (بطور خاص برصغیر) میں روحانیت، ترکِ دنیاداری اور اللہ سے قربت حاصل کرنے کے مفہوم میں جانا جاتا ہے اور مسلم علما میں اس سے معترض اور متفق، دونوں اقسام کے طبقات پائے جاتے ہیں؛ کچھ کے خیال میں تصوف شریعت اور قرآن سے انحراف کا نام ہے اور کچھ اسے شریعت کے مطابق قرار دیتے ہیں- اس لفظ تصوف کو متنازع کہا بھی جاسکتا ہے اور نہیں بھی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اشخاص خود تصوف کے طریقۂ کار سے متفق ہیں وہ اس کو روحانی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے قرآن وشریعت سے عین مطابق قرار دیتے ہیں اور جو اشخاص تصوف کی تکفیر کرتے ہیں وہ اس کو بدعت کہتے ہیں اور شریعت کے خلاف قرار دیتے ہیں یعنی ان دونوں (تصوف موافق وتصوف مخالف) افراد کے گروہوں کے نزدیک تصوف کوئی متنازع شے نہیں بلکہ ان کے نزدیک تو معاملہ صرف توقیر اور تکفیر کا ہے- دوسری جانب وہ افراد، عالم یا محققین (مسلم اور غیر مسلم) جو مسلمانوں میں موجود تمام فرقہ جات کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے تصوف کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے نزدیک تصوف کا شعبہ مسلمانوں کے مابین ایک متنازع حیثیت رکھتا ہے- (4)

کوزے میں دریا

ایک مضمون میں تمام پہلوؤں کو شامل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے تو یہ دیکھا جائے کہ آخر تصوف ہے کیا؟ یعنی تصوف کی تعریف کیا ہے؟ اور پھر اس کے بعد اس تصوف کے آغاز (تاریخ آغاز) سے آگاہ ہونا ضروری ہے- اس ابتدائی مطالعے کے بعد یہ دیکھنا ہوگا کہ تاریخ کے ساتھ ساتھ تصوف میں کس طرح نمو ہوئی؟ تصوف کو اس کے آغاز کے بعد، مسلمانوں کے مختلف فرقہ جات نے کس انداز میں اپنے اپنے طور پر اختیار کیا؟ اس کے بعد یہ معلوم کرنا اہم ہے کہ:

تصوف کا تصور مختلف فرقوں کے مابین متنازع کیوں ہے؟

تصوف آج صرف اسلامی دنیا تک محدود نہیں رہا، بلکہ غیر مسلم دنیا میں بھی صوفیت (Sufism) اپنی جگہ بنا چکا ہے، تو پھر غیر مسلم اس تصوف کو کس انداز میں دیکھتے ہیں؟ کیا غیر مسلموں کے نزدیک تصوف کوئی اسلامی چیز ہے یا اسلام سے الگ؟ کیا تصوف کو اسلامی غامضیت (Islamic Mysticism) کہا جاسکتا ہے؟ اور کیا تصوف کو حقیقی یا جھوٹی (کاذب) اقسام میں تقسیم کرکے دیکھا جاسکتا ہے؟ تصوف اور اسلام میں فرق ہے؟ پھر تصوف کے شعبے کی اہم شخصیات (صوفیہ کرام) ان کی تحاریر و کتب اور ان کتب کے (منفی ومثبت) اثرات

کا جائزہ لینا۔

کیا فقہی ائمہ (امامیان) کے ہاں تصوف کے بارے میں خیالات ملتے ہیں؟

کیا تمام فقہی ائمہ کرام تصوف پر ایک جیسے افکار بیان کرتے ہیں؟ اور سب سے اہم پہلو یہ کہ اسلامی معاشرے میں رہنے والا ایک عام شخص (جس کا کوئی دینی یا تاریخی مطالعہ نا ہو) تصوف کو کس انداز سے دیکھتا ہے؟ مزید یہ کہ تصوف میں غیر اسلامی افکار، تصوف سے اسلام میں پیدا ہونے والے فرقہ جات اور تصوف کا سہارا لے کر نمودار ہونے والے جھوٹی نبوت کے دعوی داروں پر ایک نظر۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک ہی مضمون میں بیان کرنا مقصود ہو تو پھر ان تمام پہلوؤں کا صرف ایک تعارف اور مزید تحقیق کے لیے حوالہ جات ہی دیے جاسکتے ہیں؛ اور یوں یہاں ایک دریا کو کوزے میں بند کرنے والی کہاوت صادق آتی ہے لیکن ایسا کیے بغیر مضمون سے انصاف بھی نہیں کیا جاسکتا۔

نظریاتِ آغاز

مسلم و غیر مسلم محققین نے اسلام میں تصوف کے آغاز کی وجوہات و اسباب پر متعدد نظریات پیش کیے ہیں جن میں خاصی حد تک مشترکہ باتیں پائی جاتی ہیں۔

داخلیتِ اسلام

اسلام پر علامہ (Scholar) کہلائے جانے والے ایک فرانسیسی لوئی ماسینیؤن (Louis Massignon) عہد بمطابق (1883ء تا 1962ء) نے تصوف کو "داخلیت اسلام" قرار دیا ہے، یعنی اسلام کو اپنے آپ میں داخل کر لینا؛ اس کے مطابق قرآن کی مسلسل تلاوت (تکرار)، مراقبہ اور تجربے سے تصوف پیدا ہوا اور بڑھا۔(5) تصوف کا قرآن میں لغوی (Lexically) طور پیوست ہونے کا یہ نظریہ، باطنیتِ کلام، سے بہت مختلف بھی نہیں کہا جاسکتا؛ صوفیہ بھی اسی ظاہریت اور باطنیت کی تقسیم اسلام کے قائل ہیں، یعنی قرآن کے الفاظ کا مسلسل ورد اور ان میں وہ معنی (باطنی) تلاش کرنا کہ جو ظاہر میں نظر نہیں آتے یا پوشیدہ ہیں، صوفیہ کے نزدیک تصوف کی بنیاد ہیں۔(6)

باطنیتِ کلام

اسلام ایک کامل دین ہونے کے ناطے انسانی زندگی کے ہر پہلو پر راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ تصوف کے آغاز کے بارے میں کچھ نظریہ دان ان پہلوؤں کو تین اقسام میں دیکھتے ہیں؛ جسمانی، عقلی اور روحانی پہلو: یہ تیسرا پہلو ہی ہے کہ جس پر اختصاص (Specialization) حاصل کرنے والوں کو صوفی کہا جانے لگا۔(7) اسی بات کو تصوف سے تعلق رکھنے والے علما بھی ایک حدیث کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ جس میں اسلامی تعلیمات کے ان تین پہلوؤں کا ذکر

آتا ہے اور احسان (Excellence) کے بارے میں عبارت یوں ہے۔

"احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو وہ یقیناً تجھے دیکھ رہا ہے۔"(2)

تصوف کے لیے احسان اور روح کے علاوہ بھی متعدد الفاظ بطور متبادل استعمال میں دیکھے جاتے ہیں؛ مثال کے طور پر صوفیہ کے نزدیک تزکیۂ نفس، علم السلوک اور تہذیب نفس بھی تصوف کے ہی مختلف نام ہیں۔ مذکورہ بالا تمام افکار و طریقہ ہائے کار اصل میں پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام کے زمانے سے ہی رائج ہیں اور ان کو اسلام ہی کی تعلیمات کہا جاتا تھا۔

ردعملِ دنیا پرستی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے تیز رفتاری سے وسعت اختیار کرنے والی اسلامی حکومت میں نومسلمین (غیر عرب) کی کثیر تعداد شامل ہوتی جا رہی تھی، جس بارے میں صحابہ اور علما ہمیشہ فکرمند بھی رہتے تھے کہ اچانک اسلام سے آشنا ہونے والے نومسلمین کی تربیت کا مقصد کس طرح حاصل کیا جائے کہ اسلامی افکار میں ان علاقوں کے قبل از اسلام کے افکار شامل نا ہونے پائیں جو نئے فتح ہوئے تھے۔ 661ء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد، امت کے افکار میں افتراق وسیع ہونے لگے۔ خلافت راشدہ کے بعد آنے والے حکمران اپنے پیشرؤوں جیسی اسلامی حکومت کی مثال قائم نا رکھ سکے اور متعدد علما ان سے بدظن ہونے لگے۔ یہ علما، مسلمانوں میں آنے والی دولت و آسائش طلب زندگی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور ابتدائی اسلام کی سادہ گزر بسر کی تعلیمات پر زور دیتے تھے؛ ان میں حسن البصری (8) اور ابو ہاشم جیسے علما شامل ہیں اور علما کی دنیاداری سے دور رہتے ہوئے زاہدانہ زندگی کا اختیار کرنا آگے چل کر تصوف کی صورت میں نمو پایا؛ ابو ہاشم کو وہ پہلا شخص کہا جاتا ہے کہ جن کو ان کے بعد آنے والوں نے صوفی کا لقب دیا۔(9)

حبسِ اسلام راسخ

ایک نظریہ جو بطور خاص تصوف سے شغف اور اسلام سے بغض رکھنے والے غیر مسلم بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ؛ تصوف اصل میں اسلام راسخ (Orthodox Islam) کی پابندیوں، اپنے نفس پر قابو رکھنے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنے عقیدے کو مضبوط رکھنے کے لیے درکار مشقتِ شاقہ اور شرائطِ عبودیت پر عمل پیرا ہونے کو دشوار سمجھنے اور اس سے نفسیاتی طور پر حبس کی کیفیت محسوس کرنے کے طور پر پیدا ہونے والا ردعمل ہے۔(10) ان محققین کے نزدیک اسلام راسخ کی شرائطِ بندگی اور صعب مجاہدۂ نفس سے آزاد ہونے اور دوسرے مذاہب کے افکار

سے دوستانہ ہونے کی وجہ سے اسلامی حکومت کے پھیلاؤ کے وقت اسلام، سیاست کے بجائے تصوف سے جلد پھیلا-(11)

مختلف فرقے، مختلف تعریفیں

لفظ، تصوف تو اصل میں خود اس پر عمل کرنے والے (یعنی صوفی) کے نام سے مشتق ہے، گویا صوفی کا لفظ تصوف سے قدیم ہے-(12) رہی بات تصوف کی تعریف کی، تو مختلف نقطہ ہائے نظر رکھنے والے افراد کی جانب سے تصوف کی مختلف تعریفیں بیان کی جاتی ہیں- سیدھے سادھے الفاظ میں تو تصوف کی تعریف یوں بیان کرسکتے ہیں کہ تصوف، اس طریقۂ کار کو کہا جاتا ہے کہ جس پر صوفی عمل پیرا ہوتے ہیں-

جبکہ خود صوفیہ، تصوف کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ؛ تصوف، اسلام کی ایک ایسی شاخ ہے کہ جس میں روحانی نشونما پر توجہ دی جاتی ہے-(13) صوفیہ، تصوف کی متعدد جہتوں میں؛ اللہ کی ذات کا شعور حاصل کرنا، روحانی کیفیات اور ذکر (رسماً و جسماً) اور شریعت بیان کرتے ہیں-

دیوبند کے ایک عالم اور اشرف علی تھانوی صاحب کے خلیفہ کہلائے جانے والے محمد مسیح اللہ خان، تصوف کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ؛ اعمالِ باطنی (Esoteric) سے متعلق شریعت کا شعبہ تصوف اور سلوک کہلاتا ہے اور، اعمالِ ظاہری (Exoteric) سے متعلق شریعت کا شعبہ فقہ کہلاتا ہے-(14) ایک اور دیوبندی عالم قاری محمد طیب کے الفاظ میں؛ مذہبی طور پر علمائے دیوبند مسلم ہیں، تفرقاتی طور پر یہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں، بطور مقلد یہ حنفی ہیں، طریقت میں صوفی ہیں، مدرسی طور پر یہ ماتریدی اور سلوک میں چشتی ہیں-(15)

برصغیر میں دیوبندیوں کے ساتھ ساتھ بریلوی بھی تصوف میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں اور اس فرقے کے بانی احمد رضا خان کو، قادریہ سمیت تصوف کے تیرہ دیگر فرقہ جات کی جانب سے خلافت حاصل تھی-(16)

یہاں ایک دل چسپ اور قابلِ غور بات یہ ہے تصوف پر عمل پیرا دونوں (بریلوی اور دیوبندی) امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں اور تصوف میں بلند درجے پر تسلیم کیے جانے والے ایک صوفی جلال الدین رومی نے خود اس بات کا تذکرہ کیا کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں-(17)

تصوف سے نالاں علمائے اسلام اور سلفی حضرات کی تصوف کی تعریف دیکھی جائے تو ان کے مطابق؛ تصوف، محمد کے بعد اسلام میں پیدا ہونے والی ایک بدعت ہے اور یہ کہ تصوف، قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہے- لیکن ان میں ایسے علما بھی نظر آتے ہیں جو چند صوفیہ (جیسے امام

غزالی) کو تکفیرِ صوفیت کے دوران مُستثنیٰ رکھتے ہیں-(18)

اہل تشیع کے مطابق تصوف، عملی معرفت (Gnosis) کا نام ہے اور عرفان سے مراد ایسے علوم کی لی جاتی ہے جو حواس اور تجربات سے نہیں بلکہ باطنی کشف سے حاصل ہو-(19) فی الحقیقت یہ (Esoteric) اور (Exoteric) والا فلسفہ ہی ہے جس کے لیے ایرانی علاقوں میں عرفانِ نظری (Theoretical Gnosis) کی اصطلاح بھی مروج ملتی ہے، شیعہ اور سنی تصوف میں مشترکہ خصوصیات پائی جاتی ہیں اور ان کو مدغم کرنے کی کوشش بھی کی جاتی رہی ہے-(20)

تصوف کی مذکورہ بالا تعریفوں کے بعد اگر حجت تمام کے لیے غیر مسلم (اور بطور خاص مستشرقین (Orientialists) کا تصوف کے بارے میں نظریہ دیکھا جائے تو بہت سے حقائق واضح ہو جاتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ غیر مسلم، تصوف کو اسلام سے کس طرح جدا دیکھتے ہیں- اس کا تفصیلی ذکر اس کے لیے مخصوص قطعے میں آئے گا- انسائکلو پیڈیا برٹینیکا کے مطابق؛ تصوف، اسلام میں ایک باطنیہ (Esoteric) تحریک کا نام ہے جو خدا کے براہ راست شخصی (ذاتی) تجربات کے ذریعے آسمانی (الٰہی) حب و علم کی متلاشی ہے- صوفیت محمد کے بعد ایسے اشخاص (مجمع) میں ایک منظم تحریک کے طور پر ابھری جو اسلامِ راسخ کو روحانی طور پر حبسِ نفس (محبوس) سمجھتے تھے-(10)

صوفی کی اصل الکلمہ

جیسا کہ قطعۂ تعریف میں بیان ہوا کہ لفظ تصوف تو اصل میں صوفی سے مشتق ایک اسم ہے جو کہ نویں صدی عیسوی (قریباً 286ہجری) سے مروج ہونا شروع ہوا-(12) -(6) لفظ صوفی کے بارے میں محققین مختلف نظریات رکھتے ہیں جو کہ نیچے درج کیے جارہے ہیں:

اصحاب صُفّہ

تصوف سے شغف رکھنے والے علمائے کرام، لفظ صوفی کی اصل الکلمہ، اصحاب صفہ سے منسلک کرتے ہیں- صفۃ اصل میں عربی کا لفظ ہے جس میں ص پر زیر اور ف پر زبر (صِـفَة) کے ساتھ صفت یا اہلیت کے اور ص پر پیش اور ف پر تشدید (صُفّة) کے ساتھ چبوترے کے معنی آتے ہیں- یہ بعد الذکر معنی ہی اختیار کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ لفظ صوفی اسی صفہ سے اخذ ہے کہ مسجد نبوی کے شمال میں واقع صفہ (چبوترے یا سائبان) میں جو اصحاب رہا کرتے تھے ان کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے اور اصحاب صفہ چونکہ، فقرا، تارکِ دنیا اور بالکل صوفیوں کے حال میں ہوتے تھے اس لیے یہی لفظ صوفی کی اصل الکلمہ ہے-(21) امام ابن تیمیہ کے مطابق حضرت محمد نے

اصحاب کو سوال کرنے سے بالکل منع کر دیا تھا یعنی اصحاب صفہ، عام فقرا کی مانند دست سوال دراز نہیں کرتے تھے- نا ہی ان میں کوئی صوفیانہ کیفیات (حال، وجد وغیرہ) پائی جاتی تھیں اور نا ہی اصحاب صفہ نے خود کو تارک الدنیا کیا تھا بلکہ وہ دیگر اصحاب کی طرح جہاد میں بھی شریک ہوا کرتے تھے-(22)

مزید یہ کہ علم لسانیات کے مطابق، لفظ صفہ سے صوفی مشتق کرنا قواعد کے لحاظ سے غلط ہے کہ اوپر بیان کردہ اعراب کی رو سے لفظ صفہ سے صُفّی (Suffi) مشتق ہوگا نا کہ صوفی (Soofi) یا (Sufi) مشتق کر لیا جائے-(23)

صف الاول

بعض صوفیہ کے خیال میں یہ لفظ صوفی اصل میں صف اول کی صف سے ماخوذ ہے کہ صوفی تمام دیگر انسانوں کی نسبت اپنا دل خدا کی جانب کرنے اور اس سے رغبت رکھنے میں پہلی صف میں ہوتا ہے- یہاں بھی دیگر متعدد ماخذ کی طرح لسانی قواعد کی پیچیدگی پیش آتی ہے کیونکہ اگر صوفی، صف سے اخذ کیا گیا ہوتا تو پھر اس لفظ کو صَفّی (Saffi) ہونا چاہیے تھا نا کہ صوفی (Sufi) جو مروج ہے-(24)

صوفہ

زمانۂ جاہلیت میں صوفہ نام سے ایک قوم تھی، اس قوم کے خانہ کعبہ کے مجاور تھے اور جن لوگوں نے ان سے مشابہت اختیار کی وہ صوفیہ کہلائے- گو عربی قواعد کی رو سے لفظ صوفہ سے صوفی نہیں بلکہ صوفانی بنتا ہے لیکن بعض ماہرین اس اشتقاق کو درست مانتے ہیں اور اس سلسلہ میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر کوفہ سے کوفانی کے بجائے کوفی بن سکتا ہے تو صوفہ سے صوفی کا اشتقاق بھی ممکن ہے-(21) اس دلیل کے باوجود اس اصل الکلمہ کے خلاف متعدد دیگر وجوہات بھی بیان کی جاتی ہیں-(23)

قوم صوفہ ایک غیر معروف قوم تھی جس کی جانب صوفیہ کی توجہ مرکوز ہونا یا اس کے نام سے تشبیہ کا امکان قوی نہیں-

اگر بالفرض یہ اصل الکلمہ درست تسلیم کر لی جائے تو پھر صوفی کا لفظ خود حضرت محمد اور صحابۂ کرام کے زمانے سے موجود ہونا چاہیے تھا نا کہ دوسری صدی ہجری (امام قشیری کے مطابق 822ء میں (24)) سامنے آتا-(9)

قبل از اسلام کے زمانۂ جاہلیہ سے انتساب کو مسلمان اچھی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے تھے اور صوفیہ کی جانب سے ایسا انتخاب ممکن نظر نہیں آتا-

سوفیہ

سوفیہ اصل میں ایک یونانی لفظ، Sophos سے لیا گیا ہے جس کے معنی حکمت اور فارسی متبادلِ تصوف کی اصطلاح کے مطابق عرفان کے ہوتے ہیں اور اسی مناسبت سے تھیوصوفی (Theosophy) کو اردو میں حکمت یزدانی کہا جاتا ہے- اس اصل الکلمہ کا تذکرہ سب سے پہلے البیرونی سے روایت کیا جاتا ہے-(23) اس کو رد کرنے والے محققین کے نزدیک، ادبی طور پر یا فقۂ لسانیات (Philology) کے لحاظ سے ایسا ممکن نہیں ہے کیوں کہ ان کے مطابق Sophos کو یونانی میں لکھنے کے لیے لفظ سگما استعمال کیا جاتا ہے اور عربی تراجم کے دوران اس کا متبادل سین آتا ہے نا کہ حرف صاد کا آتا ہو- برخلاف، وہ محققین جو تصوف میں تھیوصوفی اور نو افلاطونیت جیسے افکار پر توجہ دیتے ہیں- (مثال کے طور پر Rene Guenon المعروف عبدالواحد یحیٰی (1886ء تا 1951ء) لفظ صوفی کے لیے Sophos کی اصل الکلمہ کے حق میں علم الاعداد (Numerology) کا سہارا لیتے ہیں اور ان کے مطابق لفظ صوفی میں موجود اعداد کی تعداد حکمت الٰہیہ کے برابر ہے اس لیے صوفی، سوفیہ سے ہی مشتق ہے-(25)

الصّفاء

فقہی امام، احمد بن حنبل کے استاد بشر بن الحارث (767ء تا 840ء) جنہیں بشر الحافی بھی کہا جاتا ہے کے مطابق: صوفی وہ ہے کہ جس کا دل اللہ کی جانب مخلص (صاف) ہو-(24) اگر لفظ الصفاء کو اخلاص، پاکیزگی اور صفائی کے معنوں میں لے کر اسی کو صوفی کی بنیاد یا اصل الکلمہ تسلیم کیا جائے تو پھر قواعدی طور پر لفظ صوفی کے بجائے صفوی یا صفاوی اخذ ہونا چاہیے تھا-(23)

صوف

لفظ صوف کے معنی اون کے آتے ہیں اور گمان غالب ہے کہ یہ لفظ کوئی آٹھویں صدی عیسوی سے دیکھنے میں آ رہا ہے جب ابن سیرین (وفات 729ء) سے روایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس لباس کی حضرت عیسی کی جانب نسبت سے پہننے پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا ذکر کیا-(26) ابن خلدون کے مطابق صوف (اون) کے کپڑے پہننے کا رجحان دنیا پرستانہ زندگی کی جانب رغبت کے ردعمل کے طور پر ہوا- (دیکھیے قطعہ؛ ردعملِ دنیا پرستی) جب بزرگ اور نیک انسانوں نے قیمتی اور ریشمی لباسوں کی نسبت سادہ صوف کے لباس کو ترجیح دینا شروع کی-(21)

بلاماخذ

امام قشیری کے مطابق یہ لفظ 822ء سے دیکھنے میں آیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ جب دنیا پرستی سے نالاں اور زاہد عبادت گزار کسی معتبر نام (لقب/شناخت) سے محروم ہو چکے تھے؛ یعنی خود محمد کے

زمانے میں تو سب سے معتبر لقب یا شناخت، لفظ صحابی ہی کا تھا پھر ان کے بعد والی نسل نے تابعین کی شناخت اختیار کی اور ان کے بعد کی نسل نے تبع تابعین کے لفظ سے شناخت اختیار کی مگر پھر تبع تابعین کے بعد زاہدین اور مخلص عبادت گزاروں اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے والوں کے لیے یہ لفظ صوفی اختیار کیا گیا۔(24)

تفرقِ ظاہریت و باطنیت

ایک لفظ جو کہ تصوف میں بکثرت استعمال ہوتا ہے وہ ہے باطنیت (Esotericism) کا لفظ اور اس کو ظاہری زندگی یعنی ظاہریت (Exotericism) سے اندرونی زندگی کو الگ شناخت دینے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، گو ظاہری زندگی سے یوں تو مراد دنیاوی زندگی کی لی جاسکتی ہے اور عام انسان اس سے وہ زندگی لے سکتا ہے جو کہ مذہبی زندگی (عبادت کے اوقات) سے علاوہ ہو لیکن تصوف میں ایک صوفی کی مراد اس ظاہری زندگی سے اس زندگی کی ہوتی ہے جو غیر صوفی بسر کرتے ہیں۔ جنید (830ء تا 910ء) کے مطابق صوفی، خود کے لیے مرا ہوا اور خدا کے لیے زندہ ہوتا ہے۔(27)(24)

صوفیت اور اسلام

صوفیہ کے نزدیک اسلامی علوم کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری اور دوسری باطنی (14)۔ ظاہری علوم سے مراد شریعت ہے، جو عوام کے لیے ہے اور باطنی علم وہ ہے جو ان کے کہنے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چند صحابہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی اور حضرت ابوذر کو تعلیم کیا۔ حضرت ابوبکر سے حضرت سلیمان فارسی اور حضرت علی سے حضرت حسن بصری فیض یاب ہوئے۔ صوفیہ کے نزدیک تصوف کے چار درجے ہیں۔

(۱) شریعت (۲) طریقت (۳) حقیقت (۴) معرفت

جب تک یہ تمام درجات اپنے درست مقام پر حاصل نہ کیے جائیں اس وقت تک انسان صوفی نہیں ہوسکتا۔ شریعت اسلام کا ظاہر ہے اور طریقت اس کا باطن۔ اس کی سادہ سی مثال یوں دی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی منافقین مسلمانوں کی صفوں میں شامل تھے جو ظاہر میں تو ہر وہ عمل کرتے تھے جس کے کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے جیسے کہ نماز، روزہ، جہاد وغیرہ، مگر دل ہی دل میں وہ کافروں کے ساتھ تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ ہم ان مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے ان کے سب حالات معلوم تھے اور بعض اوقات تو اکابر صحابہ کی جانب سے بھی ان کو قتل کر دینے تک کا مطالبہ کیا گیا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جان و مال کو بالکل اسی طرح محفوظ رکھا جیسے کہ کسی مسلمان کا رکھا جاتا ہے، یہاں

پر ان کے ظاہر پر حکم لگایا گیا ہے جو کہ شریعت ہی ہے۔ پس اگر کوئی شخص ظاہر میں نماز روزے کی پابندی اور دیگر فرائض ادا کرتا ہے تو زبانِ شریعت میں اسے کوئی کافر نہیں کہہ سکتا۔ اب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حقیقت معلوم تھی اور اس بارے میں سورۃ المنافقین بھی اتری جس میں ان کی نیتوں کو بے نقاب کر دیا گیا تو طریقت کے اعتبار سے یہ لوگ کافر ہیں اور ہمیشہ جہنمی ہیں مگر ان کے اس ظاہر کی وجہ سے مسلمانوں کا کوئی قاضی ان کو کچھ نہیں کہہ سکتا اور کوئی مفتی ان کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا۔ یہاں پر اہل اللہ اور اولیاء اللہ اپنے باطنی نور سے ان کی حقیقت معلوم کر لیتے ہیں اور لوگوں کو ان کے شرور سے متنبہ کر دیتے ہیں۔

اسلام اور صوفیت

قرآن میں صوفی یا تصوف و صوفیت نام کی کوئی اصطلاح نہیں ملتی اور جیسا کہ ابتدائیہ میں مذکور ہوا کہ یہ تصور اسلام کی اولین نسل میں موجود ہی نہیں تھا اور ابن خلدون کے مطابق کوئی دوسری صدی سے دیکھنے میں آیا۔ (حوالہ 1)؛ ابن خلدون کے الفاظ میں اس سے مراد ''خود کو اللہ کی مکمل سپردگی میں دینے کی ہے'' (جو کہ اسلام کا تصور بھی ہے) اور یہ لوگ مکمل روحانی پاکیزگی، انسان کی اندرونی کیفیات، وجود کی فطرت اور دنیاوی مسرتوں سے دور ہو کر عبادت اور اللہ کی بندگی پر زور دیتے تھے۔ جب تک یہ تمام طریقۂ کار حضرت محمد کی جانب سے لائے گئے اللہ کے پیغام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اختیار کیے جاتے رہیں اس وقت تک لفظ صوفی اور تصوف کے بجائے ان کو شریعت ہی کہا جاتا ہے کیونکہ جب سب کچھ قرآن اور سنت کے مطابق ہی ہے تو پھر اسے تصوف کیوں کہا جائے کہ اس کے لیے تو شریعت کی اصطلاح حضرت محمد کے قریب ترین زمانے سے موجود ہی تھی۔ لیکن پھر اس میں اسلامی حکومت کی وسعت کے ساتھ قبل از اسلام کے ایرانی و یونانی فلسفیانہ خیالات شامل ہونے لگے؛ انسان اور کائنات کا تعلق، اللہ سے قربت، دنیاداری سے کنارہ کشی، انسان کی لاچارگی وغیرہ جیسے تصورات شامل ہونے کے بعد صوفیت اپنی شکل اختیار کرنے لگی؛ اس قسم کی روحانی پاکیزگی اور عبادت کے تصور کو قرآن کی سورت الحدید کی آیت 27 میں رہبانیت (Monasticism) کا نام دیا گیا ہے اور اسے خود انسان کی تخلیق کہا گیا ہے۔(28) اور کہا گیا ہے کہ؛ نہیں فرض کیا تھا ہم (اللہ) نے اسے ان پر۔

اردو کے ایک مفکر اور شاعر، اقبال نے اسلام میں تصوف کے تصور کو اسلام کی زمین پر ایک بدیسی/اجنبی (Alien) تصور قرار دیا ہے جو کہ غیر عرب (اسلام کی وسعت کی وجہ سے) اور (قبل از اسلام کے) ایرانی عقلیت پسند ماحول میں پروان چڑھا۔ اقبال نے تصوف کے بارے میں یہ رائے سید سلمان ندوی کے نام تیرہ نومبر 1917ء کو اپنے ایک مکتوب میں ان الفاظ میں تحریر کی:

Even the very concept of tasawwuf is an alien plant on the soil of Islam, one which has been brought up in the intellectual climate -of Ajamis (non-Arabs, specially Persians).(2)

یہ درست ہے کہ اسلام میں تزکیۂ نفس وروح پر زور دیا جاتا ہے اور اس تزکیے کو حاصل کرنے کے سلسلے میں صوفیہ کی دو اقسام نظر آتی ہیں ایک وہ جو مکمل طور پر خود کو قرآن اور شریعت کی حدود میں رکھتے ہوئے ایسا کرتے رہے (اور ہیں) اور دوسرے وہ کہ جو غیر مسلم افکار اور فلسفے سے مکدر تصوف پر چلتے تھے (اور ہیں)؛ یعنی ہمیشہ ایک ایسی صوفیت بھی موجود رہی ہے کہ جو کسی بھی طور اسلام سے تعلق نہیں رکھتی اور بہت سے صوفیہ ایسے ہیں جو صوفیت کی ریاضتوں سے گزرنے کے بعد ایک ایسے درجے تک پہنچے کہ جس کے بعد انہوں نے خود کو اسلام سے جدا کرلیا-(30)

صوفیہ کرام

اس قطعے میں معروف صوفیہ کو ترتیب زمانی کے لحاظ سے تحریر کیا جارہا ہے؛ عام تاثر کے برعکس تصوف کو خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے صوفیہ میں صرف مسلم صوفیہ کرام ہی نہیں ہیں بلکہ ہندو متی ،بدھ متی اور دیگر ادیان کے غیر مسلم صوفیہ کرام بھی شامل ہیں-

مسلم صوفیہ کرام

درج ذیل میں معروف صوفیہ کرام کی ایک مختصر فہرست بلحاظِ ترتیبِ زمانی دی جارہی ہے- یہ بات وثوق سے کہنا کہ پہلا صوفی کون تھا شاید مشکل ہے لیکن متعدد علما کی نظر میں سب سے پہلے لفظ صوفی کو ابو ہاشم (وفات :763ء) کے لیے اختیار کیا گیا اور ابوسفیان الثوری (716ء تا 778ء) کی روایت سے اس بات کا تذکرہ ابی نعیم الحافظ (1038ء) اور ابن الجوزی (1114ء تا 1201ء) کی تصانیف میں آتا ہے-(9) اب رہی بات تصوراتی اور روحانی طور پر اسلاف سے تعلق قائم کرنے کی تو اہل تصوف کے ذرائع (بلکہ غیر مسلم ذرائع تک (31)) کے مطابق تو پہلے صوفی خود حضرت محمد ہیں اور ان کے بعد یہ تصوف ان اہل افراد (مثال کے طور پر حضرت علی) کو عطا ہوا جو اس کے اہل تھے- یوں پیغمبر اسلام سے تصوف کی لڑی کو شروع کرنے کے بعد اس میں حضرت سلمان فارسی ،حضرت اویس قرنی اور پھر حضرت جعفر الصادق کے نام بھی شامل کیے جاتے ہیں-(32)

مسلم صوفیہ، بلحاظ ترتیبِ زمانی

1. ابو ہاشم (وفات؛736ء)

2. رابعہ بصری (717ء تا 801ء)
3. بایزید بسطامی (804ء تا 874ء)
4. جنید بغدادی (830ء تا 910ء)
5. منصور بن حلاج (858ء تا 922ء)
6. ابوالقاسم قشیری (986ء تا 1072ء)
7. علی ہجویری (986ء تا 1072ء)
8. عبدالقادر جیلانی (1077ء تا 1166ء)
9. معین الدین چشتی (1141ء تا 1230ء)
10. فریدالدین عطار (1145ء تا 1220ء)
11. ابن عربی (1165ء تا 1240ء)
12. عبدالوہاب (1492ء تا 1565ء)
13. مجدد الف ثانی (1564ء تا 1624ء)
14. شاہ ولی اللہ (1703ء تا 1762ء)

مذکورہ بالا فہرست میں شامل صوفیہ کے نظریات کے لیے ان کے مخصوص صفحات موجود ہیں-

غیر مسلم صوفیہ کرام

غیر مسلم صوفیہ کرام ان صوفیہ کرام کو کہا جاتا ہے کہ جنہوں نے خود کو نا صرف یہ کہ تصوف بلکہ تصوف کے کسی خاص سلسلے (جیسے نقشبندی وغیرہ) سے جڑنے کے باوجود کبھی قبولیت اسلام کا اعلان نہیں کیا-

مسلمان ، غیر مسلم صوفی کی اصطلاح کو جو بھی نام دیں حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلم دنیا میں یہ غیر مسلم صوفی ہی کہلائے جاتے ہیں-(33)

غیر مسلم صوفیہ، بلحاظ ترتیبِ زمانی

1. مہر بابا (1894ء تا 1969ء)
2. مرشد سیموئل لویس (1896ء تا 1971ء)
3. منوہر لال کانپوری (1898ء تا 1955ء)
4. اریناٹویڈی (1907ء تا 1999ء)
5. ووَ گان لی (پیدائش 1953ء)
6. کارول ویلینڈ (مرشدہ) (؟)

برصغیر اور صوفیہ کرام

برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کے لیے صوفیہ کرام کا کردار بھی بہت اہم تسلیم کیا جاتا ہے۔محمد بن قاسم کے سندھ کو فتح کرنے اور محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کے ساتھ ہی بزرگان دین اور صوفیہ کرام کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جن میں حضرت عبداللہ شاہ غازی، داتا گنج بخش ہجویری، شاہ رکن عالم، خواجہ معین الدین چشتی، سلطان سخی سرور، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید گنج شکر، مخدوم علاؤالدین صابر، شیخ نظام الدین اولیا، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے علاوہ دیگر بے شمار ہستیاں شامل ہیں۔ان صوفیہ کے حسن اخلاق اور تبلیغ دین کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ان کے علاوہ سلیم چشتی، شیخ محمد غوث گوالیاری، مخدوم عبدالقادر ثانی، شیخ داؤد کرمانی، شاہ ابوالمعالی، ملا شاہ قادری، حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت میاں میر، حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے نام بھی اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔

کتب تصوف

امام قشیری کا رسالہ قشیریہ
شیخ عبدالقادر جیلانی کی فتوح الغیب
داتا گنج بخش کی کتاب کشف المحجوب
شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف
ابن عربی کی فصوص الحکم اور الفتوحات المکیہ

کائناتی تصوف

کائناتی تصوف (Universal Sufism) کو ایک ایسا شعبۂ فلسفۂ دماغِ انسانی ونفسانی کہا جا سکتا ہے جو مذہب اسلام کی تعلیمات کو انسانی خواہشات و تخیلات کے مطابق ڈھال کر اسلام کو اسلام سے نفرت کرنے والے اذہان کے لیے قابل قبول بنائے اور ظاہر ہے کہ یہ تصور غیر مسلم افراد کے لیے زیادہ کشش رکھتا ہے۔(34) اور اسلام کے خمیر سے اٹھنے والے اسلام سے متنفر اشخاص (مثال کے طور پر ادریس شاہ وغیرہ جیسے صوفیہ کرام) کے لیے اپنے گرد ایک جم غفیر لگانے کا نہایت آسان طریقہ فراہم کرتا ہے۔تصوف کی اس عالمی شاخ سے منسلک افراد کے لیے تصوف، اسلام پر تقدمِ زمانی کا حامل ہے اور اسلام سے پہلے سے وجود رکھتا ہے یعنی اسلام کی حیثیت ثانوی ہے اور جب اسلام ثانوی ٹھہرا تو پھر نا تو تصوف کو قرآن کی ضرورت باقی ہے اور نا محمد کی۔

مشہور صوفی شعرا

(۱) شیخ سنائی (۲) مولانا جامی (۳) مولانا رومی (۴) شیخ سعدی شیرازی (۵) حضرت امیر

خسرو (۶) شاہ عبداللطیف بھٹائی (۷) رحمان بابا (۸) لال شہباز قلندر (۹) بابا بلے شاہ

تناسخ و تصوف

اہتجار یا آواگون (اور بعض اوقات تناسخ (Reincarnation) یا حول) کے نظریات صوفیہ کی تعلیمات میں ملتے ہیں۔(35)(36)۔یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ جس طرح تمام اسلام راسخ پر قائم علمائے کرام، تناسخ اور اہتجار و حلول جیسے نظریات کی یکسر تردید کرتے ہیں اسی طرح حقیقی تصوف کی تعلیمات پر چلنے والے صوفی بھی ان نظریات کو نہیں تسلیم کرتے۔(37) لیکن عمومی طور پر یہ تاثر (بطور خاص مغرب میں) پایا جاتا ہے کہ صوفیہ اس نظریے کے قائل ہیں اور ان کی تحریروں میں اس کی موجودگی واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے جس سے کم از کم صوفیہ کی طرح باطنیت (Esotericism) میں مہارت نا رکھنے والا ایک عام مسلمان بھی لازمی طور پر دھوکا کھا جائے گا۔تصوف میں تناسخ و ہندو، آواگون جیسے نظریات کی موجودگی کا واضح ثبوت سری لنکا کے ایک صوفی باوا محی الدین کے اقتباسات سے لگایا جا سکتا ہے۔(38) گو جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ بعد میں ان کے کسی مرید نے ہر ممکن کوشش کی کہ باوا محی الدین کی واضح طور پر آواگون کے نظریے کو تسلیم کرنے والی تحریر میں باطنیت کا سہارا لے کر اس کی حقیقت کو چھپا سکیں لیکن ایسا ہو نہیں سکا۔روئے خط روابط تبدیل ہو سکتے ہیں اس لیے ایسی صورت حال میں پیچیدگی سے بچنے کی خاطر چند اقتباسات بمعہ ترجمہ درج ہیں:

''یہ انسانی پیدائش ہے، جس میں ہم الہامی تجزیاتی عقل رکھتے ہیں، شعور کی چھٹی حس۔یہ عقل ہمیں صحیح اور غلط کے مابین تفریق کے قابل بناتی ہے---اگر ایک انسانی زندگی ختم ہو جائے اور دوبارہ پیدا ہو، خواہ صرف ایک بار، تو اس کی قدر (وقیمت) کمتر ہو جاتی ہے۔چھٹی حس اور صحیح اور غلط میں تمیز کی صلاحیت گھٹ جاتی ہے، اور اگلی بار کی پیدائش پر شعور کی (صرف) پانچ حسیں ملتی ہیں۔

This is the human birth, in which we have divine analytic wisdom., the sixth state of consciousness. This wisdom enables us to discriminate between what is right and what is wrong. . . If a human life dies and is reborn, even once, its value decreases. The sixth level of consciousness and the ability to discriminate is reduced, and in the next birth one will have five levels of consciousness۔

تجاوز وفتاویٰ

تصوف کا ظاہر بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نت نئی اختراعات اور فلسفیوں کے افکار مبالغانہ سے سیراب ہوکر طرح طرح کی شکلوں میں تبدیل ہوتا رہا ،مگران لوگوں کا تصوف سے کوئی لینا دینا نہیں اوران کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ کیا تم نے ناچ گانا اور تالیاں بجانا ہی اپنا مذہب بنا رکھا ہے- ان میں وہ بھی ہیں جو کہ ڈھول ڈبے بجانے اور جھومنے اور ناچنے سے بھی گریز نہیں کرتے اور اپنے آپ کو پہنچے ہوئے تصور کرتے ہیں- یہ شیطان تک ہی پہنچے ہیں اور شیطان ہی ان پر وحی کرتا ہے جس کو یہ تجلّی حق سمجھتے ہیں-

تصوف کی اس موجودہ بگڑی ہوئی شکل کے بارے میں اسلام کے علمائے کرام نے متنبہ کیا ہے کہ تصوف کی اس حد سے تجاوز کردہ بگڑی ہوئی شکل سے دور رہا جائے- Islamweb کے مرکز فتویٰ سے جاری کیا جانے والا ایک روئے خط فتویٰ سے چند سطور (وضاحتی عبارت کے ساتھ) درج ذیل ہیں- اصل عبارت کے لیے متعلقہ موقع دیکھیے-(39)

ابتدا میں صوفیہ کا خطاب ان لوگوں کو دیا جاتا تھا جو خود کو اللہ کی عبادت میں مصروف رکھتے تھے اور زاہدوں کی سی زندگی بسر کیا کرتے تھے-(40)(41)

بعد میں صوفیت (عام طور پر تصوف کے متبادل ادا کیا جاتا ہے) میں متعدد بدعتیں اور مبالغات حلول کر گئے اور فلسفیوں کے کئی ممنوع تفکرات نے اس میں جگہ بنالی، جیسے وحدت الوجود، باطنیت (Esotericism) اور لادینی (Atheism) (ممکن ہے کہ اس فتویٰ میں Atheism دہریت یا انحراف کے معنوں میں آیا ہو) جن کے بعد یہ خیال بھی پایا جاتا ہے کہ ان سے گزرنے کے بعد ایک حد وہ آتی ہے کہ جب وہ شخص اسلام کی پیروی سے بھی آزاد ہو جاتا ہے؛ ارشاد الملوک (مولانا عاشق الٰہی میرٹھی) کے مطابق ذکر کے لیے شرائط میں سے ایک، ذکر کو شیخ سے حاصل کرنا ہے بالکل ایسے ہی جیسے صحابہ اپنا ذکر رسول اللہ (ﷺ) سے لیا کرتے تھے-(15)

کاذب تصوف

گویا ابتدائی تصوف اسلام کی اصل روح سے قریب تر ہے اور اس میں بہت سی قابل ذکر شخصیات کے نام آتے ہیں جنھوں نے اسلام کی تبلیغ میں نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں جیسے امام غزالی اور معین الدین چشتی وغیرہ- مگر وقت کے ساتھ ساتھ صوفیہ کرام کو دی جانے والی عزت و مقام سے متاثر ہوکر کاذب صوفیہ بھی نمودار ہوتے رہے اور تصوف نے بہت سے مفاد پرست افراد کو بھی اپنی جانب راغب کر لیا(42) جنھوں نے درویشی اور صوفیت کے نام کا استحصال کیا اور اس کا تصور مکدر کرنے میں کردار ادا کیا- ان کی وجہ سے نا صرف یہ کہ تصوف میں مختلف مسلم و غیر مسلم

فلسفیوں کے خیالات کی آمیزش ہوتی گئی بلکہ بہت سے افکار دیگر مذاہب سے بھی شامل ہو گئے-

داتا گنج بخش؛ منصور بن حلاج اور ابو سلمان کے اسلام منافی تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’میں نہیں جانتا فارسی کون ہے اور ابو سلمان کون اور انہوں نے کیا کیا اور کیا کہا- لیکن جو شخص تحقیق اور توحید کے خلاف چلتا ہے، اس کو دین میں کچھ نصیب نہیں ہوتا اور جب دین جو اصل ہے مضبوط نا ہو تو تصوف جو اس کی شاخ ہے کس طرح مفید ہو سکتا ہے؟‘‘(43)

اسلام کا پھیلاؤ اور تصوف

اسلامی افکار کو دیگر مذاہب کے اشخاص تک پہنچانے کا پرامن طریقہ اختیار کرنے کی وجہ سے صوفیہ نے اسلام کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا؛ گو یہ اور بات ہے کہ حقیقتاً دیگر مذاہب پر اثر انداز ہونے کے ساتھ ساتھ، تصوف میں بھی ان دیگر مذاہب کے افکار شامل کر کے اس کو اسلام کا نام دیے جانے اور قرآن کی پوشیدہ معلومات کہے جانے کی روش اختیار کی جاتی رہی- نظام الدین اولیا کے ہندو یوگیوں سے مکالمات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ ہندوؤں کے شوا اور شاکتی نظریات سے متاثر تھے-(44) البیرونی نے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ سانکھیہ یوگا فلسفے اور ہندوستان کے صوفی نظریات میں مماثلت پائی جاتی ہے- اس طرح وہ ہندو، بدھ اور دیگر مذاہب کے افراد ان صوفیہ کرام کی جانب رجوع کرنے میں سکون محسوس کرتے تھے جو اپنے مذاہب میں موجود ذات پات کے نظام سے متنفر ہو چکے تھے اور یوں ان اشخاص کو اسلامی افکار سے آشنا کرنے میں سہولت رہتی تھی؛ تصوف سے منسلک افراد کا اسلامی نظریات کو پھیلانے کا سلسلہ اس قدر وسیع اور اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ عبد القادر جیلانی جیسے جلیل القدر مسلم علمائے کرام نے اسلام اور تصوف کے مابین آنے والی خلیج کو عبور کرنے اور تصوف کو اسلام سے واپس قریب لانے کی جدوجہد بھی کی-(45)

بلا جواب سوال

تمام تر تصوف سے متعلق کتب و موقع ہائے روئے خط میں کسی نا کسی الفاظ میں ایک بات کا تذکرہ لازمی شامل ہوتا ہے (حوالہ کے لیے حوالہ جات کی فہرست میں شامل کسی بھی حوالے سے رجوع کیا جا سکتا ہے) اور وہ یہ ہے کہ تصوف، شریعت سے الگ نہیں ہے؛ یا یہ کہ تصوف، شریعت کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا؛ یا یہ کہ تصوف دراصل روح کی پاکیزگی کا نام ہے؛ یا یہ کہ تصوف، دل میں آنے والی برائیوں سے دل کو پاک کرنے کا نام ہے؛ یا یہ کہ تصوف دل کو خوبصورت (احسان / پاک) بنانے کا طریقہ ہے- یہاں ایک سوال یہ ذہن میں ابھرتا ہے کیا مذکورہ بالا تمام باتیں اسلامی تعلیمات نہیں؟ پھر آخر اس تمام تر طریقۂ کار کو اسلام یا شریعت کے بجائے تصوف کا نام دینے کی کیا وجہ ہے؟ اب تک مختلف کتب و ذرائع سے اس بات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی

جا چکی ہے لیکن تمام جگہ ہی بات شریعت سے اقرار اور تصوف کو شریعت کے مطابق ثابت کرنے پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس مضمون کا یہ آخری قطعہ ابھی کسی ایسے عالم کا منتظر ہے کہ جو اس بات کا جواب فراہم کر سکے کہ جب جھوٹے تصوف کی موجودگی اور اس کی معاشرتی برائیاں خود تصوف سے قربت رکھنے والے تسلیم کرتے ہیں اور ان کے مطابق سچی تصوف اصل میں شریعت ہی ہے تو پھر آخر وہ کون سی بات ہے کہ جس پر تصوف قائم ہے؟ اگر تصوف، شریعت ہی ہے تو پھر اس کا الگ سے نام کیوں؟ اور اگر کوئی چیز تصوف میں ایسی ہے جو شریعت اور قرآن سے الگ ہے یعنی جس کی وجہ سے اس کو ایک الگ نام (تصوف) نا دیا جائے تو بات واضح نا ہوگی تو پھر ظاہر ہے کہ تصوف میں کچھ وہ بھی شامل ہے جو اسلام نہیں۔

حوالہ جات

جہاں تک ممکن ہو سکا، روئے خط (Online) حوالہ جات کو ترجیح دی گئی ہے۔ موضوع پر تمام مسلم و غیر مسلم، تفرقاتی و طبقاتی پہلوؤں کو سامنے لانے کی خاطر حوالہ جات پر کوئی دینی و لادینی، اسلامی و غیر اسلامی یا تفرقاتی پابندی نہیں؛ ماسوائے کہ (اپنے مقام پر) مصدقہ ہوں۔ روئے خط مقامات تبدیل بھی ہو سکتے ہیں، اس لیے مضامین کے عنوانات انگریزی ہی میں دیئے جا رہے ہیں۔ کسی حوالے پر اعتراض ہو تو تبادلۂ خیال پر بیان کیجیے۔

1. القرآن، سورۃ الجمعۃ، آیت دو
2. صوفیوں کی جانب سے استعمال کی جانے والی لفظ احسان کے بارے میں حدیث
3. Mysticism in Islam: In short, Muslim scholars who focused their energies on understanding the normative guidelines for the body came to be known as jurists, and those who held that the most important task was to train the mind in achieving correct understanding came to be divided into three main schools of thought--theology, philosophy, and Sufism. This leaves us with the third domain of human existence, the spirit. Most Muslims who devoted their major efforts to developing the spiritual dimensions of the human person came to be known as Sufis (روئے خط مضمون)

4. Tasawwuf - the distorted image انٹر اسلام آرگ نامی موقع
5. ^ Louis Massignon, Essai sur les origines du lexique technique de la mystique musulmane ISBN-10: 2204062537 کتاب کا ایک دستیابی موقع
6. ^ 6.0 6.1 The Oxford Encyclopedia of the Islamic World: Sufism by Kazuo Ohtsuka روئے خط مضمون
7. Mysticism in Islam; William C. Chittick موقع روئے خط
8. words of ecstasy in sufism by carl w. ernst
9. 9.0 9.1 9.2 الف: ابی نعیم الحافظ؛ حلیۃ الاولیاء ب: ابن الجوزی؛ صفۃ الصفوۃ (ایک روئے خط موقع)
10. ^ 10.0 10.1 Encyclopedia Britannica صوفیت پر مقالہ
11. Sufis and Sufism: some reflections. edited by Neeru Misra. New Delhi ایک کتب دستیابی موقع
12. 12.0 12.1 The Place of Tasawwuf in Traditional Islam نوح حا میم کیلیر کا مقالہ
13. What Is Tasawwuf تصوف. آرگ نامی موقع
14. 14.0 14.1 Shariat and Tasawwuf by Maseehullah Khan مجلس. نیٹ نامی موقع پر
15. 15.0 15.1 The Jamaa'at Tableegh and the Deobandis; Chapter 1.6 احیاء. آرگ نامی موقع
16. Ahmad Raza as a devout Sufi مدنی پروپیگیشن. آرگ نامی موقع
17. Mawlana Jalaluddin Rumi انگریزی اور فارسی
18. The Necessity of a Measure of Proper Sufi education شیخ یوسف القرضاوی
19. ^ Islamic Gnosis ('Irfan (and Wisdom (Hikmat(

20. Theoretical Gnosis and Doctrinal Sufism and Their Significance Today روئے خط مقالہ
21. 21.0 21.1 21.2 اردو ویکیپیڈیا پر ہی ایک مضمون تصوف لغوی مباحث، (گو مضمون اصلاح طلب ہے)
22. اصحابِ صُفّہ اور تصوف کی حقیقت از امام ابن تیمیہ؛ ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی: المکتبۃ السلفیۃ۔شیش محل روڈ لاہور
23. ^ 23.0 23.1 23.2 23.3 Sufism, Origin and Development by Dr. Saleh As-Saleh (روئے خط، پی ڈی ایف ملف)
24. ^ 24.0 24.1 24.2 24.3 24.4 The quranic sufism by mir valiuddin
25. ^ Islamic Esotrime and Taoism, Rene Guenon, p. 21 (موقع روئے خط)
26. خواجہ معین الدین چشتی سے متعلق ایک موقع روئے خط پر تصوف کی تاریخ
27. islamicity forum پر مضمون
28. ایک روئے خط قرآن اردو ترجمے کے ساتھ-
29. IQBAL IN YEARS at allamaiqbal.com اقبال کا بیان
30. Al-Ghazali as sufi (پی ڈی ایف ملف)
31. ^ Sufism: The Esoteric Side Of Islam ^ہندو دیوتائی فعالیت (پیکر) ادی شکتی نامی موقع
32. Mystical Dimensions of Islam by Annemarie Schimmel: The Univ of North Carolina Press (روئے خط موقع)
33. Sufism -- Sufis -- Sufi Orders at The University of Georgia موقع روئے خط
34. Thelemapedia (روئے خط ربط)
35. What is sufism (روئے خط مضمون)
36. Volume VIIIa - Sufi Teachings: Karma and Reincarnation (روئے خط مضمون)

37. Is Reincarnation Compatible With Islam (روئے خط مضمون)
38. A Sufi View of Spiritual Rebirth (روئے خط مضمون)
39. Fatwa Title: Muslims and other groups, Fatwa No. 82721 اسلام ویب نامی موقع
40. Mohammedan Confraternities at Catholic Encyclopedia اسلام کی تاریخ اور ابتدائی تصوف کا ذکر
41. Sufism: The Columbia Encyclopedia روئے خط موقع
42. Introduction to Sufism by Dr. Qadeer Shah Baig تصوف؛ ایک اسماعیلی موقع
43. آب کوثر : شیخ محمد اکرام؛ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور روئے خط کتاب
44. Sikhism origin and development by Dalbir singh dhillon
45. The spread of islam: the contributing factors by Abu al fazal izzati, A. ezzati

http://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%AA%D8%B5%D9%88%D9%81

مستعادہ منجانب

○○○

ضیاء الرحمٰن علیمی

شیخ ابن تیمیہ کا نقد تصوف-ایک مطالعہ

بحث وکرید، تنقید وتحقیق ایک پسندیدہ عمل ہے اور زندہ قوم کی علامت بھی-کسی بھی فن پر جب تک تنقید وتحقیق کا سلسلہ جاری رہے گا اس وقت تک وہ فن پروان چڑھتا رہے گا اور زمانے کی ستم ظریفیوں سے اس میں غیر کی جو آمیزش ہوئی ہوگی اس کی طہارت کا سلسلہ بھی جاری رہے گا-تصوف بھی ایک فن ہے اور اس پر بھی نقد کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا-چنانچہ تصوف کی ابتدا سے ہی اس پر تنقید کا سلسلہ جاری ہے-اس ضمن میں جو ناقدین سامنے آئے وہ دوطرح کے ہیں-ایک وہ جو بیک وقت صوفی بھی ہیں اور ناقد تصوف بھی-ان میں امام غزالی جیسے افراد شامل ہیں-کچھ وہ لوگ ہیں جو خود کو گروہ صوفیہ میں شامل نہیں سمجھتے لیکن ناقد تصوف ضرور ہیں-ان میں ایک شہرہ آفاق نام تقی الدین ابوالعباس احمد ابن تیمیہ کا بھی ہے-

پس منظر

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ کے دادا ابوالبرکات مجدالدین بن تیمیہ (۶۵۲ھ) کا حنابلہ کے ائمہ اور اکابر میں شمار ہوتا ہے، حافظ ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ فقہ میں ان کو مرتبۂ امامت حاصل تھا، منتقیٰ الاخبار ان کی مشہور علمی یادگار ہے جس میں انہوں نے فقہی ابواب کے طرز پر وہ احادیث جمع کردی ہیں جو اہل مذہب کی دلیل اور ان کا ماخذ ومرجع ہیں (۱) ان کے والد شہاب الدین عبدالحلیم ابن تیمیہ حنبلی عالم، فقیہ اور محدث تھے-حران سے دمشق منتقل ہونے کے بعد جامع اموی دمشق میں درس دینا شروع کیا، ان کے درس کی خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ وہ بالکل زبانی اور برجستہ ہوا کرتا تھا، درس کے دوران کسی کتاب سے مدد نہیں لیتے تھے، جامع اموی کے علاوہ وہ دمشق کی دارالحدیث السکریّہ کے بھی شیخ الحدیث رہے-۶۸۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور مقابر صوفیہ میں سپرد خاک ہوئے (۲)

ولادت، تعلیم وتربیت

ایسے علمی خاندان میں تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہ ۱۰ ربیع الاوّل ۶۶۱ھ ۲۹ جنوری ۱۲۶۳ء کو حرّان شام میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر تک وہیں پلے بڑھے-تاتاری حملے کے بعد اپنے والد شہاب الدین عبدالحلیم ابن تیمیہ کے ہمراہ وہاں سے دمشق منتقل ہوگئے اور وہیں پروان چڑھے اور تعلیم وتربیت حاصل کی، بچپن سے ہی شرافت ونجابت کے آثار نمایاں تھے-چنانچہ کم سنی میں ہی قرآنِ کریم ختم کرلیا-پھر احادیث، فقہ اور علوم عربیہ کے حفظ وتحصیل میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ ان علوم وفنون میں مہارت حاصل کرلی اور اسی دوران ذکر اور احادیث وآثار کی مجلسوں میں مسلسل حاضر ہوتے رہے اور بہت سے مشائخ حدیث سے حدیث کی مختلف کتابوں کی سماعت کی، مسند احمد، صحیح بخاری، مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داوٗد، نسائی، ابن ماجہ اور دار قطنی کئی بار سماعت کی، سب سے پہلے امام حمیدی کی کتاب **الجمع بین الصحیحن** حفظ کی (۳)-

علوم حدیث کے علاوہ دوسرے علوم مثلاً معانی، بیان، بدیع، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، اصول تفسیر، فرائض، حساب، فلسفہ، کلام اور منطق میں بھی ان کو یدِ طولی حاصل تھا اور ان سارے فنون کو انھوں نے اساتذہ وقت سے حاصل کیا، مگر ان فنون کی زیادہ تر کتابیں ذاتی مطالعہ اور غور وفکر کے ذریعہ حل کیں (۴)

شیخ ابن تیمیہ کے مشائخ حدیث

حدیث میں شیخ ابن تیمیہ کے شیوخ کی تعداد دوسو سے زائد ہے، ان میں شیخ زین الدین ابوالعباس احمد بن عبدالدائم نابلسی مقدسی (۶۶۸ھ) شمس الدین ابومحمد عبداللہ بن شرف الدین اذرعی حنفی (م ۶۷۳ھ) شمس الدین ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابوعمر محمد بن احمد مقدسی حنبلی (م ۶۸۲ھ) مجدالدین ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن عثمان دمشقی (م ۶۶۹ھ) کمال الدین ابوزکریا یحییٰ بن منصور صیرفی حرانی، زین الدین ابوبکر محمد بن ابوطاہر انماطی (م ۶۸۴ھ) فخر الدین ابوالحسن علی بن احمد مقدسی حنبلی معروف بہ ابن النجار (م ۶۹۰ھ) کے نام قابلِ ذکر ہیں، (۵)

شیخ ابن تیمیہ: منصب تدریس پر

علوم وفنون کی تحصیل سے فراغت کے بعد دارالحدیث السکریّہ کے منصب تدریس پر فائز ہوئے اور ۲۲ سال کی عمر میں ۲ محرم الحرام ۶۸۳ھ کو پہلا درس دیا جس میں دمشق کے مشہور فاضلین وعمائدین شامل ہوئے، اس میں قاضی القضاۃ بہاء الدین ابن الزکی شافعی، شیخ تاج الدین فزاری، زین الدین المنجا حنبلی اور دوسرے نمائندہ علما حاضر تھے-اس درس سے تمام حاضرین بہت

متاثر ہوئے اوراس نوجوان کے علمی تبحر کا اعتراف کیا(۶) اگلے ماہ ۱۰صفر کو جمعہ کے روز انہوں نے اپنے والد کی جگہ پر جامع اموی میں تفسیر کا درس دینا شروع کیا-ان کے لیے خاص منبر سجایا گیا اورانہوں نے سلسلہ وار تفسیر قرآن کا آغاز کیا،روز بروز لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ان کی شہرت دور دراز کے علاقوں اور ملکوں میں پھیل گئی،(۷)اس عہد کے بڑے بڑے علمائے کرام ان کے گرویدہ اوران کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہو گئے،اس دوران انہوں نے مختلف کتابیں اور رسائل تحریر کیے جن میں بعض ضخیم رسالے مستقل کتابی شکل میں اور مختلف چھوٹے چھوٹے رسائل مجموع الفتاوی کے نام سے ۳۷حصّوں میں شائع ہو چکے ہیں-ان کی بعض تصانیف کے نام درج ذیل ہیں(۱)**الصارم المسلول علی شاتم الرسول** (۲) **اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة اصحاب الجحیم** ،(۳)**قاعدة جلیلة فی التوسل والوسیلة**،(۴)**رفع الملام عن الائمة الاعلام**، (۵)**الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطٰن**-

ابن تیمیہ کی خصوصیات اور معاصرین کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے شیخ ابن تیمیہ کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا وہ حافظہ،علم وفضل ،تقوی وخشیت، زہد وورع،قناعت وصبر،جرأت وشجاعت،سنت کی پیروی ،بدعت سے اجتناب ،اعلائے کلمہ حق اور جہاد کے لیے ہمہ وقت کمر بستگی ،یہ وہ خصوصیات ہیں جن سے وہ اپنے معاصرین کے مابین ممتاز اور مشہور ہوئے اوراسی بنا پر وہ علما جن کو شیخ ابن تیمیہ سے اختلاف تھا-انہوں نے بھی پوری وسعت ظرفی اوراعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ کی ان خصوصیات کا اعتراف کیا اوران کے وفور علم وفضل کی شہادت دی-

حافظ ذہبی(م۷۴۸ھ)ان کی لمبی مدح لکھنے کے بعد اپنے قلم کو لگام دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

قسم خدا کی اگر میں خانہ کعبہ میں عین رکن ومقام کے مابین کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے ان کا مثل دیکھا اور نہ خود انہوں نے اپنی کوئی مثال دیکھی تو میری قسم سچی ہوگی اور میرے اوپر کفارہ یمین لازم نہیں ہوگا-(۸)

جس وقت شیخ ابن تیمیہ کی عمر تیس سال کی تھی اس وقت حافظ زملکانی(م۷۲۷ھ)ان کی تعریف وتوصیف میں لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ کے اندر اجتہاد کی شرطیں صحیح طور پر جمع ہو گئی ہیں،ان کو حسن تالیف،عبارت کی خوبی اور ترتیب وتقسیم اور دین داری میں مکمل دستگاہ حاصل ہے،(۹)

جب ان کی عمر ۳۹ سال کی تھی اس وقت علامہ ابوحیّان مفسر،نحوی(م ۷۴۵) ان کی

تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں کہ میری آنکھوں نے اس شخص کا مثل نہیں دیکھا اور پھر ان کی منقبت میں چھ شعر کہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ امام منتظر ہیں اور ایسے وقت میں تشریف لائے ،جب کہ حق کے آثار مٹ چکے تھے-(۱۰)

ابن دقیق العید(م۷۰۲ھ)فرماتے ہیں:

میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا،سارے علوم جس کی نگاہوں کے سامنے ہیں،وہ جس سے اور جتنا چاہتا ہے اخذ کرتا ہے اور جس میں سے جتنا چاہتا ہے چھوڑ دیتا ہے-

حافظ فتح الدین ابن سیدالناس لکھتے ہیں:

ان کا حافظہ سنن وآثار کا احاطہ کیے ہوئے تھا،جب وہ تفسیر پر گفتگو کرتے تو وہی علم بردار ہوتے ،فقہ میں فتویٰ دیتے تو وہ اپنے مقصد تک پہنچ جاتے ،حدیث میں مذاکرہ کرتے تو وہ صاحب علم اور صاحب روایت نظر آتے ،ملل ومذاہب پر گفتگو کرتے تو ہم ان سے زیادہ کسی کو وسیع المطالعہ نہیں پاتے اور نہ کوئی ان سے زیادہ بلند پایہ ہوتا،تمام علوم میں اپنے ہم جنسوں پر فوقیت لے گئے ،کوئی ایسا نظر نہیں آیا جس نے ان کی مثال دیکھی ہو،اور نہ انہوں نے خود اپنی مثال دیکھی-

حافظ ابوالحجاج مزی(م ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

میں نے ان کے جیسا نہیں دیکھا،اور نہ خود انہوں نے اپنے جیسا کسی کو دیکھا،میں نے کتاب وسنت کا نہ ان سے بڑا عالم پایا اور نہ ان سے زیادہ اس کی پیروی کرنے والا پایا(۱۱)

ابن تیمیہ-ایک متنازع شخصیت

ان علمائے کرام کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے شیخ ابن تیمیہ کی تعریف وتوصیف کی ہے-حافظ شمس الدین شافعی(م۸۴۲ھ)نے **الرد الوافر علی من زعم ان من سمی ابن تیمیة شیخ الاسلام کافر** میں علاّمہ ابن حجر عسقلانی کی الدرر الکامنہ،صفی الدین حنفی بخاری کی القول الجلی میں اور شیخ مرعی حنبلی(م۱۰۳۳ھ) کی الکواکب الدریہ میں مشاہیر علما اور ائمہ فن کے حوالے سے کثرت کے ساتھ ان کے علم وفضل کی شہادتیں نقل کی ہیں،علاّمہ عینی نے **الرد الوافر** میں یہاں تک لکھا ہے کہ ان پر زندقہ کا جو الزام لگائے وہ خود ملحد اور زندیق ہے،اوران میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ان کے زیغ وضلالت اور شقاق واختلاف پر دلالت کرتی ہو(۱۲)ملاّ علی قاری نے مرقاة شرح مشکوٰة میں لکھا ہے کہ جو شخص منازل السائرین کی شرح مدارج السالکین کا مطالعہ کرے گا،اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ شیخ ابن تیمیہ اور ابن قیم اہل سنت وجماعت کے اکابر اور اس امت محمدی ﷺ کے اولیاء اللہ میں سے تھے،(۱۳)البتہ یہ بات بھی مسلم الثبوت ہے کہ جہاں بھی مذکورہ بالا علمائے کرام اور مشائخ عظام نے ابن تیمیہ کی تعریف کی ہے وہیں انہوں نے مختلف مسائل

میں ابن تیمیہ سے اپنا شدید اختلاف بھی ذکر کیا ہے اور ان کے شذوذ و تفردات کا رد بھی کیا ہے- یہ سلسلہ بعد میں بھی چلتا رہا اور تا ہنوز جاری ہے- علامہ ابن حجر عسقلانی کے بعد کے عہد میں ان کے ہم نام علاّمہ ابن حجر مکی ہیتمی نے شدت کے ساتھ شیخ ابن تیمیہ کا رد کیا- متأخرین میں علامہ زاہد الکوثری اور علامہ یوسف نبہانی ان نمایاں لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ان کا رد لکھا-

شیخ ابن تیمیہ سے معاصر علما کا اختلاف کیا معاصرت کا شاخسانہ ہے؟

شیخ ابن تیمیہ کے معاصر علما کے تعریفی اقوال کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ان میں سے اکثر اقوال کا تعلق اسی دور سے ہے جب کہ ابن تیمیہ کی عمر چالیس سال کی نہیں ہوئی تھی اور خود ان اقوال کے قائلین کی عمر بھی چالیس سے کم تھی اور درحقیقت یہی دور خود نمائی اور خود ستائی کا ہوتا ہے اور معاصرانہ چشمک دراصل اسی زمانے میں ہوتی ہے لیکن عمر کی اس منزل میں ان کے معاصرین کی طرف سے ان کی شان میں بلند و بالا مناقب اس نظریے کو بالکلیہ مسترد کر دیتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ کی مخالفت کی اصل وجہ معاصرت تھی اور یہ کہ ان کے زمانے کا کوئی بھی عالم ان کے ہم پلہ نہیں تھا بلکہ ان کے معاصرین کی شہادتیں خود ان معاصرین کی وسعت ظرفی اور بلند طبعی کا پتا دیتی ہیں، البتہ جب یہ دور ختم ہوا اور شیخ ابن تیمیہ نے کہولت کی منزل میں قدم رکھا اور پھر بڑھاپا سر پر آ پہنچا، تب آہستہ آہستہ ان کے مداح ان سے بچھڑتے گئے اور ان کے معاونین مخالفین میں بدل گئے-(۱۴)

ان کی مخالفت کی ابتدا ۶۹۸ھ میں اس وقت ہوئی جب ان سے شہر حماۃ شام کے چند لوگوں نے ان سے استواء علی العرش اور اس جیسی ان دوسری آیات و احادیث کے بارے میں استفتا کیا جس کا ظاہر جسمیت کی طرف لے جانے والا ہے- شیخ ابن تیمیہ نے اس کا مفصل جواب دیا اور صفات الٰہی کے بارے میں صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین کے اقوال سے استدلال کیا کہ صفات پر ایمان لانا اور ان کی حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات جہاں تشبیہ و تجسیم سے پاک ہے وہیں نفی و تعطیل سے بھی اس کی ذات منزہ ہے-(۱۵) اس اختلاف کے وقت ان کی عمر ۳۷ سال کی تھی-

ان کی اسیری کا پہلا واقعہ ۷۰۵ھ میں رونما ہوا جب کہ ان کی عمر ۴۴ سال کی تھی،(۱۶) دوسری اسیری ۷۰۷ھ کو پیش آئی، اس وقت ان کی عمر ۴۶ سال تھی،(۱۷) اور تیسری اور آخری بار ۷۲۶ھ میں جیل گئے جب کہ ان کی عمر ۶۵ سال تھی، اور پھر آخر کار اسی اسیری کی حالت میں ۲۲ ذی القعدہ ۷۲۸ھ کی شب میں وقت موعود آ پہنچا اور ۶۷ سال کی عمر میں اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے-(۱۸)

آفتاب علم غروب ہو گیا

وفات کی خبر شہر میں پھیلتے ہی قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا اور عام زیارت کی اجازت دے

دی گئی لوگ جوق در جوق آتے اور زیارت کر کے واپس چلے جاتے، غسل سے پہلے ہی قرآن مجید کے ختم کیے گئے(۱۹) اس کے علاوہ مختلف علاقے میں جہاں جہاں خبر پہنچی خاص طور سے دمشق، مصر، عراق، تبریز، بصرہ میں قرآن خوانیاں ہوئیں، کچھ لوگوں نے تو ان کے لیے قرآن خوانی اپنی عادت بنالی(۲۰) غسل سے پہلے شیخ ابن تیمیہ کے دو محبوب قاریوں کو بلایا گیا اور ان دونوں حضرات نے نعش کے قریب بیٹھ کر سورۂ رحمٰن سے لے کر سورۂ ناس تک خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کیا-(۲۱)

جنازہ تیار ہونے کے بعد پہلی نماز جنازہ قلعہ میں ادا کی گئی، جب جنازہ لے جایا جار ہا تھا تو لوگوں کا اس قدر اژدہام ہو گیا کہ جنازہ دو چار قدم آگے بڑھتا اور پھر رک جاتا، راستے میں لوگ فرط عقیدت میں رومال اور کپڑے پھینک کر جنازہ سے مس کراتے اور برکت حاصل کرتے(۲۲) عورتیں اپنے دوپٹوں کا کنارہ جنازے پر پھینک کر برکت حاصل کرنے کی کوشش کرتیں(۲۳) آخرکار کسی طرح جنازہ ان کے آبائی قبرستان ''مقابر الصوفیہ'' لایا گیا، وہاں نماز جنازہ ادا کی گئی اور پھر ان کے بھائی شیخ شرف الدین عبداللہ بن تیمیہ کے پہلو میں ان کی آخری آرام گاہ بنائی گئی-(۲۴)

شیخ ابن تیمیہ اور ان کی قبر سے طلب شفا

شیخ ابن تیمیہ یوں تو پوری زندگی بزعم خود بہت سی ''بدعات'' کے خلاف علم جہاد بلند کیے رہے لیکن موت کے بعد کئی دنوں تک خود ان کی قبر بھی ایک عام زیارت گاہ بنی رہی، ان کے عقیدت مند و زائرین دور دور سے ان کی قبر پر آتے اور دعا کر کے واپس جاتے- شیخ برہان الدین فزاری تو تین دن تک ان کی قبر پر چند شافعی علما کے ساتھ آتے اور دعا کر کے واپس جاتے-(۲۵)

یہی نہیں بلکہ ان کی وفات کے بعد لوگ ان کی قبر کی مٹی بھی شفا حاصل کرنے کے لیے لے جانے لگے، لوگوں نے ان کی قبر کی مٹی کو سرمۂ چشم بنالیا تھا، اس سے آشوب چشم کی شکایت دور ہو جاتی تھی، چنانچہ علی بن عبدالکریم بن شیخ سراج الدین بغدادی کہتے ہیں کہ امام موصوف کی وفات کے وقت وہ نوجوان تھے ان کو امام سے بڑی عقیدت تھی وہ علی کے والد عبدالکریم کے ساتھی تھے، اس لیے امام موصوف اکثر ان سے ملنے جایا کرتے، اتفاق یہ ہوا کہ انھی دنوں علی کی لڑکی کو آشوبِ چشم لاحق ہو گیا اور کوئی بھی علاج فائدہ نہیں دے رہا تھا، ایک دن انہیں خیال ہوا کہ کیوں نہ امام ابن تیمیہ کی قبر کی مٹی آنکھوں میں لگائی جائے، چنانچہ جب وہ قبر پر پہنچے تو انہوں نے ایک بغدادی کو قبر کی خاک ایک تھیلی میں بھرتے دیکھا، اسی سے پوچھا کہ تم اس کا کیا کرو گے، اس نے کہا اپنی اولاد کی آنکھوں میں لگاؤں گا، اس سے آشوبِ چشم دور ہو جاتا ہے، علی کو تعجب ہوا، انہوں نے بھی تھوڑی سی خاک لے کر اپنی لڑکی کی آنکھوں میں لگا دیا اور چند دنوں کے بعد وہ

تکلیف جاتی رہی-(۲۶)

شیخ ابن تیمیہ کی مخالفت کے اسباب

شیخ ابن تیمیہ کی عمومی مخالفت کے اسباب ومحرکات کا جائزہ لیا جائے تو خود ان کی کتابوں کے مطالعے سے مندرجہ ذیل باتیں نکل کر سامنے آتی ہیں:

اولاً طبیعت میں حدت وشدت، فرط ذکاوت اور طبیعت کی سیمابیت-

اس کی وجہ سے جب وہ کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو اس موضوع پر باقی نہیں رہتے- بلکہ ایک بحث سے دوسری بحث میں داخل ہوجاتے ہیں اور ہر موضوع پر گفتگو کے وقت اطناب وتطویل سے کام لیتے ہیں جو بسا اوقات اکتاہٹ کا باعث بن جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کی تصانیف میں مباحث کا انتشار پایا جاتا ہے اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ایک بحث سے دوسری بحث کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور پھر اس کی وجہ سے اصل بحث کا سرا ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے- یہی وجہ تھی کہ مناظرین کو ان سے مناظرہ کرتے وقت دشواری محسوس ہوتی تھی، ان کے ایک ہم عصر فاضل وحریف شیخ محمد بن عبدالرّحیم الارموی معروف بہ صفی الدین ہندی نے اس دشواری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ماأراک یاابن تیمیة الاّ کالعصور حیث اردت أن اقبضه من مکان فرّإلی مکان آخر-(۲۷)

(اے ابن تیمیہ تم گوریے کی طرح ہو، جب میں اس کو ایک جگہ سے پکڑنا چاہتا ہوں تو وہ اڑ کر دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے)

ثانیاً: طبیعت کی اس حدت کی وجہ سے وہ اپنے حریفوں کی اس طرح تنقید کرتے ہیں کہ وہ ان کو کم علم جاہل واحمق قرار دے دیتے ہیں، ان کو ذلیل کرنے اور اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کرتے ہیں- چنانچہ مسئلہ زیارت میں جب قاضی ابن الاخنائی مالکی نے ان کا رد لکھا تو اس پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے اپنے جواب میں یہ لکھا کہ اخنائی نہایت کم علم ہیں اور ان کی معلومات بہت تھوڑی ہے اور وہ اسی مسئلے میں خامہ فرسائی کی استعداد ولیاقت نہیں رکھتے ہیں-(۲۸)

یوں ہی علاّمہ صفی الدین ہندی ایک مرتبہ ابن تیمیہ سے ایک مباحثہ کے وقت جبہ اور چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آپ ضعیفی اور کلاں سالی سے گزر رہے تھے، اسی لیے آپ نے جبہ اور چادر اوڑھ رکھی تھی، لیکن اس وقت بھی انہوں نے اپنے حریف کا احترام نہیں کیا بلکہ اس مباحثہ کو قلم بند کرتے وقت انہوں نے ان الفاظ میں ان کا مذاق اڑایا:

وقال الشیخ الکبیر بجبته وردائه (اپنے جبہ اور چادر کے لحاظ سے بڑے شیخ نے کہا(۲۹)

ثالثا: شیخ ابن عربی (م۶۳۸ھ)، صدرالدین قونوی (م۶۷۳)، ابن سبعین (م۶۶۹) اور شیخ عفیف تلمسانی (م۶۹۰ھ) کی مخالفت، ان کی تحقیر اور ان کے ساتھ سب وشتم کا معاملہ-

چنانچہ انہوں نے شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربی کو اس امت کا شیطان کہا(۳۰) شیخ صدرالدین قونوی کے بارے میں لکھا:

وہ اسلام اور شریعت سے سب سے زیادہ دور ہے(۳۱)

انہوں نے شیخ عفیف الدین تلمسانی اور ان کے پیر شیخ عبدالحق ابن سبعین (م۶۷۹) پر سب سے زیادہ اپنی نوازشات کی ہیں چنانچہ وہ شیخ تلمسانی کے متعلق لکھتے ہیں:

اور جہاں تک فاجر تلمسانی کی بات ہے تو وہ اس گروہ میں سب سے بڑا خبیث اور کفر میں سب سے زیادہ ڈوبا ہوا ہے-(۳۲)

شیخ ابن سبعین کو بھی انہوں نے تلمسانی کے مماثل قرار دیا ہے البتہ یہ کہا ہے کہ یہ صراحت نہیں ملتی کہ وہ بھی بعینہ تلمسانی کی طرح عقیدہ رکھتا ہے یا نہیں-(۳۳)

رابعا: عقیدۂ اشعری سے خروج اور تجسیم کی طرف میلان:

یہ بات صحیح ہے کہ وہ صفاتِ باری کے باب میں بالکلیہ ہی تاویل کے قائل نہیں تھے، اس کے برخلاف اشاعرہ خاص طور سے قرآن واحادیث میں واردان صفات کے تعلق جس سے جسمیت کا شبہ ہوتا ہے، تاویل کے قائل تھے، ابن تیمیہ نے اپنے زمانے میں اس نظریہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور سلفی ذوق کو عام کرنے کی کوشش کی جس میں جسم وجسمانیت کی کوئی بحث نہیں تھی بلکہ یہ عقیدہ تسلیم کیا گیا تھا کہ **الاستواء معلوم والکیف مجهول والایمان به واجب والسوال عنه بدعة** (استوا معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے اس پر ایمان لانا واجب اور اس کے بارے میں سوال بدعت ہے) اور ظاہر ہے کہ اس عقیدہ میں کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا ہے لیکن جس زمانے میں ابن تیمیہ نے یہ آواز بلند کی اس وقت کلامی بحثیں اور فلسفیانہ اندازِ نظر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ مذکورہ بالا عقیدہ کی آڑ میں تجسیم کے عقیدہ کا امکان تھا- اس لیے اس زمانے میں امام اشعری سے منقول دوسرے قول یعنی تاویل والے قول کو مفتیٰ بہ قرار دے دیا گیا، اور سارے لوگوں نے اسے قبول بھی کرلیا- ابن تیمیہ نے جب اس کے خلاف آواز بلند کی تو وہ شکوک وشبہات کے گھیرے میں آئے اور ان سے بحث ومباحثہ بھی ہوا لیکن ہر بار وہ باعزت بری ہوئے-(۳۴)

اس کے باوجود تجسیم کے الزام نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا، مقالہ نگار کے خیال میں قائلین تاویل کا رویہ اس زمانے میں جس قدر متشددانہ تھا اسی قدر ظاہر پرستانہ زور ابن تیمیہ کا بھی تھا، اگرچہ انہوں نے **لیس کمثله شئ** (اسی کی طرح کوئی شئی نہیں) کہہ کر تشبیہ وتجسیم کی

تردید کردی لیکن اہلِ تاویل کے بالمقابل اورخصوصاً ان حالات میں حقیقی معنی مراد لینے پر ان کا اصرار اور پھر اس کی تشریح وتوضیح میں تجسیم سے قریب مختلف انداز اختیار کرنے سے ایسا مترشح ہونے لگا کہ وہ تجسیم کی طرف مائل ہیں، بعد میں حدیث نزول کی مجسماتی توضیح اور تجسیم پر دلالت کرنے والی ابن بطوطہ کی روایت اور دوسری روایتوں نے اس اعتراض کو اور مضبوط بنا دیا۔(۳۵)

خامسا: فروعی مسائل میں اختلاف

شیخ ابن تیمیہ حنبلی تھے، بعض مسائل میں انہوں نے اجتہاد کیا ہے، علمائے کرام نے ان کے شذوذ وتفردات کو چار خانوں میں رکھا ہے:

۱۔ وہ مسائل جس میں انہوں نے امام احمد بن حنبل کے مشہور قول کو چھوڑ کر ان کے غیر مشہور قول کو اختیار کیا۔ ایسے مسائل کی تعداد چھبیس ہے۔

۲۔ وہ مسائل جس میں انہوں نے امام کے مذہب سے خروج کیا ہے اور باقی تین ائمہ میں سے کسی کا قول اختیار کیا ہے، ایسے مسائل کی تعداد سولہ ہے۔

۳۔ وہ مسائل جس میں انہوں نے چاروں ائمہ کے مذہب کو چھوڑا ہے اور ایسے مسائل کی تعداد سترہ ہے۔

۴۔ وہ مسائل جس میں انہوں نے جمہور کے مسلک سے انحراف کیا ہے اور اجماع امت کی پروا نہیں کی ہے اور ایسے مسائل کی تعداد ۳۹ ہے۔

یہ کل اٹھانوے مسائل ہیں، ممکن ہے کہ ان مسائل کی تعداد میں کمی اور بیشی ہو لیکن اختلاف کی نوعیت ان ہی چار خانوں میں منحصر ہے۔ پہلے دو قسموں کی وجہ سے علمائے کرام نے ان پر نکیر نہیں کی البتہ تیسرے اور چوتھے قسم کے مسائل کی وجہ سے علمائے اعلام نے ان کی پرزور تردید کی ہے۔(۳۶)

شیخ ابن تیمیہ ناقد تصوف یا مخالف تصوف؟

شیخ ابن تیمیہ نے اپنے زمانے کے تقریباً تمام گروہوں پر تنقید کی، انہوں نے فلاسفہ اور متکلمین کو اپنی تنقید نشانہ بنایا، اور متعلقہ فنون مثلاً فلسفہ، منطق اور علم کلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور الٰہیات کے مسئلہ میں فلسفہ، منطق اور علم کلام کی دخل اندازی کو پرزور انداز میں مسترد کیا۔(۳۷) غیر اسلامی تصوف کی تردید کی، عیسائیت کا رد لکھا، شیعیت کی خبر لی،(۳۸) جا بجا جہمیہ، قرامطہ اور باطنیہ کا رد کیا۔ تفسیر، فقہ، اصول فقہ پر کلام کیا اور سب کو کتاب وسنت کی طرف رجوع کی دعوت دی۔

اس ضمن میں انہوں نے تصوف پر بھی اپنے جارحانہ اسلوب میں تنقید کی اور تصوف کو قرآن وسنت کے دائرے میں رہ کر اسلام کے روحانی پہلو کی ترویج واشاعت کی دعوت دی، تصوف سے

متعلق ان کی ان ہی تنقیدات کو لے کر بعض مفکرین نے ان کو اور علامہ ابن جوزی کو تصوف کا سب سے بڑا مخالف(۳۹) اور اس کا ازلی دشمن قرار دے دیا، جب کہ یہ فکر کئی حیثیتوں سے مخدوش معلوم ہوتی ہے۔

اولاً علامہ ابن جوزی سے ان کی تشبیہ وتمثیل درست نہیں ہے کیوں کہ دونوں کا تنقیدی نظریہ، موضوع تنقید اور اسباب تنقید سب مختلف ہیں، البتہ دونوں ناقدین میں کچھ باتیں مشترک ہیں، چنانچہ دونوں حضرات اس وصف میں شریک ہیں کہ انہوں نے تصوف میں پائے جانے والے غلو کے مظاہر اور جادۂ مستقیم سے انحراف کے مادہ پر ضرب لگائی اور متقدمین صوفیہ کے طریقے سے بعض مدعیان تصوف کے انحراف پر انہیں اپنی ملامت وتنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ دونوں گرامی قدر ناقدین اس معاملہ میں بھی اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ متقدمین صوفیہ جن کو قراء اور زہاد کے نام سے جانا جاتا تھا وہ جادۂ مستقیم پر گامزن تھے، بعد والوں میں تبدیلی رونما ہوئی اور ان کا نام بدل کر صوفیہ ہوگیا(۴۰) اور پھر یہی نام ان پر غالب بھی آ گیا، لیکن دونوں حضرات مندرجہ ذیل مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں:

۱۔ ابن تیمیہ تصوف کی نسبت زاہدوں کے لباس صوف کی طرف راجع قرار دیتے ہیں جبکہ ابن جوزی قبیلۂ صوفۃ کی طرف اس جماعت کو منسوب کرتے ہیں،(۴۱)

۲۔ ابن جوزی زہد وتصوف کے مابین تفریق کے قائل ہیں، اس لیے انہوں نے صاحب حلیۃ الاولیا کو اس بات پر مطعون کیا ہے کہ انہوں نے خلفائے راشدین اور بعض متقدمین مشائخ اسلام کی طرف تصوف کی نسبت کی ہے(۴۲)

جبکہ ابن تیمیہ کی رائے یہ ہے کہ کوئی بھی جماعت اور نظریہ جب تک شریعت کے دائرے میں ہو، نام اور عنوان سے بہت زیادہ فرق نہیں پڑتا، نام کچھ بھی ہو، خواہ ان کو زہاد کہا جائے خواہ نساک کے نام سے ان کو یاد کیا جائے یا ان کو صوفیہ کہا جائے اگر وہ دائرہ شریعت میں رہ کر سلوک طے کر رہے ہیں، اور میانہ روی اختیار کیے ہوئے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اسی لیے انہوں نے تصوف شرعی کی اصطلاح کا استعمال کیا ہے اور اس ضمن میں متقدمین ومتأخرین مشائخ تصوف کا نام بھی لیا ہے(۴۳) جبکہ ابن جوزی کا یہ منہج نہیں ہے۔

۳۔ تصوف پر ابن جوزی کی تنقید سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تنقیدیں اپنے زمانے کے صوفیہ سے متعلق ہیں اور خاص طور سے ان کا نشانہ امام غزالی کا منہج ہے، لیکن انہوں نے وحدۃ الوجود پر کوئی تنقید اور اس نظریے سے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی ہے، جبکہ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر سب سے زیادہ گفتگو کی ہے اور تصوف سے متعلق ان کی زیادہ تر تنقیدات کی اساس بھی یہی ہے۔

دوسری طرف ''صفة الصفوة '' کی شکل میں انہوں نے متقدمین صوفیہ کے حالات تحریر کیے ہیں جب کہ ابن تیمیہ نے ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی-اس کے علاوہ صید الخاطر میں تصوف سے متعلق ان کے بہت سے نظریات موجود ہیں،اوراس پر مستزاد یہ کہ وہ خود واعظ تھے جس میں زہد پر گفتگو اوراسلام کے روحانی موضوعات پر توجہ ناگزیر بات ہے،جبکہ ابن تیمیہ کی کتابوں میں بھی اگرچہ رضا،صبر،توکل اوراس طرح کے دوسرے موضوعات آتے ہیں لیکن اس کی وہ حیثیت نہیں جو ابن جوزی کے صید الخاطر میں مشمولہ مسائل تصوف کی ہے-(۴۴)

ثانیا وہ تصوف کے از اوّل تا آخر مخالف نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ تصوف کے نام پر ان کی تنقیدیں چار قسم کی ہیں:

۱-فلسفیانہ تصوف پر تنقید

اس ضمن میں انہوں نے خصوصیت کے ساتھ نظریۂ وحدت الوجود کے قائلین کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے،جس میں خاص طور سے شیخ ابن عربی،شیخ صدرالدین قونوی،شیخ ابن سبعین اور شیخ تلمسانی ان کا تختۂ مشق بنے ہیں،(۴۵)اس فلسفیانہ تصوف کے ضمن میں انہوں نے منصور حلاج پر بھی اپنی خاص عنایتیں کی ہیں-(۴۶)

۲- باطنیت پر جرح وتنقید

اس ضمن میں شیخ ابن تیمیہ نے قرامطہ،اسماعیلیہ اوردوسرے شیعی فرقوں پر تنقید کی ہے اور چوں کہ ان کی تحریروں سے یہ نظریہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ بعض صوفیہ یا تو باطنیت سے تعلق رکھتے ہیں یا باطنیت کی طرف مائل ہیں انہوں نے بعض صوفیہ کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے-(۴۷)

۳- جاہل صوفیہ پر تنقید

اس ضمن میں انہوں نے یہ واضح کیا ہے کہ متقدمین صوفیہ تصوف کو کتاب وسنت کے ساتھ مقید قرار دیتے تھے لیکن بعد کے ادوار میں ان کی توجہ علم کی طرف کم رہی اور عبادات کی طرف زیادہ،اسی بے علم شوقِ عبادت کی وجہ سے طرح طرح کی بوالعجبیاں سامنے آئیں(۴۸)

۴- تصوف شرعی پر تنقید

اس ضمن میں انہوں نے صوفیہ کے اصول وعقائد پر کوئی بحث نہیں کی ہے بلکہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف کیا ہے-شیخ ابن تیمیہ نے تصوف سے متعلق اپنی تنقیدوں میں پہلے اوردوسرے گروہ کو بالکلیہ مسترد کیا ہے،تیسرے گروہ پر تنقید ضرور کی ہے لیکن پہلے دو گروہوں کی بہ نسبت ان کی تنقید میں کچھ نرم رویہ اختیار کیا گیا ہے اور جہاں تک تصوف اسلامی شرعی پر تنقید کی بات ہے تو اس باب میں ان کی تنقید ہمدردانہ لب ولہجہ میں ہے اور مقالہ نگار کے خیال میں مختلف

مسائل میں ان کا اختلاف غلط فہمی پر مبنی ہے اوراس کی وجہ سے ان کا اختلاف لفظی بن کررہ گیا ہے-اس کے علاوہ وہ مشائخ صوفیہ کی مدح بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں-

یہاں دو جہتوں سے شیخ ابن تیمیہ کے مخالف تصوف ہونے کے دعویٰ کو مخدوش قرار دیا گیا ہے،جس میں پہلی جہت پر گفتگو ہو چکی ہے،اب آنے والے صفحات میں دوسری جہت پر شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی جائے گی اورخصوصیت کے ساتھ دوسری جہت پر شافی اوروافی گفتگو کر کے شیخ ابن تیمیہ کی تنقیدی جہتوں کو متعین کرنے اور جزئیات کی روشنی میں دلائل کے ساتھ ان پر بحث کی جائے گی-

۱- فلسفیانہ تصوف پر شیخ ابن تیمیہ کی تنقید

اسلام کے روحانی پہلو کا نام تصوف ہے،خواہ اسے احسان کا نام دیا جائے یا تزکیہ کا،خواہ اسے زہد کہا جائے یا تصوف یا ان کے علاوہ کسی اور نام سے یاد کیا جائے سب کا نتیجہ اور حاصل ایک ہی ہے اور سب کا مقصود یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے ساتھ بندے کا تعلق،بہتر سے بہتر ہو جائے-

سرکار رسالت مآب ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں ایمانیات، فقہیات ،حدیثیات،تفسیریات اورتصوفات کے نام سے کوئی بھی فن مدون نہیں ہوا تھا اور نہ اس وقت اس کی ضرورت تھی-بعد میں ضرورتوں کے لحاظ سے مذہب اسلام کے یہ مختلف پہلو فنون کی شکل میں مدون ہوگئے،ابتدا میں یہ سارے ہی فنون بالکل سادہ اور تفصیلات والجھاؤ سے خالی تھے لیکن بعد کے عہد میں ان سارے فنون میں تفصیلات آتی گئیں اوراس کی وجہ سے الجھاؤ بھی پیدا ہوتا گیا-یہی معاملہ تصوف کے ساتھ بھی رہا،تصوف میں اسلام کے روحانی پہلو پر توجہ مرکوز کی گئی تھی،اس کے بھی عہدِ آغاز میں سادگی تھی اور تفصیلات کا الجھاؤ نہیں تھا لیکن،جیسے جیسے فن ترقی کرتا گیا اس کے مختلف ابواب پر گفتگو بڑھتی گئی،جزئیات پر کلام کا سلسلہ زلف جاناں کی طرح دراز ہوتا گیا-یہاں تک کہ اس میں بھی تعقید والجھاؤ پیدا ہوتا گیا اور پھر چند ایسے مسائل سامنے آ گئے جن پر خالص فلسفیانہ انداز میں بعض محققین تصوف نے گفتگو کی،اس کا نتیجہ ایک طرف یہ نکلا کہ ان مسائل کی آڑ میں بعض ملحدین نے ان کا غلط مفہوم نکال کر اسلامی تصوف میں نقب زنی کی کوشش کی،تو دوسری طرف مخالفین تصوف کو تنقید کا موقع ہاتھ آ گیا-اس کی وجہ سے خود مشائخ تصوف ان مسائل کے تعلق سے تین گروہوں میں بٹ گئے-ایک گروہ نے ان محققین تصوف کی پرزورحمایت کی تو دوسرے نے پرزورمخالفت-ایک تیسرا گروہ حمایت ومخالفت کے مابین دائر رہا اوراس کا نظریہ یہ رہا کہ تصوف کو اپنی اصالت اورسادگی برقرار رکھنی چاہیے اوراسے فلسفیانہ موشگافیوں سے الگ ہی رہنا چاہئے-اورانہوں نے اس امکان کو بھی مسترد نہیں کیا کہ شیخ ابن عربی اوران کے متبعین کی طرف

بہت سی باتیں غلط منسوب ہوگئی ہوں بلکہ محققین تصوف نے اس بات کو ثابت بھی کیا ہے مثلاً عفیف تلمسانی اوران کے پیر شیخ ابن سبعین اوران کے پیر شیخ صدرالدین قونوی کے بارے میں یہ قول کہ دجال فرعون کی طرح کبار عارفین میں سے ہے، بتوں کا وجوداللہ کا وجود ہے، بچھڑا پوجنے والوں نے اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں پوجا، قرآن مکمل شرک ہے، صرف محجوبین کے نزدیک بیوی حلال اور ماں حرام ہے واصلین کے نزدیک ایسا نہیں۔ (۴۹) یہ اوراس طرح کے دوسرے اقوال یقینی طور پر ان صوفیہ کی جانب غلط منسوب معلوم ہوتے ہیں۔

تصوف کے فلسفیانہ مباحث میں وحدت الوجود کی بحث سب سے مقدم ہے۔ اس مسئلہ کی غلط تفہیم کی وجہ سے اس کے بحر کی تہہ سے 'سب خدا ہے' اور حلول واتحاد کا مسئلہ اچھلا، اسی کی وجہ سے صوفیہ میں نظریہ جبر غلط معنیٰ میں سامنے آیا، جس کی وجہ سے نظامِ جزاوسزا درہم برہم ہوتا نظر آیا، اسی کی کوکھ سے تکلیف شرعی کے ساقط ہونے کا مسئلہ پیدا ہوا۔

خاتم الاولیاء کا مسئلہ بھی اسی طرح کا ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جس پر سب سے پہلے حکیم ترمذی نے گفتگو کی اور بعد میں اس پر شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربی نے خالص فلسفیانہ اور علمی رنگ چڑھا دیا۔

شیخ ابن تیمیہ نے ان فلسفیانہ مباحث کو قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی تو انہیں ان نظریات میں بڑے بڑے جھول نظر آئے، اسی وجہ سے انہوں نے ان مسائل پر بڑی تیکھی تنقیدیں کیں اوران کے قائلین کی عظمت کا بھی خیال نہیں رکھا۔ اپنی اس تنقید میں انہوں نے نہ ان کی اصطلاحات کو ملحوظ رکھا اور نہ ان کے قائم کردہ اعتبارات کو کوئی حیثیت دی، کیوں کہ خاص طور سے وہ شیخ ابن عربی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ وحدت الوجود کی بحث میں اگرچہ ظاہر اور مظاہر کے مابین فرق کرتے ہیں لیکن لوگ ان کے کلام کی حقیقت سمجھ نہیں پاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اتحاد وحلول کے قائلین میں سے ہیں یا اس تک لے جانے والے ہیں۔ (۵۰)

انہوں نے جن فلسفیانہ مباحث پر گفتگو کی ہے ان کو ہم مندرجہ ذیل نکات میں پیش کر سکتے ہیں۔

(۱) توحیدالوہیت اورتوحیدربوبیت (۲) اتحادوحلول (۳) تکلیف شرعی ساقط ہونے کا مسئلہ (۴) نظریہ جبر (۵) ختم ولایت کا مسئلہ۔

یہ کل پانچ نکات ہیں جن کے تحت انہوں نے فلسفیانہ تصوف پر تنقید کی ہے۔

پہلا مسئلہ: توحیدالوہیت اور توحیدربوبیت

اس مسئلہ سے متعلق بحث ان کے فتاوی کے مختلف حصوں میں بکھری ہوئی ہے لیکن جلد اول جو دو حصوں پر مشتمل ہے، اس کے پہلے حصّے میں توحیدالوہیت پر گفتگو کی گئی ہے اور دوسرے حصّے

میں توحیدربوبیت پر گفتگو کی گئی ہے اور پھراس ضمن میں انہوں نے وحدت الوجود اور حلول واتحاد کے قائلین کی خبر لی ہے۔

توحیدالوہیت اورتوحیدربوبیت سے متعلق ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ وحدت الوجود کے قائلین صوفیہ توحیدربوبیت جس کا اقرار فطری ہے کے قائل ہیں اوراس پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو خالق اور رب مانتے ہیں وہ اس کو معبود بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کی توحیدالوہیت مکمل نہیں ہے کیوں کہ وہ توسل واستغاثہ کے قائل ہیں جب کہ دعا عبادت ہے اورعبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہوسکتی ہے۔ یوں ہی وہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں جس کی وجہ سے مخلوق کا وجود عین وجود خالق ٹھہرتا ہے اوراس سے کائنات کی ہرشئی کی عبادت کا دروازہ کھلتا ہے۔ جبکہ شریعت اوررسول کی بعثت خاص طور سے توحیدالوہیت کا اقرار کروانے کے لیے ہوتی ہے کیوں کہ کفار ومشرکین عرب بھی توحیدربوبیت کے قائل تھے۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کائنات کا خالق اور رب نہیں ہے **ولئن سألتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله** (اگر آپ نے ان کافروں سے پوچھی کہ کسی نے آسمانوں اورزمین کو پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے)(۵۱) البتہ وہ اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے تھے لیکن پھر بھی وہ موحد نہیں تھے کیوں کہ وہ بتوں کے سامنے بھی سرجھکایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **أجعل الالهة الهاً واحداً ان هذا لشئی عجاب** (کیا اس نے معبودوں کو ایک بنالیا ہے، یہ تو بڑی تعجب کی بات ہے)(۵۲) اس طرح وحدت الوجود کا قول توحیدالوہیت پر ضرب کاری لگانے والا ہے، جب کہ توحیدربوبیت اورتوحیدالوہیت کو جمع کرنے کے بعد ہی ایمان مکمل ہوگا۔ (۵۳)

مقالہ نگار کہتا ہے کہ اس معاملے میں شیخ ابن تیمیہ سے بڑی لغزش ہوئی ہے، پہلی بات یہ کہ اسلام نے کہیں یہ نہیں کہا کہ تم دوطرح کی توحید پر ایمان لاؤ، ایک توحیدالوہیت اور دوسری توحیدربوبیت، بلکہ جوذات الٰہ ومعبود ہے وہی رب معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **رب السماوات والارض ومابينهما فاعبده** - (وہ آسمانوں اورزمین کا اورجو کچھ اس کے مابین ہے اس کا رب ہے تو اس کی عبادت کرو۔)(۵۴)

دوسری بات یہ کہ یہ درست نہیں ہے کہ کفار مکہ چندرب کے قائل نہیں تھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولايأمركم ان تتخذوا الملائكة والنبيين أربابا** (وہ تمہیں اس بات کا حکم نہیں دیتا ہے کہ تم فرشتوں اورنبیوں کو رب بنالو۔)(۵۵)

تیسری بات یہ کہ اگر توسل ودعا شرک فی الالوہیت اور مخلوق کو معبود بنانا ہے تو پھر بہت سے مسائل شرک ٹھہریں گے۔

چوتھی بات یہ کہ وحدت الوجود کی فلسفیانہ بحث میں بھی اعتبارات قائم کیے گئے اور گفتگو میں اعتبارات ختم کر دیے جائیں اور ان کا لحاظ نہ کیا جائے تو نظام عالم میں فساد برپا ہو جائے گا اور بڑا فتنہ بپا ہوگا-

دوسرا مسئلہ: اتحاد و حلول

مجموع الفتاوی کی پہلی جلد کے دوسرے حصے میں توحید الربوبیہ کے ضمن میں شیخ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر مفصل گفتگو کی ہے، خصوصیت کے ساتھ **رسالة حقیقة مذهب الاتحادیین أو وحدة الوجود، رسالة الحجج العقلیة والنقلیة فیماینافی الاسلام من بدع الجهمیة والصوفیة، الرد الاقوم علی مافی فصوص الحکم، رسالة الشیخ إلی نصر المنبجی** میں انہوں نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے-

اتحاد و حلول کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ان کے قول کی حقیقت یہ ہے کہ کائنات کا وجود عین وجود الٰہی ہے، کائنات کا وجود اس کا غیر نہیں اور اس کے سوا یقیناً کوئی شئی موجود نہیں اور اسی لیے جن لوگوں نے ان کو حلولی یا حلول کا قائل کہا، ان کا خیال ہے کہ وہ خود اپنی بات نہیں سمجھ سکے ہیں کیوں کہ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ مخلوقات میں حلول کرتا ہے تو گویا وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ محل اور حال دونوں مختلف ہیں اور یہ دو وجود کا اثبات ہے:

۱- وجود حق تعالیٰ جو حال ہے-
۲- وجود مخلوق جو محل ہے-

اور یہ قول بلاشبہ جہمیہ کے قول سے کم درجے کا کفر ہے کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتہ ہر جگہ موجود ہے-(۵۶)

آگے اسی مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان کو اتحاد کا قائل کہنے کی دو وجہ ہے- ایک کو وہ قبول نہیں کرتے - اس لیے کہ اتحاد اقتران کے وزن پر ہے اور یہ ان دو شئی کا تقاضا کرتا ہے جن میں کا ایک دوسرے سے متحد ہوا ہو اور وہ دو وجود تسلیم ہی نہیں کرتے - دوسری وجہ یہ ہے کہ کثرت وحدت میں تبدیل ہو گئی ہے اور یہ یا تو ابن عربی کے طریقے پر ہے، کیوں کہ وہ وجود کو ثبوت کا غیر قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے وجود کا ممکنات کے ثبوت پر فیضان ہوا ہے، اس طرح وجود و ثبوت کا اتحاد ہوگا، یا یہ ان لوگوں کے قول پر ہے جو تفریق کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ کشف کے بعد کثرت خیالی وحدت میں تبدیل ہو گئی ہے، یا کثرت عینی وحدت اطلاقی میں بدل گئی ہے-(۵۷)

ایک مقام پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ شیخ ابن عربی کے نظریہ کی بنیاد دو اصل پر رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ اتحادی اور حلولی صوفیہ اتحاد اور حلول معین کے قائل ہیں- پھر پہلی اصل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام ذوات عدم میں ثابت تھیں اور یہ ذات ابدی اور ازلی ہے، یہاں تک کہ حیوانات، نباتات، معدنیات، حرکات وسکنات کی ذاتیں بھی- حق تعالیٰ کے وجود کا ان ذاتوں پر فیضان ہوا ہے چنانچہ کائنات کا وجود وجود حق ہی ہے اور کائنات کی ذوات ذوات حق نہیں ہیں، اور وہ وجود و ثبوت میں تفریق کرتے ہیں-(۵۸)

آگے چل کر دوسری اصل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دوسری اصل یہ ہے کہ محدثات ومخلوقات کا وجود عین وجود خالق کے سوا کچھ اور نہیں- یہی باقی اتحادیوں کا بھی قول ہے لیکن ابن عربی اسلام کے سب سے زیادہ قریب ہیں، کیوں کہ وہ ظاہر اور مظاہر کے مابین فرق کرتے ہیں اور اوامر ونواہی کو بعینہ باقی رکھتے ہیں-(۵۹)

وہ صدرالدین قونوی کو فلسفی اور شریعت واسلام سے سب سے بعید قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو وجود مطلق اور معین قرار دیتے ہیں اور ان کے قول کا خلاصہ یہ نکالتے ہیں کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بالکل ہی کوئی وجود نہیں- نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ ثبوت، سوائے نفس وجود کے جو مخلوقات کے ساتھ قائم ہے، اسی لیے وہ اور ان کے شیخ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اصلاً دیکھا نہیں جا سکتا، حقیقت میں اس کا کوئی نام نہیں، اس کی کوئی صفت نہیں اور وہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ کتا، خنزیر، بول وبراز سب عین وجود الٰہی ہیں-(۶۰)

وہ شیخ عفیف تلمسانی سے سب سے زیادہ ناراض ہیں ان کو قائلین اتحاد میں خبیث ترین اور کفر میں سب سے گہرا قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ نہ تو وجود وثبوت کا قائل ہے اور نہ ہی مطلق ومعین کے مابین فرق کرتا ہے-(۶۱)

ابن سبعین کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ یہ بھی وحدت الوجود کا قائل ہے- یوں ہی ابن الفارض (م۶۳۲ھ) بھی اسی کا قائل ہے لیکن ان دونوں نے تلمسانی یا قونوی یا ابن عربی کے اقوال میں سے کسی قول کی صراحت نہیں کی ہے البتہ ابن سبعین تلمسانی کے زیادہ قریب نظر آتا ہے، شیخ بلیانی شیرازی کا بھی یہی معاملہ ہے-(۶۲)

آگے چل کر وہ ان تمام حضرات سے متعلق فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ جاہل، ان کو مشائخ الاسلام اور ائمہ ہدی کے زمرے میں سمجھتے ہیں جس میں سعید ابن مسیّب، حسن بصری، معروف کرخی، احمد بن حنبل، جنید بن محمد قواریری اور شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے لوگ شامل ہیں جبکہ خود یہ حضرات ان کے نظریات کی وجہ سے ان کی تکفیر پر متفق ہیں-(۶۳)

وہ شیخ منصور حلاج سے بھی بہت خفا ہیں اور ان کے بارے لکھتے ہیں کہ جو حلاج جیسا اعتقاد رکھتا ہو وہ کافر و مرتد ہے اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے ، کیوں کہ وہ حلول واتحاد اور زندقہ والحاد کے اقوال کی بنا پر قتل کیے گیے ، مثلاً یہ کہ میں ہی اللہ ہوں ، یا یہ کہ ایک الٰہ آسمان میں ہے اور ایک الٰہ زمین پر۔

وہ ان کی طرف جادو کی نسبت بھی کرتے ہیں ، وہ شیخ عبدالرحمٰن سلمی کے حوالے سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ اکثر مشائخ نے ان کو طریقت سے خارج قرار دیا ہے۔ ائمہ اسلام میں سے کسی نے بھی حلاّج کو خیر کے ساتھ یاد نہیں کیا ہے البتہ بعض حضرات نے معاملہ سے ناواقفیت کی بنا پر توقف کیا ہے۔(۶۴)

تیسرا مسئلہ: تکلیف شرعی کا سقوط

مجموع الفتاوی میں شیخ ابن تیمیہ نے اس مسئلے کی بھی جا بجا تردید کی ہے (۶۵) استفتا ہوا کہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ریاضت کی پابندی کے بعد وہ جوہر ہو گئے لہٰذا اب انہیں عمل کی پروا نہیں اور اوامر و نواہی تو عوام کے رسوم ہیں ، اگر وہ بھی جوہر ہو جائے تو ان سے بھی یہ باتیں ساقط ہو جائیں گی ۔ نبوت کا مقصد عوام کو کنٹرول میں رکھنا ہے اور ہم عوام میں داخل نہیں ہیں لہٰذا ہم پر شرعی احکام کی پابندی لازم نہیں ، ہم تو جوہر ہو گئے اور ہم کو حکمت کی معرفت حاصل ہو گئی ۔ ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ بلاشبہ اہل علم وایمان کے نزدیک یہ عظیم اور غلیظ ترین کفر ہے۔ یہ لوگ تمام کتب وملل اور شریعتوں سے خارج ہیں بلکہ یہ مشرکین عرب سے بھی بدتر ہیں کیوں کہ وہ بھی دین ابراہیمی کے بقایاجات پر عمل کرتے تھے ، اگر کوئی اس بات کا قائل ہے کہ اوامر و نواہی بالکلیہ اس کے اوپر عائد نہیں تو وہ رحمان کی اطاعت سے نکل کر شیطان کی طاعت وعبادت میں لگا ہے۔ البتہ اس طرح کے اکثر لوگ مطلقاً شرعی احکام کے ساقط ہونے کے قائل نہیں ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ بعض واجبات ان سے ساقط ہو جاتے ہیں اور بعض محرمات ان کے لیے حلال ہو جاتے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں کہ یہ شبہہ متقدمین میں بھی بعض لوگوں کو ہوا تھا اور قدامہ ابن عبداللہ نے سب سے پہلے شراب کو حلال سمجھا تھا اور **لیس علی الذین آمنو وعملو الصّٰلحٰت جناح** (۶۶) سے استدلال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت علی اور تمام صحابہ کرام کے اتفاق سے یہ فیصلہ لیا کہ اگر وہ توبہ نہیں کرتا ہے تو اسے قتل کیا جائے۔ چنانچہ ایسے لوگ کافر ہیں اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ البتہ بعض شرعی احکام سے

کوئی ناواقف ہو اور ایسی صورت میں یہ غلطی صادر ہو تو وہ معذور ہے۔(۶۷)

مقالہ نگار کہتا ہے کہ اس مسئلے میں مشائخ صوفیہ کا بھی اتفاق ہے کہ شرعی احکام کسی سے بھی خواہ وہ کتنے ہی اعلیٰ مقام تک کیوں نہ پہنچ گیا ہو ، ساقط نہیں ہوتے ، البتہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ بعض صوفیہ پر ایسی استغراقی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ ان کو اللہ کے سوا کسی کا بھی احساس نہیں رہ جاتا بلکہ انہیں خود کا بھی احساس نہیں رہ جاتا ، اس کی وجہ سے ان سے نمازیں وغیرہ اس دوران چھوٹ جاتی ہیں ، اس طرح کے لوگ نائم ومجنون کے حکم میں ہیں۔ کیوں کہ **لایکلف اللہ نفساً الاّ وسعها** ۔ عقلائے مجانین جنہیں مجاذیب کہا جاتا ہے وہ بھی اسی حکم میں ہیں۔ خود ابن تیمیہ نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سکر کی حالت میں زبان پر آنے والے الفاظ کی وجہ سے صاحب سکر پر حکم نہیں لگتا۔(۶۸)

چوتھا مسئلہ: نظریہ جبر

اس مسئلے پر بھی شیخ ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی میں کئی مقام پر ضمناً گفتگو کی ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کے مطابق صوفیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے کائنات کا رب ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اس وقت تک راضی نہیں ہوگا جب تک کہ بندہ اس کی ہر تقدیر سے راضی نہ ہو جائیں ، خواہ وہ کفر وفسق اور معاصی ہی کیوں نہ ہوں ، ظاہر ہے اس عقیدے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بندہ حلال وحرام کے درمیان تفریق ختم کر دے گا اور اللہ کے دوست اور اس کے دشمن کے درمیان امتیاز اٹھا لے گا۔ (۶۹) بندہ اپنے ہر گناہ کا یہ کہہ کر جواز نکال لے گا کہ یہ تو مقدر ہو چکا تھا اور اس طرح نظام ثواب وعذاب بکھر کر رہ جائے گا۔

اس مسئلے پر ان کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اس سلسلے میں صوفیہ نے دو جگہ ٹھوکر کھائی ہے۔ ایک توکل کے باب میں اور دوسرا صبر و رضا کے باب میں۔ توکل کے باب میں انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ توکل مکمل تفویض وسپردگی کا نام ہے اگر چہ بعض مشائخ نے اس کا قول کیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔(۷۰)

آگے چل کر شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

اس مقام پر بہت سے عظیم مشائخ سے لغزش ہوئی ہے کیوں کہ وہ اس ضمن میں اوامر و نواہی کی تکمیل وتحقیق سے بے پروا ہو کر تقدیر کے ساتھ بہہ جانے کے قائل ہیں۔ وہ اس کو تفویض و توکل میں شمار کرتے ہیں اور وہ اسے تقدیر کی حقیقت کے ساتھ چلنا کہتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قائل کا یہ قول کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسا ہونا چاہئے جیسے مردہ غسل دینے والے کے سامنے ، اس میں اوامر و نواہی کا ترک بھی شامل ہے ، لہٰذا وہ اوامر و نواہی کو بھی ترک کر دے......

یہ عقیدہ بعض غالی حضرات کو یہاں تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ کتاب سے ثابت شرعی احکام اور کافروں، فاجروں کے ذریعے انجام دیے جانے والے احوال کے مابین تفریق نہیں کرتے ہیں اور یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے قضا وقدر اور اسی کے ارادے سے ہے، وہ اس میں اللہ کے دوستوں کے اور اس کے دشمنوں کے مابین فرق نہیں کرتے اور اس سلسلے میں بعض مشائخ کے مجمل کلمات یا ان کے غلط اقوال سے استشہاد کرتے ہیں-(۷۱)

اسی طرح صبر ورضا کے تعلق سے ابن تیمیہ کی بحث کا ماحصل یہ ہے کہ صوفیہ صبر ورضا کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ کو دیکھ کر صبر یا کفر وفسق ومعاصی پر رضا بھی صبر ورضا میں شامل ہے اور یہ بھی تقدیر کی حقیقت کا حصہ ہے، جب کہ درحقیقت ایسا نہیں ہے، یہ ان کی غلطی ہے اور دونوں ابواب میں یعنی توکل اور صبر ورضا کے ابواب میں ان سے یہ غلطی اس لیے ہوئی کہ انہوں نے ارادۂ کونی اور ارادۂ دینی کے مابین فرق نہیں کیا یا دونوں کو نگاہ میں نہیں رکھا ورنہ ایسی غلطی سرزد نہیں ہوتی-

یہاں دو گروہ گمراہ ہوئے، ایک تو کچھ متکلمین-انہوں نے یہ سمجھا کہ حق تعالیٰ کی محبت، اس کی رضا، اس کا غضب اس کی ناراضی بھی اس کے ارادے کی طرف راجع ہے اور دوسرا گروہ غلطی خور متصوفین کا ہے جنہوں نے اس چشمے سے پیا ہے چنانچہ وہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ ساری کائنات کا رب ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہر شئ اس کی مشیت میں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک راضی نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس کی ہر تقدیر سے خواہ وہ کفر وفسق ومعاصی ہی کیوں نہ ہو، راضی نہ ہو جائیں، یہاں تک کہ بعض نے یہ بھی کہہ دیا کہ محبت ایک آگ ہے جو محبوب کی مراد کے علاوہ ہر شئ کو خاکستر کر دیتی ہے اور یہ لوگ زبردست گمراہ ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ارادۂ کونی، امر کونی، بعثت کونی، ارسال کونی، اور ارادۂ دینی، امر دینی، بعثت دینی اور ارسال دینی کے مابین فرق نہیں کیا-(۷۲)

باحث کے خیال میں اس مسئلے میں بھی گمراہوں کے اقوال سے شیخ ابن تیمیہ کو غلط فہمی ہوئی ہے یا پھر خود مشائخ کے اقوال کو سمجھنے میں ان کی فہم کے تیز رو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی ہے- ورنہ عام مشائخ تصوف خیر وشر، صالح وطالح کے مابین فرق وامتیاز ختم کرنے کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی وہ فسق وفجور سے راضی ہیں بلکہ وہ فسق وفجور کے خلاف پوری قوت کے ساتھ علمِ بغاوت بلند کرنے والے، اس کے خاتمے کے لیے سوجتن کرنے والے اور اس کے سدِ باب کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ قربان کرنے والے ہیں، البتہ وہ اس معنیٰ میں جبری ضرور ہیں کہ کوئی بھی عمل خیر ان سے صادر ہوتا ہے تو وہ اس کا انتساب اپنی طرف نہیں کرتے بلکہ اس کو رب تعالیٰ کے جانب سے سمجھتے ہیں اور اس پر سجدۂ شکر بجالاتے ہیں- اور یہ نظریہ قرآن کریم سے ثابت ہے- اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے: ما اصابک من حسنة فمن الله -(جو تمہیں بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے)-(۷۳)

پانچواں مسئلہ: ختم ولایت

اس سلسلے میں بھی شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی کے مختلف مقامات پر گفتگو کی ہے(۷۴)

اس مسئلے پر ان کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اہل سنت وشیعہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کے بعد اس امت میں سب سے افضل خلفا میں سے کوئی ایک ہے اور صحابہ کے بعد کوئی بھی صحابہ سے افضل نہیں ہے اور اولیا میں سب سے افضل وہ ہے جو رسول کے لائے ہوئے پیغام کی سب سے زیادہ معرفت رکھتا ہو اور جس کا اس پر عمل کامل ترین ہو اور رسول اللہ ﷺ کے پیغام کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ عارف اور اس پر عمل کرنے والا کوئی نہیں، لہٰذا وہ اولیاء اللہ میں سب سے افضل ہیں-

ایک غلطی خور جماعت نے خاتم الانبیا ﷺ پر قیاس کرتے ہوئے یہ سمجھا کہ خاتم الاولیا اولیا میں سب سے افضل ہے- محمد بن علی حکیم ترمذی کے علاوہ متقدمین مشائخ میں سے کسی نے بھی خاتم اولیا کے مسئلے پر گفتگو نہیں کی، انہوں نے اس سلسلے میں ایک کتاب لکھی جس میں ان سے مختلف مقامات پر غلطیاں ہوئیں ہیں، بعد میں متاخرین کی جماعت میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو خاتم الاولیا سمجھنا شروع کر دیا، ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ خاتم الاولیا علم باللہ کے معاملے میں خاتم الانبیاء سے بھی افضل ہے اور علم باللہ کے مسئلے میں انبیا بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں- یہی صاحبِ فتوحات مکیہ فصوص شیخ ابن عربی کا گمان ہے، اس مسئلے میں انہوں نے جہاں شرع وعقل کی مخالفت کی ہے وہیں تمام انبیا اور اولیا کی مخالفت بھی کی ہے-(۷۵)

آگے چل کر شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ یہ ملحدین کہتے ہیں کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور کہتے ہیں کہ ہم محمد ﷺ کی ولایت جو ان کی رسالت سے بڑھ کر ہے، میں شریک ہیں، یہ حضرات جس میں صاحب فصوص بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ ہم اس معدن سے اخذ کرتے ہیں، جہاں سے فرشتہ اخذ کر کے رسول کی طرف وحی کرتا ہے- یہ لوگ یہود ونصاریٰ سے بلکہ مشرکین عرب سے بڑھ کر کافر ہیں-(۷۶)

باحث کا اس مسئلے میں تبصرہ یہ ہے کہ عام مشائخ صوفیہ کا وہ عقیدہ نہیں جو انہوں نے ابن عربی وغیرہم کی طرف منسوب کیا ہے، کیوں کہ صوفیہ نے ہمیشہ سرکار رسالت پناہ ﷺ کی غلامی اور ان کے در کی خاک روبی کو اپنے لیے سرمایۂ عزت سمجھا ہے اور انبیا کی بارگاہوں میں اپنا سر تواضع وادب سے خم رکھا ہے- اگر شیخ ابن عربی کا بعینہ وہی عقیدہ ہے جو انہوں نے پیش کیا ہے تو صوفیہ

اس عقیدے سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں۔

۲۔باطنیہ پر شیخ ابن تیمیہ کی تنقید

اس مسئلے پر بھی شیخ ابن تیمیہ کی تنقیدات کو ان کے فتاویٰ کے مختلف اجزاء میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ باطنیت پر جب وہ تنقید کرتے ہیں تو اس کا تعلق حسبِ مراتب مختلف جماعتوں سے ہوتا ہے جس میں باطنی صوفیہ بھی شامل ہوتے ہیں جو تکلیف شرعی کے ساقط ہونے اور قرآن وحدیث کی منصوص تفسیر سے ہٹ کر بغیر کسی سیاق وسباق کے ان کے باطنی معنی مراد لینے کے قائل ہوتے ہیں اور ظاہری احکام شرع کی کوئی پروانہیں کرتے۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ علم باطن سے اگر ایسا علم مراد ہے جو ظاہر کے مخالف ہو تو یہ باطل ہے۔ اور اگر ایسا علم مراد ہے جو ظاہر کے مخالف نہ ہو تو یہ ایسے ہی ہے جیسے علم ظاہر پر کوئی کلام ہو کبھی وہ حق ہوتا ہے اور کبھی باطل، چنانچہ اگر حق ہو تو قبول کیا جائے گا اور اگر باطل ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ رہے وہ باطنی علوم جو ظاہر کے مخالف ہوں تو اس کے باطنیہ اور قرامطہ مدعی ہیں جس میں اسماعیلیہ، نصیریہ وغیرہ اور ان کے موافقین بعض فلاسفہ اور بعض غالی صوفیہ اور متکلمین شامل ہیں۔

ان میں قرامطہ بدترین فرقہ ہے، اس کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن واسلام کا ایسا باطن ہے جو ظاہر کے مخالف ہوتا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں نماز دراصل یہ مروج نماز نہیں ہے بلکہ یہ اسرار کی معرفت کا نام ہے، روزہ ان اسرار کو چھپانے کا نام ہے، مشائخ کی زیارت کے لیے سفر کا نام حج ہے، دنیاوی لذتوں سے لطف اندوزی کا نام دراصل جنت اور شرعی حدود وقیود کی پابندی جہنم ہے۔(۷۷)

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ بہت سے متکلمین اور صوفیہ بھی ان اقوال میں شامل ہوگئے ہیں، البتہ ان قرامطہ کا ظاہر رفض اور باطن خالص کفر ہے، جب کہ عام صوفیہ اور متکلمین ایسے نہیں ہیں، یہ رافضی نہیں ہیں، نہ یہ صحابہ کو فاسق کہتے ہیں اور نہ کافر بلکہ ان میں کچھ لوگ زیدیہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر افضلیت کے قائل ہیں، ان میں کچھ لوگ علم باطنی میں حضرت علی کی افضلیت اور علم ظاہر میں حضرت ابوبکر کی افضلیت کے قائل ہیں، لیکن یہ مذہب محققین وائمہ صوفیہ کے خلاف ہے کیوں کہ ان کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام مخلوق میں علم باطن کے سب سے بڑے وارث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس امت میں ظاہر وباطن کے سب سے بڑے جاننے والے ہیں اور متعدد لوگوں نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔(۷۸)

پھر وہ باطنیہ کی تفسیروں کے کچھ نمونے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ باطنیہ کے نزدیک وکل

شی احصینه فی امام مبین (۷۹) میں امام سے مراد علی ہیں اور تبت یدا ابی لهب (۸۰) میں ابولہب سے مراد ابوبکر وعمر ہیں۔ یوں ہی باطنی صوفیہ اذهب إلی فرعون (۸۱) میں فرعون سے ''قلب'' اور ان الله یأمرکم أن تدبحوا ابقرة (۸۲) میں ''بقرۃ'' سے نفس مراد لیتے ہیں، یوں ہی باطنی فلاسفہ ملائکہ اور شیطان کی قوائے نفس سے اور جنت وجہنم کی لذت سے تفسیر کرتے ہیں اور ان کو مستقل حقیقتیں نہیں تسلیم کرتے ہیں، اس معاملے میں باطنی فلاسفہ کے ساتھ بہت سے متأخرین صوفیہ بھی شامل ہوگئے ہیں (۸۳)

۳۔جاہل صوفیہ پر ابن تیمیہ کی تنقید

صوفیہ جب تک اصول کتاب وسنت سے جڑے رہے وہ راہِ مستقیم پر گامزن رہے اور جب سے اور جس قدر انہوں نے ان اصول سے انحراف کیا، اسی وقت سے اور اسی قدر وہ شاہراہ اعتدال سے منحرف ہوگئے اور طرح طرح کی بوالعجبیوں نے تصوف کی جگہ لے لی۔

شیخ ابن تیمیہ کے زمانے میں رفاعی صوفیہ کا بڑا زور تھا، انہوں نے تاتاریوں کے مابین تبلیغ اسلام کی بھی خدمت انجام دی تھی، اس لیے ان لوگوں میں فرق عادت ظاہر کرنے کا عام چلن تھا لیکن اس کی آڑ میں صرف خوارق وکرامات پر زور اور اس کا ادعا اور دوسری بدعتوں مثلاً گلے اور ہاتھوں میں کڑا پہننے کا رواج ہو چکا تھا۔ تاتاریوں کے مابین خدمت اسلام کی وجہ سے لوگوں میں ان کی بڑی مقبولیت تھی اور علما بھی کھلم کھلا کچھ نہیں کہہ پاتے تھے۔ شیخ ابن تیمیہ نے اس کی فکر نہیں کی انہوں نے ان بدعات کا پرزور رد کیا اور بعض رفاعی حضرات سے اس سلسلے میں مناظرہ بھی کیا، اس کی روداد انہوں نے اپنے فتاویٰ میں لکھی ہے۔(۸۴)

جاہل صوفیہ پر ان کی تنقید کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ ان میں سے بعض لوگوں میں عبادت وریاضت، زہد وتواضع اور وجد ومحبت کے عناصر ہیں لیکن بعض کے یہاں غلو وبدعت، شریعت اسلامی کا استہزا، کذب وتلبیس اور اظہار خوارق جیسے امور بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ آگ پہنتے ہیں سانپ کو جسم میں لپیٹ لیتے ہیں، خون، زعفران، گلاب کا پانی، شہد، شکر وغیرہ نکال کر دکھاتے ہیں، کڑا پہنتے ہیں، طریقت کی پابندی کے لیے اہل فتوت اور بندوق چلانے والوں کا عہد لیتے ہیں، کچھ لوگ ''مرشدہ'' نام کی کتاب کی قرأت کرتے ہیں، سر کھول کر رہتے ہیں، بالوں کو گوندھتے ہیں، عورتوں سے دوستی کرتے ہیں، شعبدہ کی تعلیم دیتے ہیں، سماع میں تالی بجاتے ہیں، بندروں کی طرح رقص کرتے ہیں اور جب نماز کا وقت آتا ہے تو یا تو پڑھتے ہی نہیں یا کوے کی طرح چونچ مار کر پڑھتے ہیں۔(۸۵)

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس طرح کے خرافات کو عموماً شیخ احمد رفاعی اور دوسرے مشائخ کی

جانب منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ ان میں سے کسی کا فعل نہیں بلکہ شیخ احمد رفاعی کی موت کے بہت زمانہ بعد لوگوں نے ان بدعات کا اختراع کیا ہے، یہ لوگ ابلیسی احوال والے اور تلبیس سے کام لینے والے ہیں، کچھ لوگوں پر جب حال طاری ہوتا ہے تو مرگی والے شخص کی طرح لوٹتے ہیں اور ایسی باتیں اس دوران کرتے ہیں جس کو کوئی نہیں سمجھتا- ان کی عقلوں کے غائب ہونے کے بعد شیطان ان کی زبانوں پر کلام کرتا ہے- کچھ لوگ خالص پتھر، مینڈک کی چربی نارنگی کے چھلکوں سے دوائیاں بنا کر آگ پر چلتے ہیں اور سانپ اٹھا لیتے ہیں- یہ سب شعبدہ بازیاں ہیں یہ لوگ مسلمانوں کے طریقے سے الگ اور دین کی حقیقت سے دور ہیں-(۸۶)

۴-تصوف شرعی پر شیخ ابن تیمیہ کی تنقید

تصوف شرعی پر تنقید کے ضمن میں انہوں نے عموما اصول وعقائد میں کوئی اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ فروعی مسائل میں اختلاف کیا ہے، مثلاً سماع بالمزامیر، رقص، وجد وحال وغیرہ- بسا اوقات بعض اصطلاحوں کو نیا معنیٰ دینے کی کوشش کی ہے، انہوں نے تصوف کی بعض اصطلاحات مثلاً فنا، بقا، جمع، فرق، جمع الجمع، خلوت، سماع اور اس جیسی دوسری اصطلاحات کو قبول کیا ہے، البتہ ان اصطلاحات کے مدلولات اور ان کے معانی پر قرآن وسنت کی روشنی میں گفتگو کی ہے، اور ان کی نظر میں کتاب وسنت سے جو معنیٰ ٹکراتا ہوا نظر آیا، انہوں نے اس کے بالمقابل ان اصطلاحات کو کتاب وسنت سے ثابت معنیٰ دینے کی کوشش کی ہے-تصوف شرعی کے ضمن میں انہوں نے متقدمین سے لے کر متأخرین صوفیہ تک کی ایک فہرست دی ہے جن کو انہوں نے مشائخ کتاب وسنت اور ائمہ ہدی جیسے القاب سے یاد کیا ہے-(۸۷)

آنے والے صفحات میں تصوف شرعی کے مختلف مسائل کے حوالے سے شیخ ابن تیمیہ کا موقف پیش کیا جائے گا لیکن اس بحث کا آغاز تصوف اور صوفیہ سے متعلق ان کے موقف کے بیان سے کیا جاتا ہے کیوں کہ اصل کے تعلق سے جب ان کا نظریہ سامنے آجائے گا تو دوسرے مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہوگی-

تصوف اور صوفیہ کے بارے میں شیخ ابن تیمیہ کا موقف

تصوف اور صوفیہ سے متعلق شیخ ابن تیمیہ کی بحث تو ان کے مجموع الفتاوی کی مختلف جلدوں میں مل سکتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ چھٹی جلد مکمل علم السلوک کے لیے ہی مختص ہے، جس میں قلبی اعمال پر گفتگو کی گئی ہے، اس ضمن میں دوسرے مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں، یوں ہی ساتویں جلد کا گیارہواں حصہ تصوف پر مشتمل ہے، اس میں تصوف سے متعلق متعدد مباحث بیان کیے گئے ہیں، خصوصیت کے ساتھ **رسالة الفرقان بين اولياء الرحمن واولياء الشيطان**

میں ان مباحث کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے-

تصوف اور صوفیہ پر ان کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ تصوف قرون ثلاثہ میں معروف نہیں تھا، بعد میں اس نام کو شہرت حاصل ہوئی، اس کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں مختلف اقوال ہیں، ان میں ایک قول یہ ہے کہ یہ صوف کی طرف منسوب ہے، سب سے پہلے بصرہ میں صوفیہ کا ظہور ہوا اور عبدالواحد بن زید کے بعض اصحاب پر اس نام کا اطلاق ہوا، بصرہ میں زہد وعبادت اور خوف وغیرہ میں وہ مبالغہ پایا جاتا تھا جو دوسرے علاقوں میں نہیں پایا جاتا تھا اس لیے کہا گیا ہے کہ فقہ کوفی اور عبادت بصری ہے، مبالغہ کے اکثر واقعات بھی عابدین بصرہ سے ہی منقول ہیں، مثلاً قرآن سن کر بیہوش ہونے اور موت واقع ہونے کے واقعات کچھ لوگوں نے ایسے حضرات کے ساتھ ردوانکار سے کام لیا اور یہ کہا کہ یہ بدعت ہے اور صحابہ کے طریقے میں یہ بات نہیں پائی جاتی تھی، لیکن جمہور علما کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی مغلوب ہو تو اس پر انکار نہیں کیا جائے گا، اگر چہ جو ثابت قدم رہ گیا وہ کامل ترین ہے، کیوں کہ صحابہ کے جو احوال قرآن کریم میں مذکور ہیں وہ دلوں کا خوف، آنکھوں سے آنسو بہنا، اور رونگٹے کا کھڑا ہونا ہے-(۸۸)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ لوگوں کے دل تین طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) اپنی جان پر ظلم کرنے والا سخت دل

(۲) وہ دل جو مومن متقی ہو لیکن واردات قلبی کو برداشت کرنے میں کمزور ہو، ایسے لوگ چیخ مار کر یا تو مرجاتے ہیں یا بیہوش ہو جاتے ہیں، ان سب صورتوں میں موت غشی، جنون، سکر اور فنا جیسے احوال طاری ہوتے ہیں، یہ حال محمود ہے، وہ پہلے والوں سے بہتر ہیں-

(۳) وہ دل جو متقی مومن ہیں، انہوں نے کلام الٰہی سنا اور پہلے والے لوگوں کے جیسا یا ان سے کامل انہیں ایمان حاصل ہوا، لیکن ان کی عقلیں زائل نہیں ہوئیں، یہ ان سے افضل ہیں- یہی صحابہ کا حال تھا اور یہی ہمارے نبی کا بھی حال تھا- آپ کو آسمان کی سیر کرائی گئی اور جو اللہ نے چاہا آپ کو دکھایا لیکن آپ کا حال متغیر نہیں ہوا، آپ کا حال حضرت موسیٰ کے حال سے افضل تھا، اس لیے کہ پہاڑ پر جب تجلی ڈالی گئی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑے، حضرت موسیٰ کا حال بھی عظیم، بلند پایہ اور فضیلت والا ہے لیکن محمد ﷺ کا حال اکمل واعلیٰ اور افضل ہے-(۸۹)

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ صوفیہ عبادات واحوال میں اسی طرح اجتہاد کرنے والے ہیں جس طرح اہل کوفہ قضاء اور امارت وغیرہ کے مسائل میں اجتہاد سے کام لینے والے ہیں، اب جو ان کے طریقے کو صحابہ کے طریقے سے افضل بتاتے ہیں وہ خطا پر ہیں اور گمراہ وبدعتی ہیں اور جو طاعت میں اجتہاد کرنے والے کو جس سے بعض مسائل میں خطا سرزد ہوئی ہو مذموم

وعیب دار سمجھتا ہے وہ بھی خطا پر ہے اور گمراہ و بدعتی -(۹۰)

آگے چل کر اس بحث کا مکمل خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

چوں کہ اہل تصوف نے بہت سے مسائل میں اجتہاد کیا، اس لیے لوگوں کا صوفیہ اور تصوف کے سلسلے میں اختلاف ہے، کچھ لوگوں نے ان کی مذمت کی اور کہا کہ یہ بدعتی اور اہل سنت سے خارج ہیں- ایک جماعت نے ان کے بارے میں غلو سے کام لیا اور کہا کہ وہ انبیا کے بعد سب سے افضل اور سب سے اکمل ہیں، جب کہ دونوں میں سے کوئی بات درست نہیں ہے- درست بات یہ ہے کہ دوسرے اہل طاعت کی طرح وہ بھی اجتہاد کرنے والے ہیں، کچھ اپنے اجتہاد کے لحاظ سے سابقین ومقربین میں ہیں، کچھ مقتصدین اور اصحاب یمین میں سے ہیں، دونوں قسم کے لوگوں میں کچھ لوگ اجتہاد کرتے ہیں پھر ان سے غلطی ہوتی ہے تو کچھ لوگ توبہ کر لیتے اور کچھ توبہ نہیں کر پاتے، ان کی جانب منسوب لوگوں میں کچھ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے رب تعالیٰ کے نافرمان ہیں، کچھ اہل بدعت وزندقہ بھی ان کی جانب نسبت رکھتے ہیں لیکن محققین کے نزدیک وہ اہل تصوف میں سے نہیں ہیں، مثلاً حلاج پر اکثر مشائخ طریقت نے انکار کیا ہے اور ان کو طریقت سے خارج قرار دیا ہے مثلاً سیدالطائفہ جنید بن محمد-

صوفیہ کے تین گروہ ہیں:

(۱) صوفیۃ الحقائق، ان کا بیان گزر چکا

(۲) صوفیہ الارزاق، یہ وہ لوگ ہیں جو اہل حقائق سے نہیں ہیں لیکن ان کے اندر تین صفتیں پائی جاتی ہیں (۱) فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب (۲) اہل طریقت کے طریقوں سے آراستگی کی کوشش، (۳) فضولیات دنیا سے دوری-

(۳) صوفیۃ الرسوم، یہ لوگ صرف نسبت پر اکتفا کرتے ہیں اور لباس، وضع قطع صوفیہ کی طرح رکھتے ہیں-(۹۱)

مشائخ کتاب وسنت کی مدح اور شیخ عبدالقادر جیلانی سے والہانہ لگاؤ

شیخ ابن تیمیہ نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا کہ انہوں نے صوفیہ کے ساتھ انصاف سے کام لیا بلکہ مشائخ صوفیہ کی انہوں نے ایک فہرست بھی دی ہے جس میں انہوں نے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کو شامل کیا ہے، ان کی مدح کی ہے اور ان کو مشائخ کتاب وسنت اور ائمہ ہدی کے لقب سے یاد کیا ہے-

ایک مقام پر انہوں نے مشائخ کتاب وسنت کے جو نام گنائے ہیں، ان میں متقدمین مشائخ صوفیہ میں حسن بصری، ابراہیم بن ادھم ،فضیل ابن عیاض، معروف کرخی، سلیمان

دارانی، بشر حافی، شقیق بلخی وغیرہم کا تذکرہ کیا ہے اور متاخرین مشائخ صوفیہ میں جنید بن محمد قواریری، سہل بن عبداللہ تستری، عمر بن عثمان مکی، شیخ ابوطالب مکی، شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ عدی بن مسافر اموی، شیخ ابوالبیان، شیخ عقیل، شیخ ابوالوفاء، شیخ رسلان، شیخ ابومدین، شیخ عبدالرحیم، شیخ عبداللہ یونینی، اور شیخ قرشی رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں-(۹۲)

خصوصیت کے ساتھ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے ان کو والہانہ لگاؤ معلوم ہوتا ہے وہ متعدد مقامات پر ان کا تذکرہ کرتے ہیں بلکہ مشائخ صوفیہ میں جتنی بار انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا نام لیا ہے شاید ہی کسی صوفی شیخ کا نام لیا ہو، عموماً نام کے بعد قدس اللہ روحہ کہنا نہیں بھولتے (۹۳) یہی نہیں بلکہ وہ اپنی عادت اور طبیعت کے خلاف اس قول کی توضیح بھی کرتے ہیں جس کے بارے کسی شخص کا گمان تھا کہ اس نے شیخ عبدالقادر جیلانی کو خواب میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

من جاء ناتلقیناہ من البعید ومن تصرف بحولنا ألنّاله الحدید، من اتبع مرادنا، اردنامایرید، ومن ترک من اجلنااعطیناہ فوق المزید (جو ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے ہم اس کا دور سے ہی استقبال کرتے ہیں، جو ہماری قوت سے تصرف کرتا ہے ہم اس کے لیے لوہے کو پگھلا دیتے ہیں، جو ہماری مراد ومرضی کی پیروی کرتا ہے اس کے لیے ہم وہ ارادہ کرتے ہیں جو وہ چاہتا ہے اور جو ہمارے لیے ترک کرتا ہے ہم اس کو مزید سے بڑھ کر عطا کرتے ہیں)-(۹۴)

شاید یہ اگر کسی اور کا قول ہوتا تو خواب کی بات کہہ کر مسترد کر دی جاتی لیکن شیخ عبدالقادر جیلانی کی محبت نے اس کی توضیح پر ان کو پر مجبور کر دیا-

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ فتوح الغیب میں مذکور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے کلمات کی چالیس صفحات پر مشتمل رسالے کی شکل میں شرح بھی کرتے ہیں(۹۵) اور خصوصاً نظریۂ جبر کے سلسلے میں حضرت شیخ کی اصابتِ رائے کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت سے صوفیہ جبر کی طرف مائل ہو کر لغزش کھا گئے (۹۶) لیکن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ روحہ اس سے محفوظ رہے، اور کہتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی شریعت کی پابندی کرنے والے اپنے زمانے کے سب سے بڑے شیخ ہیں-(۹۷)

ان کی تحریروں سے ظاہر اسی والہانہ لگاؤ کی وجہ سے پروفیسر جارج مقدسی نے شیخ ابن تیمیہ کو قادری سلسلے کا صوفی قرار دیا ہے اور اس حوالے سے انہوں نے ''ابن تیمیہ اے صوفی آف قادریہ آرڈر'' (Ibne-Taimiya: A sufi of the Quadriya order) کے نام سے ایک مضمون بھی تحریر کیا ہے-(۹۸)

کچھ بھی ہو اتنی بات تو طے ہے کہ وہ اصحاب صحو صوفیہ کو بڑے القابات سے یاد کرتے ہیں اور اصحاب سکر کو سکر کی حالت میں معذور قرار دیتے ہیں البتہ وہ گمراہوں کی تردید کرتے ہیں جیسا کہ مشائخ صوفیہ کیا کرتے ہیں۔(۹۹)

فنا اور بقا کسے کہتے ہیں؟

فنا اور بقا کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

فنا کی تین قسمیں ہیں (۱) ایک کامل انبیا اور اولیا کا فنا ہے۔ دوسرا مقتصدین اولیائے صالحین کا فنا ہے اور تیسرا منافقین ملحدین کا فنا ہے۔

پہلی قسم کا فنا یہ ہے کہ ماسوی اللہ کے ارادے سے فنا ہو، اس طرح کہ صرف اللہ ہی سے محبت کی جائے، اسی کی عبادت کی جائے، اسی پر توکل کیا جائے، اس کے علاوہ غیر کو طلب نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: الا من اتی اللہ بقلب سلیم (مگر جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوا۔)(۱۰۰) میں سلامتی والے دل سے وہی دل مراد ہے جو ماسوا اللہ سے، ماسوا کی عبادت اور اس کے ارادے اور اس کی محبت سے محفوظ ہو۔

دوسری قسم کا فنا یہ ہے کہ ماسوا کے مشاہدے سے فنا ہو۔ یہ بہت سے سالکین کو پیش آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی عبادت اور اس کی محبت کی جانب ان کے قلب کا انجذاب شدید ہوتا ہے اور جس کی وہ عبادت کر رہا ہے، جو اس کا مقصود ہے اس کے مشاہدے میں ان کا دل کمزور ہوتا ہے، اس لیے ان کے دلوں میں غیر اللہ کا خطرہ نہیں آتا بلکہ ان کو غیر اللہ کا شعور و احساس بھی نہیں رہ جاتا، صاحب فنا پر جب یہ حالت قوی ہوجاتی ہے تو وہ موجود و مشہود کی وجہ سے اپنے وجود و شہود اور جس کے وہ ذکر میں ہے، جس کی اسے معرفت حاصل ہے اس کی وجہ سے وہ اپنے ذکر اور اپنی معرفت سے غائب و فانی ہوجاتا ہے اور مخلوقات میں سے کوئی بھی شئ باقی نہیں رہ جاتی۔ صرف رب تعالیٰ باقی رہ جاتا ہے، یہی حالت اور قوی ہوجاتی ہے تو وہ محبّ کمزور پڑ جاتا ہے اور قوت تمیز میں اضطراب واقع ہوتا ہے اور کبھی وہ یہ گمان کر لیتا ہے کہ وہ اور اس کا محبوب دونوں جدا نہیں ہیں۔

یہاں پر کچھ لوگوں کے قدم پھسل گئے اور انہوں نے اسے اتحاد سمجھ لیا اور یہ کہ محبّ اپنے محبوب سے اس طرح متحد ہوجاتا ہے کہ نفس وجود میں دونوں میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ یہ نظریہ غلط ہے اور اس فناء میں نقص ہے اکابر اولیا مثلاً حضرات شیخین سابقین اولین، مہاجرین وانصار صحابہ پر یہ فنا طاری نہیں ہوا چہ جائے کہ انبیاء پر طاری ہو، البتہ صحابہ کے بعد والوں پر طاری ہوا اور صحابہ ایمانی احوال میں اکمل واقوی تھے۔ اگر چہ یہ فنا بھی محمود ہے۔

تیسری قسم کا فنا یہ ہے کہ اس بات کی گواہی دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں اور خالق کا وجود بعینہ مخلوق کا وجود ہے، رب وعبد کے مابین کوئی فرق نہیں، یہ گمراہ ملحدین حلولیوں اور اتحادیوں کا فنا ہے۔

لائق اقتدا مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ خالق مخلوقات سے جدا ہے اور مخلوقات میں اس کی ذات سے کوئی شئ نہیں اور نہ اس کی ذات میں مخلوقات کی کوئی شئ ہے(۱۰۱)

کیا سماع بالمزامیر درست ہے؟

سماع کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے ایک مقام پر شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

سماع کی دو قسمیں ہیں (۱) سماع متقربین (۲) سماع متاخرین

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو سماع مشروع کیا ہے اور اسلاف صحابہ و تابعین اور تبع تابعین جس کے لیے جمع ہوتے تھے، وہ اللہ کی آیتوں کا سماع ہے۔ یہ انبیا اور مومنین کا سماع ہے، اس کا قرآن میں تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، اس سماع کو اللہ تعالیٰ نے فجر اور مغرب وعشا کی نمازوں میں مشروع قرار دیا ہے۔ اس سماع کے لیے صحابہ کا اجتماع ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک قرأت کرتا اور دوسرے سماعت کرتے۔ اس سماع میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرأت کرتے اور صحابہ سنتے، خود نبی ﷺ اس سماع میں شریک ہوتے اور اس کا مطالبہ کرتے، اس سماع کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہدایت یاب اور کامیاب ہے اور اس سے اعراض کرنے والا گمراہ ہے۔

اس سماع سے ایمانی آثار، قدسی معارف اور عمدہ احوال حاصل ہوتے ہیں اور جسم پر بھی اس کے محمود اثرات مرتب ہوتے ہیں مثلاً دل میں خشوع کا پیدا ہونا، آنکھوں سے آنسو نکلنا وغیرہ، یہ سماع اصل ایمان ہے۔

رہا وہ سماع جس میں تالی اور سیٹی بجائی جائے تو یہ مشرکین کا سماع ہے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ اس سماع میں کبھی حاضر نہیں ہوئے، خلاصہ کلام یہ کہ یہ بات مشروع نہیں ہے کہ اس امت کے صالحین، عابدین وزاہدین دف، قضیب، تالی اور لحن کے ساتھ قصائد وابیات سننے کے لیے جمع ہوں، البتہ اللہ کے رسول ﷺ نے خوشی کے موقع پر کچھ لہو کی اجازت دی ہے۔

مسئلہ سماع میں اکثر متاخرین نے کلام کیا ہے کہ یہ ممنوع ہے یا مکروہ یا مباح۔ اس کا مقصود صرف حرج کو ختم نہیں کرنا ہے بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ اس کو اللہ تک پہنچنے کے طریقے کے طور پر اختیار کیا جائے جس میں صالحین جمع ہوں، محبوب کے لیے شوق انگیزی ہو اور جن سے ڈرنے کا حکم ہے اس کا خوف پیدا کیا جائے، مطلوب کے فوت ہونے پر رنج وغم کا اظہار کیا جائے

،اس سے نزول رحمت ونعمت کو طلب کیا جائے، اہل ایمان پر ایمانی مواجید طاری ہوں، امام شافعی نے اس کو زندیقوں کی ایجاد قرار دیا ہے- قرون ثلاثہ میں کہیں بھی یہ سماع نہیں ہوتا تھا- امام احمد نے اسے ’محدث‘ کہا- اکابر شیوخ وصالحین مثلاً ابراہیم ادھم، فضیل عیاض، معروف کرخی، سری سقطی، شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ مشائخ شریک نہیں ہوئے بلکہ بعض اعیانِ مشائخ نے اس کو معیوب قرار دیا جن میں شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ ابوالبیان شامل ہیں-

اس میں بعض اہل ارادت ومحبت بھی شریک ہوئے کیوں کہ ان کے قلوب کو تحریک ملتی تھی لیکن وہ اس کے نقصانات سے واقف نہیں ہو سکے اور ایسا ہوتا ہے، لیکن اصل بات قرآن وسنت کی پیروی ہے-

اس طرح کے سماع میں شریک ہونے والے کو قرآن سنتے وقت محبت کے وہ جذبات نہیں ابھرتے اور نہ وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو سماع میں اشعار سن کر حاصل ہوتی ہے، قرآن سنتے وقت ان کے دل لہو میں ہوتے ہیں اور جب سماعِ بدعت میں ہوتے ہیں تو ان کی آوازیں رندھ جاتی ہیں، دل غور سے سنتے ہیں اور نشہ چڑھ جاتا ہے-(۱۰۲)

کیا اولیاء اللہ کی کرامتیں برحق ہیں؟

کرامت پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

کمال دو چیزوں کی طرف لوٹتا ہے (۱) علم اور (۲) قدرت

خوارق کا تعلق اگر علم سے ہو تو اس کو کشف ومشاہدہ، مکاشفہ اور مخاطبہ کہا جاتا ہے- سننے کا تعلق مخاطبہ سے ہے، دیکھنے کا مشاہدہ سے اور علم کا مکاشفہ سے-

قدرت کا مطلب یہ ہے اس کو کچھ تاثیر حاصل ہو یعنی اس کو ہمت وصدق اور قبولیت دعا حاصل ہو (۱۰۳)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ وہ ہیں جو صاحبانِ تقوی اور محمد ﷺ کی اقتدا کرنے والے ہیں ان کے دلوں میں اللہ تعالی اپنے انوار ڈال دیتا ہے اور ان کو وہ کرامتیں عطا فرماتا ہے جس کے ذریعہ ان کی تکریم کی جاتی ہے- اللہ کے ولیوں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو دین پر دلیل قائم کرنے یا مسلمانوں کی ضرورت کے لیے ان سے کرامتیں صادر ہوتی ہیں-

ان کو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی برکت سے کرامتیں حاصل ہوتی ہیں، اور یہ درحقیقت رسول کے معجزات میں ہی شامل ہے، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور تمام صالحین کی کرامتیں بکثرت ہیں-
(۱۰۴)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

خاص لوگ کشف کے ذریعہ لوگوں کا انجام جان لیتے ہیں لیکن اس کی عام تصدیق ضروری نہیں ہے، اہلِ مکاشفات ومخاطبات کبھی صواب پر ہوتے ہیں اور کبھی خطا پر، یہ مقامات اجتہاد میں اہلِ نظر واستدلال کی طرح ہوتے ہیں، اس لیے ان کے لیے کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا، اپنے مواجید ومشاہدات اور آراو معقولات کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھنا واجب ہے، صرف مواجید ومشاہدات پر اکتفا درست نہیں ہے کیوں کہ محدَّثین ومخاطبین اور صاحبان الہام کے سردار حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے دل میں بہت سی باتیں آتی تھیں اور ان کو رسول اللہ ﷺ رد کر دیا کرتے تھے-(۱۰۵)

کیا الہام کے ذریعہ شرعی مسئلہ میں ترجیح ہو سکتی ہے؟

اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

جب کسی شرعی مسئلے میں سالکین کے نزدیک دونوں پہلو برابر ہوتے ہیں تو وہ محض اپنے ذوق وارادہ سے اس کی ترجیح کر دیتے ہیں- اگر اس ارادے میں کوئی باطنی اور ظاہری علمی امر شامل نہ ہو تو فقہا اور صوفیہ اس کے قائل نہیں لیکن مجتہد ومقلد کو اپنے اختیار سے ترجیح کا حق جن لوگوں کے نزدیک حاصل ہے، ان کے نزدیک ذوق وارادہ سے سالکین کی ترجیح بھی اسی حکم میں ہے- البتہ تقوی سے آباد دل اگر اپنے ارادے سے ترجیح کرے تو یہ بھی ترجیح شرعی ہے-(۱۰۶)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

اگر سالک ظاہری شرعی دلائل میں اجتہاد کرے اور ترجیح کی کوئی صورت نظر نہ آئے اور اس وقت ترجیح کے کسی پہلو کا الہام ہو جائے، اس وقت اس کی نیت اچھی اور اس کا قلب تقوی سے معمور ہو تو یہ الہام اس کے حق میں دلیل ہے اور یہ بہت سے کمزور قیاس، ضعیف احادیث اور کمزور استصحاب سے قوی ہے-(۱۰۷)

کیا تفسیر اشاری معتبر ہے؟

تفسیر اشاری کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ارباب اشارات جو لفظی مدلول کو ثابت رکھتے ہوئے اشاری معنیٰ قیاس واعتبار کے طور پر سمجھتے ہیں یہ قیاس واعتبار کے عالم فقہا کی طرح ہیں اور اگر قیاس درست اور اعتبار صحیح ہو تو یہ تفسیر حق ہے-(۱۰۸)

علم لدنی کی حقیقت کیا ہے؟

علم لدنی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

اور جہاں تک علم لدنی کا معاملہ ہے تو اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیائے متقین اور صالح بندوں کے دلوں پر ان کے قلوب کی طہارت کی وجہ سے وہ علوم کھولتا ہے جو دوسروں پر نہیں کھولتا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کتاب اللہ کی فہم عطا فرماتا ہے-علم لدنی کے اثبات پر قرآن کریم نے مختلف جگہوں پر رہنمائی کی ہے-(۱۰۹)

کیا خلوت درست ہے؟

شیخ ابن تیمیہ سے استفتا ہوا کہ ایک شخص ہے جو اپنے گھر میں خلوت گزیں ہے، کہیں نہیں جاتا ہے، اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتا- جمعہ کے لیے جاتا ہے تو چہرہ ڈھک کر جاتا ہے اس کے پاس عورتوں اور مردوں کی بھیڑ ہوتی ہے- یہ حال کیسا ہے؟

انہوں نے اس کا جواب دیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ طریقہ بدعت، اور کتاب وسنت کے مخالف ہے، اللہ کی عبادت مشروع طریقے پر ہونی چاہئے، اور جمعہ اور جماعت کا ترک کر کے عبادت کرنا اور اس کو افضل سمجھنا کفر ہے بلکہ جمعہ اور جماعت میں حاضری کے ذریعہ اس کی عبادت کی جائے، اور جو اس خلوت کو دین سمجھے وہ مسلمانوں کے دین پر نہیں ہے بلکہ وہ راہبوں کی طرح ہے اس سے کچھ کشف تو حاصل ہو سکتا ہے لیکن یہ مفید نہیں بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا منکر ہے-(۱۱۰)

خلوت کے تعلق سے ہی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

مشروع خلوت وعزلت یا تو واجب ہوگی یا مستحب- واجب عزلت یہ ہے کہ تمام حرام چیزوں سے عزلت اختیار کرے اور مستحب عزلت یہ ہے کہ انسان فضول مباحات اور بے سود چیزوں سے عزلت اختیار کرے-حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ انسان کا صومعہ اس کا گھر ہے جس میں وہ اپنی نگاہ اور سماعت کی حفاظت کرتا ہے-اگر کوئی انسان علم وعمل کی تحقیق وتکمیل کے لیے کسی جگہ خلوت گزیں ہو جائے اور ساتھ ہی جمعہ اور جماعت کی پابندی بھی کرے تو یہ حق ہے، جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون شخص افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اللہ کی راہ میں ہو اور دوسرا وہ شخص جو کسی گھاٹی میں گوشہ نشین ہو کر نماز قائم کرنے، زکوۃ دینے میں لگا ہو اور خیر کے سوا دوسری تمام باتوں سے لوگوں کو محفوظ کیے ہو-(۱۱۱)

اقطاب وابدال کون ہیں؟

اس بارے میں شیخ ابن تیمیہ اپنے نظریے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ اسما جو بہت سے ناسکین اور عام لوگوں کی زبان پر رائج ہیں مثلاً غوث، اوتاد اربعہ، اقطاب

سبعہ، چالیس ابدال، تین سونجبا- یہ سب نام قرآن میں موجود ہیں اور نہ نبی کریم ﷺ سے صحیح نہ ضعیف اسناد سے منقول ہیں اور نہ اسلاف کے کلام میں موجود ہیں اور نہ اس ترتیب سے ان معانی میں امت کے مقبول عام مشائخ سے منقول ہیں، یہ اسما صرف بعض متوسط درجہ کے مشائخ سے منقول ہیں، اس طرح کے دینی علوم میں حق وباطل کا التباس بہت ہے-

اسلام تو مشرق ومغرب میں پھیل گیا اور ہر وقت مومنین میں بے حساب اولیائے متقین بلکہ صدیقین وسابقین مقربین موجود رہے- وہ تین سو یا تین ہزار میں محصور نہیں ہیں- یوں ہی اولیائے متقین میں ایسے لوگ نہیں ہیں جو ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں سے روپوش ہوں اور یہ کہ چالیس ابدال رجال غیب ہیں جو لبنان کے پہاڑ میں ہیں- یہ سب اقوال افک وبہتان ہیں-(۱۱۲)

کیا توسل صحیح ہے؟

توسل اور وسیلہ کے سلسلے میں شیخ ابن تیمیہ کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ان کی حیات میں وسیلہ درست ہے اور بعد وصال درست نہیں ہے- یوں ہی صالحین سے بھی ان کی زندگی میں وسیلہ اور ان سے دعا کرانا درست ہے، البتہ نبی کریم ﷺ پر ایمان ان کی محبت، ان کی اطاعت، ان کی دعا اور ان کی شفاعت سے بعد وصال بھی وسیلہ درست ہے، اور جو اس معنی کا منکر ہو وہ کافر ہے-(۱۱۳)

ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر **أسألک بحق فلاں، بجاہ فلاں، بحرمة فلاں**، کہہ کر توسل کیا جائے اور یہ معنیٰ لیا جائے کہ انبیا وصالحین اور ملائکہ کو اللہ کی بارگاہ میں جاہ ومقام حاصل ہے تو یہ درست ہے کیوں کہ ان کو اللہ کی بارگاہ میں جاہ حاصل ہے-(۱۱۴)

ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اللہ سے محبت اور اللہ کے لیے انبیا اور صالحین سے محبت درست ہے، اللہ کے لیے یہ محبت تمام چیزوں میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے، البتہ جو مخلوق سے خالق کی طرح محبت کا قائل ہو وہ مشرک ہے، اس لیے اللہ کے واسطے محبت اور اللہ کے ساتھ محبت کے مابین فرق ضروری ہے-(۱۱۵)

ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر بعد وصال توسل میں **اسألک بنبیک محمد** کہا جائے اور معنیٰ یہ لیا جائے کہ ان پر ایمان اور ان کی محبت کے وسیلے سے سوال ہے تو یہ معنیٰ درست ہے اور اس صورت میں بعد وصال توسل کے مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا-(۱۱۶)

کیا دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے؟

دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے یا نہیں اس بارے میں شیخ ابن تیمیہ کا موقف یہ ہے کہ دنیا میں اگر کوئی ظاہری آنکھوں سے دیدار الٰہی کا دعویٰ کرتا ہے اس کا یہ دعویٰ باطل ہے اور یہ بات

درست نہیں، البتہ ہر شخص کی حالت کے لحاظ سے مختلف احوال میں خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوسکتا ہے-(۱۱۷)

خواب کے علاوہ بیداری کی حالت میں بھی رؤیت قلبی ممکن ہے،صوفیہ دنیا میں رؤیت باری سے رؤیت قلبی مراد لیتے ہیں(۱۱۸)

اس میں کبھی کبھی بعض سالکین کو شبہ ہوتا ہے اور وہ اپنے دل سے کچھ چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ سمجھ لیتے ہیں وہ خارج میں موجود ہے اور اس لیے متقدمین ومتاخرین میں سے ایک جماعت کا گمان ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا-اس کی وجہ یہ ہے کہ معرفت، ذکر الٰہی اور محبت الٰہی ان کے دل میں غالب ہوجاتی ہے تو دل کو حاصل ہونے والی حالت کی وجہ سے وہ اپنے شہود سے غائب ہوجاتے ہیں اور یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ انہوں نے آنکھوں سے دیدار کرلیا ہے حالاں کہ یہ صرف دل سے ممکن ہے- اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ظاہری آنکھوں سے موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہیں ہوا اور نہ یہ کسی کے لیے ممکن ہے-(۱۱۹)

کیا بدعت،حسنہ ہوسکتی ہے؟

بدعت کا مسئلہ بہت ہی متنازع فیہ ہے،اور اس سلسلے میں عموماً لوگوں کو بہت سے مسائل میں غلط فہمیاں ہیں، بہت سی بدعتیں مباح ہوتی ہیں اور حسن نیت کی وجہ سے وہ استحباب کے درجے کو پہنچ جاتی ہیں اور فاعل کو اس پر ثواب بھی ملتا ہے لیکن اس طرح کی بدعتوں کو بہت سے علما اس بنا پر گمراہی قرار دیتے ہیں کہ عملاً اس کو دین کا حصہ اور ان باتوں میں سمجھ لیا جاتا ہے جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے امت کے لیے مشروع قرار دیا ہے، مثلاً سماع کے متعلق ہی ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ صوفیہ اس کو ''دین'' کا حصہ سمجھتے ہیں، اگرچہ وہ اس کو ظاہر نہیں کرتے،(۱۲۰) اس کا مطلب یہ ہے کہ بدعت حسنہ ہوسکتی ہے لیکن اگر اس کو بذاتہ عبادت اور دین سمجھ لیا جائے تو درست نہیں ہے-

بدعت کے بارے میں شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ہر وہ بدعت جو واجب اور مستحب نہ ہو وہ بدعت سیئہ ہے اور بالاتفاق گمراہی ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ بعض بدعتیں حسنہ ہوتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس کے استحباب پر دلیل شرعی قائم ہوجائے تب وہ مستحب ہوگی-البتہ جو بدعت مستحب ہو اور نہ واجب تو اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے کہ یہ حسنات میں سے ہوگی اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا(۱۲۱)

یہ چند مسائل تھے جن کے حوالے سے اختصار کے ساتھ شیخ ابن تیمیہ کا موقف بیان کردیا گیا ہے تفصیل کے لیے خصوصیت کے ساتھ مجموع الفتاویٰ کی پہلی، چھٹی اور ساتویں جلد کا مطالعہ ذہن وفکر کے بہت سے بند دریچے کھولنے والا ثابت ہوگا-

شیخ ابن تیمیہ کی زندگی میں روحانی پہلو

شیخ ابن تیمیہ بھی اسلام کے پیروکار اور امت محمدیہ کے علمائے اعلام میں سے تھے، اسلام چوں کہ ظاہری اور روحانی دونوں طرح کی تعلیمات پر مشتمل ہے اس لیے یہ بات مشکل ہے کہ کوئی اسلام کا متبع ہو اور اس کی زندگی میں روحانی پہلو نہ ہوں بلکہ کسی بھی انسان سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی، یہ ہوسکتا ہے کہ اس کو تصوف کی اصطلاح سے کوئی کد ہو لیکن اس کی حقیقت کا یا اس کے عمومی عناصر کا بالکلیہ کوئی انکار نہیں کرسکتا، یہی وجہ ہے کہ ناقدین تصوف کی زندگیاں بھی تصوف کی اصطلاح کو قبول کیے بغیر ہی اس رنگ میں رنگی نظر آتی ہیں اور جہاں تک شیخ ابن تیمیہ کی بات ہے تو وہ اس اصطلاح کے بھی منکر نہیں بلکہ تصوف شرعی کے بعض عناصر سے ہی ان کو اختلاف ہے، چنانچہ ان کی زندگی میں ہمیں بہت سے روحانی پہلو یا یہ کہہ لیں کہ عملی تصوف کے نمونے نظر آتے ہیں ان کے شاگرد علامہ ابن قیم جوزی نے مدارج السالکین شرح منازل السائرین میں اس موضوع پر خاصا مواد اکھٹا کردیا ہے-

ذوق عبادت وطاعت:

مشہور محدث حافظ سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بزار لکھتے ہیں:

ان کے جیسی عبادت بہت کم سنی گئی- کیونکہ انہوں نے اپنا اکثر وقت عبادت میں گزارا اور اس سلسلے میں انہوں نے اہل وعیال اور مال ومنال میں سے کوئی بھی حجاب اپنے لیے اختیار نہیں کیا -وہ رات میں تنہا گریہ وزاری کرتے، تلاوت قرآن کی پابندی کرتے، دن اور رات کی مختلف عبادتیں انجام دیتے، رات ختم ہونے کے بعد لوگوں کے ساتھ فجر کی نماز ادا کرتے، پہلے سنت ادا کرتے اور نماز کے لئے جب تکبیر تحریمہ کہتے تو تکبیر تحریمہ کی ہیبت کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا کہ دل باہر نکل آئیں گے- جب نماز میں مصروف ہوجاتے تو ان کے اعضا رعشہ کی وجہ سے دائیں بائیں حرکت کرتے -قرأت کرتے تو طویل قرأت کرتے، ان کا رکوع اور سجدہ فرض نماز کے لحاظ سے کامل ترین ہوتا- پہلا قعدہ بہت ہلکا کرتے اور پہلا سلام بلند آواز سے کرتے، یہاں تک کہ تمام حاضرین سن لیتے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ حاضرین کے ساتھ ''**اللّٰھم انت السلام و منک السلام**'' الخ -پڑھتے، پھر وہ جماعت کے طرف منہ کرکے اوراد وتسبیحات پڑھتے، احادیث میں وارد دعائیں پڑھتے اور اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے دعا کرتے -اکثر یہ دعا پڑھتے: **اللھم انصرنا و لا تنصر علینا الخ** -دعا کے اول وآخر میں درود پڑھتے، پھر ذکر میں مشغول ہوجاتے -ان کی یہ عادت تھی کہ فجر کی نماز کے بعد بلاضرورت کوئی بات نہیں کرتے اور مسلسل آہستہ یا قدرے بلند آواز میں سورج کے بلند ہونے تک ذکر میں مشغول رہتے اور

ذکر کے وقت آسمان کی طرف کثرت سے نگاہ اٹھا کر دیکھتے۔(۱۲۲)

زہدو تجرد:

ان کے زہد و تجرد کو بیان کرتے ہوئے محدث بزّار لکھتے ہیں:

دنیا اور متاع دنیا سے زہد بچپن سے ہی ان کا شعار تھا......ان کو دیکھنے والوں خصوصا طویل صحبت رکھنے والوں کا اتفاق ہے کہ انہوں نے ان سے بڑا زاہد نہیں دیکھا بلکہ اگر شیخ کے دور کے علاقے والے آدمی سے بھی پوچھا جائے کہ اس زمانے کا سب سے بڑا زاہد اور فضولیات دنیا کو مسترد کرنے میں سب سے کامل اور آخرت کا سب سے حریص کون ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اس معاملے میں ابن تیمیہ جیسا میرے کانوں نے نہیں سنا۔

انہوں نے خوبصورت بیوی کی طرف رغبت کی، نہ شان وشوکت والے گھر کی طرف، نہ باغ اور جائیداد کی طرف، نہ درہم و دینار کی طرف، نہ چوپایوں اور سواریوں کی طرف نہ جاہ وحشم اور نرم و نازک کپڑوں کی طرف، جب کہ ملوک و امرا، تاجر اور بڑے بڑے لوگ ان کی مٹھی میں تھے۔(۱۲۳)

فقرو ایثار

ان کے فقرو ایثار کو بیان کرتے ہوئے محدث بزار لکھتے ہیں:

ترک دنیا کے باوجود وہ ایثار کا بڑا جذبہ رکھتے تھے، کوئی بھی چیز تھوڑی ہوتی یا زیادہ، عظیم ہوتی یا حقیر، وہ صدقہ کرنے سے نہیں رکتے، اگر کچھ نہیں ہوتا تو اپنا کپڑا ہی فقرا کو دے دیا کرتے، اپنی تھوڑی سی غذا سے ایک چپاتی یا دو چپاتی بچا کر اپنی آستین میں چھپا کر رکھ لیتے اور ہم لوگ ان کے ساتھ سماع حدیث کے لیے جا رہے ہوتے تو ہم میں کوئی ملاحظہ کرتا کہ انہوں نے چپکے سے وہ روٹی فقیر کو دے دی، اور وہ اس بات کے حریص رہتے کہ کوئی دیکھنے نہ پائے۔(۱۲۴)

تواضع وانکساری

ان کی تواضع وانکساری کو بیان کرتے ہوئے محدث بزّار لکھتے ہیں:

میں نے ان کے جیسا متواضع ان کے زمانے میں نہیں دیکھا، بڑے چھوٹے، غنی وفقیر جو نیک ہوتے سب کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آتے، مالداروں سے زیادہ صالح فقیر کو قریب رکھتے اس کے ساتھ اکرام وموانست کا معاملہ کرتے، اس سے کھل کر میٹھی میٹھی باتیں کرتے، بسا اوقات اس کی خدمت کرتے، اس کی حاجت برآری کر کے اس کی مدد کرتے تاکہ اس کی دل جوئی ہو اور اللہ تعالی کا قرب حاصل ہو۔ استفتا اور سوال کرنے والوں سے نہیں اکتاتے، بلکہ بشاشت اور نرم خوئی کے ساتھ پیش آتے اور جب تک وہ خود نہ چلا جاتا اس کے ساتھ کھڑے رہتے خواہ وہ

بڑا ہوتا یا چھوٹا، مرد ہوتا یا عورت، آزاد ہوتا یا غلام، عالم ہوتا یا عامی، شہری ہوتا یا دیہاتی۔(۱۲۵)

کرامت وفراست

ان کی کرامتوں اور مومنانہ فراستوں کا ذکر ہوتے ہوئے محدث بزّار لکھتے ہیں:

بہت سے ثقہ حضرات نے اپنی دیکھی ہوئی کرامتوں کو مجھ سے بیان کیا اور چند کرامتوں کا میں نے خود مشاہدہ کیا۔ ایک بار چند مسائل میں میرے اور بعض فضلا کے مابین اختلاف ہوا، ہم نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دی کہ شیخ کی طرف چل کر رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس قول کو راجح قرار دیتے ہیں، چنانچہ جب شیخ حاضر ہوئے تو انہوں نے ہمارے سوال کرنے سے پہلے ہی ہر مسئلے کا ذکر کر دیا اور ہماری اکثر دلیلوں کو بھی بیان کر دیا، علما کے اقوال کو ذکر کیا اور جو قول راجح تھا اس کی دلیل سے ترجیح کی، یہاں تک کہ اس آخری سوال پر آئے جو ہم ان سے پوچھنے والے تھے، انہوں نے وہ بھی بیان کر دیا تو میں، میرے ساتھی اور تمام حاضرین اس بات پر مبہوت رہ گئے اور تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے درمیان کی باتوں اور دل کے احوال سے مطلع کر دیا۔

یوں ہی جب میں ان کی صحبت میں ہوتا، اس وقت وہ کسی مسئلہ میں بحث کرتے اور میرے دل میں اس پر کوئی اعتراض وارد ہوتا تو میرے دل میں اس اعتراض کے مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ اس کو بیان کر دیتے اور پھر اس کا جواب دیتے۔

مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں دمشق میں اتنا شدید بیمار ہو گیا کہ بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی اثنا میں شیخ کو میں نے اپنے سر کے پاس موجود پایا مجھے ان کی آمد کا احساس بھی نہیں ہوا۔ اس وقت مجھے شدید بخار تھا۔ انہوں نے دعا کی اور فرمایا کہ تم ٹھیک ہو گئے، وہ میرے سر کے پاس سے ہٹے بھی نہیں کہ میں ٹھیک ہو گیا اور اسی وقت شفایاب ہو گیا۔(۱۲۶)

شیخ ابن تیمیہ۔ نقدِ تصوف کے اسباب اور نقد کا تجزیہ

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تصوف اپنے روز آفرینش سے ہی نزاع واختلاف کے گھیرے میں رہا ہے اس کے بہت سے اسباب میں ایک وجہ یہ تھی کہ تصوف نے اسلام کے باطنی اور روحانی پہلو کو ترجیح دینے پر زور دیا، اس کی وجہ سے شکوک وشبہات والے ذہنوں کو اس کی سرحدیں باطنیت سے ملتی نظر آئیں اور علمائے ظواہر کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلام کے باطنی اور روحانی پہلو کے نام پر ظاہری حدود وقیود کی چادر یہ لوگ چاک کر دیں، ان کا یہ خطرہ درست معلوم ہوتا اس وقت نظر آیا جب بعد کے زمانوں میں بعض جاہل اور گمراہ صوفیہ ظاہری شرعی حدود کو پھلانگنے لگے اور مختلف غلط عقائد کے بھی قائل ہو گئے مثلا یہ کہ صوفی جب سلوک طے کر لیتا ہے اور وصال سے شرف یاب ہو جاتا ہے تو اب وہ شرعی احکام کا مکلّف نہیں رہ جاتا، کیوں

کہ یہ شرعی احکام تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں، اب جب وہ وصال سے بہرہ ور ہو گیا تو اب شرعی احکام کی پابندی کا کیا مطلب؟ اس طرح کی اور دوسری بوالعجبیاں بھی یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی رہیں اور ان کی وجہ سے اسلامی تصوف پر ناقدین کے حملے کا سلسلہ جاری رہا، ان ناقدین میں جتنے بھی صاحب فہم وفراست حضرات تھے ان سب نے تصوف اسلامی یا تصوف شرعی اور تصوف غیر اسلامی یا غیر شرعی کے مابین فرق کیا اور دونوں کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی، البتہ اس میں بشری تقاضوں کی بنا پر کچھ غلطیاں بھی سرزد ہوئیں، انہیں میں شیخ ابن تیمیہ بھی ہیں- انہوں نے تصوف پر تنقید کی اور انہوں نے تصوف کی مختلف شکلوں کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی، البتہ اس میں کچھ غلطیاں اور غلط فہمیاں بھی درآئیں-

اگر شیخ ابن تیمیہ کے نقد تصوف کے اسباب کا جائزہ لیا جائے تو مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱- جس زمانے میں انہوں نے شعور کی آنکھیں کھولیں وہ تصوف کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، اس وقت تصوف ایک عمومی ظاہرہ تھا، اور بہت سی غیر اسلامی باتیں جو تصوف میں درآئی تھیں عمومی ظاہرہ ہونے کی وجہ سے کوئی اس پر تنقید کی جرأت نہیں کر پا رہا تھا جب وہ خود فاضل ہو گئے تو انہوں نے قرآن وسنت کو معیار بنا کر پورے مجموعہ تصوف کو پرکھنے کی کوشش کی، ان کی طبعی حدت نے اس میں کچھ زیادہ ہی رنگ آمیزی کر دی اور پھر تصوف کا جو بھی قول وعمل ان کی کسوٹی پر کھرا اترا، انہوں نے اس کی تائید کی اور جو کھوٹا نکلا انہوں نے اس کی تردید کی- (۱۲۷)

۲- وحدت الوجودی مباحث بہر حال اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو عام زندگی میں جگہ دی جائے اور عام لوگوں کے مابین اس پر بحث کی جائے کیوں کہ ان کا تعلق احوال سے ہے، وحدت الوجود ایک حال ہے جو اس حال ومقام سے گزرا ہوگا اس پر بات واضح ہوگی اور جو نہیں گزرا ہوگا وہ اس کا منکر ہوگا یا پھر تقلیدی طور پر وحدت الوجودی ہوگا، دوسری طرف وحدت الوجودی مباحث کا نقصان دہ پہلو بھی موجود ہے کہ کوئی بھی اس کی غلط تفہیم کر کے کائنات کے ہر ذرے کو معبود ثابت کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور اس سے توحید کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جاتا ہے- یوں ہی حلول واتحاد کے قائلین بھی اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، اور پھر اس کی آڑ میں ظاہری شرعی اعمال سے دست برداری کا فتنہ کھڑا ہوتا ہے اور پھر یہیں سے بعض حضرات نظریہ جبر کی طرف مائل ہو کر اپنے برے عمل کا دفاع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو مجبور محض ہیں، ہم سے جو گناہ صادر ہوتا ہے اس میں ہمارا کیا قصور؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور وہ اس طرح اسلام کے نظام جزا وسزا کو معطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں-

ابن تیمیہ نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے اردگرد کی صورتِ حال کچھ اسی طرح کی پائی (۱۲۸) اور وہ غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان ساری خرابیوں کا اصل ذمہ دار نظریہ وحدت الوجود ہے اور پھر انہوں نے پوری حدت اور شدت کے ساتھ نظریہ وحدت الوجود اور ان کے قائلین مثلاً شیخ ابن عربی، شیخ صدر الدین قونوی، شیخ عبدالحق ابن سبعین، شیخ عفیف تلمسانی وغیرہم پر شدید تنقید کی، حالانکہ وہ اپنی اس تنقید میں نظریہ وحدت الوجود کے صرف ایک پہلو کو دیکھ سکے، اس کے علاوہ شیخ ابن عربی اور دوسرے حضرات کی اصطلاحوں اور ان کے قائم کردہ اعتبارات کو بھی انہوں نے ملحوظ نظر نہیں رکھا یا جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا اور نہ ہی ان کے کلام میں کوئی حسن تاویل کی کوشش کی اگر وہ اعتبارات واصطلاحات کا لحاظ کر لیتے تو نظریہ وحدت الوجود کا نقصان دہ پہلو بھی سامنے آجاتا، اس کی تردید بھی ہو جاتی اور نظریہ وحدت الوجود کا دوسرا پہلو بھی سامنے آجاتا اور اس کی روشنی میں وہ ان صوفیہ کے کلام میں حسن تاویل سے کام لیتے-

۳- تصوف کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ بدعات، مشرکوں کے مشابہ رسوم ورواج، قبور سے حد درجہ تعلق، خدا سے بے خوفی اور صاحبِ مزار سے خوف وخشیت، اللہ اور شعائر اللہ سے استہزا، بزرگوں کے ساتھ الوہیت والے معاملات، مشاہد ومزارات کی زیارتوں میں حج بیت اللہ جیسا معاملہ، مساجد کی ویرانی اور مزارات پر رونق واہتمام کے مظاہر کو فروغ ملا، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ سب غیر اسلامی تصوف اور گمراہ صوفیہ کی کرشمہ سازیاں ہیں- ورنہ تصوف اسلامی کے اعلام ومشائخ نے ہمیشہ اس ظاہرے پر شدید تنقید کی ہے- شیخ ابن تیمیہ کے زمانے میں بھی معاملہ کچھ ایسا ہی تھا اگر چہ اس زمانے کے مشائخ نے اس ظاہرے کی ضرور تردید کی ہوگی لیکن عمومی صورت حال کچھ اچھی نہیں تھی (۱۲۹) چنانچہ انہوں نے اس ظاہرے پر بھی شدید تنقید کی لیکن چوں کہ وہ صوفیہ کی جماعت سے نہیں تھے اس لیے فائدہ پہنچنے کے بجائے ردِ عمل زیادہ سامنے آیا اور وہ خود بھی جادۂ اعتدال پر گامزن نہیں رہ سکے اور بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہوئے-

یہ وہ اسباب تھے جن کی بنا پر انہوں نے تصوف پر تنقید کی- ہم ان کی نیت پر شبہ نہیں کر سکتے کیوں کہ دلوں کا راز داں صرف اللہ ہے اور ہمیں حسن ظن رکھنے کا حکم دیا گیا ہے- یقیناً ان کا مقصد یہی رہا ہوگا کہ کتاب وسنت کی طرف رجوع ہو اور اہلِ سنت کے تمام گروہ بشمول صوفیہ کتاب وسنت کا دامن مضبوطی سے تھامے رہیں لیکن ان کی تنقیدات کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی غیر جانب دار شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ جہاں ان کی بہت سی تنقیدی باتیں بالکل درست ہیں، وہیں ان سے بے اعتدالیاں بھی ہوئی ہیں-

صرف ان کے مجموع الفتاوی کا ہی مطالعہ کرلیا جائے تب بھی ایسے بہت سے مقامات سامنے آئیں گے جہاں انہوں نے یا تو صوفیہ کے نظریات ومعاملات، اقوال واعمال کو سمجھا ہی نہیں یا جان بوجھ کر اس کے صحیح پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے، خصوصیت کے ساتھ پہلی جلد، کتاب توحید الربوبیۃ، چھٹی جلد، کتاب السلوک، ساتویں جلد کتاب التصوف میں اس کی بہت سی مثالیں آسانی کے ساتھ مل جائیں گی، مثلاً توسل کے باب میں عام لوگوں کے ظاہری رویے کی وجہ سے ان سے بہت سی غلط فہمیاں ہوئی ہیں، واسطہ کے سلسلے میں اس کے مختلف معانی اور ساری تفصیلات پیشِ نظر رہنے کے باوجود ان کے ذہن میں جو بات بیٹھی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حصول منافع اور دفع ضرر کے لیے واسطہ ضروری ہے، اور بغیر کسی کو واسطہ بنائے اللہ تعالی انہیں کچھ عطا نہیں کرے گا (۱۳۰) - یوں ہی شفاعت، توسل، نظریۂ جبر، مسئلہ صبر ورضا وتوکل، خلوت، اسم مفرد 'اللہ' کا ذکر، جنت کے لیے عبادت کا مسئلہ (۱۳۱) اور اس طرح کے صوفیہ کے بہت سے اقوال واعمال ہیں ان کو بڑی غلط فہمیاں ہوئی ہیں-

ان کو سب سے زیادہ بدگمانی ان صوفیہ اور مشائخ سے ہے جن کی جانب مختلف کشوف وکرامات اور الہامات منسوب ہیں- وہ مختلف کرامتوں کی ''جناتی توجیہ'' کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ سب ان کی کرامتیں نہیں ہیں بلکہ انہوں نے جناتوں کو اپنا خادم بنالیا ہے اور وہ ان کے لیے مختلف خدمتیں انجام دیتے ہیں- (۱۳۲) کشف والہام کے مختلف واقعات کے سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ سب شیطانی کشف والہامات ہیں- (۱۳۳) وہ سماع سے کدر رکھنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ سماع کی ان محفلوں میں جو وجد وحال طاری ہوتا ہے وہ شیطانی ہے- (۱۳۴) وہ یہ نظریہ بھی قائم کیے ہوئے ہیں کہ مشائخ سے استغاثہ کی صورت میں مشائخ وغیرہ جو ظاہر ہوتے ہیں وہ مشائخ نہیں ہوتے بلکہ شیطان ظاہر ہو کر ان کی حاجت برآری کرتا ہے، (۱۳۵) یوں ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ غاروں، پہاڑوں، وادیوں اور صحراؤں کے تعلق سے جو لوگ یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے رجال الغیب سے ملاقات کی یا فلاں بزرگ ظاہر ہوئے ان میں سے کچھ بھی درست نہیں بلکہ یہ سب جنات وشیاطین ہیں جو ظاہر ہوتے ہیں- (۱۳۶)

ان سارے مسائل میں شیخ ابن تیمیہ کو بڑی غلط فہمی ہوئی ہے اور ان کی فکر نے زبردست ٹھوکر کھائی ہے، اور بلاشبہ معصوم صرف انبیا اور رسل ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ انہوں نے الہام، کرامت اور سماع میں رقص وحال کی جو 'جناتی توجیہ'' کی ہے اس کی قطعیت پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، یوں ہی حیرت ہے کہ شیطان ظاہر ہو کر کسی کی حاجت برآری کرسکتا ہے لیکن مشائخ اولیاء اللہ ایسا نہیں کرسکتے اور اللہ تعالی ان کو یہ قدرت نہیں دے سکتا؟ - یوں ہی ان کی یہ بات بھی

اٹکل ہی کے زیادہ قریب ہے کہ پہاڑوں، وادیوں میں ظاہر ہونے والے سب شیاطین ہی ہیں، وہ صالحین کی روحانیتیں نہیں ہوسکتیں؟، وہ شیاطین کی روحانیت تسلیم کررہے ہیں لیکن صالحین کی روحانیت کے امکان کو مسترد کرتے ہیں یا کم از کم اپنے عہد کے لوگوں کے لیے تسلیم نہیں کررہے ہیں وہ اس سلسلے میں اس طرح کے واقعات کے تمام اہل ایمان راویوں کی سرے سے تکذیب کررہے ہیں- جب کہ اہل ایمان سے ہمیں حسن ظن کا حکم دیا گیا ہے اور ''مومن میں اصل وصف عدالت'' ہے-

خاتمہ

شیخ ابن تیمیہ کے نقد تصوف کے تعلق سے ہمارا مطالعہ اور اس حوالے سے پچھلے صفحات میں کی گئی گفتگو اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کو مطلقا تصوف کا مخالف نہیں قرار دیا جاسکتا ہے- بلکہ اس ضمن میں ہماری بحث اس نتیجہ تک پہنچتی ہے کہ وہ بھی دیگر ناقدین تصوف کی طرح ایک ناقد ہیں ان کا تعلق ناقدین تصوف کے اولین گروہ سے ہے- انہوں نے متصوفانہ ماحول میں آنکھیں کھولیں جب مختلف خرابیوں نے تصوف کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا- چنانچہ انہوں نے کتاب وسنت کی طرف رجوع کی اچھی نیت سے تصوف کے مختلف مظاہر پر تنقید کی، انہوں نے تصوف فلسفی کو مسترد کیا، باطنی فکر کو مردود قرار دیا اور تصوف شرعی کو مجموعی حیثیت سے قبول کرتے ہوئے اس کے بعض مسائل میں اپنے اجتہادات پیش کئے اور مجتہد کبھی صواب پر ہوتا ہے اور کبھی خطا پر، چنانچہ تصوف شرعی کے ضمن میں انہوں نے جن مسائل میں صوفیہ سے اختلاف کیا ہے اس میں خطا اور صواب دونوں کا امکان ہے-

ان کی تنقید اتنی شدید اور اس قدر ہمہ گیر تھی کہ تمام ناقدین تصوف کے مابین ممتاز ہوگئے اور علامہ ابن جوزی کو چھوڑ کر کوئی بھی اس معاملے میں ان کا ہم پلہ نظر نہیں آیا بلکہ تنقید کی ہمہ جہتی، اصالت، اور اپنے زیادہ پختہ، سلفی ذوق کی بنا پر وہ ان پر بھی فائق ہوگئے اور ان کے عہد سے لے کر اب تک جتنے بھی ناقدین تصوف آئے وہ تنقید تصوف کے باب میں رتی بھر بھی اضافہ نہیں کرسکے-

یہ ان کی شخصیت کا ایک پہلو ہے- دوسری طرف وہ تصوف شرعی اور غیر شرعی کے مابین فرق کرتے ہیں، 'مشائخ کتاب وسنت' کی مدح کرتے ہیں، فنا اور بقا، جمع اور فرق اور اس طرح کے دوسرے اصطلاحات تصوف کو معانی ومدلولات میں جزوی اختلاف رکھتے ہوئے قبول کرتے ہیں، گروہ صوفیہ کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کرتے ہیں، پہلے گروہ کو سابقین مقربین اور صدیقین میں شمار کرتے ہیں، کرامات وکشوف، الہامات اور تفسیر اشاری کے قائل ہیں، صادق الہامات کے ذریعہ شرعی مسئلہ میں ترجیح کو شرعی ترجیح قرار دیتے ہیں، توسل میں بھی تفصیل کے قائل ہیں، خواب

میں وہ رؤیت باری کے منکر نہیں بلکہ بیداری کے حالت میں رؤیت قلبی کے امکان کو درست ٹھہراتے ہیں، اس کے علاوہ خود ان کی زندگی بھی حقیقتِ تصوف کے رنگ میں رنگی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کا یہ وہ پہلو ہے جو معروف نہیں ہے، ان کے بہی خواہوں نے ہمیشہ ان کے ایک پہلو کو پیش کرنے کی کوشش کی اور انہیں ذرہ برابر بھی قرآن وحدیث کے مطالعے کے باوجود اس بات کا خیال نہیں رہا کہ حق بات کو چھپانا ایک شرعی جرم ہے اور یہ کہ حق کو زیادہ دنوں تک چھپایا نہیں جاسکتا۔ دوسری طرف گروہِ صوفیہ کے متبعین نے بھی صوفیانہ وسعتِ ظرفی اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ نہیں کیا، صرف ان کے تنقیدی پہلو کو ہی تسلیم کرتے رہے، بلاواسطہ ان کی کتابوں کے مطالعے سے تصوف کے حق میں دلائل اکٹھا کر کے مخالفین تصوف کا منہ بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ جانب داری سے ہٹ کر ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور خصوصاً تصوف کے حوالے سے ان کے نظریات کا مطالعہ کر کے ان کو عام کیا جائے تاکہ مخالفین تصوف نے ابن تیمیہ اور ان کے جیسے دوسرے ناقدینِ تصوف کو مخالفِ تصوف بنا کر جو پیش کرتے ہیں، ان کی اس فریب کاری کا پردہ چاک ہو لوگوں کے سامنے حقیقت کی نقاب کشائی ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ تصوف کے تعلق سے عام غلط فہمی دور ہوگی لوگوں کو حقائق تصوف سے آشنائی حاصل ہو سکے گی۔ مخالفین تصوف کے پروپیگنڈے کی وجہ سے کچھ لوگ جو روحانی اضطراب کے باوجود تصوف سے بدکتے ہوئے نظر آرہے ہیں اس کے ذریعہ ان کے سکون کی راہ ہموار ہو سکے گی اور تصوف کی مقبولیت کے اس دور میں اس کے چشمۂ صافی سے بلاتفریق سب کو سیرابی کا موقع مل سکے گا۔ (۱۳۷)

اللہ تعالیٰ ہم کو حق دیکھنے، حق سننے اور حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حوالے وحواشی

۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۲، ص:۳۳-۳۴، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء، لکھنؤ طبع ششم ۱۹۸۹/۱۴۰۹ھ۔

۲۔ حافظ ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر (م ۷۷۴)، البدایہ والنہایہ، ج:۷، جز:۱۳، ص:۳۰۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان ۲۰۰۵ء/۱۴۲۶ھ

۳۔ حافظ سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن موسیٰ بن خلیل البغدادی البزار، الاعلام العلیۃ فی مناقب ابن تیمیہ، بحوالہ ترجمۃ المؤلف مشمولہ مجموع الفتاوی لابن تیمیہ، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، ج:۱، ص:۵، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۵/۱۴۲۶ھ۔

۴۔ سوانح امام ابن تیمیہ، ص:۶۸، البلاغ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء

۵۔ نفس مصدر، ص:۵۸-۶۷

۶۔ البدایۃ والنہایۃ، ج: ۱۳، ص: ۳۰۳

۷۔ نفس مصدر

۸۔ مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددی، علاّمہ ابن تیمیۃ اور ان کے ہم عصر علما، ص: ۳۸، شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی، ۱۹۸۱/۱۴۰۱ھ

۹۔ نفس مصدر ص:۳۹

۱۰۔ نفسِ مصدر ص:۴۰

۱۱۔ اقوال العلماء فی ابن تیمیۃ، مشمولہ مجموع الفتاویٰ، ص:۲۹

۱۲۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۲، ص:۱۵۸-۱۵۹

۱۳۔ نفس مصدر، ص:۱۶۱

۱۴۔ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم عصر علما ص:۴۱

یہ نظریہ کتاب کے مصنف نے ظاہر کیا ہے، خود مقالہ نگار بھی مخالفین وموافقین کی مختلف کتابوں اور اس زمانے کے حالات کے جائزے کے بعد اسی نتیجے تک پہنچا ہے کہ معاصرت کا کچھ عنصر ضرور مخالفت کے محرکات واسباب میں شامل رہا ہوگا لیکن مخالفت کا یہ واحد سبب نہیں تھا اور یہ بات بھی درست ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کے تعلق سے ان کے معاصر علما کی شہادتیں جس میں ان سے والہانہ محبت کا اظہار کیا گیا ہے وہ تقریباً چالیس کی عمر تک کی ہیں۔ بعد میں وہ محبت اگر نفرت میں نہیں بدلی تو کم از کم وہ پہلے جیسی محبت بھی باقی نہیں رہی، یوں ہی ان کی تعریف وتوصیف کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ علما ان کی تمام آرا سے اتفاق رکھتے تھے بلکہ یہ ان علمائے کرام کی وسعت قلبی تھی کہ انہوں نے اختلاف کے باوجود ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا، جب کہ دوسری طرف ابن تیمیہ کے محبین ومعتقدین انہیں مقتدر علما پر کم دانی کا الزام اور ان کے اختلاف کو معاصرت کا شاخسانہ قرار دیتے رہے ہیں اور طرح طرح سے ان کو مطعون کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

۱۵۔ البدایۃ والنہایۃ، ج:۷، جز:۱۴، ص:۴

۱۶۔ نفس مصدر، ص:۳۷-۳۸

۱۷۔ نفس مصدر ص:۴۴-۴۶

۱۸۔ نفس مصدر ص:۱۲۱

۱۹- نفس مصدر،ص:۱۳۳-۱۳۴

۲۰- الاعلام العلیۃ فی مناقب ابن تیمیہ،مشمولہ مجموع الفتاویٰ،ج:۱، ص:۲۷،

۲۱- البدایۃ والنہایۃ،ج:۷،جز:۱۴،۱۳۶

۲۲- نفس مصدر،ص:۱۳۴،نیز دیکھیے :الاعلام العلیۃ فی مناقب ابن تیمیہ،مشمولہ مجموع الفتاوی، ص:۲۶،

۲۳- سوانح امام ابن تیمیۃ،ص: ۵۸۴،

۲۴- نفسِ مصدر،ص:۵۸۵/ البدایۃ والنہایۃ،ج:۷،جز:۱۴،ص:۱۳۴

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تاریخ دعوت وعزیمت،ج:۲،ص: ۱۲۵،پر ان کی تدفین کے تذکرے کے بعد حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ قبرستان جو بڑے بڑے مشاہیر اہل علم وصلاح مثلاً ابن عساکر،ابن الصلاح،ابن الاثیر،ابوالحجاج المزی،حافظ ابن کثیر وغیرہم کی آخری آرام گاہ ہے،اب بالکل ناپید ہوگیا ہے اس پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی ہیں،صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی قبر جامعہ سوریہ،شام،کے ہال اوراسپتال کی ایک عمارت کے سامنے ابھی تک موجود ہے،۲۸ جولائی ۱۹۵۶ءکوشیخ محمد بہجت البیطار کی معیت میں انہوں نے شیخ کی قبر کی زیارت کی اورشیخ محمد بہجت البیطار نے یہ واقعہ سنایا کہ یونیورسٹی کی کسی تعمیر کے سلسلے میں شب بھرمیں اس قبرستان کوکھدوادیا گیا،صبح کوجب اس کی اطلاع ہوئی توصدر جمہوریہ شکری القوتلی نے عیسائی وائس چانسلرکوتنبیہ کی کہ ابن تیمیہ کی قبراگرمندرس ہوگئی تومیں سلطان ابن سعود کوکیا جواب دوں گا جن سے میرے دوستانہ تعلق ہیں،چنانچہ وہ قبرباقی رکھی گئی اورتاہنوز محفوظ ہے-اس مقام پر سوانح امام ابن تیمیہ میں ڈاکٹر یوسف کوکن نے حاشیے میں لکھا ہے کہ یہ مشہور ومعروف قبرستان آج مٹ چکا ہے،اورعجیب بات ہے کہ اس کی جگہ پر جامعہ سوریہ کی شاندارعمارتیں کھڑی ہوگئیں ہیں،تمام قبریں مٹادی جاچکی ہیں،صرف ابن تیمیہ کی قبرباقی ہے،اس کے اطراف لوہے کی ایک دیوارکھڑی کردی گئی ہے-۴فروری بروزشنبہ۱۹۵۸ میں انہوں نے اس قبرکی زیارت کی اوردوسرے دن اس کی تصویرلی جواس کتاب میں شامل ہے،اس تصویرکودیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ قبرپکّی ہے اورایک طرف کتبہ کی ایک دیوار بھی ہے-

۲۵- البدایہ والنہایہ ج:۷،جز:۱۴،ص:۱۳۷-۱۳۹

۲۶- سوانح امام ابن تیمیہ،ص:۵۸۷-

۲۷- سیدعبدالحئی رائے بریلوی،نزہۃ الخواطر،ج:۲،ص:۱۴،دارِعرفات رائے بریلی-

۲۸- تاریخ دعوت وعزیمت،ج:۲،ص:۱۵۱،

۲۹- مجموع الفتاوی،ج:۲، جزء:۳، ص: ۱۰۶-

۳۰- مجموع الفتاوی،تفسیر سورہ الاخلاص،ج:۱۰،بحوالہ سوانح امام ابن تیمیہ، ص: ۶۱۵-

۳۱- مجموع الفتاوی،ج:۱،جزء:۲، رسالہ بنام شیخ نصرمنبجی،ص:۲۴۵،

۳۲- نفس مصدر،

۳۳- نفس مصدرص:۲۴۶-

۳۴- البدایۃ والنہایۃ ج:۷،جز:۱۴،ص:۴-۵

۳۵- اس بحث کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے لیے دیکھیے :فتوی حمویہ،مشمولہ مجموع الفتاویٰ، ج:۳،جز:۵،ص:۶،اوردیکھیے :العقیدۃ الواسطیہ ،مشمولہ مجموع الفتاویٰ ج:۲،جز:۳،ص: ۷۴-۹۵-

۳۶- دیکھیے : علامہ ابن تیمیۃ اوران کے ہم عصر علماء ،ص: ۱۰۱-۱۰۲-

۳۷- دیکھیے :مجموع الفتاوی ج:۵،جز:۹،کتاب المنطق-

۳۸- دیکھیے :رسالہ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ،شیعیت کے ردمیں رسالہ منہاج السنۃ ،مشمولہ مجموع الفتاوی،

۳۹- ماسینون،دائرۃ المعارف الاسلامیۃ،مادۃ''التصوف''،ج:۵،ص:۳۷-۴۷،بحوالہ مصطفیٰ حلمی،ابن تیمیۃ والتصوف،ص:۲۱،دارالدعوۃ للطبع والنشر ،اسکندریہ

۴۰- مجموع الفتاوی،کتاب التصوف،مسألۃ فی الفقہ والتصوف،ج:۷،جزء: ۱۱، ص:۱۵،

۴۱- دیکھیے مجموع الفتاوی،کتاب التصوف،رسالۃ الصوفیۃ الفقراء،ج:۷،جزء:۱۱،ص:۵-تلبیس ابلیس،اردوترجمہ:مولانا ابومحمد عبدالحق اعظم گڑھی،ص:۲۲۵-۲۲۷،دارالکتاب دیوبند-

۴۲- تلبیس ابلیس،ص:۲۲۵-۲۲۷-

۴۳- مجموع الفتاویٰ،کتاب التصوف،ج:۷،جزء: ۱۱-

۴۴- دیکھیے :صیدالخاطر،صفۃ الصفوۃ اورشیخ ابن تیمیہ کی کتاب السلوک،مشمولہ مجموع الفتاویٰ ج:۶،جزء:۱۰،

۴۵- دیکھیے : مجموع الفتاوی،خصوصیت کے ساتھ کتاب توحید الربوبیۃ،رسالۃ حقیقۃ المذہب الاتحادیین،ووحدۃ الوجودرسالۃ الردالاقوم علی مافی فصوص الحکم اوررسالۃ الشیخ ابن تیمیۃ إلی نصرالمنبجی-

۴۶- دیکھیے : مجموع الفتاوی کے مختلف مقامات خصوصیت کے ساتھ ج:۱،جز:۲، ص: ۲۴۹-

-۲۵۳

۴۷- دیکھیے: مجموع الفتاوی، ج:۸، جزء: ۱۳، رسالۃ فی علم الظاہر والباطن، ص:۱۰۳-۱۲۰-

۴۸- دیکھیے: مجموع الفتاوی کے مختلف مقامات خصوصاً، ج:۷، جزء:۱۱، ص: ۲۰۶-۲۲۹-

۴۹- نفس مصدر، ج: ۱، جز: ۲، رسالہ الرد الاقوم علی ما فی فصوص الحکم، ص: ۱۹۰

۵۰- مجموع الفتاویٰ، ج:۱، کتاب توحید الربوبیۃ، جز:۲، شیخ نصر منجی کے نام خط، ص:۲۴۲، -۲۴۷

۵۱- لقمان، ص: ۲۵،

۵۲- ص: ۵،

۵۳- دیکھیے مجموع الفتاوی ج: ۱، کتاب توحید الالوھیۃ، ص: ۵۸، ۱۰۷-۱۰۸، ۲۳۶-۲۳۷

۵۴- مریم: ۶۵

۵۵- آل عمران: ۸۰

۵۶- مجموع الفتاوی، ج: ۱، کتاب توحید الرّبوبیۃ، ر جز: ۲، رسالہ حقیقۃ مذہب الاتحادیۃ ص: -۷۴

۵۷- نفس مصدر

۵۸- نفس مصدر، رسالۃ الشیخ، الی نصر المنبجی، ص: ۲۴۳

۵۹- نفس مصدر، ص: ۲۴۵

۶۰- نفس مصدر

۶۱- نفس مصدر

۶۲- نفس مصدر، ص: ۲۴۶

۶۳- نفس مصدر، ص: ۲۴۷

۶۴- نفس مصدر، ص: ۲۴۹-۲۵۱

۶۵- دیکھیے: ج: ۱، جزء: ۲، کتاب توحید الربوبیۃ، ص: ۵۲، جزء: ۳، ص: ۱۷، ج: ۶، کتاب علم السلوک ص: ۹۲-۹۳، ۲۲۲

۶۶- المائدۃ: ۹۳

۶۷- مجموع الفتاویٰ، ج: ۷، جزء: ۱۱، کتاب التصوف، ص: ۱۸۶-۱۸۸

۶۸- نفسِ مصدر، ج: ۱، جز: ۲، کتاب توحید الربوبیۃ، ص: ۲۴۰،

۶۹- نفسِ مصدر، ج: ۶، جزء: ۱۰، کتاب علم السلوک ص: ۳۳۷-۳۳۸

۷۰- نفس مصدر، ص: ۱۴-۱۵

۷۱- نفس مصدر، ص: ۱۸-۱۹

۷۲ نفس مصدر، ص: ۳۳۷-۳۳۸

۷۳- النساء: ۷۹

۷۴- مجموع الفتاوی، ج: ۱، جزء: ۲، کتاب توحید الرّبوبیۃ، ص: ۱۰۵-۱۰۸، ج: ۸، جزء: ۱۳، ص: ۱۱۹-

۷۵- نفس مصدر، ج: ۷، جزء: ۱۱، کتاب التصوف ص: ۱۰۷،

۷۶- نفس مصدر، ص: ۱۰۸-۱۰۹، مزید دیکھیے: نفس مصدر ص: ۱۷۱-

۷۷- نفس مصدر، ج: ۸، جزء: ۱۳، ص: ۱۰۵-

۷۸- نفس مصدر، ص: ۱۰۶-

۷۹- یٰس: ۱۲-

۸۰- المسد: ۱،

۸۱- النازعات: ۱۷،

۸۲- البقرۃ: ۶۷،

۸۳- مجموع الفتاوی، ج: ۸، جز: ۱۳، ص: ۱۰۶،

۸۴- نفس مصدر، ج: ۷، جزء: ۱۱، کتاب التصوف ص: ۲۰۶-۲۱۹،

۸۵- نفس مصدر،

۸۶- نفس مصدر ص: ۲۲۸-۲۲۹،

۸۷- فنا و بقا اور جمع و فرق کی بحث کے لیے دیکھیے: مجموع الفتاویٰ ج: ۶، جزء: ۱۰، کتاب السلوک، ص ۸۵-۱۳۱، ۱۱۹، ۱۷۹-۱۸۱، -مشائخ ہدی کی فہرست کئی مقام پر ہے اور باہم کچھ مختلف بھی ہے دیکھیے: ج: ۱، جزء: ۲، کتاب توحید الربوبیۃ، ص: ۲۴۷، سماع بالمزامیر، رقص، اور وجد و حال کی بحث کے لیے دیکھیے: ج: ۶، کتاب السلوک ص: ۲۱۲-۱۱۶، ج: ۷، ص: ۳۰، ۱۳۷، ۱۴۲، ۱۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۵۷-۲۷۷، ۲۸۴-۲۸۵، ۲۹۴-۲۹۰،

۸۸- نفس مصدر ج: ۷، جز: ۱۱، ص: ۵-۶، ملخصا

۸۹- نفس مصدر ص: ۶-۸، ملخصا

۹۰- نفس مصدر ص: ۸-۹، ملخصا

۹۱- نفس مصدر ص: ۱۰-۱۱، ملخصا

۹۲- نفس مصدر ج:۱، جز:۲، کتاب توحید الربوبیہ: ص:۲۴۷

۹۳- دیکھئے نفس مصدر ج:۱، جزء:۱، کتاب توحید الاھیۃ، ص:۹۵، ج:۵، جز:۸ ص:۱۵۳، ۱۸۳، ج:۶ ص:۸۹، ج:۷، ۲۴۷،

۹۴- نفس مصدر، ج:۶، ص: ۲۷۴،

۹۵- دیکھیے نفس مصدر، شرح فتوح الغیب، ص: ۲۳۳-۲۷۴

۹۶- نفس مصدر، ص:۸۹،

۹۷- نفس مصدر، ص:۲۴۸

۹۸- پروفیسر عبدالحق انصاری، مجدد دین امت اور تصوف، ص:۳۶، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی،

۹۹- مجموع الفتاویٰ، ج:۶، جز:۱۰، ص:۱۲۰

۱۰۰- الشعراء: ۸۹،

۱۰۱- مجموع االفتاوی، ج:۶، جزء:۱۰، علم السلوک، ص: ۱۱۹، ۱۲۱، ملخصا

۱۰۲- نفس مصدر، ج:۷، کتاب تصوف ص:۲۵۷-۲۶۳، ملخصا

۱۰۳- نفس مصدر ص:۱۵۰، ملخصا

۱۰۴- نفس مصدر ص:۱۳۱، ملخصا

۱۰۵- نفس مصدر، ص: ۳۳، ملخصا

۱۰۶- نفس مصدر ج:۶، جزء:۱۰، علم السلوک، ص:۲۴۰

۱۰۷- نفس مصدر، ص:۲۴۱،

۱۰۸- نفس مصدر ج:۱، جزء:۲، کتاب توحید الربوبیہ ، ص:۱۸،

۱۰۹- نفس مصدر ج:۸، جزء:۱۳، ص:۱۰۹

۱۱۰- نفس مصدر ج:۷، جزء:۱۱ کتاب تصوف، ص:۲۷۹

۱۱۱- نفس مصدر ج:۶، جزء:۱۰، علم السلوک، ص:۲۰۸-۲۰۹،

۱۱۲- نفس مصدر ج:۷، جزء:۱۱، ص:۲۰۰-۲۰۴،

۱۱۳- دیکھیے: نفس مصدر، ج:۱، جزء:۱، ص:۱۳۶، ۱۴۵، ملخصاً

۱۱۴- نفس مصدر ص:۱۸۲،

۱۱۵- نفس مصدر ص: ۱۸۷،

۱۱۶- نفس مصدر ص:۱۸۸،

۱۱۷- مجموع الفتاویٰ، ج:۳، جزء:۵، ص:۱۲۷

۱۱۸- نفس مصدر، ص:۴۳

۱۱۹- نفس مصدر ص:۲۴۱ و ۲۴۲

۱۲۰- نفس مصدر، ج:۲، جز:۳، ص:۱۹۶

۱۲۱- نفس مصدر، ج:۱، جزء:۱، کتاب توحید الالوہیۃ ص:۱۵۱

۱۲۲- الاعلام العلیۃ فی مناقب ابن تیمیہ، مشمولہ مجموع الفتاوی، ج: ۱، ص:۱۲، ملخصا

۱۲۳- نفس مصدر، ص:۱۰-۱۴-ملخصاً

۱۲۴- نفس مصدر، ص:۱۵-ملخصاً

۱۲۵- نفس مصدر، ص:۱۶-ملخصاً

۱۲۶- نفس مصدر، ص:۱۸-۱۹-

۱۲۷- تصوف میں درآنے والے غیر اسلامی نظریات کی ہر دور میں مشائخ صوفیہ نے تردید کی جس میں امام غزالی اور شیخ عبدالقادر جیلانی قدست اسرارہما اور ان کے جیسے دوسرے مشائخ نمایاں ہیں لیکن یہ تنقیدی نظریات عام نہیں تھے-اس کی وجہ سے عوامی زندگی میں اسلامی تصوف اور غیر اسلامی تصوف کے نظریات کی بڑی آمیزش تھی -اس کو موجودہ دور کے تناظر میں اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے-

۱۲۸- آج بھی ہمارے گرد وپیش کی صورتِ حال کچھ اس سے مختلف نہیں ہے، ہندوستان میں گمراہ صوفیہ کے ایسے مختلف گروہ مل جائیں گے جو "سب خدا ہے" حلول اتحاد اور نظریۂ جبر کے قائل ہیں اور انہوں نے نظامِ شریعت کو زیر و بم کر رکھا ہے-

۱۲۹- آج بھی صورتِ حال جوں کی توں ہے، اسلامی تصوف اور حقیقی صوفیہ خال خال ہی نظر آتے ہیں، غیر اسلامی تصوف اور گمراہ صوفیہ کا بول بالا ہے، کاش! صوفیہ میں سے کوئی مردِ آہن نکل کر آئے اور تصوفِ اسلامی کو غیر اسلامی تصوف سے الگ کر کے تجدیدی کارنامہ انجام دے تاکہ تصوف کے آبِ شیریں سے پیاسی انسانیت سیراب ہو سکے-**وماذلک علی اللہ بعزیز**-

۱۳۰- مجموع الفتاوی، ج:۱، جزء:۱، کتاب توحید الالوھیۃ، ص:۱۲۹

۱۳۱- دیکھیے: نفس مصدر، ج:۱، جز:۱،۲، کتاب توحید الالوھیۃ والربوبیۃ، ج:۶، جزء:۱۰، کتاب السلوک کے مختلف مقامات، ج: ۷، جزء:۱۱، کتاب التصوف کے مختلف حصے-

۱۳۲- نفس مصدر ج:۸، جزء:۱۳، ص:۳۱-۴۵

۱۳۳- دیکھیے: نفس مصدر، رسالۃ الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان، ج:۷، جزء:۱۱، ص:۷۵، ج:۶، جزء:۱۰، ص:۳۰۱، ۳۰۳،

۱۳۴- نفس مصدر، ج:۷، جزء:۱۱، کتاب التصوف ص:۲۹۴-۲۹۵،

۱۳۵- نفس مصدر، ص:۱۳۸،

۱۳۶- نفس مصدر ص:۱۴۱

۱۳۷- اس مقالے کے تیاری میں لائبریری دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی سے بھرپور استفادہ کیا گیا اور لائبریرین مولانا ارشاد عالم نعمانی نے بڑی کشادہ قلبی کا مظاہرہ ہے کرتے ہوے اپنا بھرپور تعاون پیش کیا ہم اس کے لیے بڑے شکر گزار ہیں-

○○○

مولانا کوثر امام قادری

چند مسائل تصوف-احادیث کی روشنی میں

تصوف کے جملہ مسائل کتاب وسنت اور اجتہاد سے ماخوذ ہیں، اس لیے ان پر حرف گیری غیر پسندیدہ عمل ہے-بعض مسائل ایسے ہیں جن کے ماخذ تک پہنچنا تھوڑا مشکل امر ہے، اس لیے غیر صحت مند فکر رکھنے والے اشخاص کھلے لفظوں میں تردید کر ڈالتے ہیں، حالاں کہ فن تصوف کی کتابوں میں ان کی واضح اور صحیح تشریح مل جاتی ہے، جو شک وارتیاب کے الزام کو دور کرنے کے لیے کافی ہے، انہیں میں سے چند مسائل کو ہم احادیث کریمہ کی روشنی میں مطالعہ کرنا چاہیں گے-

علم باطن

صوفیہ کرام علم باطن کے مدعی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں-علم ظاہر اور علم باطن، جب کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علم باطن کوئی چیز نہیں، بلکہ یہ صوفیہ کی اپنی اختراع وایجاد ہے جو کتاب وسنت سے میل نہیں کھاتی-

حالاں کہ منکرین کے یہاں انکار پر کوئی دلیل نہیں اور صوفیہ کا یہ مسئلہ احادیث کریمہ سے ثابت ہے- **عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انزل القرآن علی سبعۃ احرف لکل آیۃ منہا ظہر و بطن(۱)**

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم سات طریقوں پر نازل ہوا، ہر آیت کا ایک معنی ظاہر اور دوسرا باطن و پوشیدہ-

عن الحسن البصری رضی اللہ عنہ مرسلاً قال :قال رسول اللہ ﷺ لکل آیۃ ظہر وبطن ولکل حرف حدہ ولکل حدمطلع-(۲)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آیت کا ایک ظاہر اور دوسرا باطن ہے اور ہر حرف کے لیے ایک نہایت ہے اور ہر نہایت کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے-

عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ قال حفظت عن رسول اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ و اما الاخر فلو فبثثتہ قطع ھذا البلعوم (۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو طرح کے علم سیکھے، ایک تو وہ جس کو میں نے پھیلا دیا اور دوسرے کو اگر میں عام طور پر شائع کردوں تو میرا یہ حلق کاٹ دیا جائے گا-

معلوم ہوا کہ قرآن مقدس میں علم ظاہر کی دولت کے ساتھ علم باطن کا خزانہ بھی موجود ہے- لیکن یہاں پہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ ظاہر و باطن سے کیا مراد ہے اور علم باطن کا حصول کیوں کر ہوتا ہے؟

پروفیسر غلام احمد حریری اس کی وضاحت میں رقم طراز ہیں:

علمائے کرام نے اس ضمن میں اختلاف کیا ہے کہ ظاہر و باطن سے کیا مراد ہے- اس سلسلے میں علما کے اقوال حسب ذیل ہیں:

(۱) ظاہر سے لفظی معنی مراد ہیں اور باطن سے تاویلی مفہوم (۲) ابوعبیدہ کہتے ہیں قرآن کریم میں امم سابقہ اور ان کی ہلاکت کے جو واقعات بیان کیے گیے ہیں ان کا ظاہری مفہوم ان کی تباہی و بربادی کی خبر دیتا ہے اور باطنی معنی دوسروں کو انہیں حرکات سے باز رکھتا ہے، تا کہ ان کا انجام بھی ویسا نہ ہو-

(۳) ابن نقیب کا قول ہے کہ قرآن کا ظاہری معنی وہ ہیں جو عام طور سے اہل علم کو معلوم ہیں- قرآن کے باطنی مفہوم سے وہ اسرار مراد ہیں جو صرف اہل حقائق ہی کو معلوم ہوتے ہیں (۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

صوفی ریاضت کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر عبادت کے پردہ میں کچھ اشارات قدسیہ منکشف ہونے لگتے ہیں اور اسی طرح آیات میں جو معارف و حقائق ہوتے ہیں وہ ابر غیب سے اس پر برس پڑتے ہیں (۵)

صوفیہ کرام اپنی کتابوں میں آیات قرآنیہ کی تفسیر اور احادیث نبویہ کی تشریح و توضیح میں ایسی باتیں بیان کر جاتے ہیں جو غیر صوفی کے لیے حیرانی کا سبب بن جاتی ہیں اور ظاہر بین شخص کلام صوفیہ کی تردید کر بیٹھتا ہے اور انہیں ظواہر نصوص کو تبدیل کرنے والا تصور کرتا ہے-

علامہ ابن عطاء اللہ سکندری نے اپنی کتاب لطائف المنن میں اس مسئلہ پر اچھی گفتگو کی ہے- امام سیوطی ان سے ناقل ہیں-

''صوفیہ کے گروہ نے قرآن و حدیث کے جو عجیب و غریب معانی بیان کئے ہیں اس کے یہ

معنی نہیں کہ انہوں نے ظواہر نصوص کو تبدیل کر دیا ہے- دراصل بات یہ ہے کہ ظاہری معانی تو لغت کی مدد سے سہولت کے ساتھ سمجھ میں آسکتے ہیں البتہ آیات و احادیث کے کچھ باطنی معانی بھی ہوتے ہیں اور وہ اس شخص پر منکشف ہوتے ہیں جسے شرح صدر عطا کیا گیا ہو-''

''وہ (صوفیہ) ظاہری معانی کو قائم رکھتے ہوئے القاء ربانی سے باطنی معنی و مفہوم کو سمجھتے ہیں'' (۶)

ہاں! اس چیز کی وضاحت ضروری ہے کہ صوفیہ اگر قرآن و حدیث کا کوئی ایسا معنی بیان کریں جو عجیب و غریب معلوم ہو تو اسے جھٹ سے رد کرنے کے بجائے غور کیا جائے اور علمائے اسلام نے اس سلسلے میں جو اصول وضع کیے ہیں اس کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جائے اگر وہ اصول کے موافق ہے تو ٹھیک ہے ورنہ قابل رد کیوں کہ بہت سارے جاہلان بےخرد نے علم باطن کے نام پر ڈھیر ساری واہی تباہی خرافات اور روح اسلام کے منافی باتیں یا تو اپنی کتابوں میں لکھی ہیں یا اکابر صوفیہ مثلاً شیخ ابن عربی کی تصنیفات میں الحاق کردی ہیں-

باطنی مفہوم کی صحت کے لیے دو بنیادی شرطیں ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ باطنی معنی عربی زبان کے اصول و قواعد سے متصادم نہ ہو-

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ کوئی نص ایسی موجود ہو جس سے باطنی معنی کی تائید ہوتی ہو اور اس کا کوئی معارض نہ ہو- (۷)

مختصر یہ کہ علم باطن کا وجود مسلم ہے اور صوفیہ کرام کو رب تبارک و تعالیٰ کی جانب سے اس کا القاء و الہام ہوتا ہے-

چلہ کشی

صوفیہ کرام کے یہاں چلہ کشی کی بڑی اہمیت ہے اور جن حدیثوں سے صوفیہ نے چلہ کشی کے جواز و استحباب پر استدلال کیا ہے غیر مقلدین انہیں موضوع و باطل کہتے ہیں اس لیے یہاں اس کی تفصیل حوالہ قلم ہے:

عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ ﷺ من اخلص للہ اربعین یوماً ظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ (۸)

محدث ابن جوزی نے اس حدیث کو اپنی موضوعات میں درج کر کے سندوں پر بحث کی ہے اور موضوع کہا ہے لہٰذا غیر مقلدین آنکھیں بند کر کے موضوع کہنے لگے اور یہ نہیں دیکھا کہ بعد کے محدثین نے ابن جوزی کی تردید کر کے حدیث کا غیر موضوع ہونا ثابت کر دیا ہے-

بہر حال حدیث مذکور کی بعض حذف و اضافہ کے ساتھ حسب ذیل محدثین نے اپنی اپنی تصنیفات میں تخریج کی ہے: امام ابونعیم (۹)، امام ابن عدی (۱۰)، امام محمد بن سلامۃ

القضاعی،(۱۱)،امام ابن ابی شیبہ(۱۲)،امام دیلمی،(۱۳)،امام عراقی،(۱۴)

محدث ابن جوزی نے اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے متعدد راویوں پر تنقید کی ہے،بعض کو مجہول کسی کو مجروع،کسی کو کثیر الخطا لکھا لیکن امام سیوطی نے ایک جملہ میں سب کا جواب دے دیا فرماتے ہیں:

مافیهم متهم بکذب(۱۵)

اس میں کوئی راوی متہم بکذب تو نہیں

یعنی یہ حدیث باعتبار سند موضوع نہیں-علاوہ ازیں اس حدیث کے لیے متعدد شواہد ہیں جن سے یہ حدیث درجہ حسن کو پہنچتی ہے-

امام سیوطی نے اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے حسب ذیل حدیثوں کو پیش کیا ہے:

عن ابی معاویة عن حجاج عن مکحول قال :قال رسول الله ﷺ مامن عبد یخلص العبادة لله اربعین یوماً الاظهرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه-(۱۶)

حدثنا ابو خالد الاحمر عن حجاج عن مکحول قال بلغنی ان رسول الله ﷺ قال ما اخلص عبد اربعین صباحا الاظهر ت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه-(۱۷)

عن صفوان بن سلیم رضی اللّٰه عنه مرسلا من زهد فی الدنیا ادخل الله الحکمة فی قلبه(۱۸)

عن سعید بن المسیب رضی الله عنه عن ابی ذر رضی الله عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ مازهد عبد فی الدنیا الا أثبت الله الحکمة فی قلبه وانطق بها لسانه.(۱۹)

حاصل کلام یہ کہ بعض حدیث مرسل ہیں،بعض کی سند میں ضعف ہے لیکن زیر بحث حدیث اپنے شواہد کے سبب حسن لغیرہ ہوگی ان شاء اللّٰه-

لباس صوف

پیر کامل مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پشم اور اون وصوف کا مخصوص وضع قطع کا لباس جسے گدڑی کہتے ہیں صوفیۂ کرام کا شعار ہے اور یہ لباس سنت کے موافق ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

علیکم بلبس الصوف تجدون حلاوة الایمان فی قلوبکم(۲۰)

پشمینی لباس اختیار کرو کیوں کہ اس سے اپنے دلوں میں ایمان کی شیرینی پاؤ گے-

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت بارگاہ رب قدیر میں شرف ہم کلامی سے مشرف ہوئے اس وقت اسی صوفیانہ لباس میں ملبوس تھے-

عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال کان علی موسیٰ یوم کلمه ربه کساء صوف وجبة صوف وکمة صوف وسراویل صوف وکانت نعلاه من جلد حمار میت(۲۱)

اس حدیث کی تخریج کے بعد امام ترمذی نے فرمایا:**هذاحدیث غریب لانعرفه الامن حدیث حمید الاعرج وحمید هوا بن علی ا لاعرج منکر الحدیث(۲۲)**

امام ترمذی کی صراحت کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے لیکن ایک دوسری روایت جو حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،اس کے لیے شاہد ہے-

امام سیوطی فرماتے ہیں:**وله شاهد من حدیث أبی امامة(۲۳)**

حضرت امام حاکم نے بھی بطور شہادت ابوامامہ باہلی کی روایت پیش کی ہے جو یہ ہے:

عن ابی امامة الباهلی رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ علیکم بلباس الصوف تجدون حلاوة الایمان فی قلوبکم(۲۴)

معلوم ہوا کہ صوفیہ کا لباس حدیث رسول کے عین مطابق ہے-

خرقہ پوشی

صوفیہ کے یہاں خرقہ پوشی کا رواج صدیوں سے جاری ہے،شیخ ومرشد اپنے مرید وخلیفہ کو اپنے بدن سے لگا ہوا کپڑا یا اپنے مشائخ کا زیب تن کیا ہوا پوشاک عطا کرتا ہے،اس عطیہ سے جو شخص سرفراز ہوتا ہے وہ اسے باعث برکت تصور کرتا ہے اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا نورانی لباس صحابہ کو عطا کیا اور صحابہ نے اسے باعث برکات وحسنات سمجھا اس لیے ان کا یہ طریقہ عین اتباع رسول ہے-

ہاں اس سلسلے میں ایک روایت ہے جسے بعض محدثین نے موضوع وباطل کہا ہے جس کی تفصیل یہ ہے-امام سخاوی فرماتے ہیں:**حدیث لبس الخرقة الصوفیة وکون الحسن البصری لبسها من علی قال ابن دحیة وابن االصلاح باطل وکذاقال شیخنا-(۲۵)**

صوفیۂ کرام کی خرقہ پوشی کی حدیث اور یہ کہ حضرت حسن بصری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خرقہ پہنا-امام ابن دحیہ اور ابن صلاح نے کہا کہ یہ باطل ہے اور ایسا ہی ہمارے استاذ ابن حجر

نے فرمایا:

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری کو خرقہ نہیں پہنایا- جن روایتوں میں خرقہ پہنانے کی بات ہے وہ سب روایتیں باطل ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ اور بطلان روایت کی بنیاد کس چیز پر قائم ہے؟ تو حضرت امام سخاوی نقل کرتے ہیں:

ان ائمة الحديث لم يثبتوا للحسن من علی رضی الله عنه سماعا فضلاعن ان يلبسه الخرقة(۲۶)

ائمہ حدیث تو حضرت حسن کا مولیٰ علی سے حدیث سننا بھی ثابت نہیں کرتے - خرقہ پہننا تو بڑی بات ہے-

ظاہر ہے جن محدثین نے سماع کا انکار کیا وہ بھلا خرقہ پوشی کو کیسے تسلیم کرتے لیکن وہ لوگ جنہوں نے سماع کو مسلم مانا ہے، بہر حال ان کے نزدیک خرقہ پہننے کی روایت باطل نہیں ہوسکتی-

یہاں امام احمد رضا قادری محدث بریلوی کا انکشاف ملاحظہ کریں:

یہ انکار محدثین کا اپنے مبلغ علم پر ہے اور وہ اس میں معذور مگر حق اثبات سماع ہے- محدثین نے اسے بسند صحیح ثابت کیا- امام خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی نے خاص اس باب میں رسالہ **اتحاف الخرقه** تالیف فرمایا، اس میں فرماتے ہیں:

اثبته جماعة وهو الراجح عندی لوجوه وقد رجحه ايضا الحافظ ضياء الدين المقدسی فی المختارة وتبعه الحافظ ابن حجر فی اطراف المختارة(۲۷)

حضرت حسن بصری کا حضرت مولیٰ علی سے سماع ایک جماعت محدثین نے ثابت فرمایا اور یہی متعدد دلیلوں سے میرے نزدیک راجح ہے، اسی کو حافظ ضیاء الدین مقدسی نے ''صحیح مختارہ'' میں ترجیح دی ہے اور ابن حجر نے ''اطراف مختارہ'' میں ان کی پیروی کی ہے-

پھر دلائل ترجیح لکھ کر فرماتے ہیں:

امام ابن حجر نے فرمایا: مسند ابی یعلی میں ایک حدیث ہے کہ:

حدثنا جويرية بن اشرس قال اخبرنا عقبة بن ابی الصهبا الباهلی قال سمعت الحسن يقول سمعت ان عليا رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ مثل امتی مثل المطر-

جویریہ بن اشرس نے ہمیں حدیث بیان کی کہ عقبہ بن ابی صہبا باہلی نے ہمیں خبر دی کہ میں نے حسن بصری سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علی سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے-

شیخ المشائخ محمد بن حسن بن صیرفی نے فرمایا یہ حدیث نص صریح ہے کہ حسن کو مولیٰ علی سے سماع حاصل ہے اس کے رجال سب ثقات ہیں جویریہ کو ابن حبان اور عقبہ کو امام احمد و یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا-

اقول- یہ تو بطور محدثین ثبوت صریح و صحیح ہے اور حضرات صوفیہ کرام کی نقل متواتر تو موجب علم قطعی و یقینی ہے جس کے بعد حصول سماع و لبس خرقہ میں اصلاً محل سخن نہیں والله الحمد- (۲۸)

فرض کرلیں کہ یہ روایت باطل ہے جب بھی خرقہ پوشی کی ممانعت ثابت نہیں ہوسکتی چنانچہ علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری فرماتے ہیں:

ای حيث كان مخالفا لقواعد الشريعة واما لو كان داخلا فی اصل عام فلا مانع منه لالجعله حديثا بل لدخوله تحت الاصل العام-(۲۹)

یعنی جس فعل کے بارے میں حدیث وارد ہوا سے کرنا اس حالت میں ممنوع ہے کہ خود وہ فعل قواعد شرع کے مخالف ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ کسی اصل کلی کے تحت داخل ہے تو اگرچہ حدیث موضوع ہو فعل سے ممانعت نہیں ہوسکتی، نہ اس لیے کہ موضوع کو حدیث ٹھہرائیں بلکہ اس لیے کہ وہ قاعدہ کلیہ کے تحت داخل ہے-

یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے روایت خرقۂ حسن بصری کو موضوع و باطل کہا وہ خود بھی بصراحت امام سخاوی خرقہ پوشی کا رسم ادا کرنے والے تھے مثلا امام دمیاطی، حافظ ذہبی، ابوحبان، علائی، مغلطائی، عراقی ابن ملق وغیرہ سارے بزرگوں کا تذکرہ کرنے کے بعد امام سخاوی خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

هذا مع الباسی ايا ها لجماعة من اعيان المتصوفة امتثالاً لالزامهم لی بذالک حتی تجاه الكعبة المشرفة تبركا بذكر الصالحين واقتفاء لمن اثبته من الحفاظ المعتمدين-(۳۰)

باآنکہ میں نے خود ایک جماعت عمدہ متصوفین کو خرقہ پہنایا کہ مشائخ کرام نے مجھ پر لازم فرمایا تھا، یہاں تک کہ خاص کعبۂ معظمہ کے سامنے پہنایا، ذکر اولیاے کرام سے برکت لینے اور حفاظ معتمدین کی پیروی کو جو اسے ثابت کر گئے-

حوالہ جات

(۱) مسند امام احمد، جلد:۵، ص:۱۱۴- مجمع الزوائد، جلد:۷، ص:۱۵۰- صحیح ابن حبان، حدیث نمبر:۹۱۷۷، المعجم کبیر طبرانی، جلد:۳، ص:۱۷۵

(۲) کنز العمال، ص:۵۵۰، حدیث نمبر:۲۴۶۱

(۳) بخاری کتاب العلم، جلد اول، ص: ۲۳
(۴) تاریخ تفسیر ومفسرین، ص: ۵۳۶
(۵) تاریخ تفسیر ومفسرین، ص: ۵۳۴
(۶) الاتقان، جلد: ۲، ۱۸۵
(۷) الموافقات شاطبی، جلد: ۳، ص: ۳۹۴
(۸) الموضوعات، جلد: ۳، ص: ۱۴۴
(۹) حلیۃ الاولیا، جلد: ، ۵، ص: ۱۸۹
(۱۰) الکامل لابن عدی، جلد: ۵، ص: ۱۹۴۵
(۱۱) مسند الشھاب، جلد: اول، ص: ۲۸۵
(۱۲) مصنف ابن ابی شیبہ، جلد: ۷، ص: ۸۰
(۱۳) مسند الفردوس، جلد: ۴، ص: ۶۹
(۱۴) تخریج الاحیاء، جلد: ۴، ص: ۲۲۱
(۱۵) البدیعات، ص: ۱۸۵
(۱۶) حلیۃ الاولیاء جلد: ۱۰، ص: ۷۰
(۱۷) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۷، ص: ۸۰
(۱۸) اللال المصنوعۃ، جلد: ۲، ص: ۳۲۸
(۱۹) مسند الفردوس، جلد: ۴، ص: ۶۹
(۲۰) کشف المحجوب، اردو، ص: ۷۹
(۲۱) جامع ترمذی جلد: اول، ص: ۲۰۷
(۲۲) جامع ترمذی، جلد: اول، ص: ۲۰۷
(۲۳) البدیعات، ص: ۳۴
(۲۴) المستدرک حاکم جلد: اول، ص: ۲۸
(۲۵) مقاصد حسنہ، ص: ۳۳۱
(۲۶) مقاصد حسنہ، ص: ۳۳۱
(۲۷) مقاصد حسنہ، ص: ۳۳۱
(۲۸) فتاویٰ رضویہ جدید جلد: ۵، ص: ۵۶۳، ۵۶۴
(۲۹) طحطاوی علی در المختار، جلد: اول، ص: ۷۵
(۳۰) مقاصد حسنہ، ص: ۳۳۱

○○○

پروفیسر عقیل ھاشمی

اہل تصوف اور انسانیت

انسان کے مذہبی افکار کی تشکیل اس کی بود و باش کے بعد سے جاری ہے، ان مذہبی عقائد یا نظریات میں مسلسل ارتقاء اور اصلاح ہوتی رہی کسی زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ انسانی معاشرہ پر علمی ترقیوں یا سیاسی رجحانات پر مذہبی افکار و اقدار کا اثر نہ پڑا ہو یا پھر قوموں کے میل جول، تہذیبوں کے اختلاط سے ایک عقیدہ یا مذہب نے دوسرے مذہب کے اثرات قبول نہ کئے ہوں، دراصل مذہب انسانی زندگی کا اثاثہ، اس کا کل ہے نہ کہ وہ زندگی کا محض ایک شعبہ، چنانچہ ساری کائنات انسانی معاشرتی طور پر ایک وحدت ہے۔قرآن مجید میں ارشاد حق تعالیٰ ہے **وما كان الناس الاامة واحدة فاختلفوا** (سورہ یونس) بنی نوع انساں اولاً ایک ہی قوم ایک ہی جماعت تھے جو بعد میں تقسیم ہو گئے۔اس کو الگ الگ خانوں میں تقسیم تو کیا جاسکتا ہے لیکن یہ تقسیم قطعی اور آخری نہیں ہوسکتی بلکہ ہر شعبۂ حیات کا ایک دوسرے سے گہرا ربط و تعلق ہوگا اس طرح سیاست معہ معاشرت، فلسفہ اور مذہب سبھی ایک دوسرے سے علحدہ ہو کر بھی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اور ان تمام میں سب سے زیادہ موثر اور قوی حقیقت کا وہ نظریہ ہے جو فطرت کے مقابل انسان کو لا کھڑا کر دے جبکہ مختلف نظریات کے درمیان مذہب وہ قوت ہے جو ایک مکمل عبادت یا بندگی کا تصور پیش کرتا ہے اس لیے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ انسانی زندگی کو مذہب سے جدا کر کے دیکھا جاسکے یوں انسانی زندگی میں مذہب کسی فرق و اختلاف جزئیات و تفاصیل سے اصولی طور پر جڑا ہوگا اور اس کے مسائل (طریق عبادات) ایک محور ایک مرکز اور ایک نقطہ پر یکجا ہو جاتے ہیں، انسانی فکر و عمل کی اس ڈگر پر مختلف مذاہب اپنے اپنے اصولوں اور عقائد کے لحاظ سے انسان کی بھلائی اس کی فلاح وصلاح نیز احترام آدمیت کا سبق دیتے رہے ہیں، ان میں زمانے کے سرد و گرم، نشیب و فراز، افراط و تفریط، علمیت و جہالت کے ناطے حقیقت اور فسانے کی سی کیفیت پیدا ہوئی، حق و باطل کے معرکے ہوئے، عروج و زوال کی داستانیں بنتی اور بگڑتی رہیں

قدیم مذاہب میں ہندومت، بدھمت، ایرانی نظریات، مذہب میں زرتشت، مجوسی عقیدہ، یہودیت، عسائیت کے بعد اسلام کا اظہار انسان کے مذہبی ارتقاء کا ایک عظیم سلسلہ ہے، شاید تہذیب انسانی میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو عروج واوج کی فیصلہ کن منزل کہلائے- قدرت نے بھی ان **الدین عنداللّٰہ الاسلام** کے اعلان سے اس کی توثیق کرتی ہے یوں اسلام انسانی کائنات کا سب سے ترقی یافتہ، صداقت وحقانیت سے بھرپور مذہب ہے ارشاد حق تعالیٰ ہے **ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ، علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون** (سورہ الصّف) وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہو-

اسلام کا ظہور انسانیت کی فلاح وصلاح کا ضامن ثابت ہوا اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام نے دنیا کے روبرو جو نظام حیات پیش کیا وہ نہ صرف عقلی فطری تھا بلکہ یونانی فلسفہ وفکر کے علاوہ دیگر ادیان عالم کے توہماتی اثرات کے مقابل تھا اسلام نے اولاً توحید باری تعالیٰ کا وہ قرآنی تصور بتلایا جو میدان عمل میں وحدت انسانی کی صورت میں جلوہ گر ہوا، روحانی اقدار کے ہمراہ مادی وسائل، اصول حق شناسی، اخلاقی مراعات، معاشرہ کی بہبود، جبر وقوت کے خلاف انسانیت نوازی مقدم ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت میں **یزکیھم ویعلیھم الکتاب والحکمۃ** کی اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں اب یہ بحث بہت قدیم ہوگئی کہ صوفی یا اسلامی تصوف کی شروعات کب کیسے اور کیوں ہوئی- قطع نظر مختلف توجیہات کے نفس موضوع کے بارے میں عرض کروں کہ داعی اسلام حضور ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خصوصی توجہ دعوت وتبلیغ سے صحابہ کرام کی ایک ایسی جماعت تیار فرمائی جو شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے کمالات پر فائز المرام تھی جس نے سارے معاشرۂ انسانی کو بدل کر رکھ دیا، اس پوری کوشش کا دوسرا نام اخوت سازی، حسن سلوک رواداری ہے، اسلام کے اس اعلان اخوت، مساوات اور رواداری نے دنیا بھر کے نظام ہائے فکر وفلسفہ کو ایک بھونچال ایک تلاطم سے دوچار کردیا- سیاسی، سماجی، معاشرتی ومعاشی نیز لسانی نظریات نے حیرت واستعجاب سے دیکھا اسے سمجھنے اور رد کرنے کی کوشش سر ابھارنے لگی مگر دیکھتے ہی دیکھتے محض تیئس ۲۳ برسوں میں یہ نظریہ اسلامی جزیرۂ عرب کے جغرافیائی حدود سے نکل کر عالمی نقشہ پر پھیل گیا اور اسی جذبۂ دینی نے دنیا کے سارے ادیان کی نسلی عصبیت، رسم ورواج، فرق وتفادت، اونچ نیچ کے تمام پہلوؤں کو تہس نہس کردیا، اسلام نے دراصل انسانیت کا ایک لائحہ عمل مرتب کیا جو انس ومحبت، خلوص وبھائی چارہ، انسانی زندگی میں توحید پرستی کا شعار، رسالت کی اتباع، عقیدہ اور اعمال کا ایک حسین امتزاج

ثابت ہوا، قرآن مجید کی متعدد آیات اس جانب واضح اشارہ کرتی ہیں چنانچہ رسول مقبول کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ اسی نورانی ہدایت سے مزین ہے- صحابہ کرام آپ کے تربیت یافتہ وہ نفوس قدسیہ تھے جنہوں نے دین صحیح کے اسرار ورموز اس کے برکات سے خود شنید ہوئے، اوروں کو واقف کروایا، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہا کہ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللّٰہ لمع المحسنین** (سورہ العنکبوت) اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں مجاہدے اور کوششیں کیں ہم ان کو ضرور بالضرور اپنے صحیح راستوں پر لگادیں گے بیشک اللہ تعالیٰ ہمت وصداقت کے ساتھ کام کرنے والوں کے ساتھ ہے، اولیا اللہ صوفیہ کرام انہی حضرات قدس کے جانشین ہوئے، تصوف کی ذیل میں یہ بات صاف طور پر کہی جاسکتی ہے کہ صوفی کا مسلک اس کا منشا اولین خدا کی وحدانیت کا ادراک اور اس کے ساتھ ہی اس کے مخلوق کی خدمت خصوصیت سے خالق ومخلوق کے درمیان رشتۂ محبت ومروّت کے استوار کرنے کے لئے صبر وتوکل، وقناعت و مسکینی، سنجیدگی وخاموشی، ذکر وفکر، نیکی واخلاق، عبادت وریاضیت، فکر وانہاک کی جانب توجہ دے اور اس کے ذریعے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے جو خدمت خلق پر کاربند رہے جسے نفرت، عداوت، بغض، کینہ، حسد، تملق، ظاہرداری، عجب، ظلم وزیادتی اور ایسی ہی دوسری وقابل مذمت باتوں سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو اور ہر وقت یاد حق، نفس وقلب کا نگراں بنا رہے- اہل تصوف یا صوفی کی حقیقت کے متعلق مجموعی حیثیت سے جو بات کہی جاتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ صوفی رضائے الٰہی کا آرزومند معاشرہ میں تہذیب نفس وآفاق کا خواہش مند اور اس کا رسیا ہوگا، یہ خلوص دیانت داری، انسانی مساوات و ہمدردی، رواداری وخوف خدا، عزم واستقلال، ایمان وایقان سے عبارت ہے یہی وہ اساسی نقطہ ہے جس کے تحت اولیاء اللہ صوفیہ کرام ہر دور، ہر زمانے میں عام انسانوں کی اصلاح وتربیت کے خواہاں ہوئے تاکہ انسانیت کا بول بالا ہو، حیوانیت وبہیمیت کا خاتمہ ہو- دنیا میں امن وچین کا دور دورہ ہو- انسانیت کا استحکام نیز روحانیت کے ذریعے حق تعالیٰ کی بندگی پرستش، عبادت کا حق ادا ہو، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اسی طرح کی تاکید آئی ہے ایک مقام پر ارشاد حق ہوتا ہے **قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون** (سورہ الزمر) رسول اللہ سے خطاب ہے، آپ کہہ دیجیے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں، اور کہا گیا **اتا مرون الناس بالبر وتنسون انفسکم و انتم تتلون الکتب افلاتعقلون** (سورہ البقرہ) کیا (غضب ہے کہ) تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنی خبر بھی نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو (جس کا تقاضا یہ تھا کہ تم علم پر عمل کرتے) تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے-

اہل تصوف کا اختصاص یہ ہے کہ یہ حضرات شریعت کی پابندی کو اخلاص نیت، یقین ولائق عمل صالح، رضائے الٰہی، احتساب نفس، صبر وتوکل، زہد واستغنا، ایثار وسخاوت، ادب وحیا، انات وتضرع خشوع وخضوع، صدق مقال، حسن اخلاق شوق لقا، بے غرضی، راست بازی، نیک نفسی، آسائش سے اجتناب عزم واستقامت، روحانی فیوض وبرکات مجاہدات روحانی کمالات قدوسی کی تکمیل کے لئے ہمہ تن مشغول ومصروف رہتے جس کا راست تعلق اسوہ رسول اکرم سے ہوتا ان تمام باتوں کا مقصد یا نصب العین قرب ومعرفت حق کے سوا کچھ اور نہیں۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نمونۂ حیات پیش فرمایا وہ تا قیام قیامت لایق اتباع وتقلید ہے صوفیہ کرام یقیناً اس حدیث احسان کے مکلّف، اس کی پہچان تھے، ان کا یہ شرف اعزاز وافتخار پر ہر لحاظ سے رفعت وشان، جذب وتاثر، کشف وکرامات کا اعلان تھا، ہے اور رہے گا گویا صوفیہ کرام نے عام انسانوں کو علم صحیح وعمل صالح کے ساتھ حق وباطل کی تمیز دلائی، خدمت خلق سے آگاہ وباخبر کیا اس طرح اہل تصوف کی تاریخ اسلامی تعلیمات کی بھی تاریخ ہے ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو بلحاظ اعمال تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے، اصحاب مشئمہ، اصحاب میمنہ اور مقربین اور ان کی خصوصیات بھی بتلا دیں، مزید اولیائے کبار نے عبد یعنی بندہ کے چار اعتبارات بھی مقرر کئے ہیں، فقر، امانت، خلافت اور ولایت - یہاں ان چاروں اعتبارات کی تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ صوفی انہی تعلیمات کا خوگر ہوتا ہے اور اپنے وابستگان کو اس کا درس دیتا ہے اور یہی روح تصوف ہے، تزکیہ نفس صفائے باطن، عبادات ظاہری اور باطنی کے ذریعے مغفرت حق کا حصول، اتباع رسول ومحبت رسول کا عادی بناتا ہے تا آنکہ بندہ مستجاب الدعوات ہوجائے، واضح رہے کہ اسلام نے دنیاوی لحاظ سے مادیات سے انکار نہیں کیا، اس کے نزدیک روحانی زندگی، مادی زندگی کی ایک بہتر اور زیادہ ترقی یافتہ صورت ہے جس معاشرہ میں انسانی تعلقات، آسودگی، امن وسکون، قوت، باہمی رواداری، احترام آدمیت نہ ہو وہ کس طرح مذہبی امور کی پاسبانی کرے گا یہی جذبۂ انسانی معاشرہ میں روحانیت کو فروغ دینے کا موجب بنے گا، اہل تصوف افراد اور معاشرہ کو اسلامی اقدار اور اصولوں کے مطابق تربیت دے کر خلیفہ اللہ فی الارض، قرب الٰہی کے قابل بناتے ہیں وہ خدا کی عطا کردہ اس زندگی کو تکلیف دہ، آزار یا لعنت نہیں بلکہ خیر کثیر نعمت عظمیٰ قرار دیتے ہیں اس کی زیب وزینت کے اہتمام سے بھی نہیں روکتے، ارشاد خداوندی ہے: **قل من حرم زینة اللّٰه التی اُخرج لعبادہ من الطیبٰت** (سورہ اعراف) کہہ دو کہ کس نے اللہ کی پیدا کی ہوئی زینتوں کو حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے عمدہ چیزوں سے نکالی ہیں، چنانچہ خانقاہی نظام یا اہل تصوف نے اسلامی تعلیمات کے

تحت انسانی سعادت مندی کا راز آشکارا کیا، اسلام کے نزدیک انسان کا جوہر اصلی اخلاق کی پابندی، اس کا حسن استعمال ہے کیوں کہ اس کے بغیر انسان معاشرت اور تمدن کے مشاغل وامور پورا نہیں کرسکتا اور یہی صورت انسانیت کے لئے سودمند قابل قدر کہلائے گی - رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف واضح انداز میں فرمایا **انما بعثت لاتم مکارم الاخلاق** مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے معبوث کیا گیا ہے، اس طرح **لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوة حسنة**، کی روشنی میں اسلام نے انسانی حیات وکائنات کو ایک اعلیٰ تابناک منشور دیا، اس آئین کی رو سے عبادات ذاتی کے بعد معاملات باہمی میں انسان بلاتخصیص رنگ ونسل، اونچ نیچ، امیر وغریب یکساں اعمال ہی میں نیکی اور بھلائی پوشیدہ ہے - بالفاظ دیگر انسان دوستی یا انسانیت، اسلام کی بنیادی تعلیم ہے، اسلام نے نور وظلمت، نیکی وبدی، حق وباطل کے فرق وامتیاز کو بتلایا، انسان کو اختیار تمیزی سے بہرہ ور کیا کہ وہ جس راستے کو چاہے اختیار کرے، دین میں کوئی زبردستی نہیں - **لا اکراہ فی الدین** شاید اسی لئے تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ قدیم زمانے میں دو طرح کے طریق یا نظام حیات کارگر تھے ایک دنیاوی مال ودولت، حب جاہ واقتدار اور دوسرے دنیا سے دوری، کنارہ کشی علائق سے اجتناب - اسے آپ حکمرانی یا فقیری بھی کہہ سکتے ہیں - غور کریں تو معلوم ہوگا کہ پچھلے زمانوں میں دو (۲) بادشاہتیں ہوتی تھیں جیسے یہ کائنات کہ جس میں مادہ بھی ہے اور روح بھی اور پھر انسانی وجود بھی انہی دو (۳) سے مرکب ہے ہیں، ایک جسم دوسرے روح، یوں اگر کوئی بادشاہ حکومت وامارت اقتدار کا حامل ہے تو صوفیہ کرام روحانی دبدبہ اور عظمت کے مالک، اس کے نمائندہ، تب تو اہل تصوف کو دنیاوی معاملت سے زیادہ دلچسپی نہ تھی ان کے روحانی مراتب کا ہر دور میں بول بالا رہا -

عصر حاضر میں انسانی زندگی کے تقاضے مادیت سے اس قدر قریب ہوگئے ہیں کہ ان میں روحانیت کا داخلہ پسند خاطر تو دور کی بات ہے اعراض وتکفیر کا انداز غالب ہوچکا ہے، مادیت یا مذہب بیزاری کے اس ماحول میں آج کا انسان ہر زاویہ فکر سے انسانیت کا متلاشی ہے، امن وسلامتی کا خواہاں ہے، دنیا بھر میں دہشت وبربریت، خونریزی وہلاکت کے واقعات اس کا منہ بولتا ثبوت ہے ہر شخص چاہتا ہے کہ سکون وچین کی زندگی میسر آئے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ نفس انسانی میں خوئے انسانیت بیدار نہ ہوجائے، اس کے لیے انسان پر لازم ہے کہ ایمان وایقان کے ساتھ اسلام کی پیروی، اتباع رسول انام کو اختیار کیا جائے - اہل اللہ یا اہل تصوف سے ربط وتعلق انسان کو نفس پرستی کی بجائے خدا پرستی کا شعار سکھلائے گا قرآن مجید کا اعلان ہے **ادخلوا فی السلم کافة** کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ مذہب ہے -

عبارت مختصر! اہل تصوف اور انسانیت کے باہمی ربط وضبط کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ کُل کائنات یا انسانیت ''الخلق عیال اللہ'' سے جدا نہیں بقول کسے ''بنی آدم اعضائے یک دیگر اند- کہ در آفرینش زیک گوہر اند'' اور ان تمام افراد، اقوام میں جذبۂ اخوت و بھائی چارہ پیدا کرنا لازمی ہے نیکی، اچھائی، خدمت خلق کے لئے مذہب و دین کی کوئی تخصیص نہیں ارشاد حق تعالیٰ ہے **ولا یجر منکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا، اعدلوا ھو اقرب للتقوی** (سورہ مائدہ) اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل وانصاف نہ کرو، عدل وانصاف ہر حال میں کرو، کہ یہ بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور یہ عظیم کام اہل تصوف انجام دیتے ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ صوفیہ کرام نے ہمیشہ جبر وتشدد، حکومت وامارت کو چیلنج کیا- قدر انسانیت وحریت کو استحکام بخشا، احترام آدمیت کو فروغ دیا، دنیا میں فتنہ وفساد ظلم وزیادتی اور آج کی اصطلاح میں دہشت گردی، ہلاکت خونریزی انسانیت سوز بربادی کی مرتکب وہی جماعتیں، قومیں ہوتی ہیں جن کے نفس اور قلب میں کینہ، کدورت، بغض وعناد ہوتا ہے اس کے برعکس پاکیزہ وطاہر نفوس، امن وامان کے ضامن اس کے دلدادہ رہے ہیں وہ خدمت خلق کو عبادات الٰہیہ کے ساتھ جوڑتے ہیں انسان کو خدا کی نافرمانی سرکشی سے باز رہنے کی ہدایت دیتے ہیں وہ ہمیشہ انسانی رواداری کے جذبات پیدا کرتے ہیں، مادیت ومفادات سے گریز للّٰہیت اور آخرت کی زندگی کو ترجیح دینے کا درس دیتے ہیں، قرآنی تعلیمات کو زندگی کے برعکس حیوانی لذائذ سے مربوط یا اسی میں الجھے رہنے کی مذموم کوشش کو برا جانتے ہیں، یہی تصوف کی اساسی گفتگو ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ مژدۂ جانفزا سناتا ہے **لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین**، خوف نہ کھاؤ غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو-

الحاصل: تصوف جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ ہے، عملی درس کا خزینہ ہے، نور علی نور کی کیفیات سے مملو علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین کی دولت عظمیٰ ہے اس کی وابستگی سے پہلے فرد پھر جماعت نیز خاندان وقبیلہ اور پھر قوم میں صالحیت کا پیدا کرنا آسان ہے جس سے ہمارا معاشرہ، احسن اقدار، سچے رسوم وطریق کا خوگر ہوگا اور یقیناً انسانیت کا موجب بنے گا، آج اقطاع عالم میں خواہشات نفسانی، انانیت، قوت وطاقت کی شیطانیت نے انسانیت کو ہراساں، پریشان کر دیا ہے، نسل انسانی امن وسکون روحانیت کی تلاش میں سرگرداں ہے اور یہ محض خدا اور اس کے رسول کے احکام سے روگردانی کا ثمرہ ہے، حقوق اللہ حقوق العباد سے یکسر دوری، صلہ رحمی سے نفرت، آرام وآسائش سے محبت کا نتیجہ ہے نیز اخلاص واخلاق، ادب واحترام، ایثار وقربانی سے بے بہرہ ہونے کا نتیجہ ہے اگر ایسے میں انسانیت کے فروغ، آدمیت کے احیاء، ایمان و

ایقان کی حیات کے لئے کوئی بے مثال، بے بدل، تیر بہدف نسخۂ کیمیا ہے تو وہ اسلامی تصوف کی تعلیمات اور اہل تصوف سے وابستگی ہے جس کی مومنانہ شان سے شیطان اور اس کی تمام ذریت کی کارستانیوں کا سد باب کیا جاسکتا ہے، صورت دیگر حرص وہوا، خودغرضی ونفس پرستی، قتل وغارت گری انسانیت کو تہس نہس کر دے گی اور کائنات انسانی میں انسانیت کا تصور صرف خواب وخیال ہو کر رہ جائے گا-

○○○

ڈاکٹر شہزاد انجم

شیخ علی ہجویری کی تصنیف 'کشف المحجوب'

ایک جائزہ

پیش نظر کتاب کشف المحجوب اردوایڈیشن کے مصنف پیر کامل مخدوم سید علی ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ ہیں جس کا ترجمہ الحاج مفتی غلام الدین نعیمی اشرفی نے کیا ہے جو ۲۵ر جون ۱۹۷۷ء میں ترجمہ مکمل ہونے کے بعد فرید بک ڈپو دہلی سے جنوری ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی- اس کتاب کے بیس سے زیادہ اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں مگر جب فارسی زبان کا عام عوام میں چلن کم ہو گیا اور اردو عوام کی زبان بن گئی تو اس وقیع اور اہم کتاب کے ترجمے کی اشد ضرورت محسوس ہوئی- یہ کتاب عام عوام تک پہنچے اور عوام وخواص اس سے مستفید ہوں، اس لیے اس کا ترجمہ سادہ، سلیس، دل نشیں اور رواں زبان میں کیا گیا-

میں اس مختصر تبصرے میں اس کتاب کے بنیادی نکتوں سے گفتگو کروں گا اور بہت سارے مسائل و معاملات خود حضرت شیخ علی ہجویری کے حوالے سے معلومات ذہن ودل میں موجود ہیں، طوالت کے خوف سے ان کا ذکر نہیں کروں گا- ہاں! البتہ چند باتیں سرسری طور پر کرنا ضرور چاہوں گا- اس کتاب کے متن کا مطالعہ جب میں نے کیا تو بہت سارے ایسے حقائق اور معاملات سے پردے اٹھے کہ میں خود اپنے آپ سے کئی سوالات کرنے لگا جس کے جواب اس کتاب میں موجود ہیں-

اسلامی تصوف کے ابتدائی دور میں جو کچھ بھی اس موضوع پر لکھا گیا وہ عربی زبان میں لکھا گیا- بعد میں جو فارسی داں حضرات عربی زبان سے واقف تھے انھوں نے عربی زبان کی تقدیس کا خیال رکھتے ہوئے عربی زبان کو ہی ہمیشہ اہمیت دی اور دوسری زبانوں میں لکھنا گوارہ نہیں کیا- حضرت داتا گنج بخش کی مادری زبان فارسی تھی اور انھوں نے اپنی اس کتاب کو فارسی زبان میں

تصنیف کی- اس کتاب کے حوالے سے کئی باتیں ابھی بھی تحقیق طلب ہیں- شیخ علی ہجویری متوفی ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۳ء نے یہ کتاب کب مکمل کی، اس کی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں چلتا البتہ یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ کتاب لاہور میں مکمل ہوئی- اس کے کئی حوالے مختلف کتابوں میں موجود ہیں اور جس نے بھی اس کتاب کا مطالعہ کیا اس نے اس کتاب کو شاہکار، بلند پایہ، گراں قدر قرار دیا، جس کے ذریعے برصغیر ہندو پاک میں اسلامی تصوف کو فروغ حاصل ہوا- اس کتاب کے حوالے سے متعدد اسلامی اسکالرز نے اپنی بیش قیمت رائیں دی ہیں اور اس کتاب کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ اس کتاب نے تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا اور تصوف کی ترقی کی راہیں کھول دیں- عظیم مستشرق پروفیسر نکلسن کا بڑا احسان ہے جن کی کوشش وکاوش سے شیخ علی ہجویری کی زندگی کے حالات اور مختلف گوشوں تک رسائی ہوئی- حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر پروفیسر نکلسن نے کافی تحقیق وجستجو کے بعد ایک سیر حاصل تبصرہ کر کے دنیائے ادب کو اس سے متعارف کرایا جس سے اردو کے مترجمین نے بھی اس عظیم مستشرق کی تحقیقات سے بھرپور فائدہ اٹھایا- اسی طرح پروفیس ژوکوفیسکی نے کشف المحجوب کے قدیم نسخے کی تصحیح کی ہے اور اسے روسی زبان میں اپنے طویل محققانہ مقدمے کے ساتھ لینن گراڈ سے شائع کیا جسے بعد میں ایرانی ادیب نے فارسی زبان میں منتقل کیا جس سے اردو کے مترجمین کو بڑا فائدہ ہوا-

تقریباً چھ سو صفحے پر مشتمل اس کتاب میں ابتدائی کے تحت شیخ علی ہجویری نے مختلف نکتوں پر گفتگو کی ہے جس کی تفصیل آگے کے سطور میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے- اس کے بعد کتاب کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے اور تصوف کی تعریف اور اس کی قسمیں، صوفیہ کرام کے اوصاف حمیدہ، تصوف کی بنیادی خصلتیں، صوفیہ کے معاملات، صوفیہ کے لباس یعنی گدڑی، گدڑی پہننے کے شرائط، صوفیہ کے لباس میں مسلک اعتدال، لباس میں رنگوں کی مصلحت، تربیت مرید کا طریقہ، فقر وصفوۃ میں مشائخ کا اختلاف وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے- ساتھ ہی ملامتی طبقہ اور ملامت کی قسموں پر بھی روشنی ڈالی- اس کے بعد صحابۂ کرام میں اہل طریقت اور خلفائے راشدین، اصحاب صفہ، طبقۂ تابعین کے ائمہ طریقت کے حوالے سے تفصیل سے باتیں کی ہیں اور ان کی زندگی کے مختلف اہم گوشوں اور اوصاف کا ذکر کیا ہے- حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے حضرت ابوسعید غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سوال کا اس قدر تفصیل سے تمام نکتوں کی وضاحت کرتے ہوئے تحقیقی اور حقائق وشواہد کی روشنی میں ایک مبسوط کتاب کی شکل میں جواب دیا ہے- حضرت ابوسعید نے ان سے یہ سوال کیا تھا-

''مجھے تحقیقی طور پر بیان فرمایئے کی طریقت وتصوف اور ان کے مقامات کی کیفیت اور ان

کے مذاہب واقوال اور رموز واشارات کیا کیا ہیں؟ اور یہ کہ اہل طریقت وتصوف، اللہ تعالیٰ سے کس طرح محبت کرتے ہیں اور ان کے دلوں پر تجلیات ربانی کے اظہار کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ اور یہ کہ اس کی ماہیت کی کنہ کے ادراک سے عقلیں حجاب میں کیوں ہیں اور نفوس انسانیہ اس کی حقیقت سے کیوں منفرد ہیں اور صوفیہ کرام کی ارواح کو اس کی معرفت سے کیسے راحت وآرام ملتا ہے؟ نیز اس ضمن میں جن باتوں کا جاننا ضروری ہے وہ بھی بیان فرمائیے۔''

بس یہی ایک نکتہ تھا جس کے حوالے سے یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے اور تمام حقائق، شواہد و براہین کی روشنی میں یہ کتاب تحریر کی گئی ہے اور چند دلچسپ باتیں بھی اس میں آ گئیں۔ ادب کے ایک ادنیٰ طالب کے حوالے سے میں یہ عرض ضرور کرنا چاہوں گا کہ ایک موضوع کو جس طرح سے سامنے رکھ کر تمام نکتوں کی وضاحت کرنے کے بعد اس کا نچوڑ پیش کیا جاتا ہے تاکہ تحقیق کا مکمل طور سے حق ادا ہو سکے وہ اس کتاب میں بدرجۂ اتم نہ صرف موجود ہے بلکہ حیرت میں ڈالنے کے لائق ہے کہ کسی ایک سوال یا ایک نکتے کو موضوع بنا کر اس طرح سے ابواب طے کیے گئے اور باتوں باتوں میں تمام نکتوں کو سمیٹ لیا گیا اور ان کے راز کو بھی افشا کیا گیا۔ تقریباً ایک ہزار برس کے پہلے کی تصنیف کی گئی کتاب میں ایک عجیب سا سائنسی انداز ہے جو حیران کن اور دل خوش کن ہے۔

اس کتاب میں مختلف شہروں میں مشائخ عظام اہل طریقت کے مختلف مذاہب، کشف حجاب بسلسلۂ معرفت الٰہی، بسلسلۂ توحید، بسلسلۂ ایمان، بسلسلۂ طہارت، بسلسلۂ نماز، بسلسلۂ زکوٰۃ، بسلسلۂ روزہ، بسلسلۂ حج، بسلسلۂ آداب صحبت، بسلسلۂ اصطلاحات مشائخ، بسلسلۂ سماع کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔

اس کتاب کی درخواست کے بعد استخارہ، دلی واردات، باطنی القا، اذن الٰہی کا حاصل ہو جانا اور پھر کتاب لکھنے کے عزم صمیم کا بھی ذکر شیخ علی ہجویری نے اپنے ابتدائیے میں کیا ہے۔ کتاب میں اپنا نام تحریر کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ کتاب میں اگر مصنف کا نام کسی جگہ نظر نہیں آتا ہے تو عام لوگ اس کتاب کو اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں اور مصنف کا مقصد ناکام ہو جاتا ہے۔ خود ہجویری کے اشعار کا دیوان ایک صاحب لے گئے تو واپس نہیں کیا، اس کا دوسرا نسخہ شیخ علی ہجویری کے پاس موجود نہیں تھا ان صاحب نے اس دیوان کو اپنے نام سے مشہور کر دیا۔ اسی طرح دوسری کتاب علم تصوف پر جب انھوں نے لکھی تو ایک شخص نے اس پر اپنا نام درج کر دیا۔ شیخ علی ہجویری نے کتاب کے نام کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ کتاب میں کس قسم کے مضامین ہیں۔ اور کشف حجاب کے بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ یہ کتاب راہ حق کے بیان، کلمات تحقیق کی شرح اور حجاب بشریت کے کشف میں ہے

لامحالہ اس کتاب کے لیے اس کے سوا کوئی اور نام موزوں اور صحیح ہو ہی نہیں سکتا۔ شیخ علی ہجویری نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''میں نے یہ کتاب ان لوگوں کی ذہنی کدورت دور کرنے کے لیے لکھی ہے جو حجاب غینی میں پردہ صفاتی میں گرفتار ہیں اور ان کے دلوں میں نور حق کا خزانہ موجود ہے تاکہ اس کتاب کے پڑھنے کی برکت سے وہ حجاب اٹھ جائے اور حقیقی معنی کی طرف انھیں راہ مل جائے۔ لیکن وہ لوگ جن کی سرشت وعادت ہی انکارِ حق ہو اور باطل پر قائم رہنا ہی جن کا شعار ہو، وہ مشاہدہ حق کی راہ سے ہمیشہ محروم رہیں گے ایسے لوگوں کے لیے یہ کتاب کچھ فائدہ مند نہیں ہوگی۔'' شیخ علی ہجویری نے حضرت ابوسعید غزنوی کو اشارہ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے ''اپنے سوال کا جواب علی وجہ الکمال پاؤ گے'' یعنی یہ کہ شیخ علی ہجویری نے کتاب میں تفصیل کے ساتھ طریقت کے حدود و اقسام بیان کیے ہیں جو ہر شخص کے لیے فائدہ مند ثابت ہوں خواہ وہ مبتدی ہو یا متوسط۔ اسی حوالے سے استعانت وتوفیق کی حقیقت سے بھی شیخ علی ہجویری نے پردہ اٹھایا ہے۔ شیخ علی ہجویری لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ سے استعانت کرتا ہوں اور اس سے توفیق واستدعا کرتا ہوں کہ وہ اس نوشتہ کو مکمل کرنے میں میری مدد فرمائے تو اس سے میری مراد یہ ہے کہ بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ناصر و مددگار نہیں۔ وہی ہر نیکی و بھلائی کا معین و مددگار ہے اور زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرماتا ہے.... توفیق اس قدرت کا نام ہے جو بوقت استعمال نیکیوں پر حاصل ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ ہر حال میں اسے نیکیوں کی بیشتر توفیق وقوت عنایت فرماتا ہے، جو اس سے قبل اسے حاصل نہ تھی۔''

شیخ علی ہجویری نے اپنی اس کتاب میں علمِ تصوف ومعرفت کے حوالے سے مختلف نکتوں کی وضاحت کی ہے۔ انھیں یہ شدید احساس ہے کہ لوگ علم طریقت سے دور ہو کر ہوا و ہوس میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ رضائے الٰہی سے کنارہ کش ہو کر علما حق کے طریقے سے بھٹک چکے ہیں۔ جو لوگ طریقت وتصوف کے مدعی نظر بھی آتے ہیں تو وہ درحقیقت اصل طریقت کے برخلاف عمل کرتے اور طریقت کو بدنام کرتے ہیں۔ اس لیے شیخ علی ہجویری ایسی استعداد وصلاحیت پیدا کرنے پر زور دیتے ہیں کہ اس مقام تک اہل زمانہ کی دسترس نہیں ہو۔ شیخ علی ہجویری نے اہل زمانہ کا ذکر نہایت دردمندی کے ساتھ کیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا ہے کہ لوگوں نے اپنی خواہشات کا نام شریعت، حب جاہ کا نام عزت، تکبر کا نام علم اور ریاکاری کا نام تقویٰ رکھ دیا ہے اور دل میں کینہ کو چھپانے کا نام حلم، مجادلہ کا نام مناظرہ، محاربہ و بیوقوفی کا نام عظمت، نفاق کا نام وفاق، آرزو وتمنا کا

نام زہد، ہذیانِ طبع کا نام معرفت، نفسانیت کا نام محبت، الحاد کا نام فقر، انکار وجود کا نام صفوۃ، بے دینی وزندقہ کا نام فنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو ترک کرنے کا نام طریقت رکھ دیا ہے اور اہل دنیا کی آفتوں کو معاملہ کہنے لگے ہیں۔‘‘

شیخ علی ہجویری نے دنیا کو مقام اسرار الٰہی کا محل اور کائنات عالم کو اس کا مقام بتایا ہے۔ وہ تحصیل علم کی فرضیت اور اس کی اہمیت پر بے حد زور دیتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ علم کی کوئی حد و غایت نہیں اور ہماری زندگی محدود ومختصر ہے بنا بریں ہر شخص پر تمام علوم کا حصول فرض قرار نہیں دیا گیا لیکن ان میں سے اس قدر سیکھنا جتنا شریعت سے متعلق ہے ضروری ہے۔ شیخ علی ہجویری صاف طور پر یہ لکھتے ہیں کہ عمل کے بغیر علم فائدہ نہیں پہنچاتا اسی طرح علم کے بغیر عمل سود مند نہیں۔ درحقیقت علم وعمل دونوں ہی لازم وملزوم ہیں۔ شیخ علی ہجویری نے ملحد اور بے دینوں کی مذمت کی ہے اور غافل علما کی سرزنش بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

’’غافل علما وہ ہیں جنھوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنا رکھا ہے اور شریعت میں آسانی کے متلاشی رہتے ہیں۔ بادشاہوں کی پرستش کرتے ہیں، ظالموں کا دامن پکڑتے ہیں، ان کے دروازوں کا طواف کرتے ہیں، خلق میں عزت وجاہ کو اپنی محراب گردانتے ہیں، اپنے غرور وتکبر اور خود پسندی پر فریفتہ ہوتے ہیں، دانستہ اپنی باتوں میں رقت وسوز پیدا کرتے ہیں، ائمہ وپیشواؤں کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہیں، بزرگان دین کی تحقیق کرتے ہیں اور ان پر زیادتی کرتے ہیں۔ اگر ان کے ترازو کے پلڑے میں دونوں جہان کی نعمتیں رکھ دو تب بھی وہ اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ آئیں گے۔ کینہ وحسد کو انھوں نے اپنا شعار مذہب قرار دے دیا ہے۔ بھلا ان باتوں کا علم سے کیا تعلق؟ علم تو ایسی صفت ہے جس سے جہل ونادانی کی باتیں ارباب علم کے دلوں سے فنا ہو جاتی ہیں۔‘‘

شیخ علی ہجویری علم حاصل کرنے اور اس پر کمال حاصل کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ بندہ کتنا ہی کامل علم حاصل کرلے علم الٰہی کے مقابلے میں وہ جاہل ہی ہے۔ شیخ علی ہجویری نے راہ حق میں درویشی کو عظیم مرتبہ قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ درویشوں کا بڑے خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ فقرا کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ بارگاہ احدیت میں فقرا کا بڑا مقام ودرجہ ہے۔ خدا نے ان کو خاص منزل ومرحمت سے نوازا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اسباب ظاہری وباطنی سے ترک تعلق کرکے مکمل طور پر مسبب الاسباب پر قناعت کرکے رہ گئے اور اپنے آپ کو خدا کی ملازمت اور اس کی بندگی کے لیے وقف کردیا۔ اس کتاب میں فقر وغنا کی افضلیت سے بھی بحث کی گئی ہے اور ان کے چند رموز وکنایات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ شیخ علی ہجویری نے فقر کو ابتلا کا

سمندر بتایا ہے اور اس کی تمام بلاؤں کو عزت قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ سب سے افضل مقام یہ ہے کہ فقر پر صبر کو مضبوطی سے تھاما جائے۔ فقر پر صبر واعتقاد رکھنا بندے کے مقامات میں سب سے افضل مقام ہے۔

’’کشف المحجوب‘‘ بلا شبہ علم تصوف ومعرفت پر لکھی گئی ایک لازوال کتاب ہے۔ تاریخ نویسی کے اعتبار سے اس کی ایک علاحدہ شناخت ہے۔ اس کتاب کی امتیازی شان یہ ہے کہ مصنف نے تاریخی تسلسل کے ساتھ جہاں خلفاے راشدین، ائمۂ طریقت، طبقۂ تابعین، تبع تابعین کا یکے بعد دیگرے تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس اعتبار سے یہ کتاب بے حد اہمیت اور معنویت کی حامل ہے۔ شخصیات کا خاکہ قلم بند کرنا ان کے بنیادی اوصاف اور واقعات کو اختصار و جامعیت سے بیان کرنا کوئی معمولی کام نہیں اور شیخ علی ہجویری نے تو اس کارنامے کو غیر معمولی طور پر انجام دیا ہے۔ تصوف کے طریقے کی تحقیق، اہل تصوف کے مقامات کی کیفیت، معاصر صوفیوں کے رموز واشارات وغیرہ سبھی نکتوں پر جس انداز سے شیخ علی ہجویری نے روشنی ڈالی ہے، وہ حد درجہ قابل ستائش ہے۔ گزشتہ تقریباً ساڑھے نو سو برسوں میں اس کتاب سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بھی لاکھوں میں رہی ہے۔ اہل طریقت کو یقیناً اس کتاب سے بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے ہوئے۔ اس کے بیسیوں اردو ترجمے بھی ہوئے ہیں جس سے سبھوں نے فیض اٹھایا۔ شیخ علی ہجویری کے علم کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا ہمارے سامنے اس کتاب کی شکل میں موجود ہے۔

○○○

حضرت مولانا عبدالقدیر حسرت صدیقی

کی علمی و روحانی خدمات

شہر حیدرآباد علمی، ادبی اور روحانی خدمات کی وجہ سے ہندوستان میں مشہور ومعروف ہے۔ سلاطین آصف جاہی نے اپنے دوسوسالہ عہد سلطنت میں حیدرآباد کو دارالخلافہ بنایا۔انہیں سلاطین نے حیدرآباد کو علمی، ثقافتی، اقتصادی اور روحانی ہر حیثیت سے آباد رکھا۔حیدرآباد صوفیہ کرام کا مسکن رہا، مشاہیر صوفیہ نے اپنی روحانی خدمات سے عوام وخواص کو اپنے فیوض وبرکات سے فیض یاب فرمایا۔

بیسویں صدی میں مشاہیر صوفیہ میں حضرت انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد، حضرت محدث دکن عبداللہ شاہ نقشبندی، حضرت سید عمر حسینی قادری، حضرت سید بادشاہ حسینی علیہم الرحمۃ والرضوان شامل ہیں۔ انہیں صوفیہ میں صوفی باصفا'' بحرالعلوم حضرت عبدالقدیر صدیقی حسرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام آتا ہے۔

حضرت عبدالقدیر صدیقی حسرت علیہ الرحمۃ کے آباواجداد نے احمد آباد گجرات سے دکن کی طرف کوچ کیا تھا۔ جد اعلیٰ حضرت شاہ عبدالغفور علیہ الرحمۃ ہیں اور والد گرامی کا نام حضرت عبدالقادر صدیقی علیہ الرحمۃ ہے۔

نزھۃ الخواطر میں مولانا عبدالحیؒ لکھنوی لکھتے ہیں:

الشیخ الفاضل عبدالقدیر بن عبدالقادر بن فضل اللہ البکری الحیدرآبادی أحدالعلماء المبرزین فی العلوم الأدبیة و الدینیه ولد بحیدر آباد سنة ثمان و ثمانین و مائتین و ألف ۱۲۸۸ الھجریة .(۱)

ولادت

حضرت شاہ عبدالقادر صدیقی کے فرزند اکبر سیدی وسندی بحرالعلوم حضرت مولانا الحاج محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت رحمۃ اللہ علیہ ہیں ۔حضرت کی ولادت باکرامت محلّہ قاضی پورہ شہر

حیدرآباد دکن میں ۲۷ رجب المرجب ۱۲۸۸ھ بروز جمعہ ہوئی،کنیت ابوالعباس ہے۔حضرت کا سلسلۂ پدری ۲۸ واسطوں سے حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اور مادری سلسلہ ۳۲ واسطوں سے حضور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔(۲)

تعلیم وتربیت

حضرت نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی-ابتدا مدرسہ محبوبیہ واقع درسگاہ مولانا محمد زمان خان شہید علیہ الرحمہ میں مولوی احمد علی صاحب سے، پھر اپنے چچا مولوی غلام حسین صاحب صدیقی سے تعلیم پائی۔اس کے بعد دارالعلوم میں شریک ہوئے جس کا قیام آصف جاہ رابع نواب ناصرالدولہ بہادر کے دور حکومت میں ۱۴؍جمادی الاول ۱۲۷۲ھ میں ہوا تھا۔دارالعلوم اس زمانے میں پنجاب یونیورسٹی سے ملحق تھا جس کی جانب سے فارسی اور عربی امتحانات مقرر ہوتے تھے اور اسناد دیے جاتے تھے۔مولوی محمد سعید صاحب نے پوری درسی کتابیں پڑھائیں۔مولوی عون الدین صاحب نے ادب کی کتابیں پڑھائیں اور حبیب ابوبکر بن شہاب نے عربی علم وادب کی انتہائی کتابیں پڑھائیں۔مولوی ناصرالدین صاحب نے منطق وفلسفہ پڑھایا، یہ مولوی عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد خاص تھے۔(۳)

بیعت وخلافت

عبدالقدیر صدیقی حسرت علیہ الرحمہ کو خواجہ محبوب اللہ علیہ الرحمہ سے بیعت وخلافت حاصل ہے۔حضرت صدیقی علیہ الرحمہ کو اپنے پیرومرشد خواجہ محبوب اللہ اور اپنے والد ماجد عبدالقادر صدیقی اور خسر محترم شاہ احسان الحق علیہم الرحمہ والرضوان سے بھی خلافت حاصل تھی-(۴)

تدریسی دور

حضرت عبدالقدیر صدیقی حسرت علیہ الرحمہ نے اپنی تدریسی خدمات کا آغاز دارالعلوم حیدرآباد سے کیا۔آپ ابتدائی وانتہائی درجے کی کتب پڑھاتے تھے۔جن میں تفسیر، حدیث، فقہ،نحو،صرف، ادب، فلسفہ،منطق اور تصوف وغیرہ شامل ہے۔دارالعلوم حیدرآباد میں تدریسی خدمات کے بعد علامہ عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمہ مشہور ومعروف جامعہ عثمانیہ میں بطور مدرس مستقل ہوگئے۔آپ کا تقرر شعبۂ دینیات میں ہوا اور صدر شعبہ کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں ۱۹۳۲ء میں وظیفۂ حسن پر سبکدوش ہوئے۔(۵)

تالیفات وتصنیفات

حضرت عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمہ اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ دین کی تبلیغ ،نشرو اشاعت صرف تدریس سے ہی ممکن نہیں بلکہ اس کی اشاعت کے لیے تمام ممکنہ طرق ومناہج کا

استعمال بہت ضروری ہے۔ اسی لیے حضرت نے تفسیر و حدیث، فقہ و اصول فقہ، عقائد و کلام اور تصوف میں گراں قدر کتابیں لکھی ہیں۔

پروفیسر محمد سلطان محی الدین مرحوم سابق صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی لکھتے ہیں:

صنف الشيخ الصديقي كتبا بالعربية و الاردية و الفارسية فى التفسير والحديث والكلام و التصوف والثقافة الاسلامية و نظم الشعر بالعربى و الفارسى و الاردى والهندى.(٦)

حضرت عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمہ نے عربی، فارسی اردو زبان میں کتابیں تصنیف کیں۔ تفسیر وحدیث، کلام وتصوف اور ثقافت اسلامی میں اور عربی، فارسی، اردو ہندی زبانوں میں شعر لکھا۔

ان کی عربی تصنیفات یہ ہیں:

(۱) الدین (۲) شعری دیوان "زفرات الأشواق" (۳) اوراق الذهب (۴) التعليم الطبقی فی اللسان العربی (۵) مفيد اللغات (۷)

اردو زبان میں حضرت علیہ الرحمہ نے تفسیر واصول تفسیر میں بھی کتابیں تصنیف کی ہیں:

(۱) تفسیر صدیقی (۲) اعجاز القرآن (۳) عدم نسخ القرآن (۴) تفسیر لطیفی (۵) تنزیل وتاویل

فقہ میں حضرت نے "وصیت و وراثت" اور "مشاجرات صحابہ" کے نام سے اپنی تصنیفات چھوڑی ہیں۔

عقائد وکلام میں حضرت نے درج ذیل کتابیں لکھی ہیں۔

(۱) معیار الکلام (۲) توحید (۳) قول فصل (۴) کلمہ طیبہ

تصوف میں حضرت نے فصوص الحکم کے ترجمہ وشرح کے علاوہ یہ تصنیفات چھوڑی ہیں۔

الحکمۃ الاسلامیہ، المعارف، حقیقت بیعت، معیار الحق، سماع، شجرۃ الکون، مکاتیب عرفان، سلاسل فقرا، مراۃ الحقائق۔

شعر میں حضرت کے کچھ اشعار کا تذکرہ نزہۃ الخواطر از قلم مولانا عبدالحی لکھنوی صاحب میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر سلطان محی الدین مرحوم سابق صدر شعبۂ عربی نے ان کے عربی کلام کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت کی کتاب "کلیات حسرت" اردو، فارسی، عربی، ہندی اشعار کا مجموعہ ہے۔ (۸)

یہاں حضرت عبدالقدیر صدیقی کے چند کتب کا تعارف پیش کرنا مناسب ہوگا۔

تفسیر صدیقی: حضرت نے قرآن کی تفسیر عام فہم اور سلیس زبان میں فرمائی ہے طرز بیان نہایت آسان اور دلنشیں اور تفہیم بہت ہی خاطر نشان ہے۔ (۹)

الدین: یہ تصنیف علم حدیث میں ہے۔ حضرت نے اس کتاب میں کتاب العلم، کتاب الایمان، کتاب الاحسان، کتاب الاسلام کے تحت آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کو فقہی ابواب پر ترتیب دی ہے۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ فقہ حنفی قیاس پر مبنی نہیں بلکہ اس کا استنباط قرآن وحدیث سے ہے۔ کتاب کے شروع میں مصطلحات حدیث اور ائمہ حدیث کے احوال کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ (۱۰)

اس مقالہ میں حضرت عبدالقدیر حسرت صدیقی علیہ الرحمہ کی تمام تصانیف کا احاطہ کرنا بہت دشوار ہے، لہذا حضرت کی صوفیانہ تعلیمات اور تصانیف کا تذکرہ کرنا زیادہ مناسب ہے- حضرت نے تصوف میں جو تصنیف وتالیف کی، اس کی قدرے تفصیل بیان کرنا زیادہ اہم ہے۔

(۱) **سلاسل فقرا**

تصوف کا سلسلہ کب سے ہے، اس کا ماخذ کیا ہے، تمام سلاسل کی متفق علیہ تعلیم کیا ہے، سلوک کیا ہے، اشغال کیا ہیں، اذکار کیا ہیں، اوراد کیا ہیں اور ان سلاسل کا باہم مابہ الامتیاز اور مابہ الاشتراک کیا ہے، لطائف کیا ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے اور ان کے مقام کا تعین کیا گیا ہے۔ (۱۱)

(۲) **مکاتیب عرفان**

مسائل تصوف کو علمی اصطلاحات سے زیادہ سے زیادہ پرہیز کرتے ہوئے سلیس اور عام فہم انداز میں سمجھایا، تاکہ صلاحیت کا حامل استفادہ کرسکے، حادث کا قدیم سے رابطہ یعنی عبد ورب میں کیا تعلق ہے اس امر میں چھ مختلف الخیال مکاتیب اور ان کی تحقیق وتدقیق کو اس رسالہ میں حضرت نے بیان فرمایا ہے وہ مکاتیب یہ ہیں:

مکتب اہل تسلیم، مکتب اہل تفویض، مکتب اہل تاویل، مکتب اہل وحدت، مکتب اہل تحقیق، ان امور پر حضرت نے روشنی ڈالی ہے۔ (۱۲)

(۳) **اسلامی تصوف اور نکلسن**

پروفیسر نکلسن کیمبرج یونیورسٹی نے تصوف کی بعض کتابوں کا ترجمہ انگریزی میں کرنا اور ان کو شائع کرنا شروع کیا تھا۔ بعض مقامات پر علما کو ان سے اختلاف ہوا، حضرت نے بھی اختلاف فرمایا اور اس میں ان کے اقوال نقل فرمائے اور ان مسائل سے متعلق حضرت نے اپنی ذاتی تحقیق پیش فرمائی۔ (۱۳)

(۴) **شجرۃ الکون**

مسائل تصوف اور وحدۃ الوجود پر مختلف شجرے اور دلائل پیش کیے گئے ہیں، اس کتاب کی اہمیت وافادیت دیکھتے ہوئے حضرت شیخ سالم باحطاب علیہ الرحمہ نے عربی زبان میں منتقل کیا۔ اس کا نام **الارشاد و العون الى شجرة الكون** لکھا۔ (۱۴)

(۵) سماع

حضرت نے سماع کے جواز پر یہ رسالہ مرتب فرمایا ہے۔(۱۵)

(۶) حقیقت بیعت

حضرت نے اس رسالہ میں بیعت اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے سلوک کی راہ میں روحانی استاذ یا شیخ کی ضرورت کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے اور شیخ کامل کے اثر صحبت کا فائدہ اور اچھے مرشد کی پہچان بتلائی، نیز ایک ہی شیخ کی تعلیم کے پابند رہنے کی وجہ، رفیق راہ خدا اور مرشد میں فرق، خلافت وخلیفہ کی تحقیق اور بہتر خلیفہ کے صفات بھی بیان فرمائے ہیں- ان کے ملاحظہ سے متحقق ہوتا ہے کہ اس شخص کو بیعت کرنے کی ضرورت ہے جو رذائل سے مجتنب اور وصائف سے متصف ہونے کو ضروری سمجھتا ہے۔(۱۶)

(۷) معیار الحق

یہ پچاسی (۸۵) رباعیات کا مجموعہ ہے جس کی ہر رباعی میں تصوف کے کسی نہ کسی مسئلہ کی تفہیم پیش کی ہے۔(۱۷)

(۸) مراۃ الحقائق

حضرت نے اس طویل نظم میں تصوف کے معرکہ آرا مسائل کو سلجھایا ہے۔(۱۸)

(۹) الحکمۃ الاسلامیہ

موجودہ زمانہ میں تصوف کا چرچا جس قدر عام ہے تحقیق کا شوق اتنا ہی کم ہے، ہر شخص صوفی بنا بیٹھا ہے حالانکہ صوفی تو وہ صاف دل، پاک روح اور روشن ضمیر شخص ہوتا ہے جو قال میں حال میں قلادۂ اتباع نبوت سے سرفراز ہوتا ہے۔(۱۹)

اس کتاب کی اہمیت وافادیت کو دیکھتے ہوئے حضرت شیخ سالم علیہ الرحمہ شیخ المعقولات جامعہ نظامیہ حیدرآباد نے اسے عربی زبان میں منتقل فرمایا اور اس کتاب کا نام ''**النفحة الايمانيه والمنحة الربانيه الى الحكمة الاسلامية**'' رکھا جس میں علمائے جامعہ نظامیہ حیدرآباد کی تقاریظ بھی موجود ہیں۔(۲۰)

(۱۰) ترجمہ وشرح فصوص الحکم

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کی شرحیں اور حضرات نے بھی کی ہیں جو زیادہ تر عربی میں ہیں یا فارسی میں، اردو میں بھی چند ترجمے ہیں، حضرت نے بھی اردو میں ترجمہ وشرح فرمائی ہے۔(۲۱)

ترجمہ وشرح کرنے کی غرض بیان کرتے ہوئے حضرت صدیقی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

نصاب فلسفہ اسلام میں کتاب فصوص الحکم للشیخ الاکبر محمد بن علی الحاتمی الاندلسی الدمشقی رحمہ اللہ تجویز کی گئی، لہذا اس کے ترجمے کی ضرورت داعی ہوئی۔ چنانچہ اس کام کے لیے فقیر کو انتخاب کیا گیا۔ معلوم ہے کہ اس کتاب کا حال کیا ہے **يضل به كثيرا و يهدى به كثيرا** کام مشکل تو تھا مگر فقیر نے توکل علی اللہ کہہ کر لکھنا شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کام کو درجۂ اتمام تک پہنچا دیا- اس ترجمہ کی کیا کیا خصوصیات ہیں مقدمے سے اجمالا اور اصل کتاب سے تفصیلا معلوم ہوں گے، اللہ تعالیٰ مثل اصل کتاب کے اس ترجمہ وشرح کو قبول عام عطا فرمائے۔(۲۲)

حضرت عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمہ فصوص الحکم لکھنے کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فصوص الحکم جو شیخ (ابن عربی) کے مصنفات میں اوسط حجم کی کتاب ہے، اس لیے اہمیت کی حامل ہوگئی ہے کہ شیخ نے مکاشفہ میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کتاب ان کو دی ہے اور اس کے ظاہر کرنے کی اجازت بھی دی ہے- فصوص الحکم میں شیخ، (ابن عربی) قرآن شریف میں انبیاء کے قصوں اور ان کے حالات میں جو کچھ آیا ہے ان سے یا تو بطور تفسیر کے یا بطور اعتبار کے مسائل توحید وتصوف کو استنباط کرتے ہیں۔ شارحین اس کتاب سے ایسے مرعوب ہیں کہ آیات قرآنی کی تاویل کرتے ہیں۔ مگر شیخ کے قول کی تاویل نہیں کرتے نہ ان کے عقائد سے جو فتوحات مکیہ کے شروع میں بیان کیے گئے ہیں، توفیق وتطبیق دینے کی سعی کرتے ہیں۔ دوسرے شارحین کے برخلاف فقیر (حضرت عبدالقدیر صدیقی) شیخ کے قول کی تاویل کرتا ہے اور ان کے عقائد کے ساتھ توفیق دیتا ہے۔(۲۳)

ترجمہ وشرح کا طریقہ کیا تھا، اس کے متعلق صاحب ''خوان یغما'' رقم طراز ہیں:

ہر فص سے پہلے ایک تمہید کے ذریعہ نفس مسئلہ کی تحقیق اور دوسرے آئمہ فن کے اختلافات بھی نہ صرف بیان فرمادئے ہیں بلکہ ہر صاحب کے قول کا محل بھی بتلا دیا ہے۔ جہاں کسی مسئلہ میں حضرت نے خود بھی اختلاف فرمایا تو وہاں وضاحت سے تشفی بھی فرمائی ہے۔(۲۴)

فصوص الحکم ۲۷ فصوص پر مشتمل ہے، ہر فص کسی نہ کسی نبی و رسول سے موسوم ہے۔ یہاں تمام فصوص کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہاں حضرت عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمہ اپنی تمہید میں وہ خاص اشارات فرمائے ہیں، یہاں اس کی جانب توجہ مبذول کرانا مقصود ہے۔

فص کا معنی بیان کرتے ہوئے حضرت عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

''شیخ ابن عربی اپنے ایک ایک مقالے کو فص سے تعبیر کرتے ہیں فص کے معنی ہیں نگینے اور خلاصے کے۔ جس طرح نگینے پر عبارت کندہ ہوتی ہے اسی طرح ایک ایک نبی کے دل کو ایک ایک حکمت اور مسئلے اور تجلی اور انکشاف سے نسبت خاص رہتی ہے''۔(۲۵)

فص آدمیہ میں حضرت عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمہ اقوال تمہیداً بیان کرتے ہیں:

''شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اس فص میں مسئلہ خلافت کو بیان فرمایا ہے اور تمام عالم کو بمنزلۂ جسد کے فرض کرتے ہیں اور تجلی اعظم اور شان الوہیت کو بمنزلہ روح کے، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی تمام عالم کو انسان کبیر سے تشبیہ دیتے ہیں۔(۲۶)

فص آدمیہ میں شیخ ابن عربی کا مقصد کیا تھا اس کے متعلق حضرت صدیقی تحریر فرماتے ہیں:

''اس فص سے شیخ کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے آپ پر غور کریں اور حق تعالیٰ کی طرف راہ نکالیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **و لاتکونوا کاللذین نسو الله فانساهم انفسهم** یعنی اے لوگو! نہ ہو جاؤ مانند اُن لوگوں کے جو خدا کو بھول گئے، تو خدا نے ان سے خود ان کے نفسوں کو بھلا دیا یعنی معرفت نفس سے محروم ہو گئے۔ مشہور قول ہے: **من عرف نفسه فقد عرف ربه** یعنی خود شناسی میں خدا شناسی ہے جس نے خود کو جتنا جانا اتنا ہی اپنے رب کو جانا''۔(۲۷)

قول امام غزالی کی وضاحت جو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فرمائی اس کی طرف حضرت عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمہ نے اشارہ فرمایا:

''امام ابو حامد غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بغیر معرفت نفس کے بھی وجود باری پر استدلال کر سکتے ہیں اور آپ نے وہ دلائل بیان فرمائے جو اثبات واجب میں پیش کیے جاتے ہیں۔ شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ ان دلائل سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ایک ذات حقہ ہے، ایک واجب الوجود ہے مگر اس کے اسماء وصفات اور تفصیلات کا پتا اس وقت تک نہیں ملتا جب تک خود پر غور نہ کرے **و فی انفسکم افلاتبصرون**''۔(۲۸)

حضرت عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمہ کا شعر اس بات پر صادق آتا ہے:

خود فہمی ہے خدا فہمی
خود میں راز حقیقت ہے

حضرت عبدالقدیر صدیقی علیہ الرحمہ نے اس ترجمہ وشرح میں شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ کی سوانح حیات، تصنیفات، عقائد و فلسفہ، کا تذکرہ تفصیل سے فرمایا اور فصوص الحکم عربی، فارسی اور اردو ترجمہ وشرح کے متعلق کی تفصیل ملتی ہے، فصوص الحکم کی عربی میں شروح جو لکھی گئی ہیں اس کے متعلق حضرت صدیقی فرماتے ہیں:

''عربی میں حسب ذیل شروح فصوص الحکم میری نظر سے گزری ہیں'' شیخ موید الدین بن محمود الجندی، شیخ صدرالدین القونوی، شیخ داؤد بن محمود الرومی القیصری، شیخ نور الدین عبدالرحمٰن جامی، شیخ عبدالغنی نابلسی، شیخ الکاشانی۔ مجھے سب سے زیادہ فائدہ قیصری و جامی سے ملی ہے۔''(۲۹)

مراجع ومصادر

(۱)نزہۃ الخواطر : مولانا عبدالحی لکھنوی، ج، ۸ص؛ ۲۷۸ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد الھند ۱۹۸۱ء
(۲)خوان یغما: محمد انوار الدین صدیقی ص:۸
(۳)عبداللہ: محمد انوار الدین صدیقی ص:۱۸۰ ایمرالڈ پرنٹرس حیدرآباد۔۲۰۰۴ء
(۴)عبداللہ: ص،۱۷۹اور خوان یغما،ص:۱۸
(۵)عبداللہ: ص:۱۰۱
(۶)**علماء العربیة و مساهمتهم فی الادب العربی فی العهد الاصفجاهی:** پروفیسر محمد سلطان محی الدین، ص:۲۳۱ ابوالوفاء پرنٹنگ پریس، جامعہ نظامیہ حیدرآباد۔۲۰۰۵ء
(۷)مصدر سابق
(۸)مصدر سابق
(۹)خوان یغما: ص:۲۰
(۱۰)الدین: حضرت عبدالقدیر حسرت: ص: الشمس الاسلام پریس حیدرآباد دکن ۱۳۵۳ھ
(۱۱)خوان یغما: ص:۵۶
(۱۲)خوان یغما: ص:۵۵
(۱۳)مصدر سابق ص:۵۱
(۱۴)الارشاد والعون الی شجرۃ الکون: مترجم شیخ سالم باحطاب ص: احسرت اکیڈمی ۱۶۱۸ھ
(۱۵)خوان یغما: ص:۴۷
(۱۶)خوان یغما: ص:۴۵
(۱۷)خوان یغما: ص:۵۸
(۱۸)خوان یغما: ص:۵۹
(۱۹)خوان یغما: ص:۲۵
(۲۰)**النفخة الایمانیة**: مترجم شیخ سالم باحطاب ص:۱،۱۲۷ حسرت اکیڈمی حیدرآباد۔۱۴۱۹ھ
(۲۱)خوان یغما: ص:۲۷
(۲۲)ترجمہ فصوص الحکم: حضرت عبدالقدیر صدیقی ص:۱۳ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی
(۲۳)مصدر سابق: ص،۱۰
(۲۴)خوان یغما،ص:۲۸

(۲۵) ترجمہ فصوص الحکم، تمہید فص آدمیہ ص:۳۰
(۲۶) صدر سابق ص:۳۰
(۲۷) صدر سابق ص:۶
(۲۸) صدر سابق ص:۷
(۲۹) صدر سابق ص:۹

تصوف پر کتابی سلسلہ ''الاحسان'' کی اشاعت پر خوب خوب مبارک باد!

'عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی' کے اغراض ومقاصد

☆ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دینا۔
☆ امت مسلمہ کو قرآن مقدس اور اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قریب کر کے اطاعت خدا واطاعت رسول کی اسپرٹ پیدا کرنا۔
☆ عقائد اہل سنت وجماعت لوگوں کے دلوں میں اتار کر اعمال کی اصلاح کرنا۔
☆ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کا سد باب کرنا۔
☆ قوم مسلم کے نونہالوں کو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھانا۔
☆ مدارس دینیہ، مساجد اور اسلامی طرز پر اسکول وکالج اور ہاسپٹلس قائم کرنا۔
☆ جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ فروغ اسلام کے لیے ماہر افراد تیار کرنا اور ان کا بھرپور تعاون کرنا۔

تحریک کے چند شعبے جو مسلسل مصروف عمل ہیں

(۱) شعبہ دعوت وارشاد (۲) شعبہ اجتماعات (۳) شعبہ دراسات اسلامیہ (۴) شعبہ دراسات عصریہ (۵) شعبہ نشر واشاعت (۶) شعبہ عمائدین (۷) شعبہ تربیت مناسک

اس وقت تحریک سنی دعوت اسلامی کی خدمات ہندستان کی سرحدوں سے نکل کر دنیا کے کئی ملکوں میں پھیل چکی ہیں۔ شعبہ دراسات اسلامیہ کے تحت دو درجن مدارس پیہم مصروف عمل ہیں۔ شعبہ دراسات عصریہ کے تحت چھے اسلامک انگلش اسکول قائم ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔ شعبہ نشر واشاعت سے مختلف علمائے کرام کی تین درجن کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اس شعبے کے تحت ماہنامہ ''سنی دعوت اسلامی'' کی اشاعت بھی ہو رہی ہے۔

شعبہ عمائدین کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔ ☆ اعلیٰ عصری تعلیم یافتہ لوگوں میں اسلامی تعلیمات عام کرنا ☆ مختلف زبانوں میں پیغام اسلام تحریری شکل میں گھر گھر پہنچانا ☆ مسلم نونہالوں کی تعلیمی ومعاشی رہنمائی کے لیے کیریئر گائیڈینس کا اہتمام کرنا ☆

رابطے کا پتہ: مرکز سنی دعوت اسلامی، اسمٰعیل حبیب مسجد ۱۲۶ / کامبیکر اسٹریٹ ممبئی-۳
فون وفیکس: 02223434366/02223451292
ای میل: sdimonthly@gmail.com/sdiheadoffice@gmail.com
ویب سائٹ: www.sunnidawateislami.net

حاصل مطالعہ

شیخ محمد الغزالی اور تصوف

'الجانب العاطفی من الاسلام' کی روشنی میں

محمد الغزالی السقا (۱۹۱۷ء-۱۹۹۶ء) مصر کے ان جدید مفکرین میں سے ایک ہیں جنہوں نے دنیا بھر میں اسلام پسند نئی نسل کو سوچنے اور برتنے کا ایک نیا رخ دیا ہے- جو اپنے سر میں سلفی دماغ اور اپنے پہلو میں صوفی دل رکھتے ہیں- محمد الغزالی کو عصر حاضر کے ایک مقبول اور متنازع اسکالر ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے بجا طور پر صوفی القلب لاصوفی الطریقة کہا ہے- (www.alghazaly.org) محمد الغزالی اسکندریہ مصر کے ایک مقام البجیر ہ میں پیدا ہوئے- ۱۹۴۱ء میں جامعۃ الازھر سے فارغ التحصیل ہوئے- انہوں نے جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرّمہ، جامعہ قطر اور الامیر عبد القادر یونیورسٹی الجیریا میں تدریسی فرائض انجام دیے- انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ قاہرہ کے اکیڈمک کونسل کے چیئرمین رہے- مختلف دینی، علمی، فکری، سائنسی، اقتصادی اور سماجی موضوعات پر قریب ایک سو فکر انگیز کتابیں لکھیں- جمہوریہ مصر کا پہلا اعزازی ایوارڈ (۱۹۸۸ء)، شاہ فیصل ایوارڈ (۱۹۸۹ء) اور حکومت پاکستان سے امتیازی ایوارڈ سے سرفراز ہوئے- محمد الغزالی کو مغرب میں بالخصوص اس حوالے سے بھی جانا جاتا ہے کہ انہوں نے مصری عدالت سے فراغ فوضیٰ جیسے سیکولر مزاج اسکالر کے قتل کا مطالبہ کیا تھا جو اعلانیہ طور پر اسلامی قوانین کے خلاف زبان درازی کرتے رہے ہیں- انہوں نے مصری حکومت سے اس بات کا بھی مطالبہ کیا تھا کہ اسلام کی ایک قانونی تعریف طے کی جائے اور جو اس دائرے میں نہ آئیں ان سے ان کے لائق سلوک کیا جائے-

کہا جاتا ہے کہ اسلام پسندی میں شہرت کے باوجود محمد الغزالی کا تعلق، مصر کے تشدد پسند جماعتوں سے نہیں تھا، جس کی مختلف صورتوں میں انہیں قیمت بھی چکانی پڑی- ان کی بعض تحریریں سعودی علما کے نقد و تبصرہ کا نشانہ بھی رہی ہیں- ان کی کتابوں میں 'الاسلام والاوضاع

الاقتصادیه'**الاسلام والمناهج الاشتراکیه**'،**جددحیاتک**'،'**مشکلات فی طریق الحیاۃ الاسلامیۃ**'،'**سرتاحصر العرب والمسلمین**،'**دفاع عن العقیده والشریعة ضد مطاعن المستشرقین**'،'**الاسلام المفتریٰ علیه، الاسلام والاستبداد السیاسی**'،'**الاستعمار أحقاد وأطماع**'،'**فی موکب الدعوۃ**'،'**حقیقة العربیة**'، **کیف نتعامل مع القرآن** 'وغیرہ زیادہ اہم ہیں- ان میں سے کئی ایک دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہوچکی ہیں-

اس وقت شیخ محمد الغزالی کی تصوف وسلوک سے متعلق ایک نہایت ہی معرکہ آرا کتاب **الجانب العاطفی من الاسلام-بحث فی الخلق والسلوک و التصوف**،(ناشر، نھضۃ مصر- اشاعت ۲۰۰۵ء بارسوم) میرے پیش نظر ہے- کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے- اس میں شیخ محمد الغزالی نے تصوف کی تعریف وتحقیق، حمایت ومخالفت یا تاریخ وتشریح سے بحث نہیں کی ہے بلکہ تصوف کواسلام کے ایک باطنی اوراخلاقی ونفسیاتی پہلو تسلیم کرتے ہوئے، اس حوالے سے جواسلام کی خاص تعلیمات ہیں ان کو اپنے مخصوص ادیبانہ ومفکرانہ لب ولہجے میں بیان کردیا ہے، زبان شُشتہ، بیان دل پذیراوراسلوب جدید ذہن کواپیل کرنے والا ہے-

اشاعت اول کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد الغزالی تصوف کو دوحصوں میں تقسیم کرتے ہیں، ایک جس کا تعلق فلسفے سے ہے جب کہ دوسرے کا تعلق اسلام کی خالص تعلیمات سے ہے، وہ فلسفۂ تصوف کے سخت مخالف ہیں، بلکہ اسے اسلام کے خلاف ایک پرفریب ثقافتی جنگ کا نام دیتے ہیں، جس کا مقصد مسلمانوں کوان کے عقائدواہداف اورطریق مستقیم سے منحرف کرنا ہے- ان کے الفاظ ہیں:

''فلسفیانہ تصوف ہماری علمی تاریخ میں ایک قسم کا پرفریب ثقافتی حملہ ہے جس کا مقصد ہمیں اپنے عقائد ومناہج اوراہداف سے منحرف کرنا ہے- اہل علم کواسے ضروری طور پہ سمجھنا چاہیے اور انہیں امت مسلمہ کواس کے مکر وفریب اوراثرات سے متنبہ کرنا چاہیے، کیوں کہ اس کی اشاعت سے اسلام دشمنوں کا مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ ایک بے مقصد وبے حوصلہ قوم بن جائے، ایک پریشان حال اورسست قوم، جس کا کتاب اللہ اورسنت رسول اللہ سے کوئی تعلق نہ ہو، جوآیات و احادیث میں تاویل کرے اورالفاظ کے صحیح مفاہیم کواپنے خیالات واوہام کے ذریعے بدل کررکھ دے-'' (ص:۳)

لیکن اس کے برخلاف وہ اسلامی تصوف کو جی جان سے قبول کرتے ہیں اورنہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ اس لفظ کو جوحضرات اسلامی روایت میں ایک نیا لفظ قراردے کراسے رد کرنے کی

کوشش کرتے ہیں ان کولفظی بحث سے بالاتر ہوکرحقیقت تصوف کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں اورالفاظ کے گورکھ دھندے سے نجات کے لیے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اصطلاحات ہیں اور ہر شخص اپنی اصطلاح بنانے کے لیے مجاز ہے- فرماتے ہیں:

''رہا اسلامی تصوف تو اس کی بات ہی الگ ہے- بسا اوقات بعض حضرات کو یہ لفظ ناگوار گزرتا ہے لیکن جب مفہوم پر متفق ہیں تو پھر الفاظ پر جھگڑنا میں پسند نہیں کرتا- بعض نے اسی کو علم القلوب کا نام دیا ہے، بعض حضرات اسے علم الاحسان کہتے ہیں، جس کے دو مقامات ہیں، مشاہدہ اور مراقبہ، بعض ماہرین اخلاق ونفسیات اسے **علم البواعث علی الاعمال** سے موسوم کرتے ہیں جب کہ میں اسے **الجانب العاطفی من الاسلامی** (اسلام کا داخلی پہلو) کہنا پسند کرتا ہوں اور قدیم مقولہ ہے: **لامشاحة فی الاصطلاح** (اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں-)'' (ص:۳)

شیخ محمد الغزالی عصر حاضر میں اسلامی تصوف یا اسلام کے جانب عاطفی کی اشاعت ناگزیر سمجھتے ہیں- ان کی یہ کتاب اسی مقصد کے تحت سامنے آئی ہے- اس مقصد عظیم کی ضرورت اوراس کی کامیاب پیش کش میں اہل اسلام کی ناکامی کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ارباب دانش کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نئی تہذیب نے انسان کو آسمان سے کاٹ کر زمین سے باندھ دیا ہے- اس کے دل کو دنیاوی مسائل میں الجھا دیا ہے اورآخرت کے مقاصد سے اسے غافل کررکھا ہے- وہ انسان کو اللہ سے دور لیے جارہی ہے- یعنی اس کا رخ مکمل دین مخالف سمت پر ہے- اس تہذیب کو کامیاب بنانے میں بڑا حصہ ان دین پسندوں کا بھی ہے جو دستور الٰہی کو قلب ونظر کو مطمئن کرنے والے اسلوب میں دنیا وآخرت کی ضمانت، جسم وروح کی ضرورتوں کا مداوا اور دین ودنیا کے کفیل کے طور پر پیش کرنے میں ناکام ہیں- ہم مسلمانوں کے پاس اس میدان کی تعمیر کے لیے سب سے زیادہ میٹریل ہے- ہماری تاریخی میراث میں اس حوالے سے کافی وشافی مواد موجود ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ادراک وافادہ کا احساس ہو- دین صرف خشک احکام کا نام نہیں ہے اور نہ ہی یہ بے جان فرامین کا نام ہے- یہ تو شوق ورغبت سے لبریز ایک دل ہے جو دین دار شخص کو حق تعالیٰ کی طاعت کی طرف انگیز کرتا ہے اور وہ یہ پکارتے ہوئے آگے بڑھتا ہے: مولیٰ! میں تیری رضا کے لیے بھاگا آرہا ہوں **وعجلت الیک رب لترضی** (طٰہٰ:۸۴) (ص:۴)

الغزالی اپنی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں اپنی علمی وراثت کے ایک گراں مایہ پہلو کا احیا کیا گیا ہے، جس کی معاصر زندگی کو ضرورت ہے- اگر وہ اس پہلو سے اغماض برتتی ہے تو وہ زمین وآسمان کی برکتوں سے محروم ہوجائے گی اوراس سے دور صرف زمینی سفلی مقاصد کی طرف بڑھتی چلی جائے گی- میں نے کوشش

کی ہے کہ اسلامی مفاہیم کو ضبط تحریر میں لے آؤں اور انہیں نئی نسلوں سے قریب کروں- میرا اولین مطمح نظر حمایت اسلام کے لیے عصر حاضر کے مطلوبات کو ہمارے پاس موجود وافر روحانی معانی سے جوڑنا تھا، تاکہ تمام تر عصری مطالبے مستحکم داخلی قوت کے ذریعے پورے ہوں، جن کے ساتھ حق زندہ رہے اور آگے بڑھے-'' (ص:۴)

شیخ الغزالی کے اس اقتباس سے یہ بات پورے طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ وہ اسلام کے روحانی پہلو کو یا دوسرے لفظوں میں اسلامی تصوف کو موجودہ دنیا کے مسائل ومصائب کو حل کرنے کے لیے ناگزیر سمجھتے ہیں- وہ اسلام کی پیش کش اس کے تمام تر روحانی پہلوؤں کے ساتھ ضروری قرار دیتے ہیں اور موجودہ مطالبات کو اسلامی روحانیت سے مربوط کردینا چاہتے ہیں- حق کی بقا اور سرخروئی کے لیے اس سے بہتر کوئی دوسری راہ کم ازکم ان کی نظر میں نہیں ہے-

شیخ الغزالی اشاعت اول کے مقدمے کا اختتام اپنے ان جملوں سے کرتے ہیں:

''میں تصوف کو اس کے گوشۂ نامی یا اس کی خانقاہ سے باہر لایا ہوں، تاکہ وہ محرک طاقت بن سکے- مجھے خوشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ میری اس تحریر کو شرف قبول بخشے اور میں اس سے اس بات کا سوالی ہوں کہ وہ اسے میرے میزان حسنات میں شامل فرمائے-''

یہ جملے واضح کررہے ہیں کہ الغزالی کے مطابق تصوف جمود وفرار کے اسباق نہیں، جیسا کہ بعض حضرات کا ماننا ہے، بلکہ اگر اس کی عصری پیش کش ہوتو وہ ایک محرک طاقت اور انقلاب بن کر سامنے آسکتا ہے-تصوف خانقاہوں میں موجود مزارات کی چادروں اور بتاشوں کا نام نہیں ہے بلکہ تصوف اس زندگی کا نام ہے جس سے موجودہ قلب ودماغ خالی ہیں- وہ ایک روح ہے جس کے بغیر مسلمان بلکہ انسان بے جان جسم ہیں- الغزالی نے جن مقاصد کے تحت یہ کتاب لکھی ہے اس میں وہ صد فی صد کامیاب ہیں- انھوں نے معاصر نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی روحانیت کو ایسے اسلوب میں پیش کیا ہے کہ اس کو پڑھ کر حقیقت دین روشن ہوجاتی ہے، زندگی میں روح پیدا ہوتی ہے، مضمحل ارادے عزم جواں ہوتے ہیں، فکر کو توانائی، قلب کو صالحیت، طبیعت کو شرافت اور آدمی کو انسانیت کے اقدار گراں مایہ کا احساس ہوتا ہے- الغزالی کی یہ کتاب آج کے پریشان فکر نوجوان کو جینے کا حوصلہ دیتی ہے، اسے زمین پر رہتے ہوئے آسمان سے مربوط کرتی ہے، شخصی آزادی کے ساتھ سماجی احترام سکھاتی ہے اور ذات کو کائنات کے لیے نفع بخش بنانے کے گر سکھاتی ہے اور یہی تصوف ہے، اسی کی صوفیہ دعوت دیتے رہے ہیں، اسی کے فقدان سے آج انسانیت انسانوں سے رخصت ہوئی ہے، اقدار پامال ہوئے ہیں اور انسان حیوان زر بن چکا ہے- الغزالی نے تصوف کے اس درس کو نہ صرف اپنے مخصوص اسلوب میں پیش کیا ہے بلکہ اس کے لیے

بیشتر انہی الفاظ واصطلاحات کا سہارا لیا ہے جن کو قدیم صوفیہ استعمال کرتے رہے ہیں- الغزالی کی اس کتاب کو میکدۂ تصوف کا بادۂ کہنہ درجام نو کہا جائے تو غلط نہ ہوگا-

''تصوف ہماری اسلامی ثقافت کا ایک حصہ ہے جو توجہ اور تحریک کا متقاضی ہے'' **ھٰذا جزء من ثقافتنا الاسلامیة یستحق البعث و العنایة** اس جملے سے مقدمے کا آغاز ہوتا ہے- مقدمے میں الغزالی نے لکھا ہے کہ اسلام کے دیگر شعبوں پر بہت زیادہ کام ہوا اور اس کے باطنی پہلو پر کم کام ہوا، اسی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو یہ گمان بھی ہوگیا کہ وہی بعض شعبے مکمل اسلام ہیں- الغزالی کے مطابق فقہ العبادات اور فقہ المعاملات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم مگر اسلام کا جو نفسیاتی اور اخلاقی پہلو ہے اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، لیکن افسوس کہ علما نے اس پہلو پر اتنا کام نہیں کیا جتنے کا یہ مستحق تھا- الغزالی سوال کرتے ہیں: ''مثلاً ہم وضو کے متعلق بڑی بڑی کتابیں لکھتے ہیں اور اعلیٰ معیار کے ساتھ شائع کرتے ہیں، لیکن اس طرح کی علمی کتابیں اخلاص، توکل، تقویٰ، اعانت، صبر اور محبت کے بارے میں کیوں نہیں لکھتے؟ جب کہ اللہ جل جلالہ کی محبت، اس کے لیے اخلاص، اس کی طرف رجوع، اس پر توکل اور اس کے لیے صبر، یہ ایسے معانی ہیں جو ایمانیات میں سرفہرست ہیں یا ایمان کے رکن رکین ہیں- مستند تفاسیر کے مطابق اور تفصیلی شرح وبیان کے ساتھ ان کو رقم کرنا اسلام کی عظیم خدمت ہے بلکہ میں یہ کہوں کہ عبادات ومعاملات جو ظاہری اعمال ہیں، اس وقت تک نامکمل اور نامقبول رہیں گے جب تک ان کے اندر یہ باطنی معانی پیوست نہ ہوں اور دلوں میں جگہ نہ کرلیں'' (ص:٦)

شیخ محمد الغزالی کی بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ عصر حاضر میں فقہ العبادات اور فقہ المعاملات کی تدریس سے زیادہ تربیت احوال باطن کی ضرورت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آج جدید مدنیت وثقافت کی تعلیمات مختلف راستوں سے نئی نسل کے ذہن ودماغ پر اس تیزی سے چھاتی چلی جاری ہیں کہ اگر ہم اسلامی اخلاقیات وروحانیت پر نئی نسل کی تعمیر نہیں کرتے ہیں تو وہ جدید ثقافت کا شکار ہوجائے گی اور اس کے ایمان سوز حملے سے جان بر نہ ہوسکے گی-

شیخ محمد الغزالی نے مقدمے میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ وہ اس بات سے غافل نہیں ہیں کہ تصوف کی قدیم کتابوں میں انسان کے تعلق باللہ اور تعلق بالناس پر تفصیلی گفتگو ہوچکی ہے اور اس موضوع پر قدیم کتابوں میں وافر مواد جو موجود ہے لیکن اس کے باوجود اس موضوع پر از سر نو کام کرنے کو وہ ضروری سمجھتے ہیں- انہوں نے ان کتابوں کو ''ادبا کے مقالات اور شعرا کے جذبات'' سے قریب بتایا ہے- ان کے نزدیک وہ کتابیں جدید ذہن کو اپیل کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں-

اس لیے وہ اس موضوع پر جدید اسلوب میں مزید لکھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

شیخ محمد الغزالی نے تصوف کی پرانی کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کوئی مثال پیش کیے بغیر یہ بات کہی ہے کہ ان کتابوں میں بہت سے اغلاط اور خلاف واقع باتیں بھی در آئی ہیں۔ اس لیے اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ تصوف پر از سر نو لکھا جائے لیکن آگے بڑھنے سے قبل ایک بڑی منصفانہ بات کہہ دی ہے تاکہ ارباب تصوف کی دل آزاری نہ ہو اور بات متوازن ہو جائے، فرماتے ہیں:

''باوجود اس کے کہ ہماری ثقافتی روایت میں اغلاط صرف کتب تصوف تک محدود نہیں ہیں گو کہ ان کتابوں میں اغلاط زیادہ ہیں، بلکہ کتب تفسیر، کتب فقہ اور کتب سیرت میں بھی بہت سی اغلاط در آئی ہیں اور ان کی بڑی بڑی کتابوں میں ایسی باتیں شامل ہوگئی ہیں جو اللہ و رسول کو اذیت پہنچانے والی ہیں۔''

اپنے مقدمے میں خصوصیت کے ساتھ دو قسم کے لوگوں پہ الغزالی نے سخت افسوس اور دکھ کا اظہار کیا ہے اور کہا کہ یہ دونوں گروہ مجھ سے شاکی ہے۔ ان دونوں گروہوں کا ذکر دلچسپی کا باعث ہے اس لیے ہم انہیں الغزالی کے الفاظ میں ہی لکھتے ہیں:

''ایک گروہ وہ ہے جو اپنے دل میں جذبۂ گرم، اللہ کے لیے شوق فراواں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حب شدید کا احساس رکھتا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ کتاب وسنت کے احکام پر اس کی نظر بہت کم ہے، ان میں سے وہ تھوڑی باتوں سے واقف اور زیادہ باتوں سے جاہل ہے۔ اس کے خیال میں صرف اسے ہی اللہ و رسول کی محبت حاصل ہے اور دوسروں میں وہ بات نہیں پاتا اور وہ انہیں اس دولت سے محروم سمجھتا ہے۔

اور ایک گروہ وہ ہے جو اپنی عقل میں روشنی، علم میں وسعت اور کلام میں بلاغت پاتا ہے۔ اکثر احکام شرعیہ میں وہ درستگی پر پہنچا ہوا ہے، وہ مطلوبہ عبادات صحیح ڈھنگ سے ادا کرتا ہے، لیکن وہ سرد نفس، خشک طبع اور سخت دل ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو پائے اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرے اور اسے جو حق کا ادراک اور کتاب وسنت پر جو اس کی نظر ہے، اس کی وجہ سے اس کا تفوق واضح ہے۔'' (ص:۸)

شیخ محمد الغزالی کی اس مختصر عبارت سے بہت سے حقیقتیں سامنے آتی ہیں، جن پر لمبی گفتگو ہوسکتی ہے۔ شیخ محمد الغزالی مکمل اسلام کے لیے ظاہری احکام کی مکمل پاس داری کے ساتھ باطنی جذبے کی مکمل سچائی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان دونوں باتوں سے اسلام مکمل ہوتا ہے۔ کسی بھی ایک پہلو کو پکڑ لینا اور دوسرے سے بے نیاز ہو جانا سخت انحراف اور ضلالت ہے۔ ان کی نظر میں: ''کامل مسلمان وہ ہے جس کے قلب و ذہن ایک ساتھ روشن ہوں۔ جو صاحب بصارت و بصیرت ہو، حقوق

اللہ اور حقوق العباد میں اس کی فکر اس کے جذبے سے اس طرح ہم آہنگ ہو کہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان میں فائق کون ہے، اس کے جذبے کی سچائی یا اس کے شعور اور نہ یہ معلوم ہو کہ زیادہ تیز کون ہے، اس کے نفس تازہ کی گرمی، یا اس کی عقل دوررس کی حدت۔ یہ تمام صفات خود اسلام کی فطرت سے ماخوذ ہیں۔ یہ ایسا دین ہے جو اپنے عقاید کو عقلی صحت کی جہت سے ایسے فکری اصولوں پر استوار کرتا ہے جو علوم ریاضی مثلاً حساب اور جبر و ہندسہ کے بدیہیات کے مشابہ ہیں۔ اس دین کے عقلی اصول عام معاملات اور نو پیدا مشکلات و مسائل میں واضح ہیں۔ اور دوسری طرف اسلام دین عبادت ہے، ایسی عبادت جو دل کی سلامتی، اخلاص اور محبت و ادب سے آراستگی اور ہوائے نفس، جنبہ داری اور فریب سے صفائی کے ساتھ تحقق پذیر ہوتی ہے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کی سیرت دل ونگاہ کی بیداری کے حسن امتزاج اور ایک سفر میں دونوں کی مصاحبت کا بہترین نمونہ ہے۔'' (ص:۸)

سفر شریعت میں عقل وضمیر کی ہم سفری کو لازم قرار دینے کے بعد الغزالی نے ان مدعیان احوال کی مذمت کی ہے جو عقل کی پاسبانی اور شریعت کی پاس داری کو لازم نہیں سمجھتے۔ اسی طرح ان شریعت پرستوں اور عبادت گزاروں کا مذاق اڑایا ہے جن کا دل دولت اخلاص وتقویٰ سے خالی ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک افسر کا دلچسپ اور عبرت آموز واقعہ نقل کیا ہے جو حب آل بیت کا دم بھرتا، اپنے ہاتھ میں تسبیح لیے پھرتا اور اپنے آپ کو واصلین میں گمان کرتا تھا۔ ایک بار ایک بڑا اجلسہ منعقد ہوا جس میں بشمول اس کے بڑے بڑے خطبانے جوہر خطابت دکھائے۔ دوسرے دن اخبارات نے سب کے نام شائع کیے مگر ان کا نام کسی وجہ سے نہ چھپ سکا۔ بس کیا تھا، جیسے مارے غضب کے پاگل ہوگئے ہوں۔

الغزالی نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ ہر ''وہ جذبہ جس کی تائید اسلام کے اصول وفروع کی صحیح تفصیلات کی روشنی میں نہ ہو، اور ان پر پورے طور سے عمل ہو، اس جذبے کا عنداللہ کوئی وزن نہیں ہے۔ اسی طرح جذبے کی سچائی علمی مغالطے کے لیے عذر نہیں ہے اور نہ دین اللہ میں ہویٰ اور رائے سے کہنے کا جواز ہے۔ اسلام کے چشمے معروف اور متعین ہیں، صرف انہیں سے احکام مستنبط کیے جاسکتے ہیں، کسی شخص کو اجازت نہیں ہوسکتی کہ وہ ان میں اضافہ کرے یا کمی کرے۔'' (ص:۱۰)

الغزالی نے قرآن کی تفسیر بالرای کی مخالفت کی ہے۔ متصوفہ کی ایسی تفسیر جو نہ ماثور و مسنون ہو اور نہ ہی اصول شرع اس کی تائید کرتے ہوں، کو سخت مذموم سمجھتے ہیں۔ یہ فتنے کے دروازے کو کھولنا ہے اور شریعت کو بے امان کرنا ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی انہیں حیرت ہے کہ مفسرین عموماً آیات قرآنیہ کی لفظی تحقیق اور اعرابی مباحث تو پیش کرتے ہیں لیکن جو مغز قرآن ہے، دلوں کو مولیٰ سے جوڑنے اور ان کی قدر و قیمت کو متعین کرنے کے حوالے سے جو اسرار ہیں، انہیں کوئی

نہیں چھیڑتا- متصوفہ اور ظاہر پرستوں دونوں پر طنز کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اور عجیب بات یہ ہے کہ ہم دو متضاد گروہوں کے بیچ ہیں- ایک گروہ وہ ہے جو زبان اور بلاغت کے قواعد بیان کرتا ہے اور بعض قریبی ظاہری احکام کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہیں رک جاتا ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جو قواعد کو توڑتا ہے، حدود سے تغافل برتتا ہے اور من مانی نکات آفرینی کے ذریعے قرآن پر حملے کرتا ہے، کیوں کہ اس کی نظر میں وہ نکات قلب میں رقت پیدا کرتے ہیں، وجدان کو صیقل کرتے ہیں اور لوگوں کو خدا کی طرف لے جاتے ہیں-'' (ص:۱۳)

دونوں مقدمے کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے- کتاب تین نمایاں عنوانات کے ساتھ منقسم ہے جسے ہم باب بھی کہہ سکتے ہیں- پہلا **الاسلام والایمان والاحسان**، دوسرا **دعائم الکمال النفسی** اور تیسرا **اشارات الطریق**، پھر ان کے تحت بہت سے ذیلی عناوین ہیں-

پہلا باب الاسلام والایمان والاحسان ''حدیث جامع'' کے ذیلی عنوان سے حدیث جبرئیل سے شروع ہوتی ہے- یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ عام اہل علم ونظر کی طرح شیخ محمد الغزالی بھی حدیث جبرئیل میں وارد لفظ الاحسان کو تصوف کی اصل قرار دیتے ہیں- الغزالی نے حدیث جبرئیل کی تشریح میں بڑا لطیف نکتہ بیان کیا ہے:

ایمان درست ہوگا تو اس کا نتیجہ عمل کی شکل میں ضرور برآمد ہوگا-

اور عمل درست ہوگا تو یقینی طور پر وہ ایمان پر مرتکز ہوگا-

اور احسان درست ہوگا تو یقینی طور پر وہ ایمان راسخ اور عمل کامل کا ہی نتیجہ ہوگا-

اس کے بعد الغزالی نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایمان سے اور ایمان اسلام سے جدا ہوسکتا ہے اور بالخصوص ان کا تعاقب کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ احسان کا حصول فرائض اور عقاید سے بے گانہ رہ کر بھی ممکن ہے- الغزالی ان تینوں امور کو ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم قرار دیتے ہیں- ان کے مطابق جب ایمان کامل اور عمل صحیح کا تحقق ہوگا تو اس کے بعد لازمی طور پر مقام احسان حاصل ہوگا- انہوں نے قرآنی آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں سے ہر لفظ ایک دوسرے کی جگہ پر بھی بولا جاتا ہے- اس کے بعد پھر انہوں نے الگ الگ ایمان، اسلام اور احسان کی تحقیق کی ہے- ایمان کے ضمن میں اسلام اور مسیحیت کے عقائد کا تقابل کیا ہے، الحاد کا رد بلیغ فرمایا ہے اور اسے علمی خرافات قرار دیا ہے- اسلام کی تحقیق میں شہادتین کا معنی بتادیا ہے، انسانی زندگی میں خطا ونسیان کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے اور اللہ کے حضور سپر انداز ہونے کے دائرہ کار کو متعین کیا ہے- الاحسان کی تشریح کے ضمن میں **الاحسان فریضة مکتوبة علی کل شیٔ** کے ذیلی عنوان کے تحت یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ زندگی

کے ہر معاملے میں احسان یعنی اس معاملے کو احسن طریقے سے برتنا لازم ہے- شیخ محمد الغزالی کا ماننا ہے کہ احسان کے بعد ہی کوئی شے مکمل ہوتی ہے- ایمان واسلام میں تمامیت اور کمال وہ احسان ہے جس کا ذکر حدیث جبریل میں **ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ و ان لم تکن تراہ فانہ یراک** (عبادت اس طور سے کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو تو اس طور سے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے) کے الفاظ سے آیا ہے- اس کیفیت کے بعد ہی ایمان اور اسلام مکمل ہوتے ہیں- زندگی کے ہر میدان کار میں اسی طرح کمال مطلوب ہے- آپ ڈاکٹر ہیں تو اس کے انتہائی تقاضوں کو پورا کیجیے- اس ضمن میں ایک انوکھی بات یہ کہی ہے کہ جو شخص جس میدان عمل میں ہے وہیں رہ کر اپنا کام پورا کر رہا ہے تو گویا وہ درجۂ احسان پر ہے- الغزالی نے اس پر حیرت ظاہر کیا ہے کہ ڈاکٹر اپنا وقت تسبیح پڑھنے میں اور انجینئر تقریر جھاڑنے میں ضائع کریں- الغزالی کے مطابق ان کے لیے فرائض و واجبات کے بعد احسان یہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وکمال ادا کریں- یہی خدمت ان کے لیے عبادت کا درجہ رکھتی ہے- اسی طرح اہل ثروت انفاق فی سبیل اللہ کی بجائے نفل پڑھیں اور علما وصلحا تعلیم ودعوت کی بجائے دوسرے امور خیر میں مصروف ہوجائیں، یہ احسان کے مطلوبہ اصول کی خلاف ورزی ہے-

الاحسان کی تفصیل کے دوران الغزالی نے کہا ہے کہ عامة الناس پر غفلت وعیش کی چادر تنی ہوئی ہے، جس کو ہٹانے اور ان کے اوپر ان کے مقصد تخلیق کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے- وہ اس عمل کے لیے ذکر کو ناگزیر قرار دیتے ہیں- ان کے بقول ''کثرت ذکر کے بغیر درجۂ احسان کا حصول ممکن ہی نہیں ہے'' (ص:۷۲)

پھر استغراق فی اللہ اور ذکر کی دوسری صورتوں کو بیان کرتے ہیں- تفصیل وتحقیق کے بعد بطور خلاصہ لکھتے ہیں کہ ''الاحسان کی حدیث جبرئیل میں جو تشریح کی گئی ہے وہ تشریح صرف اس شخص کا وصف نہیں بیان کر رہی ہے جو نماز کے لیے اپنے قدموں کو برابر کر رہا ہے اور اپنی زبان کو ذکر میں مشغول کر رہا ہے، بلکہ یہ ہر اس انسان کے وصف کا بیان ہے جو اللہ کے تمام احکام کو زندگی کے تمام شعبوں میں بجالاتا ہے- الاحسان کا دائرہ بہت وسیع ہے- اس کی حدیں انسانی زندگی میں گہوارے سے قبر تک کے تمام اعمال کو محیط ہیں-'' (ص:۷۸)

دوسرے باب **دعائم الکمال النفسی** میں انسان کے آسمانی رشتے کو اجاگر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس رشتے کے کمزور ہونے سے انسان کس طرح عام جانوروں کی طرح بنتا چلا جا رہا ہے- الغزالی کے بقول مادیت انسان کو پستی کی طرف لیے جا رہی ہے- اس ضمن میں انہوں نے تہذیب مادی کے خوب صورت پروردوں کی مثال اس جانور سے دی ہے جسے سدھا کر مانوس کر لیا

جاتا ہے اور وہ اپنے مالک کے اشارے پر بعض فرماں برداریاں کر دیا کرتا ہے اور اس کا مالک اسے سجا سنوار کر رکھتا ہے- الغزالی اہل ایمان کو جادۂ مستقیم پر گام زن رہنے کے لیے جہاد بالنفس کی دعوت دیتے ہیں- فرماتے ہیں ''نفس کی تہذیب وتزکیہ عقل کو صیقل اور روشن کرنے جیسا یا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے-'' (ص:۱۰۴) اس سلسلے میں انہوں نے ایک قیمتی اصول دیا ہے'' اس جہاد میں کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب ہوائے نفس کی مسلسل خلاف ورزی کی جائے اور صراط مستقیم پر پوری جرأت اور صبر کے ساتھ قائم رہا جائے-'' (۱۰۶)

اس کے بعد انہوں نے **اتباع الشهوات** کے عنوان کے تحت مادیت پرستوں کے نظریۂ آزادی اور شہوت پرستی کا رد کیا ہے اور اس شہوت پرستی کی تباہ کاریوں کو پیش کیا ہے- پھر ایک عنوان قائم کیا ہے **من تجارب المربيين** اور کتب تصوف سے استفادہ کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ کے معاصر اور حریف صوفی ابن عطاء اللہ اسکندری کے اقوال کے تحت نفیس بحثیں کی ہیں- ہر قول کو پہلے ایک عنوان دیا ہے اور اس کے بعد پھر اس کی جدید لب ولہجے میں تفہیم وتشریح کی ہے- یہ عنوانات اس طرح ہیں: بے جا مشقت شہرت کی ہوس، اللہ کے حوالے، شیطان کا مکر، اپنے رب پر اعتماد کرو، لوگوں سے ناامیدی، کاملین کا نقص، اپنے نفس سے ڈرو، اللہ کے سامنے عاجزی، مادیت کے قیدی، عبودیت کی حقیقت، عابدین کی خطائیں، احسان صرف اللہ کا ہے، اپنی حقیقت سے غافل مت ہو، اپنے مالک کے حقوق کو پہچانو، زندگی ایک شغل ہے اور محاسبۂ نفس- الغزالی نے ان عنوانات کے تحت حضرت ابن عطاء اللہ اسکندری کے اقوال نقل کر کے ان کی بڑی نفیس تشریح وتوضیح اور عصر حاضر میں ان کی بڑی خوب صورت ودل پذیر تطبیق کی ہے-'' مادیت کے قیدی (**المحبوسون في سجن المادة**) کے ذیل میں منکرین خدا اور غافلین خدا کو خالق کے وجود کے اقرار اور احساس کی دعوت دی ہے- اس ضمن میں یہ بات بھی آ گئی ہے:

''بعض فلاسفہ یا بعض متصوفہ کو آپ یہ کہتے پائیں گے کہ وہ ہر چیز میں خدا کو دیکھتے ہیں- یہ تعبیر درست ہے اگر ان کی مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے آثار وشواہد دیکھتے ہیں- لیکن اگر ان کی مراد خالق ومخلوق کا اتحاد ہو، یا وحدۃ الوجود ہو، جیسا کہ بعض جھوٹے کہتے ہیں تو یہ تعبیر الف سے یا تک باطل ہے اور یہ قول اللہ اور رسولوں کا انکار ہے-''

واضح رہے کہ وحدۃ الوجود کی مطلق حمایت یا مخالفت میرے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی، کیوں کہ ایمان وکفر کے مسائل میں یا احوال باطن کے مسائل میں معانی سے بے پروا الفاظ کو لے کر جنگ کرنا نہ تو دانش مندی ہے اور نہ ہی انصاف، میں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ جو لوگ وحدۃ الوجود کو درست قرار دیتے ہیں ان کی مراد بھی درست ہوتی ہے اور جو اسے باطل قرار دیتے ہیں ان

کی مراد بھی باطل ہوتی ہے- یعنی وحدۃ الوجود کے معنی اگر یہ لیے جائیں کہ وجود بالذات صرف ایک ہے تو اس کے ایمان ہونے میں اور اگر اس کے معنی خالق ومخلوق کا اتحاد لیا جائے تو اس کے کفر ہونے میں شاید ہی کسی کو شبہ ہو- عموماً لوگ لفظی جنگ کرتے ہیں اور اس کے لیے تمام تر اسلحے استعمال کر ڈالتے ہیں-

آخری باب **شارات الطريق** کے ذیل میں توبہ، رغبت الی اللہ، کن باتوں سے توبہ کریں؟ توبہ کے درجات، خواص کی توبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار، ورع، عفت اور قناعت، صبر وشکر، خوف ورجاء، توکل اور حب کے معانی ومفاہیم کی تعبیر وتشریح ذہن جدید کو سامنے رکھ کر کیا ہے- خاتمہ میں اللہ کا شکر ادا کیا ہے جس کی توفیق سے تمام تر مصروفیات کے باوجود یہ ایک مفید مطلب کام پورا ہو گیا- خاتمہ میں انہوں نے اس احساس کا بھی ذکر کیا ہے کہ بہت سے قارئین مجھ سے سوال کریں گے کہ اسلام کے داخلی پہلو کے حوالے سے غلط فہمیاں اور گمراہیاں کیا ہیں؟ لیکن اس کام کے لیے جو محنت اور وقت مطلوب ہے، اس کے فقدان کے سبب الغزالی نے اپنے قارئین سے معذرت کر لی ہے- کاش ان کا قلم اس پہلو کا بھی احاطہ کر لیتا تو یہ بحث اپنی انتہا کو پہنچ جاتی- الغزالی نے اپنی تحریر کے بارے میں معاصرین سے جس ردعمل کی توقع کی ہے وہ یہ ہے:

''میں اہل سنت کے کچھ لوگوں کو جانتا ہوں جو یہ کہیں گے کہ مولف صوفی ہو گیا اور بعض متصوفہ یہ کہیں گے کہ یہ راہ سے بھٹک گیا اور میرے لیے بس اتنا کافی ہے کہ میں اپنے رب سے ہدایت کا طالب ہوں اور میں مختلف اوہام وخرافات سے اس دین کو پاک کرنے میں انصاف پر ہوں- **وللّٰه الحمد اولاً وآخراً**''

علم وفکر کا یہ ستارہ ۱۹۹۶ء میں غروب ہو گیا اور اب شہر رسول مدینہ منورہ میں محو خواب ہے-

○○○

تحریر: ڈوگن کاک
ترجمہ: اشرف الکوثر مصباحی

فتح اللہ گولین اور تصوف

گولین کے افکار اور مغربی تصور روحانیت پر ایک نظر

فتح اللہ گولین ترکی میں ارض روم (Erzerum) کے ایک روحانی گھرانے میں پیدا ہوئے- اسلامی علوم وفنون اور تصوف کی تعلیمات اپنے علاقے کے مشہور زمانہ علما و صوفیہ، مثلاً الور کے محمد لطفی آفندی وغیرہ سے حاصل کی- گولین ترکی کے ایک سنی، حنفی مسلم اسکالر، مصنف، شاعر، مشیر، فعال تعلیمی رہنما اور مبلغ ہیں- وہ انسانی اقدار کی عالمی سماجی تحریک ''Hizmet'' (خدمت) یا ''گولین مومنٹ'' کے بانی ومحرک اعلیٰ کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں- ان کی تحریک طلبہ وطالبات، اہل علم، تاجرین، پیشہ ور، عوامی حکام وعہدے داران، دفتری وانتظامی کارکنندگان، غیر ہنرمند کارکنان، مرد وخواتین اور بوڑھے وجوانوں پر مشتمل ہے- یہ ٹیم ترکی اور دنیا کے ایک سو سے زائد ممالک میں مختلف طریقے سے خدمات انجام دے رہی ہے-- جس سے بالخصوص تعلیمی مراکز، اسکول، کالجز، ہاسپٹل، بڑے امدادی ادارے، اشاعتی مقامات اور میڈیائی اداروں نے ایک ٹھوس اجتماعی شکل اختیار کرلی ہے- بایں سبب ۲۰۰۵ء میں فتح اللہ گولین کو Foreign Policy Magazine کے ذریعہ دنیا کے ٹاپ سو عوامی دانش ور (Public Intellectuals) کی فہرست میں شامل کیا گیا تھا- ان تمام کے باوجود گولین خود کو سماجی، اصلاحی تحریک کا محض رضا کار بتاتے ہیں- ان کے بیشتر اوقات مطالعے، تصنیف وتالیف، عبادت، گوشہ نشینی اور طبی احتیاطی تدابیر میں گزرتے ہیں- وہ اپنے ایک قول ''Living to let others live'' یعنی ''دوسروں کو جینے دینے کے لیے جینا'' کے لیے ہمیشہ مشہور رہے ہیں-

وہ بین مذاہب وبین ثقافت مکالمہ، سائنس، جمہوریت، اور روحانیت کی حمایت وتبلیغ کرتے ہیں، جب کہ تشدد اور مذہب کو سیاسی رنگ دینے کی مخالفت وتردید کرتے ہیں- ساتھ ہی تہذیبوں کی کشمکش کے مابین پرامن دنیا بنانے کے لیے تہذیبوں کے اتحاد کو بڑھاوا دیتے ہیں- انسانیت کے تعلق سے اخوت ومحبت، ہمدردی اور زندگی سے متعلق جملہ متعلقہ امور میں وسعت ظرفی کے مظاہرے کے سبب بعض لوگوں کے نزدیک ''عہد حاضر کے رومی'' کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں- مذکورہ صفات کی دلیل کے لیے ان کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''اتنے متحمل بن جاؤ کہ تمہاری آغوش اور تمہارا سایۂ عاطفت سمندر کی طرح بیکراں بن جائے- انسانی صفات یعنی اعتماد اور محبت کے نمونہ اور روح رواں بن جاو- دنیا میں کوئی بھی ایسی بے چین اور پریشان روح نہ رہنے پائے، جہاں تم نے محبت کا ہاتھ نہ بڑھایا ہو، یا اب تک جس کے بارے میں تم نے سوچا نہ ہو-'' (فتح اللہ گولین، Criteria or Lights of the way, London, Truestar-)

زیر نظر تحقیقی اور جامع مقالہ ہوسٹن یونیورسٹی، امریکہ کے ڈوگن کاک (Dogan Koc) نے ''Gulen's Interpretation of Sufism'' کے نام سے لکھا ہے- اس میں انہوں نے تصوف کے حوالے سے اس مذکورہ عبقری ونابغۂ روزگار شخصیت کے فہم ونظریہ اور ان کے تصوف کو مغرب کی بے مہار تصوف سے تقابل کرا کر دلچسپ نتیجہ اخذ کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے- اس مقالے کے توسط سے تصوف کے تعلق سے گولین کا نظریہ بھی سامنے آجاتا ہے- آنے والے صفحات میں اسی مقالے کا تلخیصی ترجمہ نذر قارئین ہے- چوں کہ حوالہ جات کی تمام کتابیں انگریزی یا ترکی زبان میں ہیں اس لیے ان کو جوں کا توں رکھا گیا ہے- گولین کے تعلق سے مزید معلومات کے لیے Google اور Wikipediafreeencyclopedia کے علاوہ خود ان کی ذاتی ویب سائٹ www.herkul.org کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے- مترجم

گولین اور ان کے نام سے منسوب مومنٹ کا شہرہ مغرب میں سماجی ماہرین علوم کا ایک دلچسپ موضوع بن گیا ہے- بالخصوص اس تحریک کی تعلیمی اور بین مذاہب سرگرمی ان لوگوں کی توجہات کو مبذول کرانے کا سبب بنی ہے- گولین تحریک کی طرف سے کی جانے والی اسلام کی تشریح وتعبیر، مغرب کے تعلق سے ان کی وسعت ظرفی، کھلا پن، روایت پسندی اور جدیدیت کے

باہمی امتزاج نے ان افراد کو اچانک مغرب اور اسلام کے مابین تنازع اور کشمکش کے حل کی عمدہ راہ دکھائی ہے، جو اس تحریک سے وابستہ افراد سے ملے ہیں- محققین نے تحریک کے عناصر اور اس کے محرکات کی توضیح وتشریح کرنے کی کوشش کی ہے- یاوز (Yavuz 2004) کا کہنا ہے کہ گولین تحریک ترکی میں اسلام کا ایک ایسا نیا ماڈل پیش کرتی ہے جو جمہوریت اور جدیدیت سے برسرپیکار نہیں ہے اور جس میں اناتولین (Anatolian) اسلامی فہم کا عکس بھی ہے- اراس (Aras) اور کاہا (Caha-2000) نے اشارہ کیا ہے کہ عثمانی - ترکی فہم نے گولین کی اسلامی تشریح وتعبیر کو یہ صورت بخشی ہے لیکن دیگر لوگوں نے اسے خود گولین کی قیادت کا اثر بتایا ہے- وہ محققین جنہوں نے اس تحریک کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات پر متفق ہیں کہ صوفی اخلاقی اقدار کا تصور اس تحریک کا مرکز ومحور ہے- گاکیک (Gokcek-2005) کے مطابق گولین اس کے عام طور پر سمجھے جانے والے معنی میں صوفی سلسلے کے بانی نہیں البتہ وہ جدید دنیا میں ایک صوفیانہ زندگی کے لیے بنیادی اصول کی بنیاد ڈالنے والے ہیں- اس تحریک کا رشتہ اور اس کی مماثلت تو صوفی روایات سے ہے لیکن صوفی سلاسل سے اس کا جو امتیاز ہے، اس کی وجہ سے بعض اسکالر کی جانب سے اس تحریک کو ''نیم صوفی'' ''صوفی سے متعلق (کم (Kim2005) یا ''مابعد تصوف تحریک (Y a v u z 2 0 0 4) کا نام دیا جارہا ہے جب کہ دوسری جانب ولیمس (Williams2005) اور یاوز (Yovuz2004) اس کے متبعین کو صوفی سلسلہ کی بجائے ''سماجی تحریک بتاتے ہیں'' الزابیتھ اوزدالگا (Elisabeth Ozdalga2005) بھی کہتے ہیں کہ یہ ایک ''سوشل نیٹ ورک'' ہے جو کہ روایتی صوفی خانقاہوں سے مختلف ہے- اگرچہ تصوف کے اثرات کی مقدار کے سلسلے میں محققین مختلف آرا رکھتے ہیں پھر بھی ان لوگوں کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ تحریک کی تشکیل میں صوفی ازم کا اہم مقام ہے لیکن اس ایک تغیر پذیر شے کے لیے اس تحریک اور اس کے محرکات کی وضاحت ناممکن ہے-

وہ کون سے لازمی عناصر تھے اور اس کی تعریف کس طرح کی گئی اور اس نے کیوں ان محققین کے دماغ کو کشمکش میں ڈال رکھا ہے جنہوں نے اس تحریک کو کوئی نام دینے میں مشکلات کا سامنا کیا؟ اس کی وضاحت کے لیے مزید چھان بین اور تلاش وتحقیق کی ضرورت ہے- مغربی عوام اور اسلامی دنیا میں تصوف کی تعریف مختلف ہے- اسی طرح مسلم دنیا میں بھی مختلف تعبیر وتشریح ملتی ہیں- تصوف کی مختلف تعبیر کے ساتھ گولین کا خود کے بارے میں صوفی شیخ اور اس کے متبعین کا صوفی سلسلہ ہونے سے انکار اس مسئلہ کو مزید الجھا دیتا ہے-

میرا خیال ہے کہ گولین تحریک کی تعریف وتوضیح اور صوفی ازم سے اس کے رشتے کو بیان

کرنے میں جو مشکلات پیش آرہی ہیں اس کا سرا خود صوفی ازم کی تعریف وتوضیح سے جا کر ملتا ہے- گولین کی صوفی ازم سے جو مراد ہے وہ مغربی فہم اور اصطلاح تصوف کے مسلم نقادوں سے مختلف ہے- صفحات کی قلت اور صوفی ازم کی مغربی تعبیر اور مسلم ناقدین تصوف کے درمیان سماجی وتاریخی اختلاف کے سبب اس مقالہ میں صرف تصوف کی مغربی تعبیر کا گولین کی تعبیر تصوف سے خاص طور پر تقابل کرنا مقصود ہے- (صوفی ازم کی عربی اصطلاح تصوف ہے جو غالباً معنی میں مماثل ہے-)

صوفی ازم کی جڑیں پندرہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں موجود ہے- لیکن مغرب میں اس کا داخلہ یقیناً ابھی ابھی ہوا ہے اور یہ داخلہ بھی منتخب، متعصب، نوآبادیاتی نظریہ رکھنے والوں کے ذریعے ہوا ہے- مغرب میں تصوف کے حوالے سے کارل ارنسٹ (Carl Ernst1996) کے تفصیلی مطالعے سے اس موضوع پر روشنی پڑتی ہے اور یہ مطالعہ بتاتا ہے کہ تصوف کی مغربی فہم اسلامی اپروچ سے کس طرح مختلف ہے- ارنسٹ کے مطابق یہ صوفی ازم کی بجائے اسلامی تصوف (روحانیت) ہے- Ernst کے مطابق یہ کہنا غلط ہوگا کہ اسلامی تصوف کو مغرب میں اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہے- اسلامی تصوف کے ابتدائی مطالعے میں یوروپی اسکالرز بالخصوص برطانوی نوآبادیاتی مستشرقین نے اسے صوفی ازم کا نام دے کر اسلام کی بجائے اسے ایک الگ زمرے میں رکھا ہے- ارنسٹ آخری جزء ''ism'' کو مغربی ارادوں اور عزائم کی علامت کے طور پر دیکھتے ہیں جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ تصوف اسلام کے سخت گیر قانونی ڈھانچے پر ایک خارجی اضافہ ہے- ارنسٹ یہ بھی اشارہ کرتے ہیں کہ نوآبادیاتی تعصّبات اور اس زمانے کے مذہبی نسلی نظریے نے اس خیال کی حوصلہ افزائی کی کہ اسلام ایک روحانیت مخالف سامی مذہب ہے، جس طرح یہودیت روحانیت مخالف ہے- لہٰذا کوئی بھی متصوفانہ اور روحانی نظریہ عیسائیت اور بدھ مت کی طرح کسی خارجی ذرائع سے ہی درآمد کیا گیا ہوگا- صوفی ازم کو مثبت نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، مگر اسے اسلام مخالف سمجھا جاتا ہے- اس کی بنیاد (Lt. James William Graham) لیفٹنٹ جیمس ولیم گراہم کے سب سے پہلے مطالعے ''A Treatise on Sufism or Mahomeden Mysticism'' (تصوف یا مسلم غامضیت پہ علمی مقالہ) میں ملتی ہے- اس کی اشاعت 1859 میں ممبئی کی Litrary Society کے تحت ہوئی اور یہ مطالعہ ایک دوسرے نوآبادیاتی افسر اور مستشرق جنرل سرجان مالکام General Sir (John Malcom) کی گزارش پہ کیا گیا تھا-

ارنسٹ (Ernst 1997) اپنی ایک دوسری تحقیق میں مزید گہرائی میں جاتے ہوئے اس نقطہ نظر کو واضح کرتے ہیں کہ اصل میں صوفی ازم کی اصطلاح برطانوی مستشرقین کی جانب سے

دی گئی تھی- وہ ایک ایسا لفظ چاہتے تھے جو اسلام کی مختلف تعلیم کی مختلف جہات کی کماحقہٗ وضاحت کر سکے، ساتھ ہی تمام منفی، روایتی اور گھسے پٹے رویے سے احتراز کر سکے- چنانچہ انہوں نے اس لفظ کو پر کشش، حسب منشا اور خوش گوار پایا اور اسے اسلام سے منسوب کر دیا- حالانکہ Chittick (1999) کے مطابق اس اتہامی رویے کو بھی انہیں مستشرقین نے پھیلایا ہے- جب لفظ Sofi یا Sufi (صوفی ازم کے متبعین) کے اصل مادہ اور اس کی ابتدا کے تعلق سے گولین بحث کرتے ہیں تو وہ اس مغربی اپروچ کو بھی ظاہر کرتے ہیں-

کچھ لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ لفظ Sofi یونانی الفاظ Sophia یا Sophos سے ماخوذ ہے جس کے معنی Wisdom یعنی حکمت و دانائی کے ہیں- میرا خیال ہے کہ یہ بیرونی محققین کی جعلسازی اور سخن سازی ہے جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ صوفی ازم کا ماخذ بدیسی ہے اس لیے یہ غیر اسلامی ہے-(ص-۲۳)

مغربی عوام میں صوفی ازم کی غلط نمائش نے عام لوگوں کو ٹھیک اسی اپروچ کی طرف مائل یا رہنمائی کی ہے جو بدھ ازم اور یوگا مشرقی فلسفوں کے تعلق سے پائے جاتے ہیں- اس کی وجہ سے کچھ غیر مسلم صوفی مغربی سماج میں ظاہر ہوئے جو صوفی نصاب کے مطابق استغراق اور گیان دھیان میں مصروف تو ہوئے لیکن اسلام قبول نہیں کیا اور کچھ تو ایسے ہیں جو خدا کا تصور بھی نہیں رکھتے- اس غیر مسلم صوفی ڈھانچے نے وہابیوں اور سلفیوں کی راہ ہموار کی کہ وہ صوفی ازم کے تعلق سے اپنی زہر افشانی کو ثابت کر سکیں- جس نے بقیہ مسلم دنیا میں صوفی ازم کے تعلق سے احتیاط اور چوکنّے پن کی فضا قائم کر دی- لیکن یہ صحیح نہ ہوگا کہ مغربی تحقیقی مطالعات میں آنے والی تبدیلیوں کو اجاگر نہ کیا جائے- مغربی دنیا میں صوفی ازم کے حالیہ مطالعے نے بہت ہی معروضی اور غیر نوآبادیاتی رخ اختیار کر لیا ہے- مثال کے طور پر Lings, Ernst اور Chittick کو دیکھا جا سکتا ہے-

صوفی ازم کو کماحقہٗ سمجھنے اور گولین کی تحریک میں اس کے کردار اور اس کے مقام کی وضاحت کے لیے، گولین کے صوفی ازم کی فہم اور ان کے نظریہ کو اسلامی صوفی اصطلاحات کے ذریعہ مزید عمدہ طریقے سے تعریف و توضیح کی ضرورت ہے- اپنی کتاب ''Kalbin Zumrut Tepeleri'' جو دو جلدوں میں ہے اور جس کا ترجمہ سب سے پہلے ''Emerald Hills of The Heart'' کے نام سے شائع ہوا تھا اور پھر اہم نظریات کو ''Practice of the Sufism'' کے نام سے شائع کیا- اس میں گولین نے عنوان سے تو بحث کیا ہے لیکن کبھی بھی صوفی ازم کی اصطلاح کو استعمال نہیں کیا- کتابوں کے ترجمے میں نام کی تبدیلی ناشر کا عملی نظریہ ہو سکتا ہے- کیوں کہ انگریزی قارئین صوفی ازم کی اصطلاح استعمال کرتے تھے-

اصلاحی پہلو

Sofi اور sufi ایسے الفاظ ہیں جو اسلامی اصطلاح میں صوفی ازم کے متبعین کو بتانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں- لفظ کی ابتدا کے تعلق سے مختلف دعووں کے سبب اختلاف پیدا ہوتا ہے- وہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ صوفی ازم لفظ صوف (اون)، safa صفا (روحانیت اور مسرت و شادمانی) یا safvat صفوت (صفائی، طہارت) سے ماخوذ ہے- وہ لفظ Sofi کے استعمال کی موافقت کرتے ہیں- اور دوسرے جن کا یقین ہے کہ یہ لفظ صفّہ (چبوترہ) سے آیا ہے جو اسے لفظ sofu (مذہبی جذبہ) سے ممتاز کرنا چاہتے ہیں وہ sofi کے بجائے sufi استعمال کرتے ہیں (گولین، ۱۹۹۹ء)- تصوف (صوفی ازم) کی اصطلاح کا ماخذ کوئی بھی اصل اور بنیاد ہو سکتی ہے لیکن گولین صوفی ازم کی بنیاد اور ابتدا کے بارے میں اسلام کی بجائے کسی بھی نسبت اور تعلق کا بالکلیہ انکار کرتے ہیں مثلاً عیسائی اور ہندو روحانیت اور یونانی فلسفہ (گولین ۱۹۹۹ء)- جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ کچھ لوگوں نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ اصطلاح یونانی الفاظ Sophia یا Sophos سے ماخوذ ہے جس کے معنی wisdom یعنی حکمت و دانائی کے ہیں- لیکن گولین اس لفظ کے دانستہ غلط استعمال کو ذکر کرنے کے علاوہ صوفی طرز زندگی اور یونانی فلسفے کے مابین عملی اور لازمی فرق اور اختلاف کو دکھاتے ہیں:

''اسلام سے قبل بعض ہندو اور یونانی فلاسفہ نے ذاتی تزکیہ وتطہیر کے لیے مختلف طریقوں کو اپنایا اور مادی وجنسی خواہشات اور دنیاوی کشش کے خلاف مجاہدہ کیا- لیکن صوفی ازم اس روش اور طور طریقوں سے لازماً مختلف ہے- مثال کے طور پر صوفیہ اپنی پوری زندگی مناجات، مسلسل عبادت، خدائے کامل کی بندگی، ضبط نفس اور عاجزی وانکساری کے ذریعہ اپنی ذات کے تزکیہ وتطہیر کی پیاس کو بجھانے میں صرف کر دیتے ہیں، جب کہ قدیم فلاسفہ ان اصول وضوابط اور اعمال ومعاملات میں سے کسی پہ بھی عمل نہیں کرتے- ان کے ذاتی تزکیۂ نفس کو ''اگر وہ واقعتاً اس کے مستحق ہیں کہ اسی طرح سمجھا جائے'' تو بھی عام طور پر وہ ان کے اکثر لوگوں میں عجز وانکساری اور ذاتی تزکیہ وتطہیر کی بجائے تکبر، غرور اور رعونت وخودسری کا موجب وسبب بنے ہیں-'' (گولین، ۱۹۹۹ء، ص: ۲۵)-

تاریخی پہلو

گولین کی صوفی ازم کی فہم وتعبیر اس کی اصطلاحات کی بجائے اس کے اسلامی تاریخی فروغ وارتقا میں اپنی مخصوص شکل وصورت اور زاویہ اختیار کرتی ہے- گولین (۱۹۹۹ء) صوفی ازم کو اسلام کے تاریخی فروغ وارتقا میں فن کی حیثیت سے دیکھتے ہیں- اسلام کے ابتدائی زمانے میں، مذہبی احکام باضابطہ لکھے ہوئے نہیں تھے- بایں سبب، عقیدہ، عبادت اور روزمرہ کے متعلق احکام پہ عمل

اور زبانی سرگرمی نے لوگوں کو اسے حفظ کرنے کی رغبت فراہم کی تھی۔لیکن بالآخر علما اور اسکالرز نے
ان زبانی حفظ شدہ ذخیرہ علم کو تحریری شکل میں تالیف کرنا شروع کر دیا۔ایسا کر کے،ان لوگوں نے
مذہبی احکامات کو اس وقت فوقیت دی، کیوں کہ یہ مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں نہایت
اہم اور بنیادی مسائل تھے۔یہ اسلامی علوم کے آغاز کا زمانہ تھا،فقہانے اسلامی قانون اور اس کے
احکام پر مشتمل کتابوں کو جمع کر کے باقاعدہ شکل میں جمع کر کے مرتب ومدون کیا ،محدثین نے
احادیث اور سنت کو رواج دیا اور متکلمین نے مسلم عقائد وغیرہ کی طرف توجہ کی جب کہ بعض اسکالرز
نے خارجی سرگرمیوں کو موضوع بحث بنایا،تبھی صوفی ماہرین ومدبرین نے محمدی صداقت یعنی
خالص روحانی پہلو اور گہرائی و پہنائی کی طرف توجہ مرکوز کی۔قرآن، تفاسیر، محدثین کی روایات،
فقہا کے اخذ کردہ نتائج کے مطالعے کے ذریعہ صوفی ماہرین نے زہد، روحانیت، ذاتی تزکیہ اور
مذہب پر عمل کے ذریعہ اپنی راہ کو مزید ترقی بخشی،اور صوفی ازم کو اس کے اپنے طریقے، اصول و
قوانین اور اصطلاح کے ساتھ اسلامی سائنس کی حیثیت سے شروع کیا اور پھر رواج بخشا۔یہ لفظ
دیگر صوفی ازم شریعت کی روح بن گئی۔اول الذکر نے خالص باطنیت کو ملحوظ رکھا جب کہ مؤخر الذکر
نے خارجی امور کو۔گولین (۲۰۰۶ء) کا خیال ہے کہ دین کے مختلف پہلوکی تقسیمات کو انسان کی
فطرت وجبلت کے نتیجہ کے طور پر دیکھنا چاہیے کہ انسان اسی شئ کو فوقیت دیتا ہے جو عمل کے
اعتبار سے عین مناسب اور موافق ہو۔ان گروہ بندی کو انسان کی مختلف لیاقت اور رجحانات پر محمول
کیا جا سکتا ہے کہ بعض نے عملی تعلیمات کو ترجیح دی تو بعض نے عقلی تعلیمات کو، جب کہ کچھ لوگوں
نے روحانیت وتزکیہ نفس کی تعلیمات پر توجہ دی ہے۔لیکن پھر بھی ان تقسیمات اور اختلاف کی بنیاد
اور ان کا ماخذ بھی نبوی طریقہ ہی ہے جو تمام مذہبی ذمہ داریوں کو تین بنیادی حصوں میں تقسیم کرتا
ہے جو عمل، علم، اور روح یا جسم، دماغ اور قلب سے مربوط اور ہم آہنگ ہے۔(Chittick
1999)۔اسے فطری انسانی ادراک یعنی جسمانی، دماغی اور روحانی خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا
ہے۔کسی بھی علم کی طرح اس کے بھی ہر جز میں اسلامی علم کا عنصر پایا جاتا ہے۔ان فطری تقسیمات
اور اسلامی علوم سے ان کے رشتے اور تعلق کو سمجھنے کے لیے میں نے ذیل میں نقشہ بنایا ہے۔

انسان

جسم — جسمانی
دماغ — ذہنی
دل — روحانی
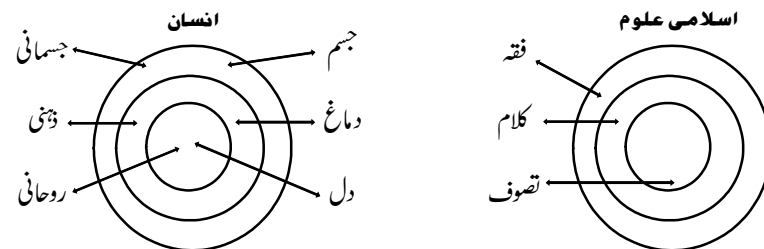
گولین صوفی ازم کی تعریف وتشریح میں نہایت ہی احتیاط برتتے ہوئے وضاحت کرتے
ہیں کہ اگرچہ یہ علوم مختلف طرق (فطری طور) سے استعمال ہوتے ہیں لیکن ان تمام کی منزل اور
مقصد ایک ہی ہے۔''خدا تک پہنچنا''۔

صوفی ازم کی تعریف ''باطنی صداقت، یا پراسراریت'' کے علم یا انسان کی ''روحانی حالت و
کیفیت'' کے علم یا ''آغاز وارتقا'' کے علم کی حیثیت سے کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ دیگر مذہبی علوم
سے بالکلیہ مختلف ہے''۔(گولین، ۱۹۹۹ء،ص:۲۱)

گولین کی تعریف میں،اسے سمجھنے کے لیے قلب ایک لازمی کردار ادا کرتا ہے۔اسلامی علم کی
حیثیت سے صوفی ازم کا قبلہ قلب کی طرف ہے لیکن وہ جسم اور دماغ کا بھی احترام کرتا ہے۔صوفیہ کے
مطابق قلب تمام جذبات اور عقلی وروحانی شعبہ جات کے مرکز کی حیثیت سے ایک انسانی صداقت
ہے۔قلب کی روحانی صحت یابی پورے جسم کی صحت یابی کے لیے ناگزیر وحیات آفریں ہے۔ایک
حدیث نبی (ﷺ) جو صوفی ازم کو سمجھنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ:

جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر یہ صحت یاب ہے تو پورا جسم صحت یاب رہتا ہے اگر یہ
بیمار اور خراب ہو گیا تو پورا جسم بیمار اور خراب ہو جاتا ہے۔ہوشیار رہنا! وہ حصہ قلب ہے۔(بخاری،
ایمان،ص:۲۹؛مسلم،مساقات:۱۰۷)

صوفیہ قلب کو خدا کے ادراک اور مشاہدے کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں - ارض روم
(Erzurum) کے ایک عظیم صوفی، ابراہیم حقی جس سے گولین بہت زیادہ متاثر ہیں،اس طرح
بیان کرتے ہیں:

قلب خدا کا گھر ہے؛اس میں خدا کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اسے صاف کرو۔تاکہ ارحم
الراحمین، شب میں اپنے محل میں نازل ہو سکے۔خدا فرماتا ہے:''نہ تو جنت اور نہ ہی زمین مجھ کو سمو
سکتی ہے''وہ ایک خزانہ ہے جو کہ خود قلب سے قلب میں چھپا ہے۔(گولین، ۱۹۹۹ء،ص:۲۲)

گولین (۱۹۹۹ء) قلب کو انسانی جسم کے روحانی زاویہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جو کہ براہ
راست خدا کی فصیح، نہایت واضح، نادر وباوقار اور سچی زبان ہے۔مختصر یہ کہ خدا کی جستجو کے لیے
نہایت ہی لازمی آلہ ہے؛ یہی وہ صاف وشفاف آئینہ ہے جہاں خدا کے نور کا عکس و پرتو پڑتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ یہ دوسری اور تیسری صدی کے بعد کا زمانہ تھا جب مسلمانوں
نے اسلام اور سیرت نبی (ﷺ) کے مختلف پہلوؤں پر توجہ دینا شروع کر دیا تھا،جس کے وسیلے سے
مختلف اسلامی علوم وفنون وجود میں آئے مثلاً (فقہ، حدیث، تفسیر، کلام اور تصوف وغیرہ) ہر علم نے
جب بھی تمام پر عمل کرنے کی کوشش کی تو قرآن وسنت کے متعلقہ حصہ پر توجہ مرکوز رکھی۔اسلامی

علوم کے مطابق صرف پیغمبر محمد (ﷺ) ہی تمام علوم کے کامل، عامل اور ماٰخذ ہیں- انہوں نے ایسی زندگی گزاری کہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو بحسن وخوبی برت کر دکھایا- لوگوں کو اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ان علوم کے درمیان کوئی تنازع نہیں ہے؛ یہ صرف فوقیت اور اولیت دینے یا مختلف موضوعات پر توجہ کا معاملہ ہے، ابو ہاشم الکوفی (وفات،۷۷۴ء) پہلے مسلمان تھے جسے صوفی کہا گیا- گولین کے مطابق اس وقت تصوف کی شناخت روحانی لوگوں سے ہوتی تھی جو رسول (ﷺ) کے نقش قدم پر چلتے اور ان کے اصحاب کی طرز زندگی کی اتباع وپیروی کرتے تھے- بالآخر صوفیہ نے مختلف محققین کے ماتحت سلسلے بنائے اور سلاسل طریقت (۱۱) میں اصول وضوابط نافذ کرکے باضابطہ سوسائٹی قائم کی- تصوف کے حوالے سے گولین کے نظریہ وفہم کا تعلق ابتدائی دور یعنی بالخصوص پہلی اور دوسری صدی کے اسلام سے ہے- ساریو پراک (Sarioprak,2 001) گولین کو ''اپنی راہ کا صوفی'' کہتے ہیں اور اس متوازی صوفی طریق کو بیان کرتے ہیں جسے گولین ابتدائی صوفی اسکالرز میں پاتے ہیں: ابتدائی زمانے کے صوفیوں کا نہ تو کوئی سلسلہ تھا اور نہ ہی کوئی تنظیم وادارہ، رابعہ، جنید، محاسبی، بشر، غزالی، فریدالدین عطّار یہاں تک کہ رومی کا بھی کسی طریقت سے کوئی تعلق نہیں تھا پھر بھی وہ لوگ صوفی تھے- (ص:۶)

علمی پہلو

گولین کے مطابق تصوف کا عملی پہلو، تاریخی واصطلاحی تعریفات وتوضیحات سے زیادہ اہم ہے- تصوف مختصر لفظوں میں، اسلام کا روحانی پہلو یا عملی مسلمانوں کی روحانی زندگی ہے- گولین کی ذاتی تعریف کے مطابق تصوف روحانی عروج وارتقا کا تاحیات جاری رہنے والا ایک سلسلہ ہے جو فعال انفرادیت اور موثر ومتحرک شراکت کا متقاضی ہے- اس کے لیے تمام مذہبی اصول وقوانین اور پیغمبر محمد (ﷺ) کے مثالی نمونہ پر گہری نظر ہونا ضروری ہے- جو کسی بھی فرد کے لیے خدا کی مسلسل عبادت اور محبّ خدا کی حیثیت سے خود شعوری وخود آگاہی میں غرق ہونے کے بعد ممکن یا حاصل ہوتا ہے (گولین، ۱۹۹۹)- تصوف کا مغز یا مرکز قرآن وسنت ہے- خاص طور پر وہ حدیث پاک جو جہاد اکبر (Yavuz,2004) پر زور دیتی ہے- صوفی ازم کی مختلف عملی تعریف وتوضیح بیان کرنے کے بعد گولین اس کا خلاصہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

تصوف ایک ایسا راستہ ہے جس پر ہر وہ شخص چل سکتا ہے جو فرشتوں کی صفات حاصل کرنے اور رضائے الٰہی کا طرز عمل اپنانے کے لیے خود کو انسانی برائی وکمزوری سے پاک ومنزہ کرنے کا اہل ہو، ساتھ ہی خدا کے علم ومنشا کے مطابق زندگی جیتا ہو اور نتیجے کے طور پر روحانی فرحت اور مسرت وشادمانی حاصل کرتا ہو- (گولین، ۱۹۹۹ء، ص:۱۶)

(Chittick1999) ابتدائی صدی کے مسلمانوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے خدا سے محبت کی، اس لیے پیغمبر (ﷺ) کی کماحقہ اتباع کی اور نتیجے میں خدا کے محبوب بنے- یہاں تک ان لوگوں نے جو وہ کہا کرتے تھے اسے کوئی نام بھی نہیں دیا- دسویں صدی کے صوفی کامل فشانجی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ: آج تصوف کا حقیقت کے بجائے محض نام رہ گیا ہے لیکن کبھی یہ نام کے بغیر ایک حقیقت ہوا کرتی تھی (Chittick، ۱۹۹۹ء، ص:۵ میں ذکر کیا گیا ہے)

(امام) غزالی نے بھی اس حقیقت کو اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں ذکر کیا ہے جسے R.J.McCarthy (2000) نے ''Al-Ghazali's Path to Sufism'' (غزالی کے تصوف کی راہ) کے نام سے ترجمہ کیا ہے:

تمہاری تعریفات اور اسباب اور صحت وآسودگی کی حالت وکیفیت کو جاننے اور تمہارے صحت مند اور آسودہ ہونے کے درمیان کتنا عظیم اور واضح فرق ہے! (ص:۵۲)

گولین (۱۹۹۹) کے لفظ میں، صوفی ازم مسلسل ولگاتار سعی کا تاحیات سفر ہے جو خدا تک پہنچاتا ہے- یہ ایک ایسی لمبی دوڑ ہے جو مستقل مزاجی اور قوت ارادی کے ساتھ دنیاوی عیش اور لطف اندوزی اور انعام واکرام کی توقعات سے پرے ہوکر بغیر کسی وقفہ اور ٹھہراؤ کے دوڑی جاتی ہے- عملی اعتبار سے تصوف حقیقت کی تلاش اور پھر اس حقیقت کو اپنی ذاتی زندگی میں کامل طور پر برتنے سے عبارت ہے- تصوف ایک روحانی زندگی ہے جسے مسلمان جیتا ہے-

ماحصل

حقیقت میں گولین صوفی ازم یا تصوف کو اسلامی طرز زندگی کے روحانی پہلو کی حیثیت سے دیکھتے ہیں- یہ بالخصوص پیغمبر (ﷺ) اور بالعموم مسلمانوں کی روحانی زندگی ہے- نہ تو یہ اسلام سے مختلف ہے اور نہ ہی اس کا کوئی دوسرا ماخذ ہے- ان تمام کے باوجود، اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا گولین ایک صوفی ہیں؟ تو اس مقالے کے تجزیہ کی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک متصوف ہیں، لیکن اپنے مطابق نہیں، بلکہ وہ متصوف ہیں اس راہ کے مطابق جس پر پیغمبر (ﷺ) اور سلف (اصحاب اور اس کے بعد کی دونسل جنہوں نے ان کی اتباع کی) تھے- وہ پیغمبر (ﷺ) کے مثالی نمونہ اور ان کے اصحاب اور مخلص عشاق کا اتباع کر رہے ہیں- وہی یہ حقیقت ہے جس کی جستجو میں گولین لگے ہیں-

اس مقالہ میں، گولین کے تصوف کی فہم ونظریہ کا مغرب کی غلط تعبیر کے مقابلے میں تجزیہ کیا گیا ہے- اس تجزیہ میں تصوف کے تین پہلو (۱) اصطلاحی (۲) تاریخی (۳) اور عملی پر خاص طور سے توجہ دی گئی ہے- مجھے تسلیم ہے کہ یہ مقالہ تعارفی معیار کا ہے، جس کے تینوں پہلو اور اس کی نمایاں خصوصیات کو گولین نے بیان کیا ہے- جسے مزید گہرائی اور تفصیل سے تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے-

کتابیات

(1)-Aras & Caha, (2000). Fethullh Gulen and His Liberal ''Turkish Islalm" Movement. MERIA Journal V4, No:4

(2)-Chittick, W. (1999). Sufism: Name and Reality, In "Merton & Sufism: The Untold story" edited by Rob Baker and Gray Henry. Fons Vitae: Louisville, KY

(3)–Ernst, C.W. (1996) Preface in Sells, M. (1996) Early Islamic Mysticism. Paulist Press: New York

(4)–Ernst, C. W (1997) The Shambhala Guide to Sufisim. Shambhala; 1st edition.

(5)–Gokcek, M (2005). Gulen and Sufism, paper delivered at the conference "Islam in the Contemporay world: The Fethullah Gulen Movemnet in Thought and Practice "Rice University, 12-13 November 2005.

(6)–Gulen, M. F. (1999). Key Concepts in the Practice of Sufism. The Fountain: Fairfax,

(7)–Gulen, M. F. (2004) Key Concepts in the Practice of Sufism, Emerald Hills of the Heart. Revised Edition. The Fountain :Fairfax,

(8)–Kim, H., (2005). F.Gulen and Sufism: Accontemporary Manifestaion of Sufism, paper delivered at the conference "Islam in the Contemporary word : The Fathullah Gulen Movement in Thought and Practice" Rice University, 12-13

November 2005.

(9)–Michel, T. (2005). Sufism and Modernity in the Thought of Fethullah Gulen. The Muslim world.V95 No:3

(10)–Ozdalga, E. (2005). Redeemer or Outsider? The Gulen Community in the Civilizing process. The Muslim world. V95, No:3

(11)–Ozkok, E. (1995). Interview with Fethullah Gulen on 23 January, 1995 .Hurriyet Newspaper: Istanbul.

(12)–Saritoprak, Z. (2001)"Fethullah Gulen: A sufi in his Own way. "Paper delivered at the seminar "Islamic Modernities: Fethullah Gulen and Contemporary Islam, "Georgetown University. 26-27 April 2001.

(13)–Willaims, I.(2005). An Absent Influence? The Nurcu/ Fethullah Gulen Movements In Turkish Islam and their potential influence upon European Islam and global education. Paper delivered at the conference "Islam in the Contermporary world: The Fethullah Gulen Movement in Thought and Practice"Rice University. 12-13 November 2005.

(14)–Yavuz, H. & Espesito, J. (2003) Turkish Islam and the Secular State: The Gulen Movement, Syracuse University Press: New York

(15)–Yavuz, H. (2004). Interview Hakan Yavuz, The Gulen Movement: a modern expression of Turkish Islam, Religioscope: 21 Jul 2004

.❍❍❍

امام عبدالحلیم محمود اور تصوف

'التفکیر الفلسفی فی الاسلام' کے حوالے سے

مصر کی سرزمین صدیوں سے زرخیز رہی ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں جامعۃ الازہر کے قیام کے بعد اور اس سے پہلے سے آج تک سیکڑوں ایسے علماء، محققین، صوفیہ اور مشائخ نے اس سرزمین پر جنم لیا ہے جن کا نام تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھا جاتا ہے۔ علامہ، شیخ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود بیسویں صدی کے ان نامور مصری محققین میں ایک ہیں جنہوں نے اپنے اسلاف کی وراثت کی قدر پوری طرح سمجھا اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے نشان راہ چھوڑ گئے۔ اعلی تحقیق، شفافیت، جدت پسندی، جوانمردی اور بے باکی عبدالحلیم محمود کی امتیازی صفتوں میں سے ہیں۔ میں اپنے اس مختصر مضمون میں ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا ایک مختصر تعارف پیش کروں گا اس کے بعد تصوف سے متعلق ان کی بحث کا خلاصہ پیش کروں گا۔

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کی پیدائش اور نشونما دینی گھرانہ میں ہوئی۔ جامعۃ الازہر میں داخلہ لیا اور سکنڈری تک کی تعلیم مکمل کی اس کے بعد اعلی تعلیم کی غرض سے پیرس کا سفر کیا جہاں انہوں نے ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ مصر واپس لوٹنے کے بعد جامعۃ الازہر شریف میں مختلف عہدوں پر فائز رہے حتی کہ مجمع البحوث الاسلامیہ کے سکریٹری منتخب ہوئے، کچھ دنوں بعد مصری حکومت کی جانب سے وزارت اوقاف کا قلمدان ان کے سپرد کردیا گیا اور ۱۹۷۳ء میں شیخ الازہر بن گئے۔ مجمع البحوث، وزارۃ الاوقاف اور مشیخۃ الازہر جیسے اہم عہدہ کی ذمہ داری نے انہیں آزادی کے ساتھ کام کرنے کا موقع عطا کیا اور ان مواقع اور عہدوں سے پوری طرح استفادہ بھی کیا۔ مجمع البحوث الاسلامیہ کو نئی جہت عطا کیا اور اس کے شعبوں کو پوری منظم و مربوط کیا، اس کے لیے خاص عمارت کی زمین بھی منظور کروالی۔ وزیر اوقاف کا عہدہ سنبھالنے کے بعد مختلف مسجدوں کو

اوقاف میں شامل کیا خاص طور پر مسجد عمرو بن عاص جو افریقہ کی قدیم ترین مسجدوں میں سے ایک شمار کی جاتی ہے کو اوقاف کے تحت شامل کیا اور اخوان المسلمین کے سرکردہ رہنما علامہ شیخ غزالی کو اس مسجد کا خطیب مقرر کیا۔

جرات مندی

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب واپس اپنے وطن واپس آئے تو اس وقت مصر میں صدر جمال عبدالناصر کی حکومت تھی۔ شیخ اس وقت کوٹ اور پینٹ کا استعمال کرتے تھے۔ کسی موقع سے جمال عبدالناصر نے علماء پر بڑی سخت تنقید کی اور یہ کہہ کر ان کا مذاق اڑایا کہ یہ لوگ فتوے اس لئے دیا کرتے ہیں تا کہ انہیں مرغ کی ٹانگیں مل سکیں..! شیخ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے بڑی سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس کا مناسب حل انہوں نے یہ سمجھا کہ مغربی لباس ترک کردیا جائے اور ازہری لباس زیب تن کیا جائے چنانچہ جمال عبدالناصر کا رد کرنے کی غرض سے انہوں نے ازہری لباس پہننا شروع کردیا اور اپنے ہم عصر علماء اور اصحاب کو بھی اس کی تلقین کی۔ شیخ کا یہ موقف جمال عبدالناصر کے جملوں کے رد میں ایک طرح کی تحریک بن کر سامنے آیا جس سے اس وقت کے علماء کا وقار بلند ہوا اور جامعۃ الازہر کی قدر و منزلت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔

شیخ الازہر کے منصب پر جب فائز ہوئے تو صدر انور سادات کی دور حکومت تھی۔ انور سادات نے اپنے اگلوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بعض اسلامی قانون خاص طور پر طلاق کی تعداد متعین کرنے اور تعدد ازواج کو روکنے کا قانون پاس کیا۔ شیخ نے نہایت جرأتمندی کے ساتھ یہ کہا:

لا قیود علی الطلاق الا من ضمیر المسلم، ولا قیود علی التعدد الا من ضمیر المسلم "ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم" (آل عمران: ۱۰۱)

طلاق اور تعدد ازواج کا مسئلہ مسلمانوں کے ضمیر پر منحصر ہے، اللہ کے راستہ پر جو مضبوطی سے عمل پیرا ہو وہی صراط مستقیم پر گامزن ہے۔

سادات نے اپنے ایک منسٹر کو بھیجا کہ شیخ کو سمجھایا جائے۔ شیخ نے اپنا استعفی پیش کردیا.. سادات کے پاس قانون واپس لینے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں تھا۔ اس نے بڑی حکمت سے نئے قانون کا بل واپس لے لیا.. پھر شیخ اپنے منصب پر بحال ہوگئے..

اس طرح کے کئی ایک واقعات ہین جن سے شیخ کی جرأتمندی اور زہد و تقوی کا کا پتہ چلتا ہے۔ میرے خیال میں بیسویں صدی کے نصف اخیر میں ڈاکٹر عبدالحلیم محمود علماء ربانیین کی حقیقی تصویر ہیں۔

علم تصوف

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے پیرس کے زمانہ تعلیم میں مغربی طرز افکار سے بہت کچھ حاصل کیا۔ ایک طرف تو وہ ازہری ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم ترین اسلامی ملک کے باشندے تھے دوسری طرف مغربی ملک میں ایک عرصہ گذار کر پی ایچ ڈی کی ڈگری مکمل کی، جس سے انہیں مشرق و مغرب کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی۔ مسلمانوں کے آپسی اختلافات، کٹر فرقے اور مذہب کا بڑا گہرا مطالعہ کیا اور بالآخیر تصوف اور صوفیا کے منہج سے وابستگی اختیار کی۔ بلکہ انہوں نے دیگر موضوعات پر قلم اٹھانے کے ساتھ ساتھ علم تصوف پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ تصوف بطور فن تصوف بطور سلوک اور تصوف بطور راہ نجات پر جامع تحریر قلمبند کیا، ان موضوعات پر مستقل رسالے، اور کتابیں تصنیف کیں، تصوف کی قدیم کتابوں پر مقدمے تحریر کئے اور ان تحریروں میں تصوف کی کھلے الفاظ میں حمایت کی اور مسلمانوں اور مستشرقین کی طرف سے اٹھائے جانے والے سوالوں کا بھرپور رد کیا۔ امام غزالی کی کتاب المنقذ من الضلال پر تصوف سے متعلق ان کا جامع مقدمہ موجود ہے جس کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کی نصف اخیر میں بھی ایسے دانشور اور جدید تعلیم سے راشناش علماء موجود تھے جنہوں نے تصوف کی پرزور حمایت کی اور بنا نگ دہل اس سے وابستگی کا اعلان کیا۔ مقدمہ کے بعض نکات کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

لفظ ''تصوف'' کا اشتقاق:

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے افلاطون کے قول سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسان جب ذاتیات سے عاری ہو جاتا ہے تو وہ روحانیت سے لطف اندوز ہوتا ہے، اسی مرتبہ کو ''تصوف'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسان کی اس حالت کی تصویر کشی کے لئے لفظ ''تصوف'' کے انتخاب پر علماء کے نزدیک بڑا زبردست مباحثہ موجود ہے، اس لفظ کی اصلیت اور اس کے اشتقاق کے بارے میں متعدد نظریات پائے جاتے ہیں۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد انہوں نے لفظ تصوف کی اصل اور مشتقات سے متعلق بڑی تحقیقی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''لفظ ''تصوف'' سے متعلق سب سے قدیم رای بیرونی کی ہے، اس کا ماننا ہے کہ یہ لفظ یونانی کلمہ ''سوف'' بمعنی حکمت سے محرف ہو کر ''صوفیۃ'' ہو گیا ہے۔ بیرونی نے لکھا ہے:

بعض یونانیوں کا خیال تھا کہ حقیقی وجود کا ثبوت علت اول کے لئے ہی ہے کیونکہ وہ ذاتی طور پر کسی کا محتاج نہیں۔ جو کسی کا محتاج ہو اس کا وجود حقیقی نہیں بلکہ خیالی ہے اور علت اول کا حقیقی وجود ہی صحیح نظریہ ہے۔ یہی رای ''سوفیۃ'' کا ہے اور یہ حکماء کی جماعت ہے کیونکہ یونی زبان میں ''سوف'' کا معنی حکمت ہے۔ اسی اصل کی طرف نسبت کی وجہ سے فلسفیوں کو ''بیلا سوپا'' کہا جاتا

ہے کیونکہ اس کا معنی ہے ''حکمت سے محبت کرنے والا''۔ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس رای سے قریب نظر آتا ہے اس لئے انہوں نے اپنے آپ پر اس لفظ کا اطلاق کیا۔ اس جماعت کے کچھ افراد کے نزدیک اس لفظ کی معرفت مجہول تھی اسلئے انہوں نے اپنے آپ کو اصحاب صفہ کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر اس کے بعد اس کے ماخذ میں تبدیلی کی گئی اور اسے ''صوف التیوس'' سے مشتق مان لیا گیا''۔

یہ تو تھی بیرونی کی رای جس کا خلاصہ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے ذکر کیا۔ بیرونی کی رای کا ذکر کرنے کے بعد ڈاکٹر موصوف نیا اس پر کڑی تنقید کی اور ایک مضحکہ خیز توضیح سے اسے تعبیر کیا لکھتے ہیں-

''بیرونی کی رای اس وقت درست ہوگی جب یہ تسلیم کیا جائے کہ لفظ ''تصوف'' کا رواج اسلام میں اس وقت ہوا جبکہ یونانی کلمہ ''سوف'' کی معرفت مسلمانوں کو ہوئی۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اس لفظ کی معرفت مسلمانوں کو تقریبا تیسری صدی ہجری کے نصف میں ہوئی جبکہ اس لفظ کی معرفت مسلمانوں میں تیسری صدی ہجری سے بہت پہلے ہو چکی تھی بلکہ صاحب اللمع کے مطابق تو یہ لفظ عہد جاہلی سے موجود تھا''۔

اس تعلیق اور تنقید کے بعد ڈاکٹر موصوف کہتے ہیں کہ اگر بیرونی یہ بات صحیح نہیں تو پھر لفظ ''تصوف'' کے اصل اور اشتقاق سے متعلق کون سی بات صحیح ہوگی۔ اس بارے جتنے نظریات ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔ صاحب رسالہ القشیر یہ نے ان تمام نظریات کا ایک ایک کر کے جائزہ لیا ہے اور پھر سب کو یکلخت رد کر دیا ہے، ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے:

ا۔ ''ایک رای یہ ہے کہ ''تصوف'' صوف سے ماخوذ ہے، جب کوئی اونی کپڑا پہن لیتا ہے تو اس کے لئے ''تصوف'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں. لیکن اس قول پر اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ اونی لباس پہننا تو صوفیہ کا ہی خاصہ نہیں تھا۔

۲۔ مسجد نبوی کے باہر چبوترہ (صفہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔
شیری کہتے ہیں یہ بات بھی اس لئے درست نہیں کہ ''صفہ'' کا اسم منسوب صوفی کے وزن پر نہیں آتا ہے۔

۳۔ یہ لفظ ''صفاء'' سے ماخوذ ہے۔
قشیری کہتے ہیں کہ عربی لغت اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس لفظ کا اشتقاق ''صفاء'' کو تسلیم کیا جائے۔ (حاشیہ میں اس کی وجہ ذکر کرنا ہے)

۴۔ اس کا اشتقاق لفظ ''صف'' ہو سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ صفاء باطن اور مراقبہ الہی کی وجہ سے پہلی صف میں شمار کئے جاتے ہیں۔

قشیری کہتے ہیں کہ معنی کے اعتبار سے تو یہ اشتقاق صحیح معلوم ہوتا ہے مگر یہاں عربی لغت اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ''صف'' سے ''صوفی'' کا اشتقاق تسلیم کیا جائے۔

لفظ ''تصوف'' اور صوفی سے متعلق علامہ قشیری کی رای ذکر کرنے کے بعد ڈاکٹر عبدالحلیم محمود لکھتے ہیں:

غرضیکہ علامہ قشیری کے نزدیک قیاس اور اشتقاق کے اعتبار سے عربی زبان اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مذکورہ چار وجوہوں میں سے کسی کو بھی اس کا اصل قرار دیا جائے۔قشیری کا خیال ہے کہ اس نام کے استعمال کا غلبہ اس جماعت پر ہو گیا ہے اس لئے ایک شخص کو ''رجل صوفی'' اور پوری جماعت کو ''صوفیہ'' کہا جاتا ہے۔اسی طرح جو شخص اس راستہ پر چلتا ہے اس کو متصوف اور پوری جماعت کو متصوفہ کہا جاتا ہے۔

یہ تو متقدمین کی رای کا خلاصہ تھا لیکن آپ ضرور یہ جاننا چاہیں گے کہ جدید محققین کی رای اس لفظ کے اشتقاق سے متعلق کیا ہے، لہذا ہم ذیل میں جدید محققین کی رای کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

شیخ عبدالواحد یحی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''لفظ ''صوفی'' کے اشتقاق اور اس کی اصل سے متعلق بے شمار فرضی نظریات موجود ہیں، کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی، ان میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں ہے۔صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایک علامتی نام ہے اور اس کی توجیہ کرنا چاہیں تو اس کے حروف کے نمبر کو دیکھا جا سکتا ہے۔ان حروف کے نمبر اور ''الحکمۃ الالھیہ'' کے حروف کے نمبر ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔لہذا حقیقی صوفی ایسا شخص ہو گا جس کی پہونچ حکمت الہی تک ہو چکی ہو گی اور جسے عارف باللہ کہا جاتا ہے، لہذا معرفت خداوندی کا دارومدار حقیقی صوفی پر ہی منحصر ہے۔''

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود اس پر ریمارک لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ ایک ایسی تشریح ہے کہ جس کی تائید اور جس کا رد منطقی دلائل کی روشنی میں مشکل ہے۔کچھ لوگ بغیر دلیل کے اس سے استشھاد پیش کرتے ہیں اور دوسرے لوگ اس توجیہ کو قابل حجت تسلیم نہیں کرتے۔شیخ عبدالواحد کی رای سے قطع نظر اس لفظ کے اشتقاق سے متعلق دو نظریات پائے جاتے ہیں ایک نظریہ تو بیرونی کا ہے جو لفظ ''صوف'' کو اس کی اصل ماننے کے لئے تیار نہیں اور جس کے قائل وون ہامر مستشرق ہیں اور بہت سارے دوسرے محققین نے بھی اس کو قبول کیا ہے، محمد لطفی جمعہ بھی تائید کرنے والوں میں سے ایک ہیں، ان کا ماننا ہے:

''اگر لفظ ''صوفی'' کا اشتقاق صوف کو مان لیا جائے تو صوفیہ کی جماعت حکمت وفضیلت سے خالی ہو جائے گی''۔

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کہتے ہیں کہ اس نظریہ کے مؤیدین یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلامی تصوف افلاطونی فلسفہ کی پیداوار ہے، جبکہ یہ نظریہ سرے سے باطل ہے۔اپنے قول کی تائید میں ڈاکٹر زکی مبارک کی رای پیش کرتے ہیں:

''عرب اپنی زبان کی حفاظت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔جو غیر عربی الفاظ عربی میں شامل ہوتے اس پر بھی ان کی پوری نگاہ رہتی تھی، لہذا اگر لفظ ''تصوف'' یونانی لفظ ''سوفیا'' سے ماخوذ ہوتا تو یقیناً بہت ساری عربی کتابوں میں اس کا ذکر ملتا۔

اسی طرح یونانی لفظ ''سوفیا'' کا معنی حکمت ہے۔قدیم یونانیوں کے نزدیک فلسفہ علم طبعیات سے متعلق ہے۔یونان کے بہت سارے فلسفی اطباء (حکیم) تھے۔عربوں نے جب ترجمہ کیا تو ''طب'' کا نام حکمت رکھا اور آج تک لفظ حکیم کا معنی ''طبیب ہی سمجھا جاتا ہے۔فلسفہ کا نام بھی عربوں نے حکمت رکھا اور اپنی کتابوں میں تاریخ الحکماء کے طور پر اس کا ذکر کیا، لہذا عربوں نے ''سوفیا'' سے فلسفہ اور علم طب حاصل کیا۔جہاں تک روحانی حکمت کا تعلق ہے تو یہ بہت دور ہے کہ کہا جائے کہ عربوں نے یہ یونانیوں سے حاصل کیا کیونکہ ان کے خیال میں یونانی تو بتوں کے پجاری تھے... یہ تسلیم کر لینے میں کیا حرج ہے کہ یونانی لفظ ''سوفیا''، جس کا معنی روحانی حکمت ہے کا اصل ماخذ لفظ ''صوف'' ہے جو عرب میں بہت پہلے سے موجود تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تصوف عربوں میں بہت قدیم سے موجود تھا، یہی عیسائیت کی بھی بنیاد ہے، اونی کپڑا پہننا زہد کی علامت سمجھا جاتا تھا لہذا ایسا ممکن ہے کہ عربی لفظ ''صوف'' یونانی بتکدوں میں رواج عام پا گیا ہو...لہذا جو لوگ تصوف کو افلاطونی فلسفہ کا مصدر سمجھتے ہیں یہ ایک عجیب وغریب نظریہ کے حامی ہیں۔''

اکثر محققین کا دوسرا نظریہ یہ ہے کہ لفظ ''تصوف'' کا ماخذ ''صوف'' ہے۔ڈاکٹر عبدالحلیم کہتے ہیں کہ میرے نزدیک بھی یہی نظریہ قابل قبول ہے۔جیسا کہ قمیص پہنے والوں کے لئے ''تقمص'' بولتے ہیں اسی طرح اونی کپڑا پہننے والوں کے لئے ''تصوف'' کہا جاتا ہے۔میرے علاوہ یہ نظریہ شیخ مصطفی عبدالرازق، ڈاکٹر زکی مبارک اور مستشرق مرجلیوت کا بھی ہے۔

اس لفظ سے بظاہر شکلی تصوف کا اشارہ ملتا ہے لیکن ہر گز اس کا یہ مطلب نہیں کہ تصوف اشکال اور مظاہر کا نام ہے۔کوئی ضروری نہیں کہ لفظ کا جو اصلی معنی ہو وہی اس سے مراد بھی لیا جائے۔معنی اصلی میں کبھی تبدیلی بھی آ سکتی ہے اور بالکل ایک الگ معنی بھی اس سے مراد لیا جا سکتا ہے۔

کچھ آگے لکھتے ہیں:

میرا خیال اور میرے علاوہ بہت سارے دوسرے محققین کا خیال ہے کہ لفظ ''تصوف'' کا

عام معنی جو ہم سمجھتے ہیں وہ مراد نہیں بلکہ اس کی وضع اصل میں اس لئے ہوئی ہے تا کہ دنیا سے کنارہ کشی پر اس کی دلالت ہو سکے اور یہ زہاد وعباد اور دنیا سے کنارہ کشی کرنے والوں کی علامت بن گیا۔ دنیا سے کنارہ کشی کا خیال بہت قدیم ہے، بعض لوگوں نے اسے دینی انداز سے اپنایا تا کہ دینی شعور کا احساس ہو سکے۔ اس کا ثبوت ہمیں قرآن سے بھی ملتا ہے۔

جب سے انسان کا وجود اس دنیا میں ہے دین کا وجود بھی اسی وقت سے ہے۔ ان زاہدوں نے دیکھا کہ اونی لباس زیب تن کرنا بظاہر ان کے مقاصد کی طرف اشارہ ہے جو نہایت آسان اور رخیص بھی ہے لہذا انہوں نے اسی لباس کو اپنی علامت بنا لیا۔ جو سرد موسم میں کافی ہوتا ہے اور جو جلد پرانا بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی پھٹتا ہے لہذا انہوں نے اس کپڑا کا استعمال کرنا شروع کر دیا اور اس لباس کا استعمال کرنے والے عرب معاشرہ میں زاہدین کے نام سے معروف ہو گئے۔ ملخصا

کچھ آگے لکھتے ہیں:

لفظ ''صوفی'' کا انتساب ''صوف'' کی طرف کامل مطابقت رکھتا ہے.. یہ لفظ اپنے حروف اور نغمات کے اعتبار سے بہت سارے ان الفاظ سے مطابقت رکھتا ہے جن کا تصوف سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ مثلاً لفظ ''صفاء'' کی طرف اس کا منسوب ہونا اس لئے واضح ہے کہ اس میں صفاء قلب اور طہارت باطن کا معنی پایا جاتا ہے۔

لفظ ''صف'' سے اس کی مناسبت اس طرح واضح ہے کہ دشمنوں سے جہاد کے وقت یا نفس سے جہاد کے وقت صوفیہ سب سے آگے رہتے ہیں۔

صفہ سے اس کی مناسبت اس طرح سمجھ میں آتی ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت مسجد نبوی کے باہر اس چبوترہ پر اپنا شب و روز گذارا کرتی تھی جس نے اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کے حوالہ کر دیا تھا۔

یونانی لفظ ''سوفیا'' کا معنی خاص طور پر غیب کی معرفت ہے، اور لفظ ''صوفی'' کا عربی میں ما یک سے زیادہ معنی ہے جس سے اس کے اصل میں اختلاف ہو گیا اور مختلف نظریات سامنے آ گئے۔ یہ اختلافات اور لفظ میں غموض توفیق الہی کا نتیجہ ہے جس نے تصوف کو کسی خاص معنی میں محصور نہیں کیا بلکہ اس کے مختلف معانی اور مظاہر کی طرف اشارہ کر دیا... ملخصا

تصوف خالص اسلامی ہے

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے اپنی کتاب ''**التفکیر الفلسفی فی الاسلام**'' میں فلسفی اور فلسفہ سے متعلق بڑی تفصیلی اور تحقیقی گفتگو کی ہے۔ فلسفہ کی تاریخ پر قلم اٹھانے والے علماء کے طریقہ کار پر بھی ایک تنقیدی تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں تصوف کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کی بحث

بھی آ گئی ہے۔ گرچہ یہ بحث مقدار کے اعتبار سے ایک صفحہ سے بھی کم ہے مگر منطقیت سے پوری طرح لبریز اور عقلانیت سے بھرپور ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مشرق ومغرب کے جو مؤرخین تاریخ فلسفہ رقم کرتے ہیں ان کا طریقہ کار نہایت غلط ہے، کیونکہ وہ ابتدا میں ہی بحث کو دو قسموں میں منحصر کر دیتے ہیں۔ بعد میں آنے والا محقق قطع نظر اس سے کہ کوئی تیسری قسم کی طرف متوجہ ہو یا تو ایک قسم کو ثابت اور دوسری قسم کا رد کرنے میں لگ جاتا ہے۔ جس قسم کا رد کرتا ہے اس میں بعض ایسے گوشے اور دلائل بھی موجود ہوتے ہیں جو کبھی صحیح بھی ہوتے ہیں مگر اس کا مقصد چونکہ اس قسم کا رد کرنا ہوتا ہے لہذا اس ضمن میں وہ بعض صحیح فکر اور دلائل کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتا۔ اور اگر حمایت کرتا ہے متقدمین کی تقلید کا الزام اس کے سر تھوپ دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کا کہنا ہے کہ یہ طرز بحث وتحقیق کی غلطی ہے، جس سے انسان کسی رای کا حامی ہو کر اس سے متعصب ہو جاتا ہے اور اس کے ثابت یا رد کرنے میں لگ جاتا ہے پھر دونوں ہی صورت میں وہ تقلید سے باہر نہیں ہو پاتا۔ اس تمہید کے بعد وہ مثال سے اس مسئلہ کو سمجھاتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''انسانی نفس کے لئے عقلی اعتبار سے دو ہی قسمیں ہیں۔ یا تو اس کے لئے ہمیشہ کی بقاء کا ثبوت مانا جائے گا یا اس پر فنا کا حکم لگانا پڑے گا۔ کوئی تیسری قسم آپ نہیں دیکھیں گے۔ ایک مفکر جب بحث کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو دو میں سے کوئی ایک قسم کی حمایت ضروری ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان فلسفی اپنا مطالعہ کی روشنی میں انسانی نفس کے لئے ہمیشگی کا قول کرے تو فلسفہ کی تاریخ رقم کرنے والے مؤرخ چیخ پڑیں گے اور کہیں گے یہ تو افلاطونی نظریہ ہے۔ اگر انسانی نفس کے فنا کا قول کیا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو ارسطو کا نظریہ ہے...

اسی طرح اگر کسی مسلمان فلسفی نے کہا کہ صفاء نفس کی بنیاد پر انسان روحانیت کے اعلی درجہ پر فائز ہو جاتا ہے تو مؤرخین فلسفہ کہیں گے کہ یہ تو افلاطونی نظریہ ہے جو جدید افلاطونیوں سے ماخوذ ہے۔ اور اگر کسی نے انکار کیا تو بڑی تیزی سے کہدیں گے کہ یہ تو ارسطو کی تقلید ہے...

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ یہ تو چند مثالیں ہیں مگر معاملہ بہت ہی سنگین ہے اور یہ لوگ حقائق سے بالکل تجاوز کر جاتے ہیں اور جب اسلامی تہذیب وثقافت کی بات ہو تب تو ان کے اٹکل پچو کا اور بھی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ان کا ماننا ہے کہ اسلامی تصوف غیر اسلامی تہذیب وثقافت کا نتیجہ ہے۔ اسلامی فلسفہ یونانی فلسفہ کی تقلید ہے اور اسلامی قوانین رومی قوانین سے ماخوذ ہے...

کچھ آگے لکھتے ہیں:

ایک اور مثال کے ذریعہ میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ ان مؤرخین کے تجاوزات کس حد تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ بڑا واضح مسئلہ ہے کہ زہد اور تصوف قرآن کریم، حدیث نبوی اور رسول کریم کی ذاتی

زندگی کے اثرات کی پیداوار ہیں۔اس حقیقت کے واضح ہونے کے باوجود مستشرقین اوران کی اتباع کرنے والے بعض مشرقی محققین اسلام میں زہداور تصوف کے مصادر سے متعلق بحث ونقاش کرتے ہیں۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زہد وتصوف عیسائیت سے ماخوذ ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فرسوں کے مذہب پراس کی بنیاد ہے، بعض دوسروں کا خیال ہے کہ ہندوستانی عقیدہ اس کا مصدر ہے جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زہد وتصوف کی جڑیں جدید افلاطونی نظریات سے ملتی ہیں۔

غرب سے لے کر شرق تک کے مؤرخین اس بحث ونقاش میں پوری طرح کھو گئے جس نے انہیں اس ثابت شدہ حقیقت سے غافل کردیا کہ زہد کی ابتدا اسلام کی ابتدا کے ساتھ ساتھ ہے، تصوف کی نشونما اسلام کے نشونماء کے ساتھ ساتھ ہوئی، اسلامی قوانین قرآن کے وجود کے ساتھ وجود میں آئے اور یہ سارے مسائل قرآن سے ماخوذ ہیں، رسول کریم ﷺ ان کی عملی تطبیق کی زندہ مثال ہیں اور یہی حال صحابہ کرام کا بھی ہے...۔(التفکیر الفلسفی فی الاسلام، صفحہ ۱۹۰)

المنقذ من الضلال کے مقدمہ میں ایک لمبی بحث کے بعد رقمطراز ہیں:

والحق أن التصوف عربی اسلام، كما أن القرآن [الذی يستمد منه أصول التصوف] عربی اسلامی . واذا كان التصوف يستمد من القرآن ، فمن الطبيعی أن لا يوجد قبل أن يفهم القرآن، ويفسر، ويتدبر . ولقد فسر القرآن أولا لغويا،ومنطقيا، وكلاميا ولكن تفسيره صوفيااقتضى مرور زمن لتأمله فی عمق وشمول-

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کی بنیاد عربی اور اسلامی ہے، جیسا کہ قرآن جس سے کہ تصوف کے اصول ماخوذ ہیں، عربی اور اسلامی ہے۔جب یہ واضح ہو گیا کہ تصوف کا ماخذ قرآن ہے تو یہ بات بھی بدیہی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ تصوف کی سمجھ فہم قرآن اور تدبر سے پہلے ممکن نہیں۔قرآن کی تفسیر اولا لغوی اعتبار سے کی جاتی ہے، پھر منطقی اعتبار سے اور پھر کلامی اعتبار سے مگر اس کی صوفی تفسیر تعمق قرآن اور تدبر قرآن پر منحصر ہے جس کے لئے ایک لمبا زمانہ درکار ہے۔

طریقۂ معرفت

معرفت الٰہی کے ممکنہ طریقے کیا ہو سکتے ہیں؟ اس پر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے مفصل بحث کی ہے۔اہل منطق وفلسفہ کے بیان کئے گئے طریقوں کو معرفت الٰہی کا ذریعہ ماننے سے انکار کردیا ہے اور دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ کشف اور الہام ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے حقیقی معرفت تک رسائی ہو سکتی ہے اور صوفیہ کرام نے انبیاء کرام سے بطور وراثت سے حاصل کیا ہے۔اپنی بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

۱-الحس عاجز عن الوصول بنا الى المغيبات، فاننا لا نحسها.

۲-العقل وهو مبنی علی الحس، قاصر كذالک.

۳-النصوص الدينية لا تؤدی بنا الا الى نوع من المعرفة غير المباشرة، أو الى التسليم، أو التفويض، وليس ذلک من المعرفة المباشرة فی شئی...

هل معنی ذلک أن المعرفة فيما يتعلق بالالهيات غير ممكنة؟ هل معنی ذلک أن الغطاء لا يمكن أن يكشف عن الحجب؟ وأنه لا سبيل الى المعرفة الحقيقة المباشرة؟

ذلک ما لا نقول به. مالسبيل اذا الى المعرفة؟.

ماوراءطبیعت کی معرفت کے طریقے احساس، عقل یا قرآن وسنت کے نصوص ہو سکتے ہیں۔ احساس کی جہاں تک بات ہے تو اس سے ماوراءطبیعت یا غیبیات کا حصول ناممکن ہے۔عقل کا دارو مدار احساس پر ہی ہے اور احساس خود غیبیات تک پہونچنے میں ناکام ہے تو عقل کی رسائی وہاں تک کیسے ہو سکتی ہے۔قرآن وسنت کے نصوص سے بھی پوری طرح معرفت حقیقی یا ماوراءطبیعت یا غیبی امور کا حصول نہیں ہو سکتا۔ان نصوص کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ ہم تسلیم ورضا کے خوگر بن سکتے ہیں یا مسائل کی حقیقت کو علم الٰہی کے سپرد کر سکتے ہیں، اس سے کسی طرح بھی بلا واسطہ معرفت کا حصول نہیں ہو سکتا۔

.کیا اس کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ الٰہیات سے متعلق مسائل کی معرفت ممکن ہی نہیں؟ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اسرار ورموز سے نقاب کشائی نہیں ہو سکتی؟ اور یہ کہ حقیقی معرفت تک بلا واسطہ رسائی کے تمام راستے بند ہیں۔؟ ہمارا کبھی بھی یہ دعوی نہیں کہ معرفت الٰہی تک پہونچنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔آخر وہ کونسا راستہ ہے جس سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے سیرت رسول کا ایک مکمل باب مختلف سیرت نگار کی کتابوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور رسول کریم ﷺ پر آنے والی وحی کا خاص طور پر تذکرہ کیا۔اس کے بعد معرفت الٰہی تک پہونچنے کے راستہ کا بیان ان الفاظ میں کیا:

هذه الحياة التی هداه الله لها [لا علم الكلام ولاالفلسفة العقلية] هی التی رسمت لنا الطريق الى الله: طريق الكشف، طريق الالهام، طريق لابصيرة، بل طريق المشاهدة، علی مايری الصوفية.

وهذه الحياة التی علمناها عن الرسول ﷺ اجمالا، قد فصلها الصوفية أدق تفصيل، وبينوها بيانا سيكولوجيا غاية فی الاحكام، يتدرج مع الانسان خطوة خطوة، حتى يصل به الى درجة[لا نقول انها النهاية از ليس لمعرفة الله

نهاية] يكون مابعدها بعيدا كل البعد عن ادراك الطبائع البشرية العادية، فلا يمكن التعبير عنه بلسان المقال.

وهذه الطريق سماه الصوفية: معارج القدس، وسموه منازل السالكين ومدارج السالكين، ومنازل الأرواح، وهو عبارة عن المقامات والأحوال التي يسلم كل مقام منها الى ما بعده، وكل حال منها الى الذى يليه، حتى يصل الانسان الى اقرب، والمشاهدة، ويستغرق في ملكوت، يسمو على الوصف.

رسول کریم ﷺ کی یہ ایسی زندگی تھی جس کا تعلق نہ تو علم کلام سے ہے اور نہ فلسفہ اور عقل سے۔ یہی وہ زندگی ہے جس نے ہمارے لئے معرفت الٰہی کے راستوں کی نشاندہی کی ہے جسے کشف، الہام، بصیرت اور صوفیوں کے مطابق مشاہدہ کہا جاتا ہے۔

یہ زندگی جسکا علم ہمیں رسول کریم ﷺ کے حوالہ سے اجمالا ہوا ہے صوفیوں نے نہایت باریکی کے ساتھ اس کی تفصیلات پر روشنی ڈالی ہے اور ایسے نفسیاتی طریقہ سے بیان کیا ہے کہ انسان اس پر تدریجی عمل کے ذریعہ ایک ایسے مقام پر پہونچ جاتا ہے جسے یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ وہ آخری مقام ہے کیونکہ معرفت الٰہی کی کوئی حد ہی نہیں، تاہم ایسے درجہ پر فائز ہوجاتا ہے کہ جہاں سے بشری طبیعت کے ادراک سے پوری طرح دوری ہوجاتی ہے۔ جس کا بیان لفظوں میں کرنا مشکل ہے۔

اس راستہ کا نام صوفیوں نے معارج رکھا ہے۔ اسی کو منازل، مدارج سالکین اور منازل ارواح سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مقام ہے جس سے متصل ایک دوسرا مقام ہے اور اس سے متصل ایک دوسرا..اس طرح انسان قرب اور مشاہدہ کے مرتبہ پر پہونچ جاتا ہے اور عالم ملکوت میں مستغرق ہوکر کھو جاتا ہے..

الحاصل ڈاکٹر عبدالحلیم محمود بیسویں صدی کے ان ربانی علماء میں سے ایک ہیں جنھوں نے مشرق ومغرب کی تہذیب وثقافت سے پوری طرح سیرابی حاصل کرنے کے باوجود تصوف کو حقیقی علم اور معرفت الٰہی کا ذریعہ سمجھا اور ببانگ دہل اس کی حقانیت کا اعلان بھی۔ تصوف کی حقانیت اور صوفیہ کے اوراد واشغال اور منازل پر کتابیں لکھیں جو آئندہ نسلوں کے مشعل راہ ہیں اور تصوف پر اعتراض کرنے والوں کے لئے لمحہ فکریہ۔

مصادر

۱-مقدمة المنقذ من الضلال للامام غزالی-مکتبہ انجلو مصر، تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۲ء
۲-التفکیر الفلسفی فی الاسلام، ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، دارالمعارف، قاہرہ، ۱۹۸۴ء

○○○

رفعت رضا نوری

سید یوسف ہاشم رفاعی اور تصوف

'الصوفية و التصوف فی ضوء الكتاب و السنة' کے حوالے سے

بیسویں صدی میں عالم عرب کی جن ہستیوں نے اہل سنت و جماعت کو علمی اور عملی سطح پر متعارف کرایا، صوفیانہ افکار کی ترویج واشاعت کی، سلفی علما کو حق وباطل کے درمیان امتیاز کی دعوت دی ان میں سید یوسف، سید ہاشم، سید احمد رفاعی کا نام نہایت نمایاں ہے، شریعت وطریقت، علم وحکمت، دین ودنیا، عقل وعشق اور خودی و بے خودی یہ سب آپ کی ذات میں مجتمع ہیں- آپ کی ذات میں وہ صوفی نظر نہیں آتا جس کی طریقت میں صرف مستی احوال ہوتی ہے، اور نہ وہ عالم، جس کی شریعت میں فقط مستی گفتار ہوتی ہے بلکہ آپ میں وہ مرد مجاہد نظر آتا ہے جس کے رگ وپے میں فقط مستی کردار ہے اور ایک مومن مستقیم کی یہی شان وپہچان ہے-

آپ کی ولادت ۱۹۳۲ء میں ہوئی، آپ نے ''جامعۃ الکویت،، کے شعبۂ تاریخ سے فراغت حاصل کی- تکمیل تعلیم کے بعد حکومت کے مختلف وزارت اور صدارت کے عہدوں پر فائز رہے- آپ حکومت کویت کے وزیر (Minister of state) رہے- وزیر مواصلات بھی رہے، اس کے علاوہ دیگر اعلی عہدوں پر فائز رہے- کئی اداروں کی ہیڈ شپ آپ کے سپرد رہی- پاکستان میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کی مسلم اقلیت کمیٹی کے صدر بھی رہے؟ آپ نے کئی بین الاقوامی کانفرسوں میں شرکت کی، مختلف مما لک کا دورہ کیا، کویت میں ''الازہر'' کے طرز پر ہائر سکنڈری تک کی تعلیم کے لیے آپ نے **معهد الایمان الشرعی** کی بنیاد رکھی، لاہور پاکستان کے اندر **الاتحاد العالمی الاسلامی للدعوة والاعلام** کی بنیاد بھی آپ ہی کے ہاتھوں رکھی گئی-۱۹۸۰ میں بنگلادیشی مسلمانوں کی ہر طرح امداد کے لیے **الجمعية الكويتية لمساعدة مسلمی بنجلادیش** قائم کیا، جواب تک سرگرم عمل ہے، کویت کے اندر ''البلاغ'' نامی میگزین جاری کروایا- یہ رسالہ مذہبی اور سیاسی امور ومعاملات میں اپنی نوعیت کا منفرد اور پہلا رسالہ تھا،

السیــاسیة کے نام سے روز نامہ کا بھی آغاز کرایا- ان کارناموں کے علاوہ خدمت خلق کے لیے مختلف ممالک میں مسجدیں بنوائی، ہاسپٹل کھولے اور بایں ہمہ سلسلہ رفاعیہ کے شیخ طریقت ہیں اور اپنی دیوانیہ (کویت) میں مریدین کو درس تصوف بھی دیتے ہیں- آپ نے علمی کارناموں سے بھی اہل علم کے طبقے کو متاثر کیا آپ کی مشہور کتابوں میں **خواطر فی السیاسة والمجتمع ، ادلة اهل السنة والجماعة المسمی الرد المحکم المنیع، سیرة وترجمة الامام السید احمد الرفاعی، نصیحة لاخواننا علماء نجد** خاص طور پر قابل ذکر ہیں-

سردست سید ہاشم رفاعی کی مشہور ومعروف کتاب **الصوفیة والتصوف فی ضوء الکتاب والسنة** مطالعے کی میز پر ہے، اسی کتاب کے حوالے سے مصنف کے صوفیانہ افکار ونظریات کا جائزہ پیش کرنا یہاں راقم کا مقصد ہے- ذیل میں کتاب کے بنیادی ابواب کا ایک مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے- کتاب کی شہ سرخیاں درج ذیل ہیں: (۲)

عرض مؤلف، صوفیہ کی تعریف، تصوف پر ایک سرسری نظر، تصوف کی نشو ونما، تصوف کی تعریف واشتقاق، صوفی کون؟ اسلامی تصوف کا سرچشمہ قرآن اور حدیث نبوی، صوفیہ کا عقیدہ، اشاعرہ کون لوگ ہیں؟ اور اس کے مشاہیر علما کون کون ہیں، تصوف وصوفیہ کے حوالے سے اکابر علما، ائمہ اور حفاظ کے اقوال، اتحاد وحلول کے سلسلے میں اہل تصوف کی رائے، تصوف کے حوالے سے ائمہ اربعہ کی رائے، تصوف کے حوالے سے معاصر علمائے اسلام کی رائے اور ان کے فتاوے: مصر کے دارالافتا کا جواب (ڈاکٹر شیخ محمد طنطاوی) مفتی جمہوریہ شام شیخ احمد کفتارو کا جواب، وزیر اوقاف حکومت متحدہ عرب امارات شیخ محمد بن الشیخ احمد بن شیخ خزرجی کا جواب، دارالافتاء اردن کے مفتی شیخ نوح بن سلیمان کا جواب، مفتی جمہوریہ لبنان شیخ حسن خالد کا جواب، دارالافتاء جمہوریہ القمر الاتحادیۃ (مفتی محمد بن عبدالرحمٰن آل الشیخ ابوبکر بن سالم) کا جواب، صوفیۂ کرام اور جدوجہد کی زندگی، جہاد فی سبیل اللہ میں صوفیہ کا کردار، صلیبی اور تاتاری جنگوں میں صوفیہ کا حصہ، تصوف سے متعلق کچھ بنیادی شکوک وشبہات اور مؤلف کتاب سے انٹرویو-

کتاب کے خاتمہ میں عرب کے مشہور عالم علامہ ڈاکٹر شیخ محمد سلیمان خرج کا تحقیقی مقالہ بہ عنوان ''صوفیہ کرام کے سلسلے میں سلف صالحین کا موقف،، اور علامہ شیخ محمد صدیق غماری حسنی کا وقیع مضمون بہ عنوان ''تصوف اسلام کے حقائق میں تیسرا رکن،، (یعنی مقام احسان) کتاب کی حیثیت کو مزید تقویت پہنچا رہا ہے-

اس کتاب میں شیخ یوسف رفاعی نے تصوف کے حوالے سے امت کے سواد اعظم کی آرا واقوال کے تناظر میں اس بات کو واضح طور پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ قدما اور معاصرین نے

تصوف کو نہ صرف بہ حیثیت ''علم ومسلک،، قبول کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے بلکہ بیشتر نے اس فن کے اسرار ورموز کسی فن کار (شیخ) سے سیکھے ہیں، اس کو اپنی عملی زندگی کا حصہ بنایا ہے اور اس بادہ کا ذوق حاصل کیا ہے- کتاب میں تصوف کے جن نظریات کے حوالے سے انہوں نے اپنا زاویۂ نگاہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ذیل میں انہیں خیالات کا نچوڑ پیش کیا جارہا ہے- واضح رہے کہ شیخ رفاعی کی تمام باتوں سے کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا تاہم ہمیں صرف یہاں مطالعہ کا خلاصہ لکھنا ہے نہ کہ کسی قسم کا نقد وجرح، البتہ......ع

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

اسلامی تصوف کیا ہے؟

یہ سوال اکثر ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ واقعی اسلامی تصوف ہے کیا؟ شیخ رفاعی نے اس کا نہایت شان دار جواب دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اسلامی تصوف دین خالص اور اللہ کی عبادت کے لیے نیت کو خالص کرنے کا نام ہے اور اللہ کی عبادت صرف ایک رخ سے نہیں کی جاسکتی ہے، اگر اللہ کی عبادت صرف ظاہر میں کی جائے یا صرف باطن میں، تو یہ جادۂ اعتدال اور توحید خالص سے انحراف ہے، اس لیے کہ جو شخص صرف باطن پرست ہو وہ زندیق اور شیطان ہے کیوں کہ اس نے شریعت وحکمت کے راستے سے انحراف کیا، یوں ہی جو شخص صرف ظاہر پرست ہو وہ فاسق ہے کیوں کہ اس کی عبادت سچائی اور اخلاص سے خالی ہے اور توحید خالص ان دونوں کے درمیان ہے اللہ تعالی فرماتا ہے: **وذروا ظاهر الاثم وباطنه** (الانعام:۱۲۰) تم ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کرو یعنی ہر گناہ کو چھوڑ دو- اس میں شرک جلی اور شرک خفی دونوں داخل ہے، شیخ فرماتے ہیں:

''یہ وہ طریقہ ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ عمل پیرا تھے- یعنی ظاہر اور باطن میں دین پر عمل اور دین کے تینوں شعبوں (اسلام، ایمان اور احسان) میں رسوخ وپختگی، جن کا ذکر اس صحیح حدیث میں وارد ہے جس کے راوی حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں،، (۱)

تصوف کی تعریف کیا ہے؟ صوفی کون ہے؟ اس ضمن میں شیخ نے اکابر صوفیا کے مختلف اقوال پیش کیے ہیں مگر حاصل کلام کے طور پر وہ اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

''حق یہ ہے کہ تصوف مقام احسان کی تفسیر ہے جو مقام شہود وعیان ہے اور اصطلاحات اصل نہیں ہیں بلکہ اعتبار حقیقت اور جوہر کا ہوتا ہے- جب ظاہر کی اصلاح واجب ہے تو باطن کی اصلاح زیادہ ضروری ہوگی- اس لیے کہ اس پر اللہ کی نظر ہوتی ہے اور جب بندے کے باطن اور

اس کے قلب کی اصلاح، دین کا جوہر ہے......تو یہی تصوف ہے- سچی بات یہ ہے کہ یہ قلوب کی اصلاح سے زیادہ کسی اور چیز کا نام نہیں ہے-"(۲)

تصوف کا سرچشمہ اور صوفیہ کے عقائد

تصوف کا ماخذ اور سرچشمہ قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اکابر اولیا کے جتنے سلاسل ہیں وہ سب عقیدہ و شریعت، سلوک و عمل اور روحانی پاکیزگی میں قرآن و سنت کے متبع ہیں جس پر صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین عمل پیرا رہے ہیں، شیخ نے اس سیاق میں اکابر اولیا کے اقوال کا حوالہ دیا ہے مثلاً حضرت ابو یزید طیفور بن عیسی بسطامی کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ "اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے کرامت کا یہ درجہ حاصل ہو گیا ہے کہ وہ ہواؤں میں اڑتا ہے، تب بھی اس سے دھوکہ نہ کھاؤ، جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اللہ کے اوامر ونواہی اور حدود شریعت اور احکام شریعت کا پابند ہے یا نہیں، (۳) حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد فرماتے ہیں "ہمارا یہ علم قرآن اور سنت کے ساتھ مقید ہے-"(۴)

ابو العباس احمد بن محمد بن عطاء اللہ سکندری فرماتے ہیں کہ "جو شخص اپنے آپ کو آداب شریعت کا پابند بنالے، اللہ تعالی اس کے قلب کو معرفت کے نور سے منور کرتا ہے اور حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے احکام، افعال اور اخلاق میں پیروی کرنے کے مقام سے افضل کوئی اور مقام نہیں ہے-"(۵)

صوفیۂ کرام کے عقائد اہل سنت و جماعت کے مطابق ہیں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد قرآن و سنت اور سلف صالحین کے عقائد کے بالکل مطابق ہیں، اس بات کی تائید میں شیخ رفاعی نے توحید و رسالت، جنت و دوزخ کے متعلق صوفیہ کے عقائد کو واضح کرنے کے لیے مشہور و معتمد صوفی حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الانوار القدسیة"، سے ایسے اقتباسات پیش کیے ہیں جس سے خانۂ دل منور ہو جاتا ہے اور روح مچل اٹھتی ہے-

اس کا صرف ایک اقتباس آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے-

فما فی الوجود طاعة ولا عصیان، ولا ربح ولا خسران، ولاعبد ولا حر، ولابرد ولاحر، ولاحیاة ولاموت، ولاحصول ولافوت، ولانهار ولا لیل، ولااعتدال ولامیل، ولابر ولابحر، ولاشفع ولاوتر، ولاجوهر ولاعرض، ولاصحة ولامرض، ولافرح ولاترح، ولاروح ولاشبح، ولاظلمة ولاضیاء، ولاارض ولاسماء، ولاترکیب ولاتحلیل، ولاکثیر ولاقلیل، ولاغداة ولااصیل، ولابیاض ولاسواد، ولاسهاد ولارقاد، ولاظاهر ولاباطن،

ولامتحرک ولاساکن، ولارطب ولایابس، ولاقشر ولالب، ولاشئ من جمیع المتضادات المختلفة والمتماثلات، الاوهو مراد للحق تعالی، وکیف لایکون مرادا له وهو اوجده؟- فکیف یوجد المختار مالا یرید؟ -لاراد لامره، ولامعقب لحکمه، یوتی الملک من یشاء وینزع الملک ممن یشاء ویعز من یشاء ویذل من یشاء ویضل من یشاء، ویهدی من یشاء، ماشاء اللّٰه کان، وما لم یشاء لم یکن-

"پس موجودات میں نہ کوئی طاعت ہے نہ نافرمانی، نہ نفع ہے نہ نقصان، نہ غلام ہے نہ آزاد، نہ ٹھنڈا ہے نہ گرم، نہ موت ہے نہ حیات، نہ حصول ہے نہ فوت، نہ دن ہے نہ رات، نہ اعتدال ہے نہ میلان، نہ خشکی ہے نہ تری، نہ جفت ہے نہ طاق، نہ جوہر ہے نہ عرض، نہ صحت ہے نہ مرض، نہ خوشی ہے نہ غم، نہ روح ہے نہ جسم، نہ تاریکی ہے نہ روشنی، نہ زمین ہے نہ آسمان، نہ ترکیب ہے نہ تحلیل، نہ قلیل ہے نہ کثیر، نہ صبح ہے نہ شام، نہ سفیدی ہے نہ سیاہی، نہ نیند ہے نہ بیداری، نہ ظاہر ہے نہ باطن، نہ متحرک ہے نہ ساکن، نہ خشک ہے نہ تر، نہ چھلکا ہے نہ گودا، اور نہ مختلف قسم کی باہم متضاد اور مماثل چیزیں ہیں مگر حق تعالی نے ان کا ارادہ کیا ہے اور وہ ان کا ارادہ کرنے والا کیسے نہیں ہوگا، جبکہ اسی نے انہیں وجود بخشا؟ جو مختار ہو وہ کسی ایسی شئ کو کیسے وجود میں لائے گا جس کا وہ ارادہ نہ کرے؟ اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور نہ اس کے فیصلے کو کوئی رد کرنے والا ہے، وہ جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے، جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے جو اس نے چاہا وہ ہوا اور جو اس نے نہیں چاہا وہ نہیں ہوا-"(۷)

شیخ رفاعی اخیر میں کہتے ہیں کہ: "شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے جو عقیدہ بیان فرمایا وہی اہل تصوف کا عقیدہ ہے، حق پسند اور منصف جس وقت ان پر غور کرتا ہے تو اسے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے مطابق پاتا ہے، بلکہ بعینہ یہی ان کا عقیدہ ہے جس کی تعبیر امام طحاوی، حجۃ الاسلام امام غزالی اور اخیر میں امام عبداللہ بن علوی حداد حضرمی حسینی رحمہم اللہ نے فرمائی ہے- شیخ رفاعی کا ماننا ہے کہ توحید و رسالت، جنت و دوزخ کے حوالے سے صوفیہ کے جو عقائد ہیں یہی عام اشاعرہ کے عقائد ہیں اور اشاعرہ کوئی گمراہ فرقہ نہیں جیسا کہ عرب کے بعض علما نے سمجھا ہے بلکہ اس جماعت میں ایسے ہدایت نشان افراد موجود ہیں جن کی وجہ سے قرآن حکیم کی تفسیر اور علم نبوت کی ترویج و اشاعت ہوئی ہے، جن کے علم نے مشرق و مغرب کو روشن کیا ہے، جن کی عظمت و بزرگی اور دیانت و تقوی کا ایک عالم معترف ہے- امام ابن حجر عسقلانی، ابن حجر ہیثمی، امام نووی،

امام زکریا انصاری، امام نسفی، امام شربینی، امام قرطبی، ابوحیان توحیدی، امام ابن جزی، امام ابن کثیر، امام ابن عطیہ رحمہم اللہ، یہ سب اشاعرہ کے ائمہ ہیں- اگر یہ حضرات گمراہی پر تھے تو پھر ہم ان سے علم کیسے اخذ کر سکتے ہیں؟ جبکہ امام زہری فرماتے ہیں کہ ''بیشک یہ علم دین ہے، لہٰذا تم دیکھ لو کہ کن لوگوں سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو،، اس لیے اشاعرہ کو معتزلہ اور جہمیہ جیسے گمراہ فرقوں کی صف میں رکھنا سراسر ناانصافی اور ظلم ہے کیوں کہ ہدایت وگمراہی کبھی جمع نہیں ہو سکتے ہیں-

ارادت وصحبت کی ضرورت

اللہ ورسول تک رسائی کے لیے شیخ کی ضرورت نہایت اہم ہے، اس راستے میں شیخ کی ارادت وصحبت ہی کام دیتی ہے، سلوک ومعرفت کا حصول بغیر شیخ کے خطرے سے خالی نہیں ہے حتی کہ اس راہ میں علم بھی حجاب بنتا ہے- اس حجاب کو جو ذات دور کرتی ہے وہ شیخ کی ذات ہے-

بانی سلسلۂ رفاعیہ حضرت شیخ احمد رفاعی فرماتے ہیں:

''تم پر لازم ہے کہ ہماری صحبت اختیار کرو، ہماری صحبت آزمودہ تریاق ہے اور ہم سے دور رہنا سم قاتل ہے، اے میرے محبوب! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اپنے علم کی وجہ سے تم ہم سے بے نیاز ہو گئے؟ اس علم سے کیا فائدہ، جس کے ساتھ عمل نہ ہو اور اس عمل سے کیا حاصل، جس میں اخلاص نہ ہو اور اخلاص! خطرے کے راستے کے کنارے پر ہے- تمہیں عمل پر کون کھڑا کرے گا؟ ریا کے زہر سے کون تمہارا علاج کرے گا؟ اخلاص کے بعد کون تمہیں سیدھا راستہ دکھلائے گا، اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے پوچھو، اس علیم وخبیر ذات نے ہمیں یہی بتلایا-'' (۸)

مشیخت کے شرائط

شیخ کے لیے حضرت مؤلف نے شریعت کے احکام کی پابندی، طریقت کے اصول وآداب سے واقفیت، رذائل سے دوری اور خصائص سے وابستگی کو ضروری قرار دیا ہے- شیخ رفاعی کے الفاظ میں ''ساتھ رہنے والا اور وہ شخص جس کی صحبت میں رہا، ان دونوں میں ہر ایک یا تو شیخ ہوگا یا بھائی یا مرید ہوگا- اگر شیخ ہے تو مناسب یہ ہے کہ وہ مرشد کامل، متشرع اور متدین ہو، طریقت کے اصول، ارکان اور آداب سے، اس کی خلوتوں اور جلوتوں سے، اس کے اذکار، اسرار اور سلوک کے ضوابط سے پوری طرح باخبر ہو، اپنے تمام افعال، اقوال اور احوال میں شریعت کا پابند ہو، تکبر، عجب وخود پسندی، مشائخ طریقت کے بارے میں بغض وحسد اور جھوٹ سے پاک ہو، نفس کی مکاریوں اور دسیسہ کاریوں سے خالی ہو، متواضع ہو، فقرا ومساکین، مشائخ کرام اور مسافروں کا احترام کرنے والا ہو، سلوک کی تعریف میں رطب اللسان ہو، جواب میں مسائل کی رعایت کرنے والا ہو، مہذب اخلاق کا مالک ہو، صاحب قلب وزبان ہو، ثابت قدم ہو، ایسے سلسلے سے اجازت

حاصل ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مربوط ومتصل ہو-'' (۹)

شیخ رفاعی نے امام محمد ہاشمی شاذلی کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ شیخ بنانے کا مقصد مقصود اعظم (یعنی رب تعالی) تک رسائی ہے، یہ ایک ایسا راستہ ہے جس کو اختیار کرنے کے بعد کہیں اقامت نہیں ہے ورنہ خطرہ ہے کہ مرید کی موت اس حال میں واقع ہوگی کہ وہ اپنے رب سے جاہل اور معرفت سے محروم ہوگا، اور مرید حقیقی وہ ہے جو سلوک الی اللہ میں اپنے آپ کو براہ راست فوری طور پر زندہ مرشد کے سپرد کر دے تاکہ وہ اسے یہ راستہ طے کرا دے یہاں تک کہ وہ اس سے یہ کہہ دے کہ ھا انت و ربک (لو اب تم ہو اور تمہارا رب)

شطحیات کے سلسلے میں شیخ رفاعی کا موقف

وہ عجیب وغریب اقوال جو صوفیۂ کرام سے وجد ومستی اور غلبۂ حال میں صادر ہوتے ہیں شطحیات کہلاتے ہیں، ایسے اقوال کے بارے میں مشائخ صوفیہ کا موقف یہ ہے کہ ان کی تقلید نہیں کی جا سکتی ہے اور نہ ہی تردید کی جا سکتی ہے بلکہ تسلیم کیا جائے گا کیوں کہ مغلوب الحال کی اقتدا نہیں کی جائے گی بلکہ اصحاب تمکین مشائخ کا کلام ہی قابل اتباع وتقلید ہوتا ہے-

شیخ رفاعی کا موقف یہ ہے کہ شطحیات کا صدور مریدین ومتبعین کی جانب سے ہوا ہے اس لیے ہم اسے تصوف کے بنیاد گزار مشائخ پر حجت نہیں مانتے، شطحیات بولنے والے حضرات جادۂ اعتدال اور جادۂ استقامت سے ہٹے ہوئے ہیں، اس لیے وہ قابل اتباع نہیں، ہم ان کی تردید کرتے ہیں لیکن ہم ایسے حضرات پر شرک وبدعت کا الزام نہیں لگاتے بلکہ ہم طریقۂ محمدی کے مطابق حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے جادۂ استقامت کی طرف دعوت دیتے ہیں- اور ان کا ماننا ہے کہ تمام دیگر علوم شرعی کی طرح تصوف میں بھی خرد برد اور ملاوٹ در آئی ہے- ''جس میں بعض ان متصوفین کی شطحیات بھی شامل ہوگئی ہیں جو جادۂ حق سے منحرف ہو گئے ہیں اور جن سے ایسی عبارتیں اور اقوال اور ایسے تصرفات سرزد ہوتے ہیں، جو شریعت محمدیہ کے خلاف ہیں- ایسے لوگوں کی ہم تردید کرتے ہیں، لیکن ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ پورا تصوف گمراہی ہے یا کل کا کل بدعت ہے- اور سلفی علما میں منصف حضرات بھی اسی کے قائل ہیں- چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے صوفیہ کی تین قسمیں کی ہیں: پہلی قسم ان حضرات کی ہے جنہیں انہوں نے صدیقین کے درجے تک پہنچا دیا ہے- اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے بارے میں انہوں نے فرمایا وہ ''خیر،، پر ہیں اور تیسری قسم ان صوفیہ کی ہے جن کے بارے میں انہوں صراحت کی ہے کہ وہ ''گمراہی،، پر ہیں، جو راہ حق سے منحرف ہو کر گمراہ ہو گئے- علامہ نے تصوف سے جنگ نہیں کی ہے، بلکہ انہوں نے صوفیہ کے بارے میں انصاف کی بات کہی ہے، ہم اسی کی تائید کرتے ہیں اور اسی کے قائل ہیں-'' (۱۰)

کرامت اور علم غیب کے سلسلے میں شیخ رفاعی کا موقف

شیخ رفاعی سے انٹرویو میں ایک سوال پوچھا گیا ہے کہ بعض صوفیہ کرامت اور علم غیب کا دعوی کرتے ہیں، ان کے متعلق آپ کا کیا جواب ہے؟- شیخ نے اس سوال کا جواب نہایت سنجیدہ اور متین انداز میں دیا ہے- اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیا کے لیے ولایت اور چھپی ہوئی چیزوں کا علم ثابت ہے، قرآن پاک میں حضرت مریم کے واقعہ سے اور حضرت سلیمان کے سرداران قوم میں اس شخص سے جس کے پاس کتاب کا علم تھا- یوں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں معجزات ظاہر ہوئے اور صحابہ کے ہاتھوں کرامات ظاہر ہوئے ہیں، اس پر حضرت عمر ابن خطاب کا واقعہ شاہد ہے، یہی جمہور کا مسلک ہے- لہٰذا کرامت جو خارق عادت امر ہے، اللہ تعالی اس کے ذریعے اپنے بندے کو تنگی کے وقت اور ضرورت کے وقت نوازتا ہے، یہ ولایت کی ایک قسم ہے کہ اللہ تعالی نے اسے کرامت سے نوازا اور صوفیۂ کرام اس کی وجہ سے لوگوں پر فخر نہیں کرتے اور نہ بقصد وارادہ اس کا اظہار کرتے ہیں بلکہ تمام اولیائے عظام نے ولایت اور علم غیب کا دعوی کرنے سے اپنے مریدین کو دور رہنے کی تاکید کی ہے، کیوں کہ ولایت کی تشہیر غرور و کبر میں مبتلا کرتی ہے اور سیدھی راہ سے منحرف ہونے کا خطرہ ہے- لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ صوفیہ ولایت کا انکار کریں- اس لیے کہ یہ چیز شریعت میں ثابت ہے، اگر ہم اس کی نسبت انسان کی طرف کریں تو ہماری نظروں میں یہ چیز بڑی ہو جائے گی- لیکن اگر ہم اس کی نسبت اللہ کی طرف کریں تو پھر یہ بہت چھوٹی اور معمولی چیز ہے- اس لیے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے- جب ولایتیں اور کرامتیں پچھلی امتوں میں ظاہر ہو چکی ہیں تو کیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے لوگ نہیں ہو سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالی مختلف کرامتوں سے نوازے؟-

کیا تکلیف شرعی ساقط ہو سکتی ہے؟

صوفیہ پر کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ سالک بسا اوقات ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے تکالیف شرعی اس سے ساقط ہو جاتے ہیں، شیخ رفاعی کا ماننا ہے کہ یہ صوفیہ پر تہمت ہے، یہ دعوی بلا دلیل ہے- ان باتوں کا وجود صوفیہ کی کتابوں میں نہیں- مزید فرماتے ہیں کہ: ہاں بعض صوفیہ جو یہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے تیس سال تک اللہ کی عبادت تکلف کے ساتھ کی ہے پھر تیس سال تک عبادت سے لطف اندوز ہوا،، اس کا مطلب یہ ہے کہ تیس سال تک انہوں نے تکلیف، مشقت برداشت کی لیکن اس کے بعد کسی مجاہدہ، مشقت اور تکلیف کے بغیر عبادت کے مشتاق ہو گئے- اس کا مطلب شرعی تکالیف کا ساقط ہونا نہیں ہے اس لیے کہ اس سلسلے میں صوفیہ کے پیشوا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اللہ نے وفات تک عبادت کرنے کا حکم دیا ارشاد باری ہے:

واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (الحجر ۹۹) (اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے) اور جب نبی سے تکالیف شرعی ساقط نہیں ہوئیں تو کسی صوفی، شیخ یا مرید کے لیے یہ کیسے درست ہوگا کہ وہ اپنے نفس سے تکالیف کو ساقط کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی مخالفت کرے- اگر کسی صوفی نے ایسا کہا ہے تو ہم اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں-'' (۱۱)

کیا ابلیس موحد ہے؟

حلاج اور ابن عربی کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ ابلیس موحد، عابد تھا اور وہ اہل جنت میں سے ہے جب کہ یہ عقیدہ نصوص شرعی کے خلاف ہے- شیخ رفاعی نے اس سوال کا جواب نہایت ٹھوس اور مدلل دیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ابلیس موحد تھا کیوں کہ اس نے اللہ کے وجود کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ اللہ کی عزت کی قسم کھائی ہے، اس معنی کر ابلیس ان سے افضل ہے جو اللہ کے وجود ہی کا سرے سے انکار کرتے ہیں- ہاں البتہ اس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اس لیے وہ اللہ کا نافرمان اور کافر ہے اور جہنمیوں کا امام ہے، اللہ کا فرمان ہے: **قال فالحق والحق اقول لاملئن جهنم منک وممن تبعک منهم اجمعین** (الحشر ۱۶) ارشاد ہوا کہ میں سچ کہتا ہوں اور میں ہی سچ کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان سے جو پیروکار ہے، ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا- شیخ رفاعی فرماتے ہیں کہ ''ہم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا ہے کہ اس نے اللہ کے وجود کا انکار کیا ہے- لیکن اس کا کفر، نافرمانی اور اللہ کی ذات کو چیلنج کرنے کا نتیجہ تھا،، اور میں ''ابن عربی کے قول سے براءت ظاہر کرتا ہوں کیوں کہ اس سے ابلیس کے معاملے میں تساہل کا گمان ہوتا ہے میں اس موضوع پر بحث و مناقشہ کی دعوت نہیں دیتا ہوں کہ ابلیس موحد تھا کہ غیر موحد- ہم اس معاملے کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور گمراہی کے پہلو پر توجہ مرکوز کرتے ہیں- اور اللہ کے فرمان کے مطابق اسے اپنا دشمن سمجھتے ہیں-'' (۱۲)

کیا تصوف میں حرکت و عمل نہیں؟

تصوف اور صوفیہ کے حوالے سے ایک عام الزام یہ ہے کہ صوفیہ متوکل ہوتے ہیں، معاش کے لیے سعی نہیں کرتے ہیں، نکاح نہیں کرتے ہیں، فریضۂ جہاد کو معطل سمجھتے ہیں- اس طرح کے الزامات کے سلسلے میں شیخ رفاعی کا کہنا ہے کہ یہ بہتان ہے، حقائق سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں ہے- دراصل جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ مستشرقین کی کتابوں اور کمیونسٹ نظریات سے متاثر ہیں جب کہ وہ صوفیہ کے معاملے میں کوئی بات کہتے ہیں تو انہیں صوفیہ کی کتابوں کا حوالہ دینا چاہیے یہی علمی طریقہ بھی ہے- اور صوفیہ کی کتابوں میں ہمیں اس طرح کی کوئی بات نہیں ملتی

ہے، کیوں کہ کبھی کسی صوفی نے یہ نہیں کہا کہ جہاد نہ کرو، بلکہ ان کے جو امام ہیں یعنی اہل صفہ وہ رات کے عابد اور دن کے شہسوار تھے اور اللہ کی رضا اور تقرب حاصل کرنے کے لیے میدان جہاد سے افضل کوئی دوسری جگہ نہیں ہے- صوفیہ کے بارے میں یہ منقول نہیں ہے کہ انہوں نے جہاد کو ترک کر دیا ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ سید احمد رفاعی، شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ ابوالحسن شاذلی جیسے اکابر صوفیہ نے صلیبیوں اور تاتاریوں کا مقابلہ کیا ہے اور ان کے خلاف میدانِ جہاد میں صف آرا رہے ہیں اس لیے صوفیہ پر جہاد کو معطل سمجھنے کا الزام سراسر بے بنیاد ہے- ''میرا تعلق تصوف سے ہے اور میری تجارت ہے، میں خرید وفروخت کرتا ہوں اور ایک سے زیادہ شادی کی ہے، اور میں اپنے ساتھیوں کو بھی نکاح کی ترغیب دیتا ہوں اور ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کرتا ہوں کہ شِرار امتی عُزّابھا (میری امت میں سب سے برے لوگ وہ ہیں جو غیر شادی شدہ ہیں) اور جب ہم کسی آدمی کو دیکھتے ہیں کہ وہ کام نہیں کرتا تو اسے عمل پر ابھارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالی بے کار آدمی کو پسند نہیں کرتا - اسی بنا پر ہم ان تہمتوں کی پرواہ نہیں کرتے جو ہماری طرف منسوب کی جاتی ہیں'' (۱۳)

اور بعض وہ مشائخ جو اپنے مریدین کو خلوت کی تاکید کرتے ہیں وہ نفس کی تطہیر، سابقہ گناہوں سے توبہ واستغفار اور اللہ کی طرف توجہ یکسوئی کے لیے کرتے ہیں- اور سچی بات یہ ہے کہ یہ عمل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی نیت سے ہے چنانچہ آپ غار حراء میں گوشہ نشینی اختیار کرتے تھے اور مسلسل کئی کئی رات اللہ کی عبادت کرتے تھے تو یہ وقفہ نفس کی تطہیر اور صفائی کے لیے ہے- اسلام سے باہر کوئی اجنبی چیز نہیں ہے-

مسئلہ توسل

اہل سنت وجماعت کے نزدیک وسیلہ جائز ہے- مُردوں کے لیے ان کے حق میں دعا کرنا ثابت ہے- اور صالحین کے وسیلے سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہنا بھی جائز ہے- شیخ یوسف رفاعی توسل کو تین خانوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی اعمال سے وسیلہ، زندوں سے وسیلہ، اور مردوں سے وسیلہ، صالح اعمال کے ذریعہ اللہ سے وسیلہ اختیار کرنا غار والی حدیث سے ثابت ہے- زندہ آدمی کے ذریعے وسیلہ اختیار کرنے پر سب کا اتفاق ہے جیسا کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وسیلہ اختیار کرتے تھے، آپ سے عرض کرتے: **ادع لنا یا رسول اللّٰہ، استغفر لنا یا رسول اللّٰہ** - رہ گیا میت سے وسیلہ اختیار کرنا تو یہ بھی جائز ہے اس سلسلے میں ایک اصول یاد رکھنا چاہیے کہ ہم زندوں سے وسیلہ کیوں اختیار کرتے ہیں کیا وہ بذات خود نفع بخش ہیں یا اس لیے کہ اسے اللہ کا قرب حاصل ہے اگر پہلی صورت ہے تو شرک ہوگا اور دوسری صورت میں صالح آدمی کا

قرب اس کی موت سے ختم نہیں ہوتا ہے یہی جمہور ائمہ کا مسلک ہے اس لیے ہم اگر کہیں کہ اے اللہ! میں تیرے رسول کی جاہ ومرتبت کے وسیلے سے تجھ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما دے (تو یہ صحیح ہے) اسی توسل کے ضمن میں شیخ سے دریافت کیا گیا کہ قبروں کا طواف کرنا، جالی چومنے، مزارات کو چھونے، قبر والوں سے حاجت مانگنے کا جو رواج بڑھ رہا ہے کیا یہ شرک وکفر کے مظاہر نہیں؟ شیخ فرماتے ہیں کہ ''اگر ٹریفک کے اشارے میں غلطی ہو جائے اور اس کی وجہ سے کچھ حادثات پیش آجائیں تو کیا ٹریفک اور اشارے کے پورے نظام کو ختم کر دیا جائے، قبروں کی زیارت مسنون ہے- اگر اس میں لوگ غلطی کریں تو کیا زیارت ہی کو ممنوع قرار دیں گے یا لوگوں کو زیارت کے آداب بتلائیں گے- یونہی یہ بھی صحیح نہیں کہ ہم مُردوں سے عداوت رکھیں، اس لیے کہ ہمارے درمیان اور مردوں کے درمیان روحانی تعلق ہے، اس لیے کہ وہ عالم برزخ میں ہیں اور ہمارا اعتقاد ہے کہ قبر یا تو جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے-'' (۱۴)

صوفیہ علم لدنی اور علم شرعی کے جامع

علم لدنی کے حوالے سے شیخ کا نظریہ یہ ہے کہ صوفیہ علم شرعی کے ساتھ علم لدنی کے بھی قائل ہیں جب کہ مخالفین تصوف صرف علم شرعی کے قائل ہیں اور صوفیہ پر یہ جو الزام لگاتے ہیں کہ وہ صرف علم لدنی پر اعتماد کرتے ہیں اور مریدین کو علم شرعی کے حصول سے روکتے ہیں یہ سراسر بے بنیاد بات ہے کیوں کہ معتمد ائمہ صوفیہ میں سے کسی نے مریدین کو علوم شرعی کے حصول سے باز رہنے کی تاکید نہیں کی ہے- اور اگر کسی نے ایسا کہا ہے تو اس کی تردید کی جائے گی کیوں کہ بہ قول امام مالک ہر شخص کی کچھ بات قبول کی جاتی ہے اور کچھ رد کر دی جاتی ہے سوائے اس صاحب قبر یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے- اور سچی بات تو یہ ہے کہ صوفیہ دونوں (علم شرعی اور علم لدنی) پر ایمان رکھتے ہیں- بلاشبہ علم شرعی سب کے لیے حجت ہے جب کہ علم لدنی ایک باطنی اور نورانی علم ہے وہ بندوں پر حجت نہیں ہے- البتہ یہ علم اللہ کی خاص عنایت سے خاص بندوں کو عطا کیا جاتا ہے اور اس کا ثبوت قرآن مجید کی اس آیت سے ہے: **فوجدا عبدا من عبادنا واتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما** (کہف/ ۹۵) (تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور اپنے پاس سے ایک خاص قسم کا علم سکھایا تھا)- یہ علم اللہ کے معزز بندوں کو عطا کیا جاتا ہے- اس کی وجہ سے لوگوں پر فخر نہیں جتایا جا سکتا ہے اور ہمارے نزدیک دین پر استقامت ہی سب سے بڑی کرامت ہے-

وحدۃ الوجود کے سلسلے میں مؤلف کا نظریہ

وحدۃ الوجود اور اتحاد و حلول کے مسئلے کو شیخ رفاعی نے کئی جگہ اٹھایا ہے جس کا خلاصہ ہے درج ذیل سطور میں پیش کیا گیا ہے۔

اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے دو بنیادی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے پہلی بات تو یہ کہ تصوف کے حوالے سے دو مکتب فکر ہیں، ایک مکتب فکر وہ ہے جو قرآن و سنت کا التزام کرتا ہے، اور اس کے آئینے میں ارشاد و دعوت کا فریضہ انجام دیتا ہے مثلاً امام غزالی، سید احمد رفاعی، شیخ عبد القادر جیلانی، امام شاذلی، امام دسوقی اور نقشبندی مشائخ جن کی عالم اسلام کے اکثر مسلمان پیروی کرتے ہیں، ان حضرات کے طریقے کو ''تصوف شرعی،، کہا جاتا ہے۔ مؤلف کہتے ہیں کہ اسی مکتب فکر پر ہمارا اعتماد ہے، اسی سے ہم عقیدت رکھتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ تصوف کے دوسرے مکتب فکر کا تعلق فلسفۂ تصوف سے ہے جسے **مدارس الاستشراقات یامدارس المعارف والفیوضات** کہا جاتا ہے، اس مکتب فکر میں بڑے گہرے اسرار و رموز ہیں، شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ عبد الکریم جیلی اور حسین بن منصور حلاج کا تعلق اسی مکتب فکر سے ہے۔ ان حضرات کے تصوف کا اعتبار نہیں، ان کے افکار غیر مسلموں میں رائج ہیں، اور اب ان حضرات کے مجالس کے مریدین، تکیے، خانقاہیں عالم اسلام میں ناپید ہیں۔ لیکن ان کے حوالے سے ہمارے تحفظات ہیں، ہم ان کی تکفیر نہیں کرتے کیوں کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید کے مصداق نہ بن جائیں کہ **من کفر مسلما فقد کفر** ہم یہ کہتے ہیں کہ جس طرح امام شعرانی کی کتابوں کے جعلی نسخے تیار کیے گئے ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ ان حضرات کی کتابوں میں خلط ملط کیا گیا ہو اور ان ائمہ کی جانب جھوٹی باتوں کا انتساب کر دیا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود شیخ ابن عربی کی کتابوں میں وحدۃ الوجود کی موافقت اور مخالفت دونوں کے حوالے سے باتیں مل جاتی ہیں، اس لیے تضاد و تعارض کی وجہ سے فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی مشکوک حالت میں ہم اس اصول پر عمل کرتے ہیں کہ ''شک، متہم شخص کے مفاد کی طرف لوٹتا ہے'' اس لیے کہ اس کا کلام نقیضین پر مشتمل ہے۔

اور جہاں تک وحدۃ الوجود کا نظریہ ہے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ دو قدیم وجود ایک ہو گئے ہوں یا ایک قدیم اور ایک حادث وجود باہم متحد ہو گئے ہوں، یا اگر اس سے یہ مراد ہے کہ کائنات اللہ ہے اور اللہ ہی کائنات ہے، یا پروردگار کی ذات بندے میں حلول کر جاتی ہے یا یہ کہ بندہ رب کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے، ہم ان سارے عقائد (یعنی اتحاد، حلول اور وحدۃ الوجود) سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور ہمارے مشائخ صوفیہ نے بھی ان عقائد سے براءت ظاہر کی ہے جیسے کہ سید احمد رفاعی، امام محمد غزالی، شیخ محمد ذکی ابراہیم وغیرہ اور خود شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات ج/۴

میں فرماتے ہیں کہ: ''اتحاد کے قائل صرف ملحدین ہیں اور جو شخص حلول کا قائل ہو تو وہ ایسا مریض ہے جس کا علاج نہیں۔''

ہاں وہ وحدۃ الوجود جس کی طرف بعض صوفیہ اشارہ کرتے ہیں وہ ایک امر معنوی اور علم ربّانی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالی کے لیے اس کی ذات وصفات اور افعال میں وحدانیت کو ثابت کیا جائے۔ انہوں نے اس کو جانا اور اس میں ان کو نور ربانی کا ادراک واحساس ہوا اور اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: ''مومن کی فراست سے ڈرو،، اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے،، نیز انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی برکت سے اسے جانا چنانچہ اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا: **قل ھذہ سبیلی ادعو الی اللّٰہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی** (یوسف/ ۱۰۸) اس آیت میں جس بصیرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ رویت قلبی اور چیزوں کے حقائق اور ان کے باطن کا باطنی مشاہدہ ہے کہ صاحب بصیرت انسان کو ایسا علم حاصل ہوتا ہے کہ غور و فکر یا عقل یا حسی نظر سے اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نور اور قلبی مشاہدہ نبی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس میں حق کے ساتھ آپ کی پیروی کرنے والے بھی شریک ہیں اور وہ اس امت کے خواص ہیں،'' تو جو شخص اقوال وافعال اور احوال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر کے تبعیت کا درجہ کا حاصل نہ کرے یا یوں کہیے کہ ظاہری اعمال میں حدود شریعت پر قائم رہنے اور باطن میں معرفت، ذوق اور وجود کے اسرار کا علم حاصل کر کے تبعیت کا مقام حاصل نہ کر سکے تو اس کے لیے مرتبۂ کمال اور اولوالعزم لوگوں کے مقامات تک پہنچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔'' (۱۵) ان صوفیہ کے نزدیک وحدۃ الوجود کا وہ مفہوم نہیں جو پہلے بیان ہوا کیوں کہ اللہ ان ساری چیزوں سے پاک ہے، وہ اپنی مخلوق کی صفات سے منزہ ہے، اس کی شان **لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر** ہے۔

شیخ یوسف رفاعی نے اسلامی تصوف اور مقام احسان وسلوک کے ثبوت میں ائمہ اربعہ کی آراء کے علاوہ اکابر علما، حفاظ حدیث اور فقہائے راسخین کا حوالہ دیا ہے، یونہی انہوں نے شام، اردن، مصر، لبنان اور متحدہ عرب امارات کے دار الافتا سے اسلامی تصوف پر فتاوے حاصل کیے ہیں، کتاب میں شامل تمام فتاوے میں تصوف کی عظمت کو تسلیم کیا گیا ہے اکابر صوفیہ کے کارناموں کو سراہا گیا ہے البتہ تصوف کے نام پر غلط رسوم وروایات فروغ دینے والے حضرات کی مذمت بھی کی گئی ہے۔

خلاصۂ بحث

یہ مطالعہ جس نتیجے پر پہنچتا ہے اسے شیخ سید یوسف رفاعی نے اپنے انٹرویو کے آخری حصے

میں بیان فرمایا ہے اور وہ مندرجہ ذیل ہے۔

''میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ''تصوف'' اسلام کا روحانی پہلو ہے۔لہٰذا اس سے الجھنا یا اس کا انکار کرنا، اسلامی شریعت کے سرچشموں کو اور روحانی پہلوؤں کو خشک کرنا ہے۔اور یہ ''ایک علم ومسلک'' ہے اور میں اس بات کی وضاحت بھی کرنا چاہتا ہوں کہ تصوف کوئی عقیدہ، نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے سلسلے میں روحانی اور تعبدی پہلو میں نوافل وغیرہ کے اہتمام کے ذریعے کچھ اضافہ ہے۔''صوفی'' وہ مسلمان ہے جو قرآن وحدیث کا متبع ہو۔اس کا عقیدہ، اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے۔وہ چاروں فقہی مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں سے کسی ایک کے مطابق، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور عام مسلمانوں سے اس کا امتیاز یہ ہے کہ وہ کچھ وظائف واوراد اور زیادہ عبادت وطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے تاکہ ''مقام احسان،، تک اس کی رسائی ہو سکے۔''(۱۶)

حوالے

(۱)صوفیہ اور تصوف قرآن اور حدیث کی روشنی میں، از قلم سید یوسف سید ہاشم رفاعی ترجمہ:۔سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی، ناشر الاصلاح۔۲۵،فرسٹ فلور عیدگاہ کامپلکس، بی ایس، اے روڈ بنگلور، کرناٹک۔انڈیا ص:۲۳۔

(۲)نفس مصدر ص:۳۷

(۳)نفس مصدر ص:۳۸

(۴)نفس مصدر ص:۳۹

(۵)نفس مصدر ص:۳۹

(۶)**الصوفیة والتصوف فی ضوء الکتاب والسنة** (عربی) ص:۱۱

(۷) ترجمہ ماخوذ از قلم سید مصطفیٰ رفاعی ص:۶۶،توحید ورسالت اور جنت ودوزخ کے حوالے سے اتنا شان عقیدہ اور موثر انداز بیان مجھ حقیر کی آنکھوں سے کسی کتاب میں نہیں گذرا، اس کو بیان کرنے کے بعد امام شعرانی نے جو بات لکھی ہے وہ دل کی تختی پر نقش کرنے کے لائق ہے۔فرماتے ہیں **حسبنا اللّٰہ سیوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللّٰہ راغبون** (التوبۃ/۵۹) ہم کو اللہ کافی ہے، آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا اور اس کے رسول دیں گے، ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

فامعن یا اخی النظر فی ھذہ العقیدة فانھا عظیمة الشان: وان حفظتھا عن ظھر قلب کان اولی لک فاولی، واللّٰہ یتولی ھداک، واللّٰہ یرعاک ولک

یتولی۔

(۸)نفس مصدر (مترجم) ص:۶۲

(۹)نفس مصدر ص:۶۳

(۱۰)نفس مصدر ص:۱۷۱

(۱۱)نفس مصدر ص:۱۸۰

(۱۲)نفس مصدر ص:۱۸۳

(۱۳)نفس مصدر ص:۱۸۶

(۱۴)نفس مصدر ص:۱۹۵/۱۹۶

(۱۵)نفس مصدر ص:۲۶/۲۷

(۱۶)نفس مصدر ص:۱۰۹/۲۱۰

○○○

علامہ محمد احمد مصباحی اور تصوف
'امام احمد رضا اور تصوف' کے حوالے سے

موجودہ ہندوستان میں اہل سنت کی قدآور شخصیات میں ایک نام حضرت محمد احمد مصباحی کا ہے-آپ کی شخصیت کئی جہات سے متاثر کرتی ہے-آپ بیک وقت محقق، مصنف، مدرس، مقرر اور محرر ہونے کے ساتھ متواضع، منکسر مزاج، قناعت پسند اور زاہد صفت بزرگ بھی ہیں-کاغذی بزرگ تو بہت سے ملتے ہیں لیکن شریعت کی پابندی اور تقویٰ شعاری کی صفت سے متصف ہونا جن لوگوں کے حصہ میں آیا ہے ان میں ایک ممتاز نام آپ کا ہے-جنہوں نے آپ کو قریب سے نہیں دیکھا ہے صرف سنا ہے اور آپ کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے ع

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل

اس وقت آپ ہندوستان میں اہل سنت کے عظیم ادارے الجامعۃ الاشرفیہ کے صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہیں اور المجمع الاسلامی مبارک پور (جو ایک دینی، علمی اور قومی ادارہ ہے) کے فعال بانی رکن ہیں-مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری ہیں-امام احمد رضا علیہ الرحمۃ سے انہیں دینی وعلمی سطح پر گہرا لگاؤ ہے-یہی وجہ ہے کہ آپ نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے تقریباً آدھے درجن سے زائد رسائل پر حاشیہ اور ان کی مناسب توضیح وتسہیل اور جدید ترتیب سے پیش کش کا صبر آزما کام انجام دیا ہے-

خود حضرت مصباحی کی آٹھ قیمتی تصانیف منصۂ شہود پر آچکی ہیں، جن میں سے ایک عربی تصنیف "**حدوث الفتن و جهاد اعيان السنن** "۲۰۰۸ء میں مصر سے شائع ہوئی ہے-بقیہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں-جن کے ناموں سے آپ کے علمی تنوع کا اندازہ بھی ہوگا-تدوین قرآن، معین العروض، تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، اسلام اور رشتۂ ازدواج، مدارس اسلامیہ کا انحطاط، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت اور امام احمد رضا اور تصوف-

آخر الذکر کتاب اس وقت زیر بحث ہے-یہ کتاب دراصل بیسویں صدی کے عظیم صوفی واسکالر امام احمد رضا کے متصوفانہ خیالات کو واضح کرنے کے لیے معرض تحریر میں آئی ہے-ساتھ ہی مصنف کے صوفیانہ خیالات بھی سامنے آجاتے ہیں-ہم یہاں اس کتاب کے توسط سے مصنف کے خیالات کا ماحصل پیش کریں گے-

مصنف نے امام احمد رضا کے صوفیانہ افکار ونظریات کا جائزہ لیتے ہوئے کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے-تصوف اعتقادی، عملی اور علمی-وہ تینوں پہلوؤں پر یکساں زور دیتے ہیں-ان کے خیال میں اکابر کی تجدیدی واصلاحی خدمات کو علمی خانے میں رکھنے کے بجائے تصوف وطریقت میں شمار کیا جانا چاہیے-دعوت دین، اصلاح زمانہ اور فتنہ شکنی ان کے نزدیک عظیم مجاہدہ ہے-وہ جلوت کو خلوت پر ترجیح دیتے ہیں اور اسے افضل مجاہدہ تصور کرتے ہیں اس کی وجہ بتاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"ایک صحرا نشیں خلوت گزیں عابد مرتاض صرف اپنے آپ کو نار جہنم سے بچانے کی تدبیر کرتا ہے اور ایک مخلص وبے ریا صاحب ہمت ومجاہدہ عالم ربانی ایک جہان کو عذاب آخرت سے بچانے کی سعی کرتا ہے بھلا یہ اس سے کم کیوں کر ہوسکتا ہے-یقیناً اس سے افضل واعلیٰ ہے-بشرطیکہ جو کچھ کررہا ہے اس سے اس کا مقصود ذات احد اور خوشنودی خدا اور سول ہو اور یہ شرط تو خلوت گزیں عابد مرتاض کے لئے بھی ہے-(ص:۴۹)

عقائد کے باب میں حضرت مصباحی کہتے ہیں کہ اولیا جب صفائے باطن کی منزل سے گزر جاتے ہیں اور فضل ربانی سے شرف یاب ہوتے ہیں تو انہیں "کشف ومشاہدہ" حاصل ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں انہیں قرآن وحدیث کے ان معانی کا ادراک ہوجاتا ہے جہاں تک عام عقلوں کی رسائی نہیں ہو پاتی-قرآن وحدیث کے لطائف ومعانی اور اسرار ورموز لامتناہی ہیں-قرآن کا اپنا بیان ہے و فوق **کل ذی علم علیم**-ارباب ظاہر کو ان معانی کا ادراک اس وقت تک نہیں ہو پاتا جب تک کوئی دیدہ ور ان کی تفہیم وتلقین نہ کرے-اس لیے صوفیہ اجماعی مسلمہ عقائد کے ساتھ ساتھ ایسے فروعی عقائد کے بھی معتقد ہوتے ہیں جن تک عام عقلوں کی رسائی نہیں ہوتی اور وہ متفقہ عقائد کے معارض بھی نہیں ہوتیں-بلکہ ان میں پختگی اور تقویت کا سامان ہوتی ہیں-لیکن وہ اہل ظاہر پر اپنے ان عقائد کو مسلط نہیں کرتے-حضرت مصباحی واضح لفظوں میں فرماتے ہیں:

"بہت سے لوگ ان مخصوص عقائد صوفیہ ومشاہدات اولیا کی اس حیثیت کو بھول جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ سب وہ قطعیات ہیں جن کے بغیر صوفیہ کے نزدیک کوئی مسلمان نہیں

ہوسکتا- حالاں کہ یہ محض خام خیالی ہے اور اقسام عقائد سے بے خبری کا نتیجہ ہے-'' (ص:۱۵)

تصوف اعتقادی کے باب میں سب سے پہلے حضرت مصباحی نے ''وحدت الوجود'' کو پیش کیا ہے- یہ عقیدہ حضرت مصباحی کے نزدیک حقانیت پرمبنی متواتر و مستمرہ عقیدہ ہے- یہ کوئی خیالی موہوم عقیدہ نہیں ہے بلکہ اس کی حقانیت پر ایسی عقلی دلیلیں بھی ہیں جن کی تردید کوئی فلسفی نہیں کرسکتا- وحدت الوجود کیا ہے؟ اس کو سمجھانے کے لیے انہوں نے امام احمد رضا کے متعدد اقوال پیش کیے ہیں- ایک مثال امام احمد رضا کی مایۂ ناز تصنیف ''الدولة المکیة'' سے بھی پیش کی ہے- ذیل میں ملاحظہ کریں:

''حقیقی وجود صرف اللہ کے لیے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے سچی بات جو عرب نے کہی وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے-''**الا کل شی ما خلا الله باطل**'' ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمۂ طیبہ **لاالہ الا الله** کا معنی عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں- اور خواص الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں اور جو مقام نہایت تک پہنچ گئے ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں اور سب حق ہے-'' (ص:۱۰۲)

مذکورہ بیان میں تمام معانی کی حقانیت کا اقرار کرتے ہوئے یہ بات بھی واضح کردی ہے کہ وحدت الوجود، وحدت شہود سے بلند تر درجہ ہے- وحدت وجود کے عقیدے کی بنا پر ہی ہے حضرت مصباحی نے امام احمد رضا کے حوالے سے یہ عقیدہ بھی قائم کیا ہے کہ صفات الٰہی غیر ذات نہیں ہیں اور نہ ہی ''لاعین لاغیر'' ہیں- جیسا کہ عام متکلمین کا خیال ہے اسی طرح قرآن پاک کی لفظی اور نفسی کی جو تقسیم و تشریح متاخرین نے کی ہے وہ صرف معتزلہ کو خاموش کرنے اور عام عقلوں کو سمجھانے کے لیے ہے- ورنہ صوفیہ کے نزدیک کلام الٰہی ذات الٰہی سے جدا شئ نہیں ہے- اس سلسلے میں امام احمد رضا کے حوالے سے حضرت مصباحی لکھتے ہیں:

''وہی قرآن جو باری تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جو اس کی ذات پاک سے ازلاً ابداً قائم و مستحیل الانفکاک ہے وہی ہماری زبانوں سے متلو ہمارے کانوں سے مسموع ہمارے اوراق میں مکتوب ہمارے سینوں میں محفوظ ہے- نہ یہ کہ کوئی جدا شئ قرآن پر دال ہے-'' (ص:۲۱)

قرآن مکتوب کے مخلوق و غیر مخلوق ہونے کا مسئلہ کسی زمانے میں بہت ہی حساس و نازک ہو گیا تھا اور اہل سیاست نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا جس کی وجہ سے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں لیکن صوفیہ نے اسے باری تعالیٰ کی صفت قدیمہ قرار دے کر اس باب کو بند کرنے کی کوشش کی- چنانچہ حضرت مصباحی نے خود امام احمد رضا کے حوالے سے

عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی کا یہ قول نقل کیا ہے:

''اہل سنت نے قرآن مکتوب کو حقیقتاً کلام اللہ ہی قرار دیا ہے اگرچہ اس کا نطق ہماری زبان سے واقع ہے اس سے زیادہ کچھ بولنے یا کسی کتاب میں لکھنے کی گنجائش نہیں-(ص:۲۲)

عامۂ ممکنات اور ذات واجب الوجود کے درمیان حقیقت محمد یہ کیا ہے؟ حضرت مصباحی کا ماننا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ واجب ہیں اور نہ ممکن بلکہ آپ کی حقیقت وجوب و امکان کے درمیان برزخ کبریٰ کی ہے- یہ وہی خیال ہے جسے امام احمد رضا نے ان دو اشعار میں بیان کیا ہے:

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبد الہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

علم و اختیار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں حضرت مصباحی کا عقیدہ بہت ٹھوس اور واضح ہے جسے وہ احادیث و اقوال ائمہ سے مستنبط عرفا و اعلام کا مسلک مانتے ہیں- ان کا ماننا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازل سے ابد تک تمام ما کان و ما یکون کا علم بعطائے الٰہی رکھتے ہیں- اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علوم غیب عطا فرمائے ہیں وہ ازل سے ابد تک تمام کائنات کو محیط ہے- آپ اپنے امتیوں کے دلی ارادوں، نیتوں اور عزائم و خطرات سے آگاہ ہیں- اور اس میں سرکار کی حیات و وفات کا کچھ فرق نہیں ہے حضرت مصباحی نے بعطائے الٰہی علم غیب انبیا کے عقیدے کو جز و ایمان مانا ہے- لیکن جہاں اس کا ذکر کیا ہے وہاں کیت کی صراحت نہیں کی ہے-

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشق و عرفان کا تقاضا قرار دیا ہے اور اس کے لیے ہر اس طریقے کو جائز و مستحسن قرار دیا ہے جو شرعاً قبیح نہ ہو- دائرۂ شرک میں نہ آتے ہوں، اس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ خدا اور رسول خدا نے اس تعظیم سے منع نہیں فرمایا- بس ذوق و شوق اور اظہار حقیقت کے وقت شریعت و طریقت کا پاس ملحوظ رکھنا ضروری ہے- اس سلسلے میں حضرت مصباحی صحابۂ کرام اور اسلاف کا حوالہ پیش کرتے ہیں، وہ رقم طراز ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام سرکار کے آب وضو کے لیے اس طرح ٹوٹ پڑتے تھے گویا اس تبرک کے لیے جنگ ہو جائے گی- موئے مبارک کو حرز جاں بنا کر رکھتے تھے......امام مالک علیہ الرحمہ نے تعظیم رسول کے پیش نظر مدینہ طیبہ میں کبھی سواری نہیں کی-''

حضرت مصباحی نے تعظیم و اجلال کو اذعان و یقین سے زائد ایک خالص عمل مانا ہے- اسی طرح عشق رسول بھی صوفیانہ عمل ہے اور تصوف میں شامل ہے- عشق کی مختلف صورتیں اور متعدد

جلوے ہوسکتے ہیں-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہنا،آپ کے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی رکھنا، اظہار عشق کے ذرائع ہیں - اسی طرح عشق کی صداقت اور پختگی جبھی ہے کہ جس چیز سے بھی محبوب کو نسبت ہے اس سے محبت رکھے اور احترام بجالائے-شہر رسول سے،اولا د رسول سے اور غلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے-

حضرت مصباحی ولی کے لیے کرامت کو لازمی مانتے ہیں، کرامت کیا ہے؟ دراصل وہ کرامت کی دو قسمیں کرتے یں،معنوی اور حسی،کرامت معنوی میں کسی دھوکے کا دخل نہیں ہوتا جب کہ کرامت حسی میں استدراج وشعبدہ کا شبہ ہوسکتا ہے-جس طرح اصل تصوف صفائے قلب اور اتباع شریعت ہے اسی طرح حقیقی اور اعلیٰ کرامت شریعت پر استقامت ہے- سچے ولی کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا ترجمان ہو- اس کے لیے کرامت حسی ضروری نہیں لیکن کرامت حسی بلاشبہ دلیل ولایت یا دلیل بالائے دلیل ہے-

اسی طرح حضرت مصباحی ولی اور صوفی کامل کے لیے یہ لازمی شرط رکھتے ہیں کہ وہ ایمان وایقان میں عامۃ الناس سے زیادہ کامل ہو- افکار وعقائد خواہ اصولی ہوں یا فروعی، یقین کی محکم بنیادوں پر استوار ہونے چاہئیں- وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ استحکام صرف علم سے ہرگز پیدا نہیں ہوتا اس کے لیے عرفان ضروری ہے اور یہ کہ دل میں یقین اور یقین میں کمال عرفا واولیا کے در پر ہی نصیب ہوتا ہے- اس سلسلے میں حضرت مصباحی نے اس نکتے کی بھی وضاحت کی ہے کہ وہ آحاد احادیث جو غیر احکام میں ہوں اور کسی منصوص شرعی کے معارض ومخالف نہ ہوں اگر ان پر کسی مومن کو آج بھی یقین کامل ہو اور اس پر وہ عمل کرے تو اس کا حق ہے-

تقویٰ ان کے نزدیک یہ ہے کہ صوفی شریعت وسنت مصطفیٰ ﷺ سے اپنی زندگی کو مکمل طور سے آراستہ کرے-تقویٰ کے مختلف اصناف ہیں، ورع کا درجہ تقویٰ سے بلند تر ہے، حقوق عباد کی ادائیگی، تواضع وانکساری سے متصف ہونا اور خود کو کمتر سمجھتے رہنا، والدین کی اطاعت وفرماں برداری کرنا اور ان کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہنا، ان کی پسند وناپسند کا خیال رکھنا تقویٰ کے بلند درجات میں شامل ہیں-متقی کو چاہیے کہ اکابر اسلاف کی باتوں پر کلام کرتے وقت ادب وتواضع کو ہاتھ سے نہ جانے دے-حق گوئی وصلابت دینی کو شیوہ بنائے اور تعصب کی آمیزش سے اپنا دامن بچائے- خدمت دین پر اپنوں کی مدح انسان کو عجب وکبر میں اور غیروں کی قدح غصہ وانتقام میں مبتلا کردیتے ہیں-صوفی کو ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے- زبان کو قابو میں رکھے اور ایسی کوئی بات نہ کہے جس سے پشیمانی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے-تواضع اور محاسبۂ نفس کو حضرت مصباحی نے تصوف کی بنیادی شرط بتایا ہے- ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں ''تصوف کی بنیادی

شرط یہ ہے کہ اپنے کو سب سے حقیر سمجھے- نفس کے خیالات وحرکات کا برابر محاسبہ کرتا رہے-''(ص:٦٧)

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صوفیہ واولیا کا خود کو گنہ گار کہنا اور لکھنا ان کے تواضع اور محاسبہ نفس کا نتیجہ ہے، اس سے ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ عام گناہ میں ملوث ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کا یہ کہنا، لکھنا زبانی ہوتا ہے، بلکہ بات صرف یہ ہے کہ ان کا عرفان ہماری معرفت سے بدرجہا زائد ہوتا ہے- یہی وجہ ہے کہ اولیا تو اولیا سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثنا برابر استغفار کیا کرتے تھے جب کہ انبیا معصوم ہوتے ہیں، ان سے گناہ کا صدور محال ہے-

حضرت مصباحی کا ماننا ہے کہ صوفی کو اپنے اعمال کی بنیاد اخلاص اور حسن نیت پر رکھنی چاہیے- وہ کہتے ہیں کہ ظاہری اعمال کی پابندی تو منافقین بھی کرلیتے تھے، لیکن صحت ایمان کے بعد حسن عمل کی عمارت اسی وقت تعمیر ہوسکتی ہے جب اس کی بنیاد للّٰہیت اور خلوص نیت پر رکھی جائے بنیاد کی کمزوری سے عالی شان عمارتیں بھی ڈھے جاتی ہیں-

انہوں نے سالک کے لیے مرشد کامل کو بھی ضروری قرار دیا ہے- سالک کے لیے تعلیم وطریقت وشرف بیعت لازم ہے- راہ سلوک میں یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے آقائے نعمت سے بھرپور تعلق خاطر ہو جبھی فیضان قلب ونظر سے بہرہ ور ہوا جاسکتا ہے-بوقت ضرورت صوفی اپنے مشائخ کاملین سے استمدادو اعانت بھی کرے-

دراصل حضرت مصباحی کے متصوفانہ خیالات اسلاف سے منقول ہیں اور انہیں ان تمام عقائد واعمال سے شغف ہے جو اکابر صوفیہ کا معمول رہا ہے- اس سلسلے میں کتاب کا آخری جملہ قابل غور ہے-

''اور سچ تو یہ ہے کہ ولی را ولی می شناسد- اور- عالم را عالم می داند''-

○○○

پروفیسر طاہر القادری اور تصوف
'حقیقت تصوف' کے حوالے سے

پروفیسر طاہر القادری (پ:۱۹۵۱ء) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں-فی زمانہ موصوف ان چند شخصیات میں شمار کیے جاتے ہیں، جو اسلامی تعلیمات کو update انداز میں پیش کر رہے ہیں-سیکڑوں کتابیں تفسیر وحدیث، فقہ وفتاوی، مناظرہ اور دیگر اسلامی موضوعات پر شائع ہو چکی ہیں اور مسلسل ہو رہی ہیں-

آپ انٹرنیشنل منہاج القرآن فاؤنڈیشن، عوامی تعلیمی منصوبہ، منہاج یونیورسٹی جیسے اداروں اور سیاسی پارٹی پاکستانی عوامی تحریک کے سربراہ اور بانی ہیں-آپ نے تحریک منہاج القرآن ۱۹۸۰ء میں قائم فرمایا، آپ پاکستان کے اعلی انتظامی، قانونی، تعلیمی اور سیاسی مناصب پر فائز رہے-۱۹۹۲ء میں آپ نے قومی اور بین الاقوامی ٹرانزیکشنز کا احاطہ کرنے والا غیر سودی بینک کاری نظام پیش کیا، جسے صنعتی و بنک کاری حلقوں میں سراہا گیا-اس کے علاوہ انہوں نے خود عملی طور پر مسلم کرسچن ڈائلاگ فورم بھی قائم کیا-

آپ کی قومی وملی اور فلاحی خدمات بھی سراہے جانے کے لائق ہیں-آپ کے ذریعے بیواؤں، یتیموں، معذوروں، غریبوں اور طلبہ کے لیے وظائف کا بھی انتظام ہے-آپ حرمین شریفین کے بعد دنیا کا سب سے بڑا اجتماعی اعتکاف کا نظم کرتے ہیں-دنیا کی سب سے بڑی میلاد کانفرنس آپ مینار پاکستان لاہور کے تاریخی مقام پر منعقد کرتے ہیں-آپ نے ایک ایسا گوشہ بھی قائم فرمایا ہے جہاں سالوں بھر دن رات درود شریف کا ورد ہوتا ہے، آپ کی قائم کردہ تحریک منہاج القرآن کی دنیا بھر میں شاخیں متحرک وفعال ہیں-

آپ کی چند اہم تصانیف میں بجا طور پر عرفان القرآن، منہاج القرآن، المنہاج السوی من الحدیث النبوی، سیرت الرسول، میلاد النبی، اسلام اور جدید سائنس، اقتصادیات اسلام

، حقوق انسانی، نیو ورلڈ آرڈر عالم اسلام، القول المعتبر فی الامام المنتظر، انسان اور کائنات کی تخلیق وارتقا، سلوک وتصوف کا عملی دستور، فلسفہ شہادت حضرت امام حسین، ایمان کا محور ومرکز، عقیدہ شفاعت، حیات النبی، فلسفہ معراج النبی، ایصال ثواب کی شرعی حیثیت، اسمائے مصطفی ﷺ، عشق رسول استحکام ایمان کا واحد ذریعہ وغیرہ شمار کی جاسکتی ہیں، آپ کے خطابات گاہے بہ گاہے کیو ٹی وی، اے ٹی وی، پی ٹی وی، پرائم ٹی وی اور اے آر وائی ٹی وی نشر کرتے رہتے ہیں، www.youtube.com پر بھی آپ کی بے شمار تقاریر سماعت کی جاسکتی ہیں-

تصوف کے حوالہ سے آپ کا نظریہ یہ ہے کہ تصوف کی روح نفس کی پاکیزگی سے عبارت ہے، جو شریعت کی پاسداری کے بغیر ناممکن ہے، اسی بنا پر وہ تصوف کو کاروبار بنانے والوں کو جاہل اور گمراہ بھی قرار دیتے ہیں، تصوف پر ان کی ایک اہم تصنیف حقیقت تصوف ہے جو یقیناً اسم بامسمی ہے، پوری کتاب کی ورق گردانی کے باوجود کہیں بھی کوئی ایک کرامت نہیں ملے گی، کتاب کے موضوع پر موصوف کے ید طولی ہونے کا قاری کو یقین ہو جاتا ہے، جن بحثوں اور بحثوں کی ہر ہر شق پر گفتگو کی ہے ان کی گہرائی وگیرائی تک پہنچے ہیں-

پروفیسر موصوف کی مذکورہ کتاب ''حقیقت تصوف'' کے مطالعہ سے قاری ایسا محسوس کیے بغیر نہیں رہتا کہ اس سے قبل تصوف کی جن کتابوں تک اس کی رسائی ہو چکی ہے ان کتابوں سے امتداد زمانہ کے ساتھ اس کتاب میں فہم وادراک اور ذہن ودماغ کو ابحاث پر مرکوز کرنے کا رویہ Develop ہوا ہے یقینی طور پر اس میں وہ بہت ساری بحثیں در آئیں ہیں-جنہیں پہلے بھی مصنفین تصوف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے-لیکن اس میں استدلال کے طریقوں میں جدت پسندی جا بجا ملتی ہے-کتاب وسنت اور تاریخ کو امت مسلمہ کی حیات اجتماعی کا سرچشمہ بتاتے ہوئے مصنف نے اسلامی تاریخ کو دو ادوار پر منقسم کیا ہے-(۱) دور بعثت (۲) دور مابعد بعثت-اس کے بعد رقم طراز ہیں:

''دور بعثت اسلامی معاشرے کے قیام وتاسیس اور اس کی بقا وترقی کی جدوجہد کا دور ہے جس سے اسلامی فضائل حقائق واقعہ کے طور پر مسلم ہوئے اور دور مابعد بعثت ان فضائل کو محفوظ (Preserve) کرنے اور برقرار رکھنے کی جدوجہد کا دور ہے-اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ دور بعثت کی تاریخ معیاری دین کی اور دور مابعد بعثت کی تاریخ معمول بہ دین کی تاریخ ہے-کتاب سے ہمیں اسلام کی نظریاتی اساس میسر آتی ہے، سنت اس نظریے کے معیاری نمونہ عمل کی حیثیت رکھتی ہے اور دور مابعد بعثت کی تاریخ، زندگی کو کتاب وسنت کے مطابق رکھنے کی جدوجہد پر مشتمل ہے-مذہبی زندگی میں شریعت اور طریقت دونوں کی حیثیت معمول بہ دین کی ہے-شریعت اوامر

ونواہی کا وہ نظام ہے جس کی بدولت انفرادی اور اجتماعی زندگی ضبط وانقیاد کی پابند رہتی ہے اور طریقت اوامر ونواہی کے اتباع میں ''اخلاص فی العمل'' کے ذریعے ایمان کو ''درجہ احسان'' پر فائز کرنے کی تدبیر ہے۔'' (ص:۲۲)

اقتباس کے آخری جملہ میں پروفیسر موصوف کس آسانی اور ندرت کے ساتھ طریقت کی تعریف کر کے گزرے ہیں۔ جب کہ ان ہی چند الفاظ کے ایک جملہ کو ابواب وفصول میں بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ طریقت اخلاص فی العمل کی طرف مائل کرتی ہے، اور عامل کو درجہ احسان پر فائز کر دیتی ہے۔ پھر مسلم معاشرہ پر استعماریت کی جارحانہ ضربیں پڑنے کے اثرات اور مسلمانوں کے اندرون سے جذبات ملی کا نکلنا اور پر عظمت ماضی سے ہمارا لاتعلق ہو جانا بیان کیا ہے اور متاع گم گشتہ کی بازیافت کے سلسلہ میں چند سوالات قائم کیے ہیں۔

(۱) مسلم (اسلامی) معاشرے سے کیا مراد ہے؟ (۲) معاشرے میں اختلال کے اسباب کیا ہیں؟ (۳) تصوف سے کیا مراد ہے؟ (۴) اور اس کے ذریعے اسباب اختلال کا تدارک کیوں کر ممکن ہے؟ اور اس کے بعد ماضی سے حاضر تک تصوف کے مقاصد کو بیان کیا ہے، اور تصوف کی طرف رجحانات کو مختلف موثرات کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

''تہذیبی وثقافتی زندگی کے معرض ارتقا میں ہونے کے باعث ہر دور میں تصوف کی طرف متوجہ کرنے والے مؤثرات الگ الگ رہے اور اسی بنا پر صوفیانہ فکر بھی ارتقا پذیر رہی۔ لیکن تصوف جن مدارج ارتقا سے بھی گزرا، اس کی ارتقائی حرکت کی سمت یہی رہی کہ صوفیانہ مذہبی واردات انجام کار پیغمبرانہ وحی کے مطابق ہو جائیں، چناں چہ جہاں کہیں ان کے مابین عدم مطابقت کا شائبہ ہوا اسے رفع کر کے سازگاری وہم آہنگی پیدا کی گئی۔'' (ص:۲۳)

پروفیسر موصوف نے حرف تصوف پر کتاب تحریر نہیں کی ہے بلکہ اس کی تفہیم کے لیے خوب صورت طریقہ بھی اختیار کر لیا ہے، اور ایسے موثر عناوین قائم کیے ہیں جو صرف برائے نام نہیں ہیں، ان کا تعلق ابحاث سے براہ راست ہے، انہوں نے تصوف کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ دور ما قبل تنقید اور دور تنقید، دور ما قبل تنقید میں چار مراحل سے تصوف کو گزارا ہے۔ مرحلہ اولیٰ کو زہد وورع اور تقویٰ کا دور، مرحلہ ثانیہ کو مجاہدہ نفس اور باطنی کیفیات کا دور، مرحلہ ثالثہ کو جذب اور نسبت توبہ کا دور اور مرحلہ رابعہ کو حقائق کی نظری تشکیل کا دور قرار دیتے ہوئے مختلف ادوار کے ساتھ مختلف شخصیات کو جوڑا ہے۔

دور تنقید کو بیان کرتے ہوئے موصوف نے ان غلط فہمیوں اور خام خیالیوں وغیرہ کی جانب بھی اشارہ فرمایا ہے جس سے ظاہر ہے کہ تصوف کو نقصان پہنچا۔ دور تنقید میں مجدد الف ثانی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمات کو خاص طور پر سراہا ہے۔ اس

سلسلہ میں انہوں نے مجدد الف ثانی کے مکتوب کا ایک اقتباس بھی پیش کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

''آپ نے عوام کے قلوب واذہان میں تمسک بالکتاب والسنہ کی اہمیت اجاگر کی اور بحیثیت ذریعہ علم کشف ووجدان کی حقیقت وقطعیت کا انکار کیا تا کہ اسے وحی کا بدل تصور نہ کیا جا سکے۔ اس دور میں اس حقیقت کو دلوں میں جاگزیں کرایا گیا کہ صوفیانہ مذہبی واردات حق ہیں، ان کا انکار ناممکن ومحال ہے لیکن ان کی حیثیت باطنی کیفیات اور روحانی ادراکات کی ہے، ادراک حقیقت میں اصحاب ہدایت کے کشف، جو فرق مدارج کے باعث مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کا انحصار تزکیہ باطن پر ہے، لہٰذا کشف ووجدان کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کی صحت وعدم صحت کا معیار شریعت ہے، لیکن کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ حقیقت کشف اور حیثیت وجدان کو سمجھے بغیر شریعت ہے، محض ظاہری تعارض کی بنا پر نفس کشف کا انکار کر دے۔ (ص:۲۷)

اسلامی علوم وفنون اور تاریخ پر مستشرقین نے بڑی گہری نگاہ ڈالی ہے اور اس کے تمام تر اختصاصات وکمالات کو بالآخر دیگر مذاہب کی جھولیوں میں ڈالتے نظر آئے ہیں، موصوف کو بھی اس کا احساس ہے اور وہ بھی ان باتوں کو اپنی کتاب میں پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ تصوف سب سے زیادہ دیگر اقوام کا تختہ مشق بنا اور اسے انہوں نے اپنے نام کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ ان پروپیگنڈوں سے متاثر ہوئے بغیر مسلم زعما بھی نہ رہ سکے اور انہوں نے بھی اس انداز میں سوچنا شروع کر دیا کہ واقعی تصوف عیسائیت اور ہندومت سے مستعار ہے۔ موصوف نے اس نظریہ کو سطحی مطالعہ کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک یہی وہ سبب ہے کہ جو افراط وتفریط سے ہٹ کر تصوف کے بارے میں صحیح اسلامی نظریہ سے غور کرنے پر اکساتا ہے تا کہ یہ حقیقت سامنے آ سکے کہ:

''اسلامی معاشرے میں تصوف کو بہت اہم مقام حاصل ہے'' آج اسلامی معاشرہ کا وجود تقریباً نہیں کے برابر ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مزکی ومصفی نفس انسانی کا فقدان ہے اور اس کے وجود کے لیے ضروری ہے کہ ایسے افراد معاشرہ میں ہوں، جو اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی ذہنیت کے مالک ہوں تبھی خالص اسلامی معاشرہ کا تصور کیا جا سکتا ہے، جو معاشرہ کرپشن، برائیوں، بداعمالیوں اور غیر قانونی وغیر شرعی امور سے مجتنب ہوگا۔ اس کے لیے پروفیسر موصوف کا بہت واضح نظریہ ہے کہ ''اگر نفس امارہ بدستور برائیوں اور بداعمالیوں پر اکسانے میں محو ہو تو شعور اپنا خرد وانحراف ختم کر کے لاشعور کے تابع کیوں کر ہوگا۔ اس لیے انسانی شخصیت کے نفسی پہلو کی صحیح نشو ونما کے لیے شعور کو لاشعور سے سازگار بنانا ہوگا۔ اس کے لیے شرط اولین ''تزکیہ نفس'' ہے اور یہی فی الحقیقت

تصوف کی ماہیت ومقصد ہے، مزید برآں نفسیاتی پہلو کی نشو ونما بھی جو ارادہ، جذبہ اور ادراک کی متناسب ترقی سے ہوتی ہے اس امر کی متقاضی ہے کہ نفس انسانی مزکی ومنقاد ہو'' (ص:۴۳)

''حقیقت تصوف'' میں دیگر تصوف کی کتابوں کی طرح تصوف کے مادۂ اشتقاق وغیرہ پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اس سلسلہ میں اکابر کی تمام تر اہم کتب پر پروفیسر موصوف کی نگاہ ہے اور اس سے بھر پور استفادہ کے ساتھ انہوں نے جہاں سے جو چیز حاصل کی ہے، اس کا حوالہ بھی بڑی فراخ دلی کے ساتھ نوٹ کر دیا ہے۔تصوف کے آخری ادوار کا بڑا المیہ یہ رہا اور ہے کہ انفرادی طور پر بے شمار افراد بعض بزرگان کے تتبع میں دنیا اور بیوی بال بچوں سے کنارہ کشی کو ہی اصل تصوف گمان کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ نظریہ سو فیصد غیر شرعی ہے اور کم از کم بارگاہ خداوندی میں تو غیر محمود ہے۔ نصف صدی سے ایک آدھ جماعت کا بھی غالب نظریہ یہی ہوتا جا رہا ہے کہ بال بچے اور بیوی تعلق مع اللہ میں حائل ہو کر انہیں علائق دنیا میں ملوث کر دیتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے واضح طور پر اس نظریہ کی مذمت کی ہے اور اس پر اپنے خوب صورت اور موثر لب ولہجہ میں اظہار خیال کیا ہے:

''یہاں ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کیا مکمل انسان ضرورتاً وہی ہے کہ جو محبوب حقیقی سے غایت درجہ مانوس اور غیر اللہ سے یکسر دست کش ہو جائے اور ہمہ وقت اسی کے ذکر وفکر میں یوں لگن رہنے لگے کہ بیوی بچوں کے حقوق اور دیگر معاشرتی وسماجی ذمہ داریوں سے کلیتا دست بردار ہو جائے، نہیں نہیں! ایسا تصوف تعلیمات اسلامی سے بے بہرہ ہونے کی دلیل ہے۔ اسلام میں کامل انسان سے مراد وہ انسان ہے جو محبوب حقیقی کی یاد میں رہتے ہوئے بھی اس کی مخلوق سے اپنا علاقہ وتعلق برقرار رکھے اور اس کے ساتھ تعلقات میں اپنے محبوب ہی کی پسند وناپسند اور امر ونہی کا خیال رکھے اور زندگی کے تمام امور ومعاملات میں اس کے ہر حکم کو بہ دل وجان بجالائے۔ یعنی نہ محبوب کو بھولے نہ اس کے حکم کو، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ایسے دعوائے محبت کو سوائے دجل وفریب اور منافقت کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ دنیا میں رہتے ہوئے معاملات دنیوی میں اوامر ونواہی کی بالالتزام پابندی از روئے شریعت، محبوب حقیقی کی محبت کا اولین تقاضا اور تصوف کا نصب العین ہے، گویا تصوف سے مراد وہ طریق زندگی ہے جس میں انسان اللہ کی محبت میں اس قدر منہمک اور فنا ہو جائے کہ اس کے حکم کی سرتابی کا کوئی خیال بھولے سے بھی اس کے دل میں نہ آئے'' (ص:۹۰)

پروفیسر موصوف تصوف کے نام پر پھیلی برائیوں اور خانقاہوں میں بیٹھے بے راہ رو افراد کی طرف سے اغماض اور چشم پوشی بھی نہیں برتتے، وہیں شریعت کی پابندی، صوم وصلوٰۃ کا التزام، بزرگان دین کے طریقوں پر گامزن ہونا ان کے نزدیک ضروری ہے، گو کہ قولاً نہیں تو فعلاً آج امور دین سے کوتاہی برتی جا رہی ہے اور شریعت وطریقت دو متضاد چیزیں سمجھی جا رہی ہیں۔ معاشرہ میں

جو یہ تصور پیدا کر دیا گیا ہے کہ فلاں شخص پابند شریعت تو نہیں البتہ بہت پہنچا ہوا ہے۔ اس کی سخت الفاظ میں نکیر کرتے ہوئے مقام ولایت تک رسائی کے لیے پابندی شریعت کو ضروری قرار دیتے ہیں، یوں تو جا بجا کتاب میں صاحب کتاب نے اہل تصوف کی اصلاح فرمائی ہے اور ہر وہ مقام جہاں مثبت ومنفی دونوں پہلو پیش کیے جا سکتے ہیں، وہاں سے موصوف سرسری طور پر صرف تعارف وتعریف کر کے نہیں گزرے ہیں، مطالعہ سے جا بجا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اہل تصوف کی موجودہ کوتاہیاں انہیں ستاتی ہیں: ''اس آیت نے اس تصور کو مکمل طور پر باطل کر دیا جو جہالت کی بنا پر ہمارے اندر رواج پا گیا ہے کہ فلاں شخص نماز وروزے کا پابند تو نہیں ہے مگر ہے بڑا کامل ولی اللہ، شریعت کی پابندی وپاسداری کو اپنے اوپر لازم نہیں سمجھتا مگر بہت پہنچا ہوا اور بہت بزرگ ولی ہے۔ یہ سوچ سراسر اسلام کے خلاف اور دینی دشمنی پر مشتمل ہے۔'' (ص:۱۱۰)

بے شمار ایسی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جن کے مطالعہ سے یہ تو ضرور محسوس کیا جا سکتا ہے کہ تصوف شریعت مخالف نہیں ہے مگر باصرار تمام پروفیسر موصوف نے اپنی کتاب میں بار ہا یہ کہا ہے کہ طریقت، شریعت کی پابندی ہی کا نام ہے اور اس کے لیے مثالیں بھی پیش کی ہیں، اور حقیقت تو یہی ہے کہ تصوف کے نظری رویوں پر بہت بعد میں کام کا آغاز ہوا۔ عملی تصوف کی ابتدا اس سے بہت قبل کی چیز ہے اور یہ بھی ہمارا بڑا المیہ رہا ہے کہ جب سے نظری تصوف پر کام شروع ہوا اور جوں جوں اس میں تیزی آئی اسی طرح بتدریج ہمارے اعمال سرد پڑتے چلے گئے۔ اور آج نوبت بایں جا رسید کہ تصوف پر سمینار وسمپوزیم اور محاضرات تو اکثر ہوا کرتے ہیں لیکن اعمال تصوف سے لیس کرنے کے لیے قابل قدر اقدام نہیں کیے جاتے۔ پروفیسر موصوف کی ایک مثال ملاحظہ کریں جو انہوں نے ''تصوف وطریقت اور شریعت کے مابین کوئی تضاد نہیں'' کی سرخی کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے۔ ''جب کسی شخص نے کتب فقہ میں مندرج قواعد کے مطابق نماز پڑھ لی تو فقہا کے نزدیک اس کی نماز ہو جائے گی مگر اہل طریقت اسے کافی نہ سمجھیں گے بلکہ ان کا مسلک یہ تقاضا کرے گا کہ جس طرح چہرہ کعبہ کی جانب متوجہ رہا قلب رب کعبہ کی جانب متوجہ رہے اور جیسے جسم حالت نماز میں ظاہری نجاستوں اور آلائشوں سے پاک رہا، روح بھی باطنی آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک رہے گویا تصوف وطریقت، شریعت کے مخالف ومحارب نہیں بلکہ عین اس کے منشا کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہیں۔'' (ص:۱۳۸)

تصوف کو عجمی رویہ کہنے والوں کی کسی دور میں کمی نہیں رہی ہے۔ آخری ادوار میں جب نئے نئے فرقے اور مسالک نے جنم لیا تو اس قول میں مزید قوت وحرارت عود کر آئی۔ برصغیر ایشیا میں تصوف کو بدنام کرنے کے لیے مختلف قسم کے مضحکہ خیز نام بھی رکھے جا چکے ہیں۔ بعض لوگوں کو

تصوف کا نام ہی سن کر بخار آ جاتا ہے، بعض ایسے ہیں جو یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ جس طرح بیمار سے بخار کا تعلق ہوتا ہے یا بخار کا بیمار سے ہوتا ہے اسی طرح میرا تعلق تصوف سے ہے۔ پروفیسر موصوف نے بڑی مدلل بحث اس کتاب میں تصوف کے آغاز وارتقا کے حوالے سے کی ہے ۔قرآن واحادیث رسول ﷺ سے استدلال اوران کی تشریح وتوضیح کا انداز نرالا ہے۔ لفظ صوفی دور رسول اور متصل دوررسول میں رواج کیوں نہیں پا سکا اس پر بھی بحث کی ہے۔ اقوال اکابر واسلاف کے حوالے بھی دے دیے ہیں۔ ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ تابعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے فیض صحبت کی بنا پر حاصل ہونے والی نسبت کو چھوڑ کر کسی اور لقب پر راضی نہ تھے۔ اس بیان کی تائید وتوثیق مندرجہ ذیل علمانے بھی کی ہے۔(۱) شیخ ابونصر سراج (کتاب اللمع :۲۲) (۲) امام ابوالقاسم قشیری (الرسالہ القشیریہ: ۸) (۳) حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون (کشف الظنون ،۱:۴۱۴) مولانا عبدالماجد دریا آبادی (تصوف اسلام: ۶۶-۶۷) پھر استبداد زمانہ سے حالات اور رسم ورواج بدلتے چلے گئے، نئے نئے القابات واصطلاحات معرض وجود میں آئیں لہٰذا اہل دل اور اہل صفا نے بدلتے ہوئے زمانے کے تقاضوں کے تحت صفائے باطن کے حوالے سے لقب ''صوفی'' کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا'' (ص:۱۷۰-۱۷۱)

پروفیسر صاحب نے آخری ابواب میں مطالعہ تصوف کی علمی ودینی ضرورت کا، مطالعہ تصوف کی علمی واخلاقی ضروت، مطالعہ تصوف کی اعتقادی اور سائنسی ضرورت، تصوف بنیادی مقاصد کے آئینے میں، کے نام سے ابواب قائم کیے ہیں۔ اوران ابواب کے تحت بڑی اہم بحثیں آئی ہیں۔ ان ابواب کی ذیلی سرخیوں سے ان بحثوں کی گہرائی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جو اس طرح ہیں ،تصوف کی ضرورت واہمیت، علمی ودینی نقطہ نظر سے اصلاح نفس کی ضرورت، شعور اور لاشعور کے تقاضے، اصلاح نفس، تزکیہ نفس کا مقام، عملی واعتقادی زوال اور اس کے اسباب، ہمارے عقائد کی کیفیت، اعتقاد ومشاہدہ اور مرتبہ ایقان، تصوف کیا ہے؟ حقیقت تصوف، ان ابواب کے مطالعہ سے قاری کو تکرار کا احساس ہوگا مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک میں الگ چاشنی اور لطافت بھی ملے گی۔ نگاہوں اور اذہان سے ہوتے ہوئے قلوب تک کی استطاعت بھر بحثیں ضرور کی ہیں۔ پھر مرحلہ وار روحانی زندگی کی راہ میں ضروری امور کو بیان کیا ہے جیسے تزکیہ نفس، صفائے قلب، اطاعت حق اور اس مرحلہ کے بعد محبت الٰہی (حب رسول ﷺ ہی حب الٰہی ہے) رضائے الٰہی، معرفت الٰہی، کا نمبر آتا ہے کتاب کا اسلوب بھی جدید ہے اور نہ ہی یہ ترجمہ ہے کہ اس کے مطالعہ میں دشواریاں پیش آئیں۔ ''حقیقت تصوف'' کے مطالعہ کی تلخیص کچھ یوں بیان کی جاسکتی ہے۔

(۱) تصوف عجمی رویہ نہیں ہے بلکہ اس کا سرا آپ ﷺ کے مبارک عہد سے منسلک ومربوط ہے۔

(۲) دور صحابہ وتابعین میں لفظ صوفی کے رائج نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں صحابہ وتابعین جیسے القاب ہی مومنین کے لیے سرمایہ اور معراج حیات تھے۔

(۳) شریعت وطریقت دو متضاد چیزیں نہیں ہیں بلکہ طریقت منشائے شریعت پر عمل کرانے والا رویہ ہے۔

(۴) لفظ صوفی کا استعمال ابتدائے اسلام میں بھی ملتا ہے۔

(۵) اسلامی تاریخ میں اپنوں اور غیروں کا سب سے زیادہ تختہ مشق تصوف کو ہی بننا پڑا ہے۔

(۶) تزکیہ نفس کے بغیر شعور کو لاشعور کے ماتحت نہیں کیا جا سکتا،

(۷) معاشرہ کو اسلامی راہ پر ڈالنے کا واحد ذریعہ تزکیہ نفس ہے

(۸) دعوائے صوفیت کی تحقیق کے لیے امور شریعت پر پابندی ضروری ہے

(۹) تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ جیسی اصطلاحات سے قبل لفظ تصوف کا استعمال تھا۔

(۱۰) عوام کے تصوف سے نابلد رہنے میں ان کا کوئی قصور نہیں اس کے ذمہ دار نام نہاد اہل تصوف ہیں یا دین کے متعلق سرسری معلومات رکھنے والے واعظین، جنھوں نے دین کے ظواہر پر بھرپور زور دیا لیکن دین کے باطنی نظام سے صرف نظر کر لیا اور اگر حقیقت تصوف اور صاف حقیقت تصوف کو سمجھنا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ کتاب کے اس اقتباس کو پڑھنا چاہیے۔

''درحقیقت تصوف نہ تو جمود وتعطل کا نام ہے، نہ محض کسی سلسلہ طریقت سے منسلک ہو جانے اور بزرگوں کے عرس منانے کا نام ہے، تمام غلط فہمیاں اور منفی خیالات روح تصوف کو نہ سمجھ سکنے کے باعث پیدا ہوئے، تصوف کو غاروں اور جنگلوں میں ذکر وفکر تک محدود کر دینا، اس فلسفہ روحانیت کی غلط تعبیر ہے اور اس پر یہ الزام لگانا کہ تصوف زندگی کی حرکت وعمل سے دور لے جانے والا اور زندگی کے بدلتے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکنے والا فلسفہ ہے یہ بھی ناصواب ونا روا ہے۔ در اصل تصوف ایک ایسا جامع ہمہ گیر تصور حیات ہے جو اپنے مقاصد کے اعتبار سے معراج حیات ہے، یہ فلسفہ جب کسی کی ذات میں عملاً متحقق ہو جائے تو اسے عروج وکمال سے ہم کنار کر دیتا ہے ۔اگر روح تصوف کا فہم حاصل ہو جائے اور اس کی حقیقی تعلیم سے آگاہی میسر آجائے تو اہل بصیرت کو یہ سمجھنے میں چنداں مشکل نہیں رہتی کہ فلسفہ تصوف اصلاً چھ بنیادی مقاصد کا مجموعہ ہے جن میں سے تین کا تعلق اعمال سے ہے اور تین کا تعلق احوال سے۔ تین مقاصد عملی مشقت اور جدوجہد کا تقاضا کرتے ہیں جب کہ دوسرے تین مقاصد کیفیات قلبی اور باطنی سرور پر مبنی ہیں۔''

○○○

بحث ونظر

غیر اسلامی روحانیت بھول بھلیوں میں گم ہے

"اسلامی روحانیت کا محور ذات باری تعالیٰ کا عرفان ہے اور عرفان بھی وہ جو جناب رسالت مآب ﷺ کے ذریعے ہمیں عطا ہوا، جب کہ غیر اسلامی روحانیت کی حالت اس شخص کی سی ہے جو بھول بھلیوں میں گم ہے"

پروفیسر اخترالواسع

اسلامی اور غیر اسلامی روحانیت دونوں کا فرق ایک جملے میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی روحانیت کا حقیقی اور تنہا محور ذات باری تعالیٰ کا عرفان ہے اور عرفان کی رسائی بھی وہ جو جناب رسالت مآب ﷺ کے ذریعے ہمیں عطا ہوا، جب کہ غیر اسلامی روحانیت کی حالت اس شخص کی سی ہے جو بھول بھلیوں میں باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہا ہو اور اس کی رسائی باب مقصود تک نہ ہو پائے۔ اب اس کے بعد آپ جو بھی بات کریں گے وہ اسی کی تشریح تفصیل ہوگی اور اس اجمال کی تفصیل بقول اقبال یوں ہے :

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

جناب رسالت مآب ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں بھی جو کہ قرآن کریم کا چلتا پھرتا مظہر ہے روحانیت اور مادیت دونوں کا حسین اور متوازن امتزاج ہے۔ یہ روحانیت رہبانیت کی طرف نہیں لے جاتی ہے۔ یہ زندگی سے فرار کا نہیں، قرار کا نام ہے۔ یہ ریاضت وعبادت کی اہمیت کی نہ صرف قائل ہے بلکہ اسے مستحسن جانتی اور مانتی ہے لیکن جسم کو تکلیف پہنچا کر نہیں۔ یہ دوسروں کا تو کیا، خود اپنے نفس کا بھی احترام کرتی ہے۔ یہ ترک لذات کی اسی حد تک حامی ہے جو کہ کسی شخص کو یاد خدا اور بندوں کے تئیں اس کے فرائض سے غافل نہ کردے۔ یہ کسی شخص کو اسیر آستانہ نہیں بناتی بلکہ ضمیر دشت ودریا کے منصب پر فائز کرتی ہے۔ اس کا درد، درد تنہا نہیں ہوتا بلکہ لذات غم زمانہ کی امانت دار ہوتی ہے۔

اب اس کے برعکس جو کچھ ہے وہ غیر اسلامی روحانیت ہے اور غیر اسلامی روحانیت کے پاس چوں کہ سراپا رحمت، محسن انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ جیسا کوئی جیتا جاگتا مثالی نمونہ نہیں ہے اور نہ قرآن حکیم جیسا ضابطۂ حیات ہے، اس لیے وہ وہم وگمان کے ایسے دشت بے پایاں میں بھٹکتی بھی ہے اور بھٹکاتی بھی ہے جہاں اس کا حامل گم کردہ راہ بن کر رہ جاتا ہے اور ایک حقیقی

خداے واحد سے جڑنے اور اسے پالینے کے بعد سب سے بے نیاز ہوجانے کی بجائے وہ نہ جانے کس کس کو سجدہ کرتا پھرتا ہے اور کیسے کیسے لوگ روحانیت کا فریب دے کر اس کا ہر اعتبار سے استحصال کرتے ہیں- اس کی حالت وہی کچھ ہوتی ہے جیسی کہ غالب نے بیان کی ہے:

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

غیر اسلامی روحانیت کا یہی وہ طلسم ہے جو کبھی نشہ آور ادویات کے ذریعے مکاشفے کا یقین دلایا جاتا ہے، کبھی طوائف کے ننگے جسم میں مشاہدہ حق کا دعویٰ کیا جاتا ہے، کہیں ترک دنیا اور کہیں ترک لذات کے نام پر روحانیت کا کاروبار ہوتا ہے اگر غور کیا جائے تو یہ سب انسانی عز وشرف کی سراسر توہین ہے- انسان روحانیت اور مادیت دونوں کا اگر امتزاج ہے تو پھر ہر افراط وتفریط سوائے گم راہی کے اور کچھ نہیں - ایک مجلّٰی اور مصفّٰی روح کے لیے ایک ایسا ہی پاک وصاف جسم بھی چاہیے- اسلامی روح تو بڑی چیز ہے اشیائے خورد ونوش کے لیے بھی پاک وصاف برتن کو لازم قرار دیتا ہے تو پھر روح کے لیے جس ظرف کی ضرورت ہے وہ کس طرح سے کثیف قرار دیا جاسکتا ہے؟ اسی لیے اسلام میں ظاہر وباطن دونوں کی یکسانیت ضروری نہیں، لازمی قرار دی گئی، اور ظاہر وباطن کی فضیلت کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں خود خالق کائنات کی صفت ہیں اور اسی لیے اسلامی روحانیت تخلقوا باخلاق اللہ کی داعی ہے-

غیر اسلامی روحانیت کے دائرے میں پھنسے ہوئے لوگوں سے ہمیں شکوہ یا شکایت نہیں ہم دردی ہونی چاہیے- کاش! ان پر حق منکشف ہوگیا ہوتا اور وہ تلاش حق میں بھٹکنے کے بجائے اس سراج منیر کی روشنی میں حق تعالیٰ کے راستے پر چل پڑتے جو کہ فلاح دنیا اور نجات آخرت دونوں کا سب سے بڑا وسیلہ ہے-

○○○

اسلام میں روحانیت رہبانیت نہیں، اتباع رسول کا نام ہے

"اسلام کا نظریہ روحانیت دیگر ادیان و مذاھب سے قطعا مختلف ھے، اسلام میں روحانیت رھبانیت نھیں، بلکه معاشرتی زندگی میں احکام الٰھی اور فرمودات مصطفی ﷺ کی کامل اتباع نام ھے"

مولانا مبارک حسین مصباحی

ہندوستان کثیر المذاہب ملک ہے- قطع نظر اس کے کہ عند اللہ اس کی واقعیت کیا ہے، جہاں تک ہم نے ان مذاہب کی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے انسانی اور روحانی اقدار کا تصور ضرور ملتا ہے- اور ان کے اپنے مذاہب کے مطابق روحانی کامرانی کا جو تصور ہے اس میں قتل وغارت گری، چوری وڈاکہ زنی، جھوٹ وفساد اور رشوت وزراندوزی کی مذمت بھی ملتی ہے- نیز اکثر مذاہب کی تعلیمات روحانیت کے محور پر گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، مگر واضح رہے کہ ان مذاہب کا تصور روحانیت اسلام کے تصور روحانیت سے بالکل مختلف ہے-

روحانیت روح سے مستفاد ہے- حقیقت روح کا ادراک عام انسانوں کے لیے کائنات کا انتہائی مخفی راز ہے- نہ انبیاے سابقین نے اس راز کو افشا فرمایا اور نہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی امت پر حقیقت روح کو آشکارا فرمایا- عہد رسالت میں عرب کے یہودیوں نے قریش سے کہا کہ وہ محمد ﷺ سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور حقیقت روح کے بارے میں سوال کریں، اگر وہ تینوں سوالوں کا جواب دیدیں یا تینوں کا جواب نہ دیں تو سمجھ لینا کہ وہ نبی نہیں ہیں اور اگر کچھ کا جواب دیدیں اور کچھ کا جواب نہ دیں تو یقیناً نبی ہیں- قریش نے تینوں سوالوں کو بارگاہ رسول ﷺ میں پیش کیا تو آپ نے پہلے دو سوالوں کا جواب دے دیا اور روح کے بارے میں مبہم جواب دیا- واضح رہے کہ روح کا مسئلہ توریت میں بھی مبہم ہی تھا - اس جواب کے بعد قریش و یہود کو سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا- یہ روایت حسب ذیل آیت کریمہ کے شان نزول کے طور پر مفسرین قرآن نے نقل فرمائی ہے- قرآن عظیم کے الفاظ یہ ہیں:

یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً- (سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۸۵)

''اور وہ آپ سے روح کو پوچھتے ہیں- آپ فرما دیجیے روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے- اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا-''

اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کو خیر وشر اور طاعت ومعصیت سے باخبر کیا اور کاروبار ہستی میں پیدا کیا۔اب جس نے اس روئے زمین پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کیا، تزکیہ نفس کیا اور روح کی پاکیزگی اختیار کی اس نے فلاح وکامیابی حاصل کی اور جس نے بے راہ روی اور معصیت اختیار کی وہ نامراد وناکام ہوا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **ونفس وماسوّٰها فالهمها فجورها وتقواها قد افلح من زكّٰها وقد خاب من دسّٰها** (سورہ شمس، آیت: ۷تا۱۰)

اور جان کی قسم اور اس کی قسم جس نے اسے ٹھیک بنایا پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی، بیشک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد نہیں چھوڑا بلکہ اس کی معرفت، راستی، روحانی پاکیزگی، تزکیۂ قلب، بھلائیوں کے اصول وآداب اور برائیوں سے اجتناب کے لیے مختلف ادوار میں انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا اور خاتم النبیین بنا کر ہمارے آقا ومولیٰ سرکار کائنات ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

ارشاد ربانی ہے: **لقد من الله على المؤمنين اذبعث فيهم رسولاً من انفسهم يتلو عليهم اٰياته و يزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة** (سورہ آل عمران ۳۔آیت نمبر ۱۶۴)

''بیشک اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوا مومنوں پر، ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر ان کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔''

تزکیہ سے مراد کفر وگمراہی، محرمات ومعاصی کا ارتکاب، ناپسندیدہ خصائل اور نفسانی تاریکیوں سے ظاہر وباطن کو صاف کرنا ہے۔حکمت سے مراد سنت مصطفیٰ ﷺ ہے۔ یہاں سے یہ بات پورے طور پر واضح ہوگئی کہ رشد وہدایت کی بنیاد ان تین چیزوں پر ہے۔

(۱) تزکیہ قلب، تصفیہ باطن
(۲) تعلیمات الٰہیہ
(۳) تعلیمات مصطفیٰ

اسلام کا نظریہ روحانیت (جسے ہم تصوف سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں) دیگر ادیان ومذاہب سے قطعاً مختلف ہے۔اسلام میں روحانیت رہبانیت نہیں، بلکہ معاشرتی زندگی میں احکام الٰہی اور فرمودات مصطفیٰ ﷺ کی کامل اتباع، عبادت وریاضت، تقویٰ وپرہیزگاری، حقوق العباد کی ادائیگی اور اخلاقی ذمہ داریوں کے نبھانے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نظریۂ روحانیت میں دین ودنیا کی تقسیم نہیں۔اسلام میں ایک ہی انسان جہانگیری اور جہاں بانی کے ساتھ احسان وتصوف و

روحانیت کی اعلیٰ منزل تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

انسانی تاریخ پر نظر رکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ جس سماج یا ملکی نظام پر روحانیت کے بادل ابر کرم بن کے چھائے رہے ہیں وہاں دلوں کا سکون پیشانیوں سے صبح فیروزاں کی طرح مسکراتا ہوا نظر آیا ہے اور غریب کی کٹیا سے لے کر شاہی محل تک امن وآشتی اور محبت ورواداری کی چادر تنی ہوئی نظر آئی ہے۔اسلام کا نظریۂ روحانیت اس کا داعی ہے کہ انسان کا ظاہری بھی تابندہ ہو اور اس کا باطن بھی درخشاں ہو،اس کی دنیا بھی کامیاب ہو اور آخرت بھی بامراد ہو۔اس سچائی سے کون انکار کر سکتا ہے کہ رہبانیت وجوگیت کا روپ دھار کر خاندانی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر کے کوئی سماج وملک وجود میں نہیں آسکتا اور نہ روحانی عظمتوں کا اعتراف کیے بغیر کوئی سماج وملک امن وترقی حاصل کر سکتا ہے۔ اقوام وملل کی تاریخ کے جس موڑ پر دین ودنیا اور روحانیت ومعاشرت کے درمیان گہری خلیج پیدا ہوئی ہے انسانیت بیچ چوراہے پر رسوا ہوئی ہے اور ترقی اور سکون کی جانب اٹھنے والے قدم تنزلی اور مایوسی کی ڈگر پر آپڑے ہیں۔

اردو انسائکلو پیڈیا کے مقالہ نگار نے ہندوستانی مذاہب کی تعلیمات کا جو تجزیہ کیا ہے ہم ذیل میں اس کی تلخیص رقم کرتے ہیں:

''چارواک نے روح کی ہستی اور زندگی بعد موت کو تسلیم نہیں کیا اور نہ اس نے جزا وسزا اور جنت ودوزخ کو تسلیم کیا ہے۔باقی تمام مذاہب کی تعلیمات اس طرح ہیں۔

(۱) انسان جسم وروح کا مجموعہ ہے۔روح پیدا ہونے سے پہلے اور مرنے کے بعد بھی اپنی ہستی رکھتی ہے۔مرنے کے بعد اپنے اعمال کے مطابق جنت ودوزخ میں رہ کر پھر اس دنیا میں پیدا ہوجاتی ہے اور ایک دوسرے جسم میں بھی منتقل ہوتی رہتی ہے۔

(۲) یہ دنیا ناپائیدار ہے اور مصیبتوں کا گھر ہے۔اس میں کچھ دل بستگی نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیشہ کے لیے اس سے آزادی حاصل کرنا چاہیے۔جوگیت وسنیاس اسی کا نام ہے۔

(۳) انسانی زندگی بالکل آزاد نہیں بلکہ ایک قانون کے تحت ہے۔انسان کو اس کے کیے ہوئے اچھے یا برے اعمال کی سزا ملتی ہے۔انسان کا کوئی عمل ایسا نہیں جس کا نتیجہ اسے بھگتنا نہ پڑے۔انسان پر ضروری ہے کہ وہ اپنے ایشور کو یاد رکھے اور اس کے بتائے راستے پر چلنے کی کوشش کرے۔

''ہر انسان کی روح بھگوان ہی کا ایک حصہ ہے،اس کا علم وعرفان ہی سب سے بڑا علم ہے۔''

ہندوستان کے ان قدیم مذاہب کے تصور روحانیت پر جب ہم گہری نظر ڈالتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان کے ماننے والوں نے اس کے اصولوں کو عملی طور پر پامال کر دیا ہے۔ان مذاہب کے تصور روحانیت میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ ایک عذاب مسلسل ہے جو انہیں جنم جنم جھیلنا پڑتا ہے

اور آج جب ہم ان مذاہب کے ماننے والوں کے فکر و عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو لگتا ہے کہ وہ آوا گون کی قید سے رہائی حاصل کرنے کی کوئی جدوجہد نہیں کررہے ہیں- ان مذاہب میں ترک دنیا سب کچھ تھا مگر آج دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے- ان مذاہب میں جیوہتھیا سب سے بڑا جرم تھا، مگر آج اسی کو مذہب سمجھ لیا گیا ہے- ان مذاہب میں روح کی پاکیزگی اور روحانیت کی منزل حاصل کرنے کے لیے برے کرموں سے شدت سے روکا گیا ہے، لیکن آج اچھے برے کرموں کا امتیاز ہی ختم کردیا گیا ہے- واضح رہے کہ کوئی بھی مذہب ہو اور اس کی عنداللہ جو بھی واقعیت ہو، اس مذہب کے اصولوں کا خون کر کے کبھی اس مذہب کے مقاصد کو حاصل نہیں کیا جاسکتا- یہ خودفریبی اور خود پرستی تو ہوسکتی ہے ایشور پرستی اور عرفان اور روحانیت پرستی نہیں ہوسکتی- یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان مذاہب کا تصور روحانیت عہد جدید کے ترقیاتی معیار کا ساتھ نہیں دے سکتا، ان مذہب کے اصولوں کے مطابق روحانیت کی تلاش میں سرگرداں رہنے والا کبھی بھی عہد جدید کا ترقی پذیر اور ترقی یافتہ انسان نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ ان مذاہب میں دین و دنیا کی تقسیم کردی گئی ہے- ان مذاہب میں معاشرت، سیاست اور معیشت سے روحانیت کو الگ تھلگ کردیا گیا ہے، جو فطرت انسانی کے خلاف ہے-

ان مذاہب میں سب سے بنیادی چیز جو کھٹکتی ہے وہ انسانوں کی تقسیم ہے- ان میں کچھ مذہب کے کارکن ہیں اور کچھ دنیا کے- ہندوؤں میں برہمن خلقۃً مذہب کے لیے اور راجپوت حکومت و بادشاہی کے لیے اور ویش تجارت و کاشت کاری کے لیے اور شودر محنت و مزدوری اور تینوں کی خدمت کے لیے اور اسی طرح ان کی عمروں میں بھی تقسیم کردی گئی ہے کہ تیس برس تعلیم کے لیے، تیس برس دنیا کے لیے، تیس برس عبادت و ریاضت لے لیے- بودھ دھرم میں بھکشوا لگ کر دیے گئے ہیں، جن کا کام صرف دھرم پرستی ہے اور دنیا دار الگ ہیں، جو دنیا کا کاروبار کرتے ہیں اور جن پر بھکشوؤں کے تمام اخراجات کا بار ہے-

ان مذاہب کے برخلاف اسلام میں کوئی تقسیم اور فرق نہیں- اس میں اونچ نیچ اور ذات پات کا کوئی فرق نہیں- اس میں بلندی کا معیار صرف پرہیزگاری ہے- کوئی بھی انسان تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کر کے دنیا کا عظیم ترین انسان بن سکتا ہے اور سیاست و معیشت کی بلندیوں کے ساتھ دین و روحانیت کی بلندی بھی حاصل کرسکتا ہے- تاریخ اسلام میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں- حضرت فاروق اعظم عظیم سیاست داں اور حکمراں بھی تھے اور دین کے عظیم رہبر اور پیشوا بھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ عظیم تاجر و دولت مند بھی تھے اور امیر المومنین بھی، حضرت علی شجاعت اور سپہ گری کے پیکر بھی تھے اور سرچشمۂ روحانیت بھی-

اسلام کا اصول یہ ہے کہ دین میں جب انسانی خواہشات شامل ہوں تو دین دنیا ہو جاتا ہے اور

دنیا داری احکام الٰہی کے مطابق ہو تو دنیا دین ہو جاتی ہے- وہ حکومت و سلطنت جس کو دنیا سمجھا جاتا ہے اگر رضائے الٰہی کے ساتھ ہو تو دین ہو جاتی ہے- مال و دولت کے اصول اور تجارت و معیشت کی ترقی میں اگر اللہ تعالی کی خوشنودی شامل ہو تو وہ دنیاوی ترقی دین ہو جاتی ہے- جان کو خطرے میں ڈال کر آگے بڑھنا اور جان دے دینا دنیا داری ہے لیکن اگر اس کا مقصد برائیوں کا ختم کرنا ہو، اپنے مذہب کی سربلندی ہو تو شہادت و روحانیت بن جاتی ہے- اسلام میں دین و سیاست دو علاحدہ چیزیں ہیں، بشرطیکہ سیاست میں سچائی اور خدمت خلق کا جذبہ ہو اور سب کچھ اصول شریعت کے مطابق ہو- اللہ تعالی کی خوشنودی کے لیے ہو- ڈاکٹر اقبال نے بڑی اچھی بات کہی ہے:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مگر اب تو مسلمانوں میں بھی دنیا داری کا غلبہ ہے- عشق و عرفان اور اخلاص و تقویٰ کا فقدان ہے- مسجدوں اور خانقاہوں میں بھی عام طور پر اخلاص وللٰہیت کا سوز و ساز سرد پڑ چکا ہے- مسلم قیادت و رہبری میں بھی خدا ترسی کے بجائے زرطلبی اور نفس پرستی کی فراوانی ہے- اس لیے مسلمانوں میں بھی بے راہ روی اور اضطراب و بے چینی ہے- انھی حالات سے متاثر ہو کر شاعر مشرق عالم حیرانی میں یہ فریاد کرنے پر مجبور ہو گئے-

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری
مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

○○○

شناسائی

پروفیسر مسعود انور علوی سے گفتگو

پروفیسر مسعود انور علوی ایک تاریخی، علمی و روحانی خانوادہ وخانقاہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری کے نمایاں فرد ہونے کے ساتھ ہندوستان کی عظیم دانش گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شعبۂ عربی کے موجودہ صدر بھی ہیں- آپ شاہ مجتبٰی حیدر قلندر کے فرزند ہیں- ۱۷/ستمبر ۱۹۶۱ء کو کاکوری کے قدیم روحانی گھرانہ میں پیدا ہوئے- ابتدائی تعلیم خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی پھر درجہ پنجم سے لے کر ایم،اے، پی،ایچ، ڈی تک کی تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی- ۱۹۸۶ء میں آپ کو پی،ایچ،ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی- ۵/مارچ ۱۹۸۹ء میں نکاح کی رسم ادا کی گئی، مارچ ۱۹۸۶ء میں آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں لکچرار اور اپنی متعدد تصنیفات اور علمی کارناموں کی وجہ سے صرف ۳۶/سال کی عمر میں پروفیسر ہو گئے- تصنیف وتالیف کا ذوق ورثہ میں پایا ہے- مختلف علوم وفنون پر درجنوں کتابیں اور ملک و بیرون ملک کے سیکڑوں سمیناروں اور کانفرنسوں میں اپنے گراں قدر مقالات پیش کر کے مشاہیر علم وادب سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، پچاس سے زائد علمی، ادبی، مذہبی اور تحقیقی مقالات ملک و بیرون ملک کے موقر ومشہور رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں- مزید لکھنے پڑھنے کا سلسلہ آج بھی بڑی تیزی سے جاری ہے، اب تک آپ کی تین کتابیں اتر پردیش اردو اکادمی سے انعام حاصل کر چکی ہیں- موصوف نہایت منکسر المزاج اور سادہ لوح شخصیت کے مالک ہیں- صوفیہ کرام سے بے حد محبت کرتے ہیں، خانوادۂ کاظمیہ قلندریہ کے سچے وارث ہیں اور تصوف واخلاق کی تعلیمات پر مکمل طور پر کاربند ہوتے ہوئے اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے اپنے اسلاف کا نام روشن کر رہے ہیں- خانقاہ کاظمیہ قلندریہ، اسلام وایمان اور احسان کے موضوع پر موصوف سے لی گئی ایک سنجیدہ اور معلوماتی گفتگو کے اہم حصے کو ہم قارئین کی نذر کر رہے ہیں- حسن سعید صفوی

سوال(۱):- خانقاہ اور بانی خانقاہ (کاظمیہ قلندریہ کاکوری) حضرت شاہ محمد کاظم قلندر علوی کاکوروی قدس سرہٗ کے حالات پر کچھ روشنی ڈالیں-

جواب:- حضرت شاہ محمد کاظم قلندر علوی قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے ایک معزز صاحب علم و فقر خاندان (مخدوم زادگان علوی) میں ۱۷ر شوال ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء کو پیدا ہوئے- ان کے جداعلی قاری امیر سیف الدین، نصیرالدین ہمایوں کے عہد میں ہرات سے مع اپنے کنبہ کے لاہور آئے- پہلے پٹیالہ اور پھر وہاں سے ایک عرصہ بعد کالپی تشریف لاکر اقامت گزیں ہوئے اور کچھ عرصہ کے بعد پھر مستقل طور پر کاکوری میں بود و باش اختیار کر لی- ان کے صاحبزادہ حضرت مخدوم قاری نظام الدین قادری عرف شاہ بھکاری قدس سرہٗ عہد اکبری کے ایک ممتاز عالم، صاحب تصرف بزرگ اور خوش الحان ہفت قرأت قاری تھے- ان کی خدمت میں دو مرتبہ بادشاہ جلال الدین محمد اکبر اولاد کی تمنا میں حاضر ہوا اور ان کے اس ارشاد پر کہ تمہاری قسمت میں اولاد شیخ سلیم چشتی کی دعا اور تصرف پر منحصر ہے، اس نے فتح پور سیکری کا رُخ کیا- اکبر کے داماد یعقوب سلطان اور دائی ماہم انگہ (ماہی ماتکہ) کی قبور بھی کاکوری میں مخدوم صاحب کے مزار کے پاس عالی شان مقبرہ (تعمیر کردہ اکبر بادشاہ) میں موجود ہیں-

شاہ محمد کاظم قلندر والد ماجد کی جانب سے حضرت محمد بن الحنفیہ کے سلسلہ سے علوی اور والدہ ماجدہ کی جانب سے (حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب) عباسی ہیں- شاہ محمد کاظم قلندر کے والد ماجد شاہ محمد کاشف علوی مشرباً چشتی تھے- انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی- ۸ر سال کی عمر میں کلام پاک ختم کرنے کے بعد دوسرے علوم کی تحصیل کی جانب متوجہ ہوئے- سب سے پہلے حافظ عبدالعزیز صاحب خلیفہ حضرت شاہ محمد عاقل سبز پوش چشتی سے پڑھا- پھر تمام ابتدائی کتابوں کا درس ملا حمیدالدین علوی محدث کاکوروی سے لیا- درمیانی اور آخری کتابیں ملا حمد اللہ سندیلوی شارح سلم العلوم اور ملا غلام یحیٰ بہاری سے پڑھیں- مولانا عشق اللہ سے کیمیائے سعادت، منہاج العابدین اور زادالآخرت وغیرہ پڑھیں-

کلام مجید ختم کرتے ہی تمام اوراد و وظائف اور نماز کے ایسے پابند ہوئے کہ اپنے ہم سنوں کے ساتھ کھیل کود میں بھی صرف ایک بار کے علاوہ کبھی نماز قضا نہ ہوئی اور نہ وظائف چھوٹے- بچپن سے ہی ولایت و سیادت کے آثار جبین مبارک سے ظاہر تھے- نوجوانی میں دوسرے علوم وفنون کے علاوہ فن موسیقی میں بھی ایسے یگانہ وشہرۂ آفاق تھے کہ نہ پوچھیے- اللہ تعالیٰ نے آواز میں ایسی شیرینی اور سوز و گداز عطا فرمایا تھا کہ سننے والے بھی مضطرب اور بے تاب ہو جاتے تھے- حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت سے بھی اللہ نے آپ کو خوب نوازا تھا- اکثر ارشاد فرماتے کہ "مرا دو

چیزے فقیر کرد، یکے ذوق نغمہ و چنگ، دوم خوف مرگ بے درنگ" نغمہ و چنگ کے ذوق وشوق اور موت کے خوف نے مجھے فقیر بنا دیا- ایک بار چاندنی رات میں جب کہ برسات کا موسم بھی نہ تھا آپ شیخ جاراللہ علوی ہفت ہزاری وتر خانی کے مکان پر تھے- ایک دوست نے کہا کہ گانے میں تو ایسا اثر ہونا چاہیے کہ پانی برسنے لگے- آپ نے جوش میں آکر ملہار گانا شروع کی، گاتے ہی ابر آ گیا اور بارش ہونے لگی- گاتے وقت ولولہ محبت حق بھی بہت بڑھ جاتا تھا- اکثر کئی کئی روز مسلسل گاتے رہتے- مرشد کامل کی تلاش وجستجو میں بھی سرگرداں رہتے تھے-

حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکوروی قدس سرہٗ نے آپ کی شخصیت کے سلسلہ میں بالکل درست لکھا ہے: "سبحان اللہ آواز چناں شیریں ومرغوب وصورت چنیں نمکین ومحبوب:

ندانم آں گل رعنا چہ رنگ و بوی داشت
کہ مرغ ہرچمنے گفتگوئے او می داشت

ہرطرف از حسن شمایل حکایتہا و ہر جا از وضع وخصائل روایتہا بود... کم کسے از ایشان رنجیدہ و عیبے در وجود ایشاں دیدہ باشد بہر مشغلے کہ در طفولیت توجہ می نمودند گوئے سبقت از ہم عصراں می ربودند در علم تیراندازی وفن شناوری نیز طاق ویگانۂ آفاق بودند (اصول المقصود: ۲۱۳)

(سبحان اللہ آواز ایسی شیریں و پسندیدہ اور صورت ایسی نمکین (ملیح) اور ہر دل عزیز تھی، مجھے نہیں معلوم کہ اس گل رعنا کا رنگ وروپ وخوشبو کیسی ہے کہ ہر چمن کا پرندہ اسی کے گن گاتا ہے- ہر طرف آپ کے محاسن باطنی وظاہری کے چرچے تھے- شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے آپ سے کوئی تکلیف ورنج پہنچا ہو اور آپ کی ذات میں کوئی برائی نظر آئی ہو- بچپن میں بھی جس کام کی طرف متوجہ ہوتے اس میں اپنے تمام ہم سنوں سے سبقت لے جاتے- علم تیراندازی، تیرا کی وغیرہ میں یگانہ آفاق تھے-)

جوان ہونے پر آپ کے والد ماجد نے سواروں میں ملازم رکھوا کر آپ کے ماموں نواب مظفر الدولہ تہور جنگ بخشی ابوالبرکات خاں عباسی ناظم سرکار گورکھپور کے سپرد کر دیا- ان کے ہمراہ بکسر کی جنگ ۱۷۶۴ء میں شریک ہوئے مگر ایک مرد حق آگاہ شاہ مظہر حسین صاحب کی اس پیشین گوئی پر کہ اس میں ہندوستانیوں کو شکست فاش ہوگی جنگ سے کنارہ کش ہوئے-

طلب حق کا جذبہ سچا تھا- ہمہ وقت اس زمانہ میں بھی شیخ کامل کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے- بخشی رفعت اللہ خاں نصرت جنگ سے موضع دمگڈھ ضلع الٰہ آباد میں فروکش صاحب کشف و حال بزرگ اور قطب وقت سیدنا شاہ باسط علی قلندر قادری (۱۱۹۶ھ) کا ذکر سنا تو سنتے ہی ایسا بے قرار ہوئے کہ وہاں سے راتوں رات پیدل اپنے شوق وجستجو کو اپنا رہبر بنائے حاضری کے لیے

روانہ ہوگئے -حضرت نے کشف باطنی سے معلوم فرما کر اپنے گھر والوں اور متعلقین کو آپ کی آمد سے آگاہ فرما دیا جب آپ پہنچے تو دیکھتے ہی بڑی شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا بیا! دوران باخبر در حضور ونزدیکان بے بصر دور- آؤ آؤ حقیقتاً جو باخبر ہیں وہ دور ہونے کے باوجود نزدیک ہیں اور جو بےخبر ہیں وہ نزدیک ہونے کے بعد بھی دور ہیں-

اگلے روز سلسلہ عالیہ قادریہ میں مرید فرمایا -اپنا دست مبارک آگے بڑھایا اور دریافت کیا- یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ ہاتھ ہے فرمایا ہاتھ کہاں ہے؟ یہ انگلیاں، یہ ہتھیلی، یہ کلائی ہے جاؤ غور کرو کہ ہاتھ کہاں ہے؟ اس ایک جملہ سے وحدت الوجود کی حقیقت ذہن نشین ہوگئی دوئی کے حجابات سے گزر کر حق الیقین تک رسائی حاصل کی-فرماتے ہیں:

جبھی دل پہ اس کا کرم دیکھتے ہیں	تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں
کبھی حق کو عالم سے دیکھیں منزہ	کبھی عالم وحق بہم دیکھتے ہیں
کھلا جس پہ جلوہ صفات خدا کا	وہ اس دیر کو بھی حرم دیکھتے ہیں
وجود وعدم دونوں شانیں ہیں اس کی	جدا دونوں شانوں سے ہم دیکھتے ہیں

مرشد برحق نے مرید فرمانے کے بعد وطن واپسی اور والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضری کا حکم دیا اور دس سال کی سخت ریاضت ومجاہدہ کے بعد تمام سلاسل طریقت کی اجازت عطا فرمائی اور حسب حکم الٰہی خلافت کبریٰ (خلافت رحمانی) مرحمت ہوئی اور صاحب السر و عارف باللہ کے خطابات سے سرفراز کیے گئے-

مرشد برحق کی عنایت کو بیان کرتے ہیں:

جب سے بھئی ست گر کی کرپا	پیا پاے ڈارے گرے باہنیں
گھر باہر اب وہی ہیں کاظم	ہم ناہیں ناہیں ناہیں ناہیں

مرشد برحق کے حکم اور والدہ ماجدہ کی خواہش واصرار پر رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تاکہ برکات کاظمی سے آنے والی نسلیں محروم نہ رہیں- وطن واپسی پر دن بھر اس مقام پر ایک مختصر سے حجرہ (ایک مرید صادق نے تعمیر کرایا تھا) میں جہاں آج خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کی عمارت ہے مصروف ریاضت ومجاہدہ رہتے (بعد میں جب آنے جانے والوں اور ضرورت مندوں کی کثرت ہوئی تو مہاراجہ ٹکیت رائے ،وزیر آصف الدولہ بہادر نے آپ کی عدم موجودگی میں بغیر آپ کی مرضی کے (۲۴،۳۶ گھنٹہ) دو پختہ دالان مع چار یک درہ وکوٹھری وکنویں کے،تعمیر کروائے) اور شب میں اپنے مکان واقع محلّہ پنچیہ تلہ کاکوری تشریف لے جاتے تھے-

آپ کے وصال ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰۶ء) کے بعد مسند ارشاد پر آپ کے بڑے

صاحب زادہ حضرت شاہ تراب علی قلندر تراب بیٹھے-

سوال (۲):- خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کے علمی کارناموں کے بارے میں بتائیں-

جواب:- یہ سوال نہایت تفصیل طلب ہے اور اس کے جواب کے لیے ایک جلسہ یا ایک مقالہ ناکافی ہوگا- خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کے حضرات اور ان کے مسترشدین کے علمی کارناموں کی داستان بہت ہی طویل ہے- بہر حال یہ عرض ہے کہ بانی خانقاہ کاظمیہ قلندریہ سے اب تک یہاں کے تمام حضرات علوم باطنی کے ساتھ علوم ظاہری ورسمی کے بھی حامل رہے- زمانہ قدیم کی دوسری خانقاہوں کی طرح یہاں بھی درس وافادہ کی بساط ہمیشہ بچھی رہی اور بکثرت طالبان علم اس سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوتے رہے- ہمارے بچپن یعنی اب سے ۴۰ سال قبل تک کاکوری کے بہت سے صاحبان اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم کے لیے یہاں بھیجتے تھے- گرمیوں کی تعطیلات میں وہ یہاں رہتے اور فارسی وعربی کی تعلیم وتربیت ان دنوں میں حاصل کرتے - بانی خانقاہ خود بھی علم ظاہر سے مکمل طور پر آراستہ تھے- متقدمین صوفیائے کرام کی تصانیف پر ان کو مکمل عبور تھا، کتاب التعرف ،قوت القلوب، رسالہ قشیریہ،فتوح الغیب، عوارف المعارف، کشف المحجوب ،فصوص الحکم، وفتوحات مکیہ اور امام غزالی، مولانا روم ومولانا جامی وغیرہم کے کلام سے خصوصی شغف تھا- متقدم معاصرین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت معترف تھے- ان کے طریقہ کے اشغال واذکار اور سلسلہ کی اجازت سید محمد عدل اور شاہ ابوسعید رائے بریلوی سے بھی حاصل کی- شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تعظیم وتکریم بے حد فرماتے تھے اور ان کے مشرب وموقف کی تائید ہمیشہ کرتے اکثر فرمایا کرتے کہ شیخ اکبر کے پیش کردہ مسائل کو اس طرح برسرمنبر بیان کرنا چاہیے کہ مخالفین کو انکار کی مطلقاً گنجائش نہ رہے- اسی وجہ سے اکثر حضرات نقشبندیہ سے مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق بحثیں ہوئیں- بالآخر انھوں نے شیخ اکبر کی رفعت و منزلت کا اقرار کرلیا-

انھوں نے باوجود رشد وہدایت اور تلقین میں مشغول رہنے کے ''رسالہ معمور داشتن اوقات'' اپنے ایک مسترشد خاص محبّ علی خاں صاحب زمیندار کگرہ (ملیح آباد) کی تعلیم کے واسطے تحریر فرمایا- دوسری کتاب ''نغمات الاسرار معروف بہ سانت رس'' ہے جس میں حقایق ومعارف ٹھمریوں اور اشعار کے قالب میں بیان فرمائے ہیں- پوری کتاب ۵ ہزار اشعار پر مشتمل ہے- ان میں سے ڈھائی ہزار اشعار مع اپنے اردو ترجمہ وشرح ومقدمہ کے آیۃ اللہ فی الارض حضرت خداوند نعمت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر قدس سرہٗ الاطہر (متوفی ۷ رمضان ۱۴۳۱ھ/ ۱۸ اگست ۲۰۱۰ء چہارشنبہ) نے ۱۹۵۵ء میں شائع فرمائے تھے- تیسرا کام ''مجمع الفوائد'' ہے- آپ کے

مکتوبات بھی بہت اہم ہیں-

شاہ محمد کاظم قلندر قدس سرہٗ کے دو صاحبزادے حضرت شاہ تراب علی قلندر ترابؔ اور مولانا شاہ حمایت علی قلندر کے اسماء علمی و روحانی دنیا میں مشہور و معروف رہیں گے- شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ نے اپنے والد ماجد کے علاوہ علوم درسیہ کی تحصیل و تکمیل مشاہیر وقت سے کی-

درس و تدریس اور مسند ارشاد سے وابستگی کے باوجود بہت ساری کتابیں تصنیف کی اور فارسی و اردو اور ہندی کے دواوین بھی اپنی یادگار چھوڑے- انھوں نے عہد آصف الدولہ سے نواب واجد علی شاہ تک کے ادوار میں سلطنتوں کو بنتے، بگڑتے، زوال پذیر ہوتے اور عروج پاتے بغور مشاہدہ فرمایا اور ذرہ ذرہ سے عرفان حیات و بصیرت حاصل کی- اور اپنے کلام کے ذریعہ ایک انقلابی روح پھونک دی- معاصر تذکرہ نگاروں نے ان کے علم و فضل اور ادب و شاعری کا اعتراف اپنے تذکروں میں کیا ہے- شاعری پر تبصرہ و تعارف ایک دوسرا میدان ہے-

بے شمار لوگوں کو تہذیب نفس اور تشکیل کردار کی دولت سے بہرہ مند فرمایا- شاہ تراب علی قلندر بھی وحدت الوجود اور شیخ اکبر کے کلام پیام کے بڑے مبلغ تھے-

شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ کی ایک اور خصوصیت کا ذکر آپ سے کروں کہ انھوں نے کبھی بھی کوئی شعر خانقاہ شریفہ پر نہیں کہا بلکہ اکثر و بیشتر کاکوری میں کہیں تشریف لے جاتے تو آمد و رفت میں دو چار غزلیں نظم ہو جاتیں جن کو ان کے ہمراہ ان کے ایک بھتیجا لکھ لیا کرتے تھے-

اردو فارسی کا کلام سراسر پیغام عمل و خیر ہے- اس وقت اردو کے چند اشعار سن لیجئے جن کی سلاست و روانی ملاحظہ ہو- کلام میں وحدت الوجود کے نمونے جا بجا ہیں-

حیف سر حق نہ پوچھا ایک نے — پاس اپنے اک جہاں آیا گیا
رہے گا ذکر مرا قصہ و فسانہ میں — مجھے بھی یاد کریں گے کسی زمانہ میں
شہر میں اپنے یہ لیلیٰ نے منادی کر دی — کوئی پتھر سے نہ مارے مرے دیوانے کو
فنا کی سیر جس کو دیکھنا ہو — تماشا باغ کا دیکھے خزاں میں
وحدت کی آنکھ سے جو نظر بھر کے دیکھئے — عالم ز ارض تا بہ سمٰوٰت ایک ہے

اب سے دو سو برس پہلے کے ایک شعر کی الہامیت ملاحظہ کیجئے:

جس کا اقبال ہو تنزل پر — وہ چڑھے لے کے فوج کابل پر

اس شعر کے تناظر میں انگریزوں اور پھر روسیوں کی کابل پر فوج کشی اور اس کے بعد ان کے انجام پر غور کیجئے- مجھے ان کے بحمد اللہ پچاسوں سے زائد فارسی، اردو اور ہندی کے اشعار ازبر ہیں مگر وقت کی تنگی مانع ہے-

حضرت شاہ حمایت علی قلندر شاہ محمد کاظم قلندر کے چھوٹے صاحبزادے نے چالیس برس کی عمر میں اپنے فضل و کمال اور علم و تدریس کا نقش ثبت فرمایا- فصول اکبری کی فارسی شرح رکاز الاصول، فتوح الغیب کی شرح نور لاریب ملہم الصواب اور معدن علوی اہم ہیں-

مولانا شاہ تقی علی قلندر، شاہ تراب علی قلندر کے چھوٹے صاحبزادہ تھے ان کے جیسا علم و فضل تبحر اور ان کی سی لیاقت ان کے بیشتر معاصر علما میں نظر نہیں آتی- ان کی بیش بہا اہم اور ضخیم تصنیف ''روض الازہر فی مآثر القلندر'' صدہا مآخذ پر مشتمل تصوف کا دائرۃ المعارف ہے-

حضرت شاہ علی اکبر قلندر خلف الصدق شاہ حیدر علی قلندر خلف اکبر شاہ تراب علی قلندر کی دو اہم تصنیفات ''اصل الاصول فی بیان السلوک والوصول'' اور ''ہدیۃ المتکلمین'' شائع ہوئیں- شاہ علی اکبر قلندر کے صاحبزادہ مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کی ذات خانقاہ کاظمیہ کے زریں سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے- ان کی ذات علم و فضل روحانیت اور رسوخ فی العلم کا تابناک نمونہ تھی- خانقاہ کاظمیہ کی مرجعیت و مقبولیت نشاۃ ثانیہ اور علمی افق پر اس کی شہرت ان کی بابرکت ذات کی رہین منت ہے- ان کی شخصیت باقاعدہ تحقیق کی متقاضی ہے- شاہ علی انور قلندر کے تین صاحبزادے ان کے آئینہ کمالات اور علمی و ادبی نیز روحانی میراث کے حقیقی وارث ہوئے- (۱) مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر آپ اپنے عہد کے مشائخ اور صوفیہ میں بہت ممتاز و نمایاں رہے والد ماجد کی طرح تدریس و درس و افادہ کی مسند پر فروکش رہتے ہوئے متعدد گراں قدر تحقیقی و علمی کاوشیں اپنی یادگار چھوڑیں- (۲) مولانا شاہ نقی حیدر قلندر آپ کی ذات خانقاہ کاظمیہ کے بزرگوں کے درمیان بے حد نمایاں و ممتاز رہی، ان کی عربی و فارسی اور اردو انشا پردازی اور رسوخ فی العلم کا ایک عالم گواہ ہے-

حضرت شیخ عبدالکریم جیلی کی دو مشہور و دقیق کتابوں ''الکہف والرقیم فی شرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نیز ''الانسان الکامل فی معرفۃ الاواخر والاوائل'' کے اردو ترجمے فرمائے- الکہف والرقیم کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے- دعا فرمائیں کہ الانسان الکامل کا اردو ترجمہ بھی طبع ہو سکے- نیز ''تنویر الظلمات فی تفسیر المقطعات'' عربی میں قلم بند فرمائی-

ان کی تحقیقی اور علمی و ادبی صلاحتیں مختلف کتابوں سے ظاہر ہیں- سلسلہ قلندریہ کے بکثرت بزرگوں کے احوال و آثار اور کرامات کے ضمن میں ان کی دو کتابیں قابل ذکر ہیں- ''نفحات العنبر یہ من انفاس القلندریہ'' اور ''اذکار الابرار'' - اذکار الابرار سات سو صفحات پر مشتمل ہے-

(۳) مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر کو اہل بیت اطہار اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ایک خصوصی عشق تھا- جس کی وجہ سے آپ نے مولائے کائنات کی سیرت طیبہ پر ایک مدلل و جامع سیرت کا منصوبہ بنایا- اس کی ۳ نہایت محققانہ و عالمانہ ضخیم جلدیں ''احسن الانتخاب فی

ذکر معیشۃ سیدنا ابی تراب‘‘ ’’نفائس المنن فی فضائل سیدنا ابی الحسن‘‘ ’’مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفیٰ‘‘ اُن کی حیات میں شائع ہوئیں-

میرے مرشد برحق حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر قدس سرہٗ اور ان کے برادر اصغر مرشدی ومولائی حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر قدس سرہٗ نے اگست ۱۹۴۷ء میں جن نامساعد حالات میں خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کی ذمہ داریاں اٹھائیں وہی ایک زبردست مجاہدہ تھا- وہ اگر باضابطہ کوئی علمی وادبی کارنامے نہ بھی انجام دیتے تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا- ان دونوں حضرات نے جس طرح خانقاہ کاظمیہ کی بنیادوں کو، میری مراد ظاہری اور غیر مرئی سے ہے مضبوط وقائم رکھا وہی ایک بہت بڑا حصہ ہے-

شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر قدس سرہٗ نے اخلاق وکردار کی درستی اور تزکیہ نفس وتہذیب باطن کے لیے مطالب رشیدی مصنفہ مولانا شاہ تراب علی قلندر کا نہایت سلیس ورواں اردو ترجمہ فرما کر شائع کیا اور سیرت طیبہ پر آسان زبان میں ’’ہمارے نبی‘‘ مرتب فرمائی-

مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر قدس سرہ نے اپنی آخری سانس تک خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کے علمی وقار، ادبی شان کو ظاہر بینوں تک کی نگاہ میں مستحکم وقوی اعتبار بخشنے میں جو کاوشیں اور بے لوث ومخلصانہ جدوجہد فرمائی، اس کی مثال ماضی ومستقبل میں نہ ملے گی- وہ متقدمین اور اپنے پاک اسلاف کرام کی شخصیت کا آئینہ تھے- ان کے دو بڑے قابل ذکر علمی وادبی کارنامے ہیں- حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کے بھاشا کے کلام ’’سانت رس‘‘ معروف بہ نغمات الاسرار کے نصف حصہ (ڈھائی ہزار اشعار) کو جس محنت ودیدہ ریزی سے مع اردو ترجمہ وشرح ومقدمہ واصطلاحات تصوف وموسیقی کے شائع فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے- شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ کے ہندی کلام ’’امرت رس‘‘ کو بھی مرتب کر کے مع مقدمہ وتبصرہ کے شائع کیا-

آثار تکیہ شریفہ میں بڑی محنت، دماغ سوزی اور تحقیق سے حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کے زمانہ سے ۱۹۹۰ء تک تمام سجادہ نشینوں کے دور میں ہوئی تعمیرات اور مریدین ومعتقدین کی خدمات کا احاطہ فرمایا اور اس پر ایک صوفیانہ مقدمہ تحریر کر کے شائع کیا- جیسا کہ آپ سے عرض کیا کہ آج تک بلکہ آئندہ بھی دوچار نسلوں تک خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کے علمی وروحانی فیوض وبرکات کا سرچشمہ موصوف کی ہی ذات بالواسطہ رہے گی- خانقاہ شریفہ کے موجودہ متولی جناب عین الحمید رعلوی صاحب عرف ضیاء میاں کی بھی کل تعلیم وتربیت اور علمی کاوشات بھی آنجناب قدس سرہٗ کی ہی مرہون منت ہیں جس کا اعتراف متولی صاحب بھی اب سے ۴-۵ سال قبل تک جا بجا برابر کرتے رہے-

انھوں نے اپنے مربی واستاد مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر کی نگرانی میں حافظ شاہ علی انور

قلندر کی فارسی تصنیف ’’الانتصاح عن ذکر اہل الصلاح‘‘ کا اردو ترجمہ مع اضافہ کیا علاوہ ازیں حضرت حافظ شاہ علی حیدر قلندر کی نیم مرتبہ تالیف ’’المقصد الجلی فی مسند العلی‘‘ کو محنت سے مرتب کر کے اردو ترجمہ ودیباچہ کے ساتھ شائع کیا- مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر کے خلف اکبر مولانا حافظ شاہ تقی انور قلندر مدظلہٗ کا ذکر خصوصیت سے کیا جانا ضروری ہے جنھوں نے اپنے دونوں پاک طینت بزرگوں عم محترم ومرشد برحق مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر قدس سرہ جن کی ذات میں ان کو اللہ تعالیٰ نے فنائیت عطا فرمائی اور اپنے والد ماجد مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر قدس سرہٗ جن کی شخصیت ان کے لیے نہ صرف مشعل راہ رہی بلکہ ایک آئیڈیل بھی- وہ ان دونوں بزرگوں اور اپنے اسلاف کرام کی صفات وکمالات، تربیت وتعلیم اور خصوصیات کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں-

انھوں نے اپنی زمانہ طالب علمی سے ہی کثرت مطالعہ اور آیند وروند نیز اپنے بزرگوں کی خدمت گزاری کو اپنا نصب العین بنانے کے باوجود درس وتدریس، تعلیم وتعلم اور تصنیف وتالیف سے پہلوتہی نہ فرمائی- حضرت شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہٗ کی عربی تصنیف ’’تنویر الظلمات فی تفسیر المقطعات‘‘ کا اردو ترجمہ کیا اور اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کی نگرانی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مشہور واہم نادر ملفوظ القول الجلی فی ذکر آثار الولی کا اردو ترجمہ مع مفید ومحققانہ شرح کے فرمایا- حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی کا تذکرہ اہم وبنیادی مطبوعہ وقلمی مآخذ کی مدد سے ترتیب دیا اور اس پر ایک پرمغز وعالمانہ مقدمہ سپرد قلم کیا-

شیخ ابوجعفر مکی حسینی چشتی خلیفہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی اہم تصنیف ’’بحر المعانی‘‘ (فارسی) کا اردو ترجمہ مع حقائق ومعارف اور اسرار کی اردو شرح کے ساتھ کیا جو ابھی حال میں میرے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا-

خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کے بانی سے حضرت شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر قدس سرہٗ تک کے احوال وآثار اور روحانی وعلمی کمالات پر مشتمل ان کی تصنیف تذکرہ گلشن کرم (۱۹۸۵ء) ایک وقیع وقابل ذکر کوشش ہے- حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ کا اردو دیوان مع تفصیلی مقدمہ کے شائع فرمایا-

حضرت بندہ گیسودراز (گلبرگہ شریف) کے مختصر رسالہ معما (شکارنامہ) کی اردو شرح بھی موصوف مدظلہٗ کے فضل وکمال، تصوف وعرفان اور علم باطن میں ان کے درک ورسوخ کی گواہ ہے-

شاہ تقی انور صاحب مدظلہ کے دونوں بیٹے مولوی شاہ شبیہ انور عرف صہیب حیدر اور مولوی حافظ شاہ شبیب انور عرف عمیر حیدر علم خاندانی سے آراستہ اور اپنے بزرگوں کی روایات کے بحمد اللہ امین ہیں- اول الذکر نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، فتح الکنوز (مولفہ شاہ تراب علی قلندر) کا اردو ترجمہ، تعلیمات قلندریہ اردو ترجمہ وغیرہ سے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز کیا- دوسرے بیٹے عمر

حیدر صاحب کی مولفہ ومرتبہ اصطلاحات تصوف، رسالۂ حقیقۃ الحقایق اردو ترجمہ ومقدمہ، اور شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ کی تالیف ''مقالات الصوفیہ'' خانقاہ کاظمیہ کی علمی کاوشات میں قابل ذکر ہیں۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان پاک بزرگوں کے طفیل نئی نسل کا یہ علمی سفر جاری رکھے اور اس کو اسلاف کرام کے جادۂ طریقت اور نقش قدم پر نہ صرف گامزن بلکہ ثابت قدم رکھے۔ آپ کے اس سوال کا جواب تھوڑا اس وجہ سے بھی طویل ہوا کہ......لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔

سوال (۳):۔ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کا میدان دعوت وتبلیغ میں کیا کردار رہا ہے؟

جواب:۔ خانقاہ کاظمیہ کے بزرگوں نے تبلیغ و دعوت کے میدان میں خانقاہ سے نکل کر باضابطہ تبلیغ و دعوت نہ فرمائی بلکہ گوشہ عافیت میں بیٹھ کر ہی اپنے اخلاق سے ذہنوں کی روحانی تشکیل کی اور ارد گرد اپنے کردار واخلاق اور عمل واخلاص سے ایسی فضا پیدا کی کہ لوگ خود ہی جوق در جوق حلقہ بگوش ہوتے رہے اور اس روحانی فضا سے جب باہر نکلتے تو وہ لوگ جو اس سے ناآشنا تھے وہ بھی ان بزرگوں کی بابرکت صحبت وہم نشینی کے طلب گار ہو کر اس میخانہ عرفان میں آتے اور یہاں سے نکلتے وقت یہ شعر گویا ورد زبان کرتے تھے:

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدہ سے تو دنیا بدل گئی

یہاں کے بزگوں نے اپنے قلم کو بھی اس مخصوص دعوت وتبلیغ کے لیے آلۂ کار بنایا اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی رونما ہوئے۔

سوال (۴):۔ خانقاہ کاظمیہ کے معمولات ورسومات پر کچھ روشنی ڈالیں۔

جواب:۔ خانقاہ کے معمولات عام طور پر وہی رہے جو متقدمین صوفیہ کے ہاں رائج تھے۔ یہاں کا بنیادی وصف توکل وقناعت رہی، اسی لیے ارباب حکومت کے اوقاف ونذور کو کبھی قبول نہ کیا، مخلص مریدین ومعتقدین نے آنے جانے والوں کی سہولت اور آرام کی خاطر عمارتیں بنوائیں صاحبان خانقاہ نے خلوص اور خدمت گزاری کے اس جذبہ کی پذیرائی ضرور فرمائی مگر ان عمارات کی شکست وریخت، درستی وغیرہ کے لیے کبھی باقاعدہ نذر یا وقف کو نہ قبول کیا۔

صاحب سجادہ کے معمولات میں یہ بھی داخل تھا کہ وہ بلا ضرورت شرعی یعنی حج وزیارت یا ناگزیر مجبوری کے، خانقاہ کاظمیہ سے باہر شب بسر نہیں کرتے۔ رمضان المبارک کے ایک ماہ خانقاہ شریفہ پر ایک قسم کا اعتکاف (زنان خانہ وہاں سے فاصلے پر ہے) رہتا تھا۔ مجھے اپنے بچپن کے بہت سے واقعات یاد ہیں۔ بعض علمائے فرنگی محل (لکھنؤ) کے تحسین آفریں کلمات بھی یاد

آتے ہیں کہ حضرات تکیہ شریف کاظمیہ اگر کوئی اضافی عبادات نہ بھی کریں تو بھی ان کے معمولات اور اصول وضوابط بذات خود ایک بڑا مجاہدہ اور نفس شکنی کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔

رسومات کوئی خاص نہیں رہے، البتہ بانی خانقاہ اور ان کے صاحبزادے کا سالانہ عرس ۲۰-۲۲ ربیع الثانی کو منعقد ہوتا جس میں فاتحہ خوانی، لنگر اور محافل سماع وقل کے علاوہ اور کوئی رسم نہ ہوتی مثلاً صندل، غسل یا گاگر چادر وغیرہ۔ اسی طرح سجادہ نشینان خانقاہ کے وصال کے روز پابندی سے ان کے فاتحے ہوتے اور اس دوران شب اور اس کے اگلے روز صبح محافل سماع کا انعقاد ہوتا۔ باقاعدہ محافل سماع کی پابندی بھی مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کے زمانہ سے شروع ہوئی۔

امتیازات کے سلسلہ میں کیا عرض کروں آپ خود صاحب نظر ہیں۔ علمی وعملی میدان میں یہاں کے حضرات کی فرماں روائی بھی یقیناً ایک بڑا امتیاز ہے۔

سوال (۵):۔ ہندو بیرون ہند کے ان مشائخ اور محققین کے بارے میں کچھ بتائیں جو اس قدیم خانقاہ سے روابط رکھتے تھے۔

جواب:۔ ہندو بیرون ہند کے بہت سے علما ومشائخ کا یہاں کے بزرگوں سے علمی، ادبی اور تحقیقی وروحانی مباحث پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ علمائے فرنگی محل، دیوبند وندوہ کے حضرات یہاں آتے رہے۔ علمائے فرنگی محل نے بھی یہاں کے حضرات کی ہمیشہ قدر افزائی کی، مفتی ابوذر سنبھلی، مولانا شاہ غلام حسنین پھلواروی، مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید احمد رضا بجنوری (علامہ انور شاہ کشمیری کے داماد اور شاگرد رشید تھے) خواجہ حسن ثانی نظامی درگاہ حضرت سلطان المشائخ، مفتی نجم الحسن خیرآبادی، مفتی نسیم احمد امروہوی، مولانا شاہ عون احمد قادری، نیز خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ، لاہرپور، خیرآباد، سلون وغیرہ کے حضرات برابر اپنے روابط قدیمہ کی بنا پر یہاں آتے رہے۔

میں نے اپنے بزرگوں سے مولانا اشرف علی تھانوی کی دومرتبہ خانقاہ پر آمد کا ذکر سنا ہے بلکہ مزارات پر حاضری کے وقت ان کی کیفیات کا بیان بھی۔ پاکستان و بیرون ہند کے بعض مشائخ صاحبان نے بھی اپنے علمی استفسارات مکتوبات کے ذریعہ روانہ کیے۔ میں اس زمانہ میں بہت چھوٹا تھا اور علی گڑھ میں غالباً ۵ویں یا چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ ایک بار وطن گیا تو بقیۃ السلف مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر قدس سرہٗ پرانے کاغذات چاک فرمارہے تھے۔ میں نے ان کے نام بعض مشاہیر کے مکاتیب جو چاک ہونے سے رہ گئے تھے وہ ان سے مودبانہ التماس کر کے لے لیے کیونکہ خانقاہ پر کبھی اس قسم کا التزام نہ کیا گیا۔ مکتوبات آتے، ان کے جوابات لکھ کر ان کو چاک کر دیا جاتا تھا۔

مفتی نجم الحسن خیرآبادی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا نسیم احمد فریدی ومفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی، شاہ امان اللہ پھلواروی وغیرہ کے بعض مکاتیب اپنے پاس محفوظ کر لیے-مولانا ندوی عمر میں دس بارہ سال سے زائد بڑے تھے مگر ہمیشہ سلالہ علما ومشائخ جامع الفضائل والمکارم، یا سلالۃ الشیوخ والعلماء وغیرہ سے تخاطب فرماتے تھے-شاہ غلام حسنین صاحب پھلواروی بھی اکثر وبیشتر مکتوبات میں یہی تحریر فرماتے کہ سلالہ سلسلۂ قلندریہ، اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض وبرکات سے تمام مسلمانوں کو مستفید فرمائے-

سوال(۶):-خانقاہ قلندریہ سے مناقب اہل بیت پر بہت زیادہ کام ہوا-اس کی کوئی خاص وجہ رہی؟

جواب:-تصوف وتذکرہ وغیرہ کی صدہا کتابوں میں سے اگر ۶ کتابیں حضرات علی واما مین ہمامین وخاتون جنت وشہداے کربلا کے حالات میں شائع ہوئیں تو بہت زیادہ تو نہیں-بہر حال حضرت علی واہل بیت اطہار کی محبت ایمان کا جز و اعظم ہے-حافظ شاہ علی انور قلندر نے اپنے عہد میں واقعات کربلا اور اس سے متعلق احوال وکوائف اور روایات کے سلسلہ میں جب بعض ایسے رسائل وکتب ملاحظہ فرمائے جن پر سنیت زدہ بعض صاحبان نے کہیں کہیں اعتراضی حیثیت سے انگلی اٹھائی تھی تو آپ نے شہادۃ الکونین فی شہادہ الحسین نامی مدلل ومحققانہ تصنیف سے ان کو مسکت جواب ہی نہ دیا بلکہ وہ مجالس عزا کے لیے ایک نہایت مستند واہم دستاویز بھی ہوگئی-

ان کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہٗ حضرات اہل بیت اطہار کے عشق میں سرشار تھے چنانچہ انھوں نے اپنے نثری ومنظوم کلام سے اس باب میں ۳ وقیع و اہم کتابوں اور منقبت ومدح اہل بیت میں منظوم کلام کا گراں قدر سرمایہ چھوڑا-ناصبیت کے رد میں یہ تینوں کتابیں نہایت اہم ہیں-میں نے آپ سے ان کتابوں کا ابھی تذکرہ کیا تھا-

شاہ علی حیدر قلندر کے چند اشعار سن لیجئے جو یاد آرہے ہیں:

جان ست حسین جان جانست حسین   سلطان سریر لامکان ست حسین
یک شب بخیال روئے زیبا بودم   دیدم کہ نہان وہم عیان ست حسین

میں جُرعہ نوش بادۂ خم غدیر ہوں   مستِ شراب عشق جناب امیر ہوں
حب علی نے دی وہ مجھے رفعتِ بیاں   مدح ابوتراب میں حساں نظیر ہوں

غفران کہ نتیجہ گشت حب حیدر   عنوان صحیفہ گشت حب حیدر

ذاتی ست عجب کہ نیست مثلش ممکن   ایمان و وظیفہ گشت حب حیدر

وجود عارفاں صدقے شہود کاملاں صدقے
حسین بن علی پر جان و دل کون ومکاں صدقے

سوال(۷):-یہ قدیم خانقاہ مخطوطات ومکتوبات کے حوالے سے بھی جانی جاتی ہے، یہاں کے اہم مخطوطات ومکتوبات اور علمی ذخائر کے بارے میں بتائیں-

جواب:-جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ بانی خانقاہ کے دور سے ہی یہاں درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہا، اس وجہ سے بکثرت درسی کتابوں کے شروح وحواشی اور بعض شروح کے کئی کئی نسخے موجود رہے-بہت مطلا......ومذہب اور مصور نسخے تو نہ رہے مگر بعض ایسے مخطوطات ضرور رہے جن کے خطی نسخے دوسری جگہ عام طور پر شاید نہ ہوں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ملفوظات ''القول الجلی فی ذکر آثار الولی'' ملفوظ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی'' ''مجمع السلوک'' حضرت مخدوم شیخ سعد خیرآبادی ''رشحات عین الحیاۃ'' ملا حسین واعظ کاشفی، مقامات عالیہ خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی، بحر المعانی حضرت شیخ ابوجعفر مکی (میرے ناقص علم میں اب تک کے معلوم نسخوں میں یہ قدیم ترین نسخہ ہے) مقاصد العارفین، التسویہ بین الافادۃ والقبول وغیرہ-

حضرات خانقاہ کے مکتوبات بھی تصوف، اس کے آداب وتعلیمات اور بہت سے مخفی رموز کی تشریح وتفسیر میں بہت اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں-خانقاہ پر تو ان مکاتیب کی نقول نہ رکھی گئیں مگر مکاتیب الیہم کے پاس محفوظ بکثرت مکاتیب کو مختلف ادوار میں شائع کرا کر منظر عام پر لایا گیا اور اس طرح ان کی افادیت عام ہوئی-مثلاً بانی خانقاہ کے دوسو سے زائد مکتوبات مفاوضات کے نام سے ہیں-شاہ مجا قلندر لاہرپوری، خواجہ حسن مودودی چشتی کے تصوف کی تعلیمات پر مشتمل، نیز شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی شاہ علی اکبر قلندر الہ آبادی، مکتوبات حافظ شاہ علی انور قلندر موسومہ بہ جواہر المعارف، شاہ ابو نجیب قلندر، شاہ محمد تقی قلندر مہونوی وشاہ تقی علی قلندر اور بعض دوسرے بزرگان قلندریہ کے مکاتیب تعلیمات قلندریہ کے نام سے طبع ہوئے-حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر کے مکاتیب تذکرۂ حبیبی میں شائع ہوئے ہیں-مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر قدس سرہٗ اور مولانا حافظ شاہ تقی انور قلندر مدظلہ العالی کے بکثرت مکتوبات میرے پاس محفوظ ہیں جو تصوف کے بہت سے رموز کی گرہ کشائی میں نہ صرف اہم بلکہ مکتوباتی ادب میں ایک بڑا اضافہ ہیں-افسوس کہ مواصلاتی برقی نظام یعنی ٹیلی فون وانٹرنیٹ کے جہاں فوائد ہیں وہیں ان میں مضمر مضرات بھی ہیں کہ ہم ان مکتوبات کی افادیت واہمیت سے ناواقف اور ان کے استفادہ سے محروم ہوتے جارہے ہیں-آئندہ برسوں میں تو لگتا ہے کہ یہ سب قصہ ہائے پارینہ بن جائیں گے-

سوال (۸):-اسلامی اور غیر اسلامی روحانیت میں کیا فرق ہے؟

جواب:-آپ کا یہ سوال کافی تفصیل طلب ہے کیوں کہ جواب کے لیے نہ صرف اسلام بلکہ دوسرے مذاہب کی بنیادی تعلیمات پر بھی مختصر گفتگو ضروری ہے-اسلامی روحانیت کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے-کلام پاک کی بکثرت آیات اس کی سند میں پیش کی جاسکتی ہیں-حدیث شریف کی مستند کتابوں میں روحانیت اور تصوف وعرفان کے سلسلہ میں بے شمار احادیث آپ کو مل جائیں گی-

یہ سمجھیے کہ اسلامی روحانیت جلوت وخلوت کے بہترین امتزاج کا نام ہے، محض جلوت کا اصول اختیار کر لینے سے خاص قسم کی دنیاداری پیدا ہوتی ہے،جس کی مثال موجودہ زمانہ میں مغرب (یورپ وامریکہ وغیرہ) کے ضابطہ حیات میں دیکھی جاسکتی ہے جہاں عموماً زندگی کی شکل اجتماعی نوعیت کی ہوگئی ہے-اس قسم کی صورت حال کو برقرار رکھنے کے لیے Team work اور Socialization کے اصول بنیادی اہمیت رکھتے ہیں-جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ایک قسم کی بدحواسی اور غفلت کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنے خالق سے لو لگانے کا اسے کافی وقت میسر نہیں ہو پاتا-اسی طرح خلوت کا اصول اگرچہ روحانیت کے اعتبار سے مفید ہے مگر صرف خلوت کا ہی رہ جانا اور جلوت سے کوئی سروکار نہ رکھنا رہبانیت کو جنم دیتا ہے جس کی اسلام میں ممانعت ہے کیوں کہ وہ دین فطرت ہے-اس رہبانیت کی مثال ہمیں ہندو مذہب کے بہت سے رشیوں منیوں کے یہاں ملتی ہے،جنھوں نے غاروں، پہاڑوں، میں برسہا برس اپنے گھر بار اور علایق سے بالکل بے تعلق ہو کر سخت مجاہدات وریاضتیں کیں-بعض حضرات کو اس کے مثبت نتائج بھی حاصل ہوئے اور وہ واصل بحق ہوئے مگر خلوت کے اصول پر عمومی طور پر عمل کرنا ایک امر محال ہے-سچ پوچھیے تو زندگی اپنے مزاج کے اعتبار سے جلوت وخلوت کی آمیزش رکھتی ہے-اسی بنا پر اسلامی روحانیت یعنی تصوف کو جو کامیابی دنیا کی تاریخ میں حاصل ہوئی اس کی دوسری مثال نہیں ملتی-تصوف کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس میں شریعت وطریقت کا بیک وقت لحاظ رکھا گیا ہے جب کہ عیسائیت کو دیکھا جائے تو اس میں طریقت ہی طریقت نظر آئے گی،شریعت کا پتہ نہیں کہ Kingdom of Heaven کا تصور تو ہے مگر Kingdom of Earth کا نہیں-بہر حال یہ ایک بہت طویل بحث ہے،جس پر مقالے نہیں کتابیں لکھی جاسکتی ہیں-

سوال (۹):-آج عالمی سطح پر تصوف موضوع بحث ہے-آپ کے خیال میں تصوف کا مستقبل کیسا ہے؟

جواب:-تصوف جو سراسر عشق ومحبت کا پیغام ہے وہ موجودہ زمانے میں دو وجہوں سے خاص طور سے توجہ کا حامل ہے-اول تو دنیا کے طول وعرض پر آپ نظر ڈالیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ نفرت وتنگ نظری کا دور دورہ ہے بعض لوگوں نے اس کو اپنا پیشہ بنالیا ہے اور عالمی سطح پر مختلف طریقوں سے اس کو پھیلا رہے ہیں-اس سلسلہ میں مجھے عرض کرنے دیجئے ممکن ہے آپ یا بعض صاحبان میری ناقص رائے سے اتفاق نہ کریں-دو قسم کے لوگ اس میں پیش پیش ہیں ایک وہ جو مذہبی معاملات میں ضرورت سے زائد Fanatic رویہ رکھتے ہیں دوسرے وہ جو اپنی Radical فطرت کیوجہ سے دہشت گردی کو پھیلانے میں مصروف ہیں-آئے دن درگاہوں، مسجدوں،عبادت گاہوں حتیٰ کہ قبرستانوں پر حملے ہو رہے ہیں-یہ بات تو درست ہے کہ ان نفرت والوں کو عشق والوں سے بیر ہے-میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا ورنہ بات کا سلسلہ بہت دراز ہو جائے گا آپ خود سمجھ لیجئے کہ وہ لوگ کس مخصوص مکتبہ فکر سے وابستہ ہیں-اس مکتبہ فکر کی بنیاد کیسے پڑی اور پھر مذہب اور توحید کی آڑ میں کس طرح اس کو پروان چڑھایا گیا-اس منافرت اور موجودہ صورت حال میں بہت بڑا دخل عالمی سطح پر کی جانے والی سیاست کا بھی ہے جس کی باگ ڈور اقتصادی طور پر خوشحال یورپی اور مغربی ممالک کے ہاتھ میں ہے-آپ بھی جانتے ہیں کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ میں کون کون سے عوامل درپردہ کام کر رہے تھے-

ہم سب کو معلوم ہے کہ ۲۱ویں صدی کی دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی کے سحر میں بری طرح گرفتار ہو چکی ہے، اس کی وجہ سے ایک ایسا ماحول وجود میں آ گیا ہے جو مادی خوشحالی،معاشی آسودگی، روزافزوں تکنیکی ترقی کو اپنا اوڑھنا، بچھونا سمجھتا ہے-اس قسم کی فکر نے ایک ایسی دنیا پیدا کر دی ہے جہاں انسان کے پاس اپنا بنیادی فریضہ انجام دینے کا بھی خاطر خواہ وقت نہیں ہے-عام طور پر ہماری زندگی کا ۹۹ فیصد حصہ Career Making کی نذر ہو چکا ہے-آپ قصبات و چھوٹے علاقوں کی بات نہ کیجئے-خود ہندوستان کے Metro Cities کی حالت کو ملاحظہ فرمایئے جہاں ہر شخص اپنی ذات میں گم ہمہ وقت دوڑ بھاگ اور ۲۴ گھنٹے تگ ودو میں مصروف ہے تو اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیجئے گا-سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ جو شہر اور علاقے Metro Cities بننے سے رہ گئے ہیں وہ بھی بہت جلد ایسے ہی بنا لیے جائیں گے کیوں کہ ہمارا مطمح نظر مادی خوش حالی اور تکنیکی ترقی ہو چکا ہے-

تصوف کا عمل موجودہ دور میں یہی ہے کہ وہ ان دونوں صورتوں سے بخوبی نبرد آزما ہو سکتا ہے-تصوف کے ذریعہ ایک ایسا ذہن پیدا کیا جاسکتا ہے جو متعصّبانہ فکر اور مادیت سے پیدا ہونے والی افراط وتفریط سے خود کو محفوظ رکھ سکتا ہے-آپ کو معلوم ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد سے جب جب ایسے حالات پیدا کیے گئے تو تصوف اور ارباب تصوف نے آگے بڑھ کر ان کا مقابلہ کیا اور ماحول کو سازگار بنانے میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا-اس نے انسان کو یہ بات بھی ذہن نشین

کرائی کہ اگر انسانوں کے درمیان قائم ہونے والے رشتوں کی بنیاد نفرت وتنگ نظری اور انانیت و
خود پرستی پر رکھی جائے تو انسانی نسل کی بقا اور افزائش ہی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ تصوف کی
تعلیمات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کا بنیادی فریضہ یہ نہیں ہے کہ وہ مادہ پرستی کے گورکھ
دھندے میں پھنس کر رہ جائے بلکہ وہ اپنے حوصلہ وہمت سے کام لے اور اپنے پیدا کرنے والے
کی معرفت حاصل کرے۔

سوال (۱۰):۔تصوف کے نام پر آج عالمی سطح پر جو فکری وعملی بے اعتدالی عام ہو رہی ہے
اس کا علاج آپ کی رائے میں کیا ہوسکتا ہے۔

جواب:۔ دیکھئے تصوف کے نام پر جس فکری وعملی بے اعتدالی کا آپ ذکر فرما رہے ہیں وہ
ان لوگوں کی جانب سے ہو رہی ہے جو تصوف کو اسلام اور اس کے قانونی نظام یعنی شریعت مطہرہ
سے علیحدہ کوئی چیز سمجھتے ہیں۔ اس قسم کے بیشتر صاحبان مغرب بلکہ امریکہ میں خصوصاً ہیں جنھوں
نے تمام مذاہب کی روحانی تعلیمات کو بالکل خلط ملط کر دیا ہے۔ اس قسم کے رجحان نے کئی طرح
کے فکری دھاروں کو جنم دیا ہے جیسے تھیوصوفی، سائنٹیلو جی، نیور ٹیلیجین وغیرہ۔ اس فکر کو پیدا کرنے
میں ایک بڑا کردار بعض مستشرقین اور ان سے مرعوب مسلمانوں کا بھی ہے جنھوں نے تصوف کو
اسلامی دنیا میں ایک ''نئے پودے'' کا نام دیا۔ ان کے نزدیک تصوف، ہندو، بدھ، عیسائیت اور
یونانی فکر کے زیر اثر پیدا ہوا یعنی تصوف کے بنیادی مآخذ قرآن وسنت نہیں ہیں۔ اسی مفروضہ کو
''بعض حضرات'' نے شدومد سے اپنی فکر کی بنیاد بنایا اور تصوف واسلام کے خلاف محاذ آرائی میں
اس کا سہارا لیا۔

آپ تصوف کی امہات الکتب کا مطالعہ فرمائیں تو شدومد سے پھیلائی گئی اس غلط فہمی کا بڑی
آسانی سے ازالہ ہو جائے گا۔ مولانا جلال الدین رومی نے فکر یونانی وفکر ایمانی میں یوں فرق کیا
ہے: عقل جزئی عقل را بدنام کرد

عقل جزئی فکر یونانی کی علامت ہے جس کے نتیجہ میں بہت سے باطل فلسفے وجود میں آئے
جب کہ عقل، یا عقل کلی تک رسائی کتاب وسنت کی معرفت سے ہی ہوسکتی ہے۔ امام غزالی کی تہافتہ
الفلاسفہ میں ان باطل نظریات وافکار کے بڑے کافی وشافی جوابات دیے گئے ہیں۔ بہر حال یہ
ایک الگ طویل بحث ہے۔ میری ناقص رائے میں طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز ہے ہی نہیں
تمام صوفیہ صافیہ نے اسی پر زور دیا ہے شریعت پر احسان کے درجہ میں عمل کرنے کا نام طریقت
ہے۔ حدیث جبرئیل سے آپ بھی بخوبی واقف ہیں۔
اس کے علاوہ ایک بات اور عرض کروں گا کہ تصوف کے حوالہ سے جس غلط فکر کو عام کیا جا رہا

ہے جس میں بعض اپنے وبیگانے شامل ہیں اس کے رد کے سلسلہ میں انگریزی تعلیم کے پروردہ
لوگوں کے لیے ڈاکٹر میر ولی الدین کی قرآنی تصوف کا مطالعہ ضروری ہے۔ میری رائے میں
تصوف کو سنجیدگی سے سمجھنے کے خواہش مندوں کے لیے یہ بہت عمدہ ہے۔ تصوف یقیناً زندگی سے
محروم اور حقیقت سے دور کوئی ذہنی رویہ نہیں۔ جی ہاں! تصوف کی بنیاد اخلاص واخلاق پر ہے یہ
دونوں چیزیں لابدی ہیں۔ اگر ان پر ہم سختی سے عمل پیرا رہیں تو بہت سی شکایات کا ازالہ آسانی
ہو جائے گا۔

سوال (۱۱):۔تصوف جس کا قرآنی اور حدیثی نام الاحسان ہے کیا وہ صرف کتب تصوف
کے مطالعہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔

جواب:۔ دیکھئے جہاں تک دانستن کا معاملہ ہے وہ یقیناً کتابوں کے مطالعہ اور ارباب
تصوف کی نگارشات کو غیر جانب داری اور کھلے ذہن سے پڑھنے سے پورا ہو جائے گا۔ لیکن داشتن
کے لیے باقاعدہ تربیت، صحبت اور ذہن سازی کی ضرورت بھی ہے۔ مطالعہ اس وقت مفید ہوتا ہے
جب کوئی راہبر ومرشد ہو ورنہ بعض مقامات پر جو الجھنیں پیدا ہوتی ہیں وہ خام کار عقلوں کو رہبری
کے بجائے کہیں اور بھٹکا دیتی ہیں۔

سوال (۱۲):۔ قارئین **الاحسان** اور مرتبین کے لیے آپ کا کیا پیغام ہے۔

جواب: مجھے بے حد خوشی ہے کہ **الاحسان** کا دوسرا شمارہ آپ لوگوں کی کوششوں سے منصۂ شہود
پر آ رہا ہے۔ نقش ثانی یقیناً نقش اول سے فزوں تر ہوگا۔ مگر اس میں بھی مستثنیات ہیں۔ بحمداللہ اس کا
پہلا شمارہ ہی اتنا جامع، وقیع، مفید اور دیدہ زیب ہے۔ اس میں آپ صاحبان کی مساعی جمیلہ، اخلاص
کے ساتھ ہی ساتھ بزرگان دین کی پاک وپاکیزہ ارواح کے فیوض وبرکات کا بھی بڑا دخل ہے۔

اللہ تعالیٰ مذہب کی اس عظیم واہم اور آج کے دور کی ناگزیر ضرورت کی تکمیل میں آپ کی ہر
طرح مدد فرمائے، راہ کی رکاوٹیں دور کرے اور آپ لوگوں بلکہ ہر اس شخص کو جو اس اہم دستاویز کی
طباعت، اشاعت وغیرہ میں کسی نہ کسی طرح سے شریک کار رہا ہے اجر جزیل عطا فرمائے۔ نیز
حضرت شاہ احسان اللہ ابوسعید مدظلہ کے سایہ رافت کو قائم ودائم رکھے کہ یہ ساری جلوہ سامانی ان
کی بابرکت ذات کی رہین منت ہے۔

افاض علینا برکاتھم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین. برحمتک یا ارحم الراحمین ۔

○○○

خانقاہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری

تاریخ اور کارنامے

قصبہ کاکوری صوبہ اتر پردیش کے قدیم، مشہور اور علمی قصبات میں سے ایک ہے۔ یہ قصبہ دار الحکومت اتر پردیش، لکھنو سے ۱۶رکلومیٹر کی دوری پر جانب مغرب میں واقع ہے۔ پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں اس پر راجہ کنس والیٔ کسمنڈی کلاں کا قبضہ تھا۔ سید سالار مسعود غازی نے ۴۳۴ھ/۱۰۴۳ء میں راجہ کنس سے اس قصبہ کو حاصل کیا اور مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ حوادث زمانہ سے گزرتے ہوئے ۱۴۰۱ء میں یہ قصبہ سلطان ابراہیم شرقی کے ہاتھوں مکمل اسلامی نو آبادی قصبہ بن گیا۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ کاکوری کا سنگ بنیاد سلطان ابراہیم ہی کے ہاتھوں رکھا گیا۔ ۱۵۰۰ء/۹۰۶ھ میں قاضی بہاری عباسی، بادشاہ وقت کی طرف سے کاکوری کے قاضی مقرر کیے گئے، ان سے آج بھی عباسی خانوادہ اس قصبہ میں موجود ہے جو قاضی زادہ علمی خانوادہ سے مشہور ہے۔ اسی طرح شیر شاہ سوری کے لڑکے سلیم شاہ سوری کے دور حکومت ۱۵۴۵ء/۹۵۲ھ میں قاری امیر سیف الدین (م ۹۶۹ھ/۱۵۶۱ء) اپنے کل خاندان اور نیک بخت صاحبزادے قاری نظام الدین بھکاری (م ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء) کے ساتھ کاکوری تشریف لائے جن کی اولاد میں ایک مشہور نام حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کا بھی آتا ہے جو خانقاہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری کے بانی ہوئے۔

شاہ محمد کاظم قلندر علوی کا خاندانی پس منظر

شاہ محمد کاظم قلندر نسباً علوی تھے۔ آپ کے آبا و اجداد میں نہایت اولو العزم اولیا اور علما گزرے ہیں۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت قاری نظام الدین معروف بہ شیخ بھکاری (۱) ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے مشہور مشائخ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ سلسلہ رضویہ، برکاتیہ، قادریہ کے شجرہ میں آپ کو داتا بھکاری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ داتا بھکاری کی اولاد میں آٹھویں پشت میں

حضرت شاہ کاظم قلندر آتے ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ تک جا ملتا ہے۔

شاہ محمد کاظم قلندر کا نسبی شجرہ

(۱) شاہ محمد کاشف چشتی (م ۲رذی قعدہ ۱۲۰۰ھ مزار کاکوری) (۲) حافظ خلیل الرحمٰن شہید (م ۱۵رذی قعدہ ۱۱۵۱ھ) (۳) شیخ عبد الرحمٰن (۴) شیخ غلام محمد (۵) شیخ سیف الدین (۶) شیخ ضیاء اللہ (۷) ملا عبد الکریم (م ۱۰۳۱ھ) (۸) حافظ شہاب الدین (۹) مخدوم نظام الدین قاری معروف بہ شیخ بھکاری (پ ۸۹۰ھ/م ۸ ذی قعدہ ۹۸۱ھ مزار کاکوری) (۱۰) امیر قاری سیف الدین (پ ۸۶۷ھ/۱۴۶۲ء/م ۵رذی الحجہ ۹۶۹ھ مزار کاکوری) (۱۱) قاری حبیب اللہ نظام الدین (۱۲) قاری امیر ناصر الدین (۱۳) قاری محمد صدیق (۱۴) قاری عبید اللہ (۱۵) قاری عبد الصمد (۱۶) قاری امیر شمس الدین خورد (۱۷) قاری عبد المجید (۱۸) حاجی سلطان حسین (۱۹) قاری ابراھیم (۲۰) قاری سلطان عبد اللطیف (۲۱) قاری امیر عبید اللہ خافی (۲۲) قاری امیر شمس الدین صابر (۲۳) قاری مجید الدین خافی (۲۴) قاری امیر سلیمان مفسر (۲۵) مولانا وجیہ الدین احمد (۲۶) قاری محمد (۲۷) علی (۲۸) محمد ابن الحنیفہ (پ: ۳۴ھ/۶۵۴ء مدینہ منورہ۔ وفات ۹۹ھ/۷۱۷ء) (۲۹) امیر المومنین علی رضی اللہ تعالی عنہ (م ۲۱ر رمضان ۴۰ھ)

ولادت، تعلیم و تربیت اور اجازت و خلافت

شاہ محمد کاظم قلندر صوفی و عارف ہونے کے ساتھ بلند پایہ عالم، قادر الکلام شاعر اور موسیقی نگار بھی تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۷رجب المرجب ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء کو کاکوری ہی میں ہوئی، ابتدائی تعلیم حافظ عبد العزیز اور مولانا محمد حمید الدین کاکوروی سے حاصل کی۔ غلام یحیی بہاری اور ملا احمد اللہ سندیلوی سے آگے کی تعلیم لی۔ درحقیقت آپ کو اللہ نے خاص نعمتوں سے نوازا تھا۔ ابتدائی زمانہ ہی سے متقدمین صوفیہ کی مایہ ناز کتابیں مثلاً التعرف "رسالہ قشیریہ" وغیرہ کا مطالعہ آپ کے معمولات کا حصہ تھا۔ روحانی کمالات کے حصول کی خاطر اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی (۲) کی خدمت میں دس سال گزارا پھر شیخ نے آپ کو سلاسل سبعہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور "صاحب سر" اور "عارف باللہ" کے لقب سے ملقب فرمایا۔ سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت و خلافت آپ نے سید محمد عدل عرف شاہ لعل بریلوی کے خلیفہ مولوی احمدی صاحب ساکن کرسی سے بالمعاوضہ حاصل کی، یعنی آپ نے ان کو سلسلہ قلندریہ کی اجازت دی اور انہوں نے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ کی (۳)۔ ترسٹھ سال کی عمر پانے کے بعد ۲۱ربیع الآخر ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء کو آپ نے اس دار فانی کو خیر آباد کہہ دیا۔ مزار تکیہ کاکوری ہی میں والدین کے پائیں میں

موجود ہے، جہاں بعد میں آپ کے ایک مخلص مرید لعل محمد نے عالی شان، بلند روضہ تعمیر کرایا- آپ کو اپنے مشائخ سے روحانی سلاسل کی صورت میں جو نعمتیں حاصل ہوئیں وہ تمام آج بھی آپ کی نسبی و روحانی اولاد میں جاری ہیں- ذیل میں ان تمام سلاسل کے شجرات تحریر ہیں-

بانی خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کے روحانی سلاسل ایک نظر میں

سلسلہ عالیہ قلندریہ

(۱) حضرت شاہ محمد کاظم قلندر (پ ۱۷/رجب المرجب ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء- م ۲۱/ ربیع الثانی ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء مزار کاکوری) (۲) حضرت شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی (پ ۲۳/محرم الحرام ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء- م ۲۵/ جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ/۱۸۰۶ء مزار الہ آباد) (۳) حضرت شاہ باسط علی قلندر (پ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء- م ۱۷/ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء مزار الہ آباد) (۴) حضرت شاہ الھدیہ احمد قلندر لاہرپوری (م ۲۲/ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۵ء مزار لاہرپور) (۵) حضرت شاہ فتح قلندر جونپوری (م ۲۲/شعبان ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۱ء) (۶) حضرت شاہ مجتبیٰ معروف بہ مجا قلندر لاہرپوری (م ۱۵/ربیع الآخر ۱۰۸۴ھ/۱۷۶۳ء) مزار لاہرپور، خیرآباد) (۷) حضرت شیخ عبدالقدوس قلندر جون پوری (م ۱۲/شوال ۱۰۵۲ھ/۱۹۴۲ء مزار علن پور، جون پور) (۸) حضرت شاہ عبدالسلام قلندر جون پوری (۱۵/ذی قعدہ ۹۸۰ھ مزار علن پور، جونپور) (۹) حضرت شاہ محمد قطب قلندر جونپوری (م ۹/ذی قعدہ مزار علن پور معروف بہ جوگیا پور) (۱۰) حضرت شیخ قطب الدین بینا دل قلندر جونپوری (پ ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء- م ۲۵/شعبان ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ء مزار علن پور شیخ پور) (۱۱) حضرت سید نجم الدین غوث الدھر قلندر (پ ۶۳۷ھ/۱۲۳۹ء- م ۲۰/ذی الحجہ ۸۳۷ھ/۱۴۳۴ء) (۱۲) حضرت سید خضر رومی قلندر (م ۱۶/رجب ۷۵۰ھ/ ۱۳۴۹ء) (۱۳) حضرت شیخ عبدالعزیز (۴) مکی معروف بہ عبداللہ علمبردار (م ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) (۱۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ (م ۲۱/رمضان ۴۰ھ مزار نجف اشرف، عراق) (۱۵) حضرت رسول کریم ﷺ (م ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ/مزار مدینہ منورہ)

سلسلہ عالیہ قادریہ

(۱) حضرت شاہ محمد کاظم قلندر (پ ۱۷/رجب المرجب ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء- م ۲۱/ ربیع الثانی ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء مزار کاکوری) (۲) حضرت شاہ باسط علی قلندر (پ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء- م ۱۷/ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء مزار الہ آباد) (۳) حضرت شاہ الھدیہ احمد قلندر لاہرپور، خیرآباد (م ۲۲/ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۵ء مزار لاہرپور خیرآباد) (۴) حضرت شاہ فتح قلندر جون پوری (م ۲۲/شعبان ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۱ء) (۵) حضرت شاہ مجتبیٰ معروف بہ مجا قلندر لاہرپوری (م ۱۵/ربیع

الآخر ۱۰۸۴ھ/۱۷۶۳ء مزار لاہرپور، خیرآباد) (۶) حضرت شیخ عبدالقدوس قلندر جون پوری (م ۱۲/شوال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء مزار علن پور، جون پور) (۷) حضرت شاہ عبدالسلام قلندر جون پوری (۱۵/ذی قعدہ مزار علن پور، جونپور) (۸) حضرت شاہ محمد قطب قلندر جونپوری (م ۹/ذی قعدہ مزار علن پور معروف بہ جوگیا پور) (۹) حضرت شیخ قطب الدین بینا دل قلندر جونپوری (پ ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء م ۲۵/شعبان ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ء مزار علن پور شیخ پور) (۱۰) حضرت سید نجم الدین غوث الدھر قلندر (۵) (پ ۶۳۷ھ/۱۲۳۹ء- م ۲۰/ذی الحجہ ۸۳۷ھ/۱۴۳۴ء) (۱۱) حضرت سید نظام الدین غزنوی (دستیاب نہیں) (۱۲) حضرت سید نورالدین مبارک غزنوی (م ۱۳/ربیع الآخر ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء مزار حوض شمسی، مہرولی دہلی) (۱۳) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (پ ماہ رجب ۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء- م ماہ محرم ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء مزار بغداد) (۱۴) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (پ ۱/رمضان ۴۷۰ھ/۱۰۷۸ء/م ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء بغداد) (۱۵) حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی (م ماہ محرم ۵۱۳ھ/۱۱۱۹ء) (۱۶) حضرت شیخ ابوالحسن علی ہکاری (م ماہ محرم ۴۸۸ھ/۱۰۹۱ء) (۱۷) حضرت شیخ ابوالفرح یوسف طرطوسی (م ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء) (۱۸) حضرت شیخ ابوالفضل عبدالواحد تمیمی (م ماہ جمادی الآخری ۴۲۵ھ/۱۰۲۴ء، مزار بغداد) (۱۹) حضرت شیخ عبدالعزیز تمیمی (دریافت نہیں) (۲۰) حضرت شیخ ابوبکر شبلی (م ۲۷/ذی الحجہ ۳۳۴ھ/۹۴۹ء مزار بغداد) (۲۱) حضرت شیخ ابو القاسم جنید بغدادی (م ۲۷/رجب ۲۹۷ھ/۹۰۹ء مزار بغداد) (۲۲) حضرت خواجہ سری سقطی (م ۳/رمضان ۲۵۳ھ/۸۶۷ء مزار بغداد) (۲۳) حضرت خواجہ معروف کرخی (م ۲/محرم الحرام ۲۰۰ھ/۸۱۵ء مزار بغداد) (۲۴) حضرت امام علی رضا (پ ۱۲/ربیع الآخر ۱۵۳ھ/۷۷۰ء- م ۹/محرم الحرام ۲۰۱ھ/۸۱۶ء مزار مشہد، عراق) (۲۵) حضرت امام موسیٰ کاظم (پ ۷/صفر ۱۰۹ھ/۷۲۷ء- م ۲۴/صفر ۱۸۳ھ/۷۹۹ء مزار بغداد عراق) (۲۶) حضرت امام جعفر صادق (پ ۶۰ھ/۶۸۰ء- م ۱۵/رجب ۱۴۸ھ/۷۶۵ء مزار جنت البقیع) (۲۷) حضرت امام محمد باقر (پ ۳/صفر ۵۷ھ/ ۶۷۶ء - ماہ ربیع الاول ۱۱۶ھ/۷۳۴ء مزار جنت البقیع) (۲۸) حضرت امام زین العابدین (پ ۵/شعبان ۳۳ھ/۶۵۴ء- م ماہ محرم ۹۴ھ/۷۱۲ء مزار جنت البقیع) (۲۹) حضرت امام حسین (پ ۴/شعبان ۴ھ/۶۲۶ء- م ۱۰/محرم الحرام ۶۱ھ/۶۸۰ء) (۳۰) امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ (م ۲۱/رمضان ۴۰ھ/مزار نجف اشرف عراق) (۳۱) حضرت رسول اکرم ﷺ (م ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ، مزار مدینہ منورہ)

سلسلہ عالیہ چشتیہ

(۱) حضرت شاہ محمد کاظم قلندر (پ ۱۷/رجب المرجب ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء- م ۲۱/ربیع

الآخر ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء مزار کاکوری) (۲) حضرت شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی (پ ۲۳/محرم الحرام ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء-م ۲۵/جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ/۱۸۰۶ء مزار الٰہ آباد) (۳) حضرت شاہ باسط علی قلندر (پ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء-م ۱۷/ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء مزار الہ آباد) (۴) حضرت شاہ احمد الھدیہ قلندر لاہرپوری (م ۲۲/ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۵ء مزار لاہرپوری) (۵) حضرت شاہ فتح قلندر جونپوری (م ۲۲/شعبان ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۱ء) (۶) حضرت شاہ مجتبیٰ معروف بہ مجا قلندر لاہرپوری (م ۱۵/ربیع الآخر ۱۰۸۴ھ/۱۶۷۳ء) مزار لاہرپور، خیرآباد) (۷) حضرت شیخ عبدالقدوس قلندر جون پوری (م ۱۲/شوال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء مزار علن پور، جونپور) (۸) حضرت شاہ عبدالسلام قلندر جونپوری (۱۵/ذی قعدہ مزار علن پور، جونپور) (۹) حضرت شاہ محمد قطب قلندر جونپوری (م ۹/ذی قعدہ مزار علن پور معروف بہ جوگیا پور) (۱۰) حضرت شیخ قطب الدین بینا دل قلندر جونپوری (پ ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء-م ۲۵/شعبان ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ء مزار علن پور شیخ پور) (۱۱) حضرت سید نجم الدین غوث الدھر قلندر (پ ۶۳۷ھ/۱۲۳۹ء-م ۲۰/ذی الحجہ ۸۳۷ھ/۱۴۳۴ء) (۱۲) حضرت سید خضر رومی قلندر (۶) (م ۱۶/رجب ۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء) (۱۳) حضرت قطب الدین بختیار کاکی (م ۱۴/ربیع الآخر ۶۳۳ھ مزار دہلی) (۱۴) حضرت خواجہ معین الدین چشتی (م ۶/رجب ۶۳۲ھ مزار اجمیر) (۱۵) حضرت خواجہ عثمان ہارونی (م ۵/شوال ۶۰۳ھ مزار مکہ معظّمہ) (۱۶) حضرت حاجی شریف زندنی (م ۱۰/رجب ۵۸۴ھ مزار بخارا) (۱۷) حضرت خواجہ مودود چشتی (م یکم رجب ۵۲۷ھ مزار چشت) (۱۸) حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی (م ۳/رجب ۴۵۹ھ مزار چشت) (۱۹) حضرت شیخ ابو محمد چشتی (م ۴/ربیع الآخر ۴۱۱ھ مزار چشت) (۲۰) حضرت خواجہ ابو احمد چشتی (م یکم جمادی الثانی ۳۵۵ھ مزار چشت) (۲۱) حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی عکی (م ۱۴/ربیع الآخر ۳۲۹ھ مزار عکہ شام) (۲۲) حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری (م ۱۴ محرم ۲۹۹ھ مزار عکہ شام) (۲۳) حضرت خواجہ ہبیرہ بصری (م ۷شوال ۲۸۷ھ مزار بصرہ عراق) (۲۴) حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی (م ۴شوال ۲۵۲ھ مزار بصرہ عراق (۲۵) حضرت سلطان ابراھیم بن ادھم (م ۲۶/جمادی الاولی ۱۶۶ھ مزار شام (۲۶) حضرت خواجہ فضیل بن عیاض (م ۳/ربیع الاول ۱۸۷ھ مزار مکہ) (۲۷) حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید بصری (م ۲۷/صفر ۱۷۷ھ مزار بصرہ عراق (۲۸) حضرت خواجہ حسن بصری (یکم رجب ۱۱۰ھ/مزار بصرہ عراق (۲۹) امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ (م ۲۱/رمضان ۴۰ھ) (۳۰) حضور رسول اکرم ﷺ (م ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ مزار مدینہ منورہ)

سلسلہ عالیہ سہروردیہ

(۱) حضرت شاہ محمد کاظم قلندر (پ ۹/رجب المرجب ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء-م ۲۱/ربیع الثانی ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء مزار کاکوری) (۲) حضرت شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی (پ ۲۳/محرم الحرام ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء-م ۲۵/جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء مزار الٰہ آباد) (۳) حضرت شاہ باسط علی قلندر (پ ۱۱۱۴ھ/۱۷۱۲ء-م ۱۷/ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء مزار الہ آباد) (۴) حضرت شاہ الھدیہ احمد قلندر لاہرپوری (م ۲۲/ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۵ء مزار لاہرپور) (۵) حضرت شاہ فتح قلندر جون پوری (م ۲۲/شعبان ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۱ء) (۶) حضرت شاہ مجتبیٰ معروف بہ قلندر لاہر پوری (م ۱۵/ربیع الآخر ۱۰۸۴ء) مزار لاہر پور، خیرآباد) (۷) حضرت شیخ عبدالقدوس قلندر جونپوری (م ۱۲/شوال مزار علن پور، جون پور) (۸) حضرت شاہ عبدالسلام قلندر جونپوری (۱۵/ذی قعدہ ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء مزار علن پور، جون پور) (۹) حضرت شاہ محمد قطب قلندر جونپوری (م ۹/ذی قعدہ مزار علن پور معروف بہ جوگیا پور (۱۰) حضرت شیخ قطب الدین بینا دل قلندر جونپوری (پ ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء-م ۲۵/شعبان ۹۲۵ھ/۵۱۹ۃء مزار علن پور شیخ پور) (۱۱) حضرت شمس الحق والدین بڈھن ظفرآبادی (پ ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء- مزار ظفرآباد) (۱۲) حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح مسکین ظفرآبادی (م ۹/محرم الحرام ۷۹۶ھ/۱۳۹۳ء مزار ظفرآباد) (۱۳) حضرت شیخ صدر الدین حاجی ظفرآبادی چراغ ہند (پ ۷۰۵ھ/۱۳۰۵ء-م ۸ ذی قعدہ ۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء ظفرآباد) (۱۴) حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح سہروردی ملتانی (پ ۶۴۷ھ/ ۱۲۴۹ء - م ۱۶/رجب ۷۳۵ھ/۱۳۳۵ء) (۱۵) حضرت شیخ صدر الدین عارف (پ ۶۱۱ھ ۱۲۱۴ء - م ۲۳/ذی الحجہ ۶۸۴ھ/۱۲۸۶ء مزار ملتان) (۱۶) حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی (پ ۵۶۶ھ/۱۱۷۱ء-م ۱۷/صفر ۶۶۶ ج/۱۲۶۷گ مزار ملتان) (۱۷) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (پ ۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء-م یکم محرم الحرام ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء مزار بغداد) (۱۸) حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی (م ۱۲/جمادی الآخری ۵۶۳ھ/۱۱۶۸ء مزار بغداد) (۱۹) حضرت شیخ وجہہ الدین ابو حفص سہروردی (م ۵۶۶ھ/۱۱۷۰ء مزار بغداد) (۲۰) حضرت شیخ محمد بن عبد اللہ معروف بہ عمویہ (م ۳۷۳ھ/۹۸۳ء) (۲۱) حضرت شیخ احمد اسود دینوری (۳۶۷ھ/۹۷۸ء) (۲۲) حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری (م ۱۴ محرم ۲۹۹ھ مزار عکہ شام) (۲۳) حضرت خواجہ ہبیرہ بصری (م ۷شوال ۲۸۷ھ مزار بصرہ عراق) (۲۴) حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی (م ۴ شوال ۲۸۷ھ مزار بصرہ، عراق (۲۵) حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم (م ۲۶/جمادی الاولی ۱۶۶ھ مزار شام (۲۶) حضرت خواجہ فضیل بن عیاض (م ۳/ربیع الاول ۱۸۷ھ مزار مکہ مکرمہ) (۲۷) حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید

بصری (م ۲۷/صفر ۷۷اھ مزار بصرہ عراق (۲۸) حضرت خواجہ حسن بصری (یکم رجب ۱۱۰ھ مزار بصرہ عراق (۲۹) امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ (م ۲۱/رمضان ۴۰ھ مزار نجف اشرف عراق) (۳۰) حضور رسول اکرم ﷺ (م ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ مزار مدینہ منورہ)

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

(۱) حضرت شاہ محمد کاظم قلندر (پ ۹/رجب المرجب ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء-م ۲۱/ربیع الثانی ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء مزار کاکوری) (۲) حضرت مولوی احمدی نقشبندی (دستیاب نہیں) (۳) حضرت سید محمد عدل معروف بہ شاہ لعل بریلوی (م ۱۱/رمضان ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء مزار رائے بریلی) (۴) حضرت سید محمد نقشبندی بریلوی (پ ۱۰۷۲ھ/۱۶۶۱ء-م ۲۴/ربیع الثانی ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء مزار رائے بریلی) (۵) حضرت سید محمد علم اللہ حسنی حسینی رائے بریلوی (۷) (پ ۱۰۲۳ھ/۱۶۲۳ء-م ۹/ذی الحجہ ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۵ء مزار رائے بریلی) (۶) حضرت خواجہ سید آدم بنوری (م ۱۳/شوال ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء مزار جنت البقیع) (۷) حضرت شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی (پ ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء-م ۲۸/صفر ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء مزار سرہند) (۸) حضرت خواجہ باقی باللہ (م ۱۵/جمادی الآخری ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء، مزار دہلی) (۹) حضرت مولانا خواجہ امکنگی (م ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء مزار امکنک) (۱۰) حضرت مولانا محمد درویش (م ۱۹/محرم ۹۸۵ھ/۱۵۷۷ء) (۱۱) حضرت مولانا محمد زاہد (م ربیع الاول ۹۶۶ھ/۱۵۸۸ء مزار اخش) (۱۲) حضرت خواجہ عبید اللہ حرار نقشبندی (پ ماہ رمضان ۸۰۶ھ/۱۴۰۴ء-م ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ ۱۴۹۰ء مزار سمرقند) (۱۳) حضرت شیخ یعقوب چرخی (م ۵/صفر المظفر ۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء) (۱۴) حضرت علاء الدین عطار، (۱۵) حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی (پ ماہ محرم ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء-م ۳/ربیع الاول ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء مزار قصر عارفان بخارا) (۱۶) حضرت سید امیر کلال (م ۸ جمادی الاولی ۷۷۲ھ/مزار سوخار) (۱۷) حضرت خواجہ محمد بابا سیماسی (م ۱۰/جمادی الاخری ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء) (۱۸) حضرت خواجہ علی رامتینی (پ ۷/رمضان ۷۱۸ھ/۱۳۱۹ء-م ۲۸/ذی قعدہ ۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء مزار خوارزم) (۱۹) حضرت خواجہ محمود الخیر (م ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء مزار بخارا) (۲۰) حضرت خواجہ عارف ریوگری (م یکم شوال ۷۱۵ھ/ ۱۳۱۵ء) (۲۱) حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی (م ۱۲/ربیع الاول ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء مزار غجدان) (۲۲) حضرت خواجہ یوسف بن ایوب ہمدانی (م ۵۳۵ھ/۱۱۴۰ء) (۲۳) حضرت خواجہ ابو علی فضل بن محمد شافعی فارمدی (م ۴/ربیع الاول ۴۷۷ھ/۱۰۸۴ء مزار طوس) (۲۴) حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی، (۲۵) حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی (م ۱۰/محرم الحرام ۴۲۵ھ/۱۰۳۳ء) (۲۶) حضرت شیخ طیفور بن عیسی بایزید بسطامی (م

۲۳۴ھ/۸۴۸ء مزار بسطام) (۲۷) حضرت امام جعفر صادق (پ: ۶۰ھ ۶۸۰ء، م: ۱۵ رجب ۱۴۶ھ-۷۶۳ء) (۲۸) حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر (۲۹) حضرت سلمان فارسی (م ۳۵ھ مزار مدائن) (۳۰) حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (م ۱۳ھ/۶۳۴ء) (۳۱) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ (م ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ)

سلسلہ طیفوریہ

(۱) حضرت شاہ محمد کاظم قلندر (پ ۹/رجب المرجب ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء-م ۲۱/ربیع الثانی ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء مزار کاکوری) (۲) حضرت شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی (پ ۲۳/محرم الحرام ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء-م ۲۵/جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ/۱۸۰۶ء مزار الہ آباد) (۳) حضرت شاہ باسط علی قلندر (پ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء-م ۱۷/ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء مزار الہ آباد) (۴) حضرت شاہ الہدیہ حمد قلندر لاہر پوری (م ۲۲/ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۵ء مزار لاہر پور) (۵) حضرت شاہ فتح قلندر جونپوری (م ۲۲/شعبان ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۱ء) (۶) حضرت شاہ مجتبی معروف بہ مجا قلندر لاہر پوری (م ۱۵/ربیع الآخر ۱۰۸۴ھ/۱۷۶۳ء) مزار لاہر پور، خیر آباد) (۷) حضرت شیخ عبد القدوس قلندر جون پوری (م ۱۲/شوال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء مزار علن پور، جونپور) (۸) حضرت شاہ عبد السلام قلندر جونپوری (۱۵/ذی قعدہ مزار علن پور، جونپور) (۹) حضرت شاہ محمد قطب قلندر جونپوری (م ۹/ذی قعدہ مزار علن پور معروف بہ جوگیا پور) (۱۰) حضرت شیخ قطب الدین بینا دل قلندر جونپوری (پ ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء-م ۲۵/شعبان ۹۲۵ھ/۵۱۹ء مزار علن پور شیخ پور) (۱۱) حضرت سید نجم الدین غوث الدہر قلندر (پ ۶۳۷ھ/۱۲۳۹ء-م ۲۰/ذی الحجہ ۸۳۷ھ/۱۴۳۴ء) (۱۲) حضرت سید خضر رومی قلندر (م ۱۶/رجب ۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء) (۱۳) حضرت میر جمال الدین مجرد ساوجی (۱۴) حضرت طیفور شامی بایزید بسطامی (۸) (م ۲۳۴ھ/۸۴۸ء مزار بسطام) (۱۵) حضرت امام جعفر صادق (پ ۶۰ھ/۶۸۰ء-م ۱۵/رجب ۱۴۸ھ/۷۶۵ء مزار جنت البقیع) (۱۶) حضرت امام محمد باقر (پ ۳/صفر ۵۷ھ/۶۷۶ء- ماہ ربیع الاول ۱۱۶ھ/۷۳۴ء مزار جنت البقیع) (۱۷) حضرت امام زین العابدین (پ ۵/شعبان ۳۳ھ/۶۵۴ء-م ماہ محرم ۹۴ھ ۷۱۲ء مزار جنت البقیع) (۱۸) حضرت امام حسین (پ ۴ شعبان ۴ھ/۶۲۶ء-م ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ/۶۸۰ء مزار نجف اشرف عراق) (۱۹) امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ (م ۲۱/رمضان ۴۰ھ/مزار نجف اشرف عراق) (۲۰) حضرت رسول اکرم ﷺ (م ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ/مزار مدینہ منورہ)

سلسلہ فردوسیہ

(۱) حضرت شاہ محمد کاظم قلندر (پ ۹/رجب المرجب ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء - م ۲۱/ربیع الثانی ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء مزار کاکوری) (۲) حضرت شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی (پ ۲۳/محرم الحرام ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۱ء - م ۲۵/جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ/۱۸۰۶ء مزار الہ آباد) (۳) حضرت شاہ باسط علی قلندر (پ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء - م ۱۷/ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء مزار الہ آباد) (۴) حضرت شاہ الھدیہ احمد قلندر لاہر پوری (م ۲۲/ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۵ء مزار لاہر پور) (۵) حضرت شاہ فتح قلندر جون پوری (م ۲۲/شعبان ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۱ء) (۶) حضرت شاہ مجتبی معروف بہ مجا قلندر لاہر پوری (م ۱۵/ربیع الآخر ۱۰۸۴ھ/۱۷۶۳ء) مزار لاہر پور، خیرآباد) (۷) حضرت شیخ عبدالقدوس قلندر جون پور (م ۱۲/شوال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء مزار علن پور، جون پور) (۸) حضرت شاہ عبدالسلام قلندر جون پوری (۱۵/ذی قعدہ مزار علن پور، جون پور) (۹) حضرت شاہ محمد قطب قلندر جون پوری (م ۹/ذی قعدہ ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء مزار علن پور معروف بہ جوگیا پور) (۱۰) حضرت شیخ قطب الدین بینا دل قلندر جون پور (پ ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء - م ۲۵/شعبان ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ء مزار علن پور شیخ پور) (۱۱) حضرت شیخ حسین بن معز بلخی (۹) (پ ۷۵۴ھ/۱۳۵۳ء - م ۲۳/ذی الحجہ ۸۶۹ھ/۱۴۶۵ مزار بہار) (۱۲) حضرت شیخ مظفر بن شیخ شمس بلخی (م ۷۸۸ھ/۱۳۸۶ء مزار عدن) (۱۳) حضرت شیخ شرف الدین احمد یحی منیری (م ۶/شوال ۷۸۲ھ/۱۳۸۰ء مزار بہار) (۱۴) حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی (م ۷۳۳ھ/۱۳۳۲ء مزار حوض شمسی، دہلی) (۱۵) حضرت شیخ رکن الدین فردوسی (م ۷۲۴ھ/۱۳۲۴ء مزار دہلی) (۱۶) حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی (م ۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء مزار دہلی) (۱۷) حضرت شیخ سیف الدین باخزری (م ۶۵۸ھ/۱۳۶۰ء مزار بخارا) (۱۸) حضرت شیخ نجم الدین کبری (م ۱۰ جمادی الاولیٰ ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء مزار خوارزم) (۱۹) حضرت شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی - (۱۰)

سلسلہ مداریہ

(۱) حضرت شاہ محمد کاظم قلندر (پ ۹/رجب المرجب ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء - م ۲۱/ربیع الثانی ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء مزار کاکوری) (۲) حضرت شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی (پ ۲۳/محرم الحرام ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء - م ۲۵/جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ/۱۸۰۶ء مزار الہ آباد) (۳) حضرت شاہ باسط علی قلندر (پ ۱۱۱۴ھ/۱۸۰۲ء - م ۱۷/ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء مزار الہ آباد) (۴) حضرت شاہ الھدیہ احمد قلندر لاہر پوری (م ۲۲/ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۵ء مزار لاہر پور) (۵) حضرت شاہ فتح قلندر جونپوری (م ۲۲/شعبان ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۱ء) (۶) حضرت شاہ مجتبی معروف بہ مجا قلندر لاہر پوری (م ۱۵/ربیع الآخر ۱۰۸۴ء) مزار لاہر پور، خیرآباد) (۷) حضرت شیخ عبدالقدوس قلندر جون

پوری (م ۱۲/شوال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء مزار علن پور، جون پور) (۸) حضرت شاہ عبدالسلام قلندر جون پوری (۱۵/ذی قعدہ مزار علن پور، جونپور) (۹) حضرت شاہ محمد قطب قلندر جون پور (م ۹/ذی قعدہ مزار علن پور معروف بہ جوگیا پور) (۱۰) حضرت شیخ قطب الدین بینا دل قلندر جون پوری (پ ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء - م ۲۵/شعبان ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ء مزار علن پور شیخ پور) (۱۱) حضرت حاجی بڈھن (دستیاب نہ ہوسکا) (۱۲) حضرت شیخ ابوالفتح سرمست (م ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء) (۱۳) حضرت شاہ قاضن معروف بہ قاضی منیر (م ۳/صفر ۸۹۲ھ/۱۴۸۷ء مزار جون پور) (۱۴) حضرت شاہ حسام الدین سلامتی (م ۹/ربیع الاول ۸۴۰ھ/۱۴۳۶ء مزار جون پور) (۱۵) حضرت شاہ بدیع الدین مدار (پ ۳۰۰ھ/۹۱۲ء یا ۲۵۰ھ/۸۶۴ء - م ۸/جمادی الاولیٰ ۸۴۰ھ/۱۴۳۶ء) - (۱۱)

شاہ محمد کاظم قلندر کے خلفا و سجادگان

سلسلہ قلندریہ، ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بلکہ خود قصبہ کاکوری میں اگرچہ پہلے سے بھی موجود تھا مگر شاہ محمد کاظم قلندر نے اپنی مجددانہ کارناموں کی وجہ سے از سر نو زندہ کیا اور بڑے پیمانہ پر اس کی اشاعت اور فروغ کا انتظام کیا - دعوت و تبلیغ، صلاح و فلاح، اخوت و بھائی چارگی کا ایسا ماحول قائم کیا کہ خواص تو خواص عوام کے لیے بھی قلندر اور قلندریت کا سمجھنا دشوار نہ رہا - آپ کو پیروں سے جو روحانی نعمتیں ملی تھیں ان کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا دیا -

اپنی نسبی اولاد کی اس طرح تربیت کی کہ ان نعمتوں کے مستحق قرار پائے، ان کے علاوہ دیگر مستحقین کو بھی آپ نے خرقہ خلافت و اجازت سے نوازا - آپ کی اولاد میں دو طرح کے مشائخ ہوئے ایک تو وہ جن کو اس سلسلہ کی اجازت و خلافت کے ساتھ سجادگی بھی عطا ہوئی، دوسرے وہ جن کو صرف اجازت و خلافت عطا کی گئی - ذیل میں اولاً سجادگان کا ذکر کیا جاتا ہے -

خانقاہ کاظمیہ کے سجادگان

(۱)	حضرت شاہ تراب علی قلندر	م ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء
(۲)	حضرت شاہ حیدر علی قلندر	م ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء
(۳)	حضرت شاہ علی اکبر قلندر	م ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء
(۴)	حضرت شاہ علی انور قلندر	م ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء
(۵)	حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر	م ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء
(۶)	حضرت شاہ تقی حیدر قلندر	م ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء
(۷)	حضرت شاہ علی حیدر قلندر	م ۱۳۶۶ھ/۱۹۶۷ء
(۸)	حضرت شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر	م ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

(۹) حضرت شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر م۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

خانوادہ کے وہ مشائخ جن کو صرف اجازت وخلافت تھی

(۱) حضرت شاہ میر محمد قلندر م۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء
(۲) حضرت حمایت علی قلندر م۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء
(۳) حضرت شاہ تقی علی قلندر م۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء

شاہ محمد کاظم قلندر کے خلفا

آپ اجازت وخلافت دینے میں محتاط تھے-اس کے باوجود جن نفوس قدسیہ کو اجازت خلافت سے آپ نے نوازا ان کے اسمایوں ہیں:

(۱) حضرت شاہ میر محمد عرف میرن میاں (برادر خورد شاہ محمد کاظم قلندر) (۲) حضرت شاہ تراب علی قلندر (صاحبزادہ اکبر) (۳) حضرت شاہ حمایت علی قلندر (صاحبزدہ اوسط) (۴) حضرت شاہ بہرام علی قلندر (۵) حضرت شاہ انشاء اللہ قلندر (۶) حضرت شاہ سید علی قلندر (۷) حضرت شاہ امیر علی قلندر (۸) شیخ طفیل علی قلندر (۹) ملا قدرت اللہ قلندر بلگرامی (۱۰) شیخ شفاعت علی قلندر (۱۱) محمد محفوظ علی قلندر

خانقاہ کاظمیہ کے فیض یافتہ واجازت یافتہ مشائخ

حضرت شاہ محمد کاظم قلندر سے لے کر آج تک سجادگی اسی خانوادہ میں چلی آرہی ہے-فقر و درویشی اور قلندریت اس خانوادہ میں میراثی ہے-جن کو یہ میراث راس نہ آئی وہ شاہ محمد کاظم قلندر کے حقیقی وارث شمار نہ ہو سکے بلکہ بالکل وہ گم نام ہی ہو گئے-بانی خانقاہ سے لے کر آج تک ملک اور بیرون ملک کے بہتیرے علماو مشائخ نے اس خانوادہ سے علمی وروحانی فیض حاصل کیا ہے-ذیل میں سے ان میں چند مشائخ کا اجمالی ذکر کیا جارہا ہے-

(۱) شاہ انشاء اللہ قلندر (م۵/رجب المرجب ۱۲۵۱ھ) آپ شاہ محمد کاظم کے مرید وخلیفہ تھے-آپ کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی،آپ کا مزار کاکوری ہی میں شیخ کے مزار کے باہر واقع ہے-

(۲) شاہ افضل علی قلندر (پ۱۲۳۵ھ-م ۶ صفر ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) آپ مشہور بزرگ شاہ کرامت علی قلندر کے پوتے تھے-۵/جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء کو حضرت مولانا شاہ علی قلندر نے آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز کیا-آپ سے سلسلہ قلندریہ کی اشاعت ہوئی-

(۳) شاہ بہرام علی قلندر (م۱۵ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء) شاہ محمد کاظم قلندر نے آپ کی تربیت کی اور شاہ تراب علی قلندر اور شاہ حمایت علی قلندر نے آپ کو اجازت وخلافت عطا کی-آپ

نے لکھنو میں خانقاہ بھی قائم کی اور خلق خدا کو فیض یاب فرمایا-اپنے لڑکے شاہ نظام الدین قلندر کو اجازت وخلافت سے نوازا جنہوں نے آپ کی جانشینی کا حق ادا کیا-آپ تکیہ شریف کاکوری ہی میں مدفون ہیں-

(۴) شاہ محمد سلیم قلندر (م۱۷جمادی الثانی ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء) آپ محدث کاکوروی کے پوتے شاہ تراب علی قلندر کے مرید اور شاہ علی اکبر کے خلیفہ تھے-آپ بھی کاکوری ہی میں مدفون ہیں-

(۵) شاہ شفاعت علی قلندر (پ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء-م۹ ربیع الثانی ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) آپ سندیلہ میں پیدا ہوئے اور شاہ محمد کاظم قلندر کے خلیفہ ہوئے-بیعت وخلافت کا سلسلہ جاری نہ رکھا-دوران ملازمت گورکھ پور میں انتقال ہوا اور وہی مدفون ہوئے-

(۶) شیخ طفیل علی قلندر (م۱۷ ربیع الاول ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء) آپ مولانا حمید الدین محدث کاکوری کے تربیت یافتہ اور شاہ محمد کاظم قلندر کے پہلے مرید ہونے کے ساتھ شاہ صاحب کے خلیفہ بھی تھے-آپ کاکوری ہی میں تکیہ بے نوا شاہ میں مدفون ہیں-

(۷) شاہ عاشق قلندر (م۱۴رمضان ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء) اصل نام منگل تھا،کان پور کے رہنے والے تھے-شاہ محمد کاظم قلندر نے اجازت وخلافت سے نوازا تھا-مگر آپ سے سلسلہ کی اشاعت نہ ہوئی-آپ بھی تکیہ شریف کاکوری میں مدفون ہیں-

(۸) شاہ کرامت علی قلندر (م۴ جمادی الآخر ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء) آپ مخدوم نظام الدین قاری داتا بھکاری قادری کی اولاد سے تھے-مولانا شاہ حمایت علی قلندر کے شاگرد شاہ صبغت اللہ قلندر کے مرید اور شاہ میر محمد برادر خورد وخلیفہ شاہ محمد کاظم قلندر کے خلیفہ ہونے کے ساتھ حسان الہند محسن کاکوری کے پیر ومرشد تھے-آپ کے وصال پر محسن کاکوری نے قطعہ تاریخ رقم کی اور آپ کا روضہ تعمیر کرایا-

(۹) شاہ نظام الدین علی قلندر (م۱۹ربیع الاول ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء) آپ شاہ حمایت علی قلندر کے شاگرد وخلیفہ تھے-آپ کو مزید اپنے خال محترم شاہ تراب علی قلندر اور والد محترم شاہ بہرام علی قلندر اور شاہ علی مظہر قلندر رالہ آبادی سے بھی اجازت وخلافت ملی تھی-

(۱۰) شاہ وہاج الدین عثمانی قلندر (پ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء-م۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء) آپ شاہ علی اکبر قلندر کے تربیت یافتہ،شاہ تقی علی قلندر کے مرید اور شاہ علی انور و شاہ حبیب حیدر قلندر کے خلیفہ تھے-مگر ادبا کسی کو مرید نہ کیا-

(۱۱) شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی قلندر (ولادت ۱۹۵۸ء) موجودہ ہندوستان کے جن روحانی سلاسل سے آج بھی خلق خدا کی ایک بڑی تعداد وابستہ ہے اور جہاں سے دعوت

وتبلیغ اورتزکیہ وتطہیر کا مقدس فریضہ بڑے پیمانے پرانجام پا رہا ہے ان میں چشتی نظامی سلسلہ نمایاں ہے- اسی سلسلے کی ایک نہایت ممتاز اور تاریخی خانقاہ صفی پور ضلع اناؤ کی خانقاہ عالیہ چشتیہ نظامیہ صفویہ ہے- اس کے مورث اعلیٰ حضرت مخدوم شیخ عبدالصمد عرف مخدوم شاہ صفی قدس سرہ (م ۹۴۵ھ) ہیں جو بلگرام کے معروف محقق، عالم، صوفی میر سید عبدالواحد بلگرامی قدس سرہٗ کے شیخ طریقت تھے- شمالی ہند کی اکثر ممتاز قادری، چشتی خانقاہیں صفوی فیض سے سیراب ہیں- اسی خم خانہ عرفان کا ایک مے کدہ سید سراواں شریف الہ آباد میں آباد ہے جہاں تزکیہ واحسان کا مقدس فریضہ کی انجام دہی جاری ہے، خالق کی محبت اور مخلوق کی خدمت کے مناظر قابل دید ہیں اور جذب وشوق کا کاروان ہے کہ اس سمت بڑھا جا رہا ہے- آہ وبکا، گریہ وزاری، توبہ ورجوع، ذکر وفکر، سوز جگر اور وجد وسماع کی قدیم روایات یہاں، روز کے معمولات ہیں- حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی اسی مے کدے کے ساقی اور کاروان شوق کے سالار ہیں- آپ کی شخصیت بجا طور پر نمونہ اسلاف ہے- اتباع سنت، تبلیغ دین، اسلاف کی محبت، ان کی پیروی، خدمت خلق اور اشاعت علم آپ کا سرمایہ حیات بھی ہے اور مقصد حیات بھی-

آپ چشتی نظامی، قادری اور سہروردی سلسلوں میں بیعت فرماتے ہیں- ان کے علاوہ نقشبندیہ، قلندریہ اور دیگر سلسلوں کی بھی اجازت وخلافت آپ کو حاصل ہے- ۹ مئی ۲۰۱۰ء/ ۲ جمادی الاخری ۱۴۳۱ھ کو پروفیسر مسعود انور علوی صدر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی دعوت پر کاکوری شریف تشریف لے گئے، اس موقع پر ان کے والد گرامی، خانقاہ قلندریہ کے صاحب سجادہ شیخ طریقت حضرت مولانا حافظ شاہ محمد مجتبیٰ حیدر قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے مصافحہ ومعانقہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’ابومیاں! میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے سلسلہ کی اجازت وخلافت قبول فرمائیں اور یہ عمل اللہ کی رضا کے مطابق ہے‘‘ پھر سلاسل سبعہ: (۱) قادریہ (۲) قلندریہ (۳) چشتیہ (۴) سہروردیہ (۵) طیفوریہ (۶) مداریہ (۷) نقشبندیہ، کی اجازت وخلافت عطا کرنے کے بعد فرمایا کہ: ’’سلسلہ قلندریہ کی اشاعت کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی جاتی ہے- امید ہے کہ آپ سے سلسلہ کی اشاعت بڑے پیمانے پر انجام پائے گی-

خانقاہ کاظمیہ کے فیض یافتہ اور اجازت یافتہ وہ مشائخ جو اس خانوادہ کے نہ تھے تین طرح کے ہیں: (۱) وہ مشائخ جن کی تعلیم وتربیت سے اجازت وخلافت تک سب اس خانقاہ کی عنایت رہی- (۲) وہ مشائخ جنہوں نے تعلیم وتربیت کہیں اور سے حاصل کی مگر اجازت وخلافت اس خانوادہ کے مشائخ کی عطا رہی (۳) تیسرے وہ مشائخ جنہوں نے تعلیم وتربیت اور اجازت وخلافت کسی دوسری خانقاہ سے حاصل کی اور دوسرے سلاسل کو ان کی شبانہ روز کاوشوں سے فروغ

مل رہا تھا اور پھر خانقاہ کاظمیہ کے مشائخ نے اپنی روحانی نعمتوں کا متحمل اور اس کے لائق خیال کرتے ہوئے سلسلہ کاظمیہ قلندریہ کے مزید فروغ کی غرض سے اجازت وخلافت سے نوازا- ان ہی خوش نصیبوں میں داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ صفوی مدظلہ العالی بھی ہیں-

خانقاہ کاظمیہ کے مشہور مشائخ اور ان کے علمی ودعوتی کارنامے

خانوادہ کاظمیہ کی ایک خاص بات یہ رہی ہے کہ اس خانوادہ میں پیدا ہونے والا ہر بچہ عمر کی ابتدا ہی سے علمی اور روحانی تدریب میں لگا دیا جاتا ہے، پھر وہ قلندری راہ سلوک سے گزرتا ہوا علم وروح کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں کے تقریبا تمام مشائخ نے جہاں روحانی دولتوں ونعمتوں کو عام کیا اور دعوت واصلاح کے ذریعہ مخلوق خدا کی خدمت کی وہیں علم وفن کی بھی خوب حفاظت واشاعت کی- اکثر مشائخ خانوادہ صاحب تصانیف بزرگ گزرے ہیں- خانوادہ کاظمیہ نے سلسلہ قلندریہ کی خدمت کرتے ہوئے علمی، روحانی اور دعوتی سطح پر جہاں اپنے آبا واجداد کو نیک نام کیا وہیں ملک وملت اور خاص طور سے قصبہ کاکوری کو بے حد عزت بخشی ہے- قصبہ کاکوری کی عزت وشہرت میں اس خانوادہ کا اہم رول اور ان کی اصل حصہ داری ہے- مشائخ خانوادہ کی تصنیفات کے مطالعے اور جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی خدمات مختلف زبانوں اور علوم کے مختلف شعبوں پر محیط ہیں- علوم نقلیہ، عقلیہ، سیر وسوانح، شعر وادب، تصوف وطریقت، نقد وتبصرہ، تحقیق وتراجم، غرض کے تمام اصناف علم وفن میں ان کی خدمات وتصنیفات ملتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ملک وبیرون ملک کے اہل علم ودانش نے ان مشائخ کی قصیدہ خوانی کی ہے- تذکرہ نگاروں نے اپنی گراں قدر تاثرات وآرا قلم بند کیے- ذیل میں اس خانوادہ کے بعض مشائخ کی علمی اور روحانی خدمات کا اجمالی جائزہ پیش ہے-

شاہ محمد کاظم قلندر (۱۷/رجب المرجب ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء/م ۲۱/ربیع الاخر ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء)

سلسلہ کاظمیہ قلندریہ کے بانی شاہ محمد کاظم قلندر جہاں ایک عظیم صاحب ارشاد صوفی قلندر تھے وہیں ایک نہایت متبحر عالم اور ہندی زبان کے شاعر اور موسیقی نگار بھی تھے-

دعوتی خدمات: بے شمار مخلوق خدا نے آپ کی رہنمائی میں اپنی عاقبت سنواری اور اپنی حاجات کی تکمیل کی- آپ نے اپنی دعوتی خدمات کی بنیاد پر سلسلہ قلندریہ کو از سر نو زندہ کیا، اپنے خلفا اور تربیت یافتہ مریدین کی شکل میں مخلوق خدا کو گمراہی سے نکال کر راہ مستقیم پر گامزن کرنے کا انتظام فرما دیا- ایک ایسے علمی وروحانی خانوادہ کی بنیاد ڈالی جس کا علمی وروحانی سفر اپنے پورے آب وتاب کے ساتھ مسلسل جاری ہے

علمی خدمات: آپ عام حالتوں میں مریدین وطالبین کو ان کی ذہنی صلاحیت اور استعداد کے

مطابق علوم شرعیہ کے علاوہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کا باقاعدہ درس دیتے۔ درس وتدریس دعوت واصلاح، تزکیہ وتصفیہ جیسے اہم امور کی ادائیگی کے ساتھ آپ نے اپنے مریدین ومتوسلین علما ومشائخ کی علمی اور اصلاحی راہ نمائی کے لئے اپنی گراں قدر تصانیف اور مکتوبات کا ذخیرہ چھوڑا ہے۔

تصانیف

(۱) ''رسالہ معمور داشتن اوقات'' یہ رسالہ مختلف اوقات کی عبادتوں کے بیان پر مشتمل ہے جس کو آپ نے اپنے ایک مرید کی خاطر تیار کیا تھا۔

(۲) نغمات الاسرار معروف بہ سانت رس

شاہ تراب علی قلندر (پ ۱۱۸۱ھ/۱۷۶۸ء/م ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء)

حضرت شاہ تراب علی قلندر بن شاہ محمد کاظم قلندر گوناگوں صفات کے حامل تھے، نہایت کم عمری میں کتب تصوف اور دیگر علوم وفنون کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوگیا۔ والد گرامی نے خوبیوں کو دیکھتے ہوئے ۱۵؍سال کی عمر ہی میں اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

شاہ تراب علی قلندر جید عالم، زبردست صوفی، بلند پایہ ادیب وسوانح نگار اور فارسی، اردو، ہندی زبانوں کے صاحب دیوان شاعر تھے۔

دعوتی خدمات

آپ نے اپنے والد کے انتقال کے بعد ۴۰ سال کی عمر میں خانقاہ کاظمیہ کی سجادگی کو رونق بخشی اور ۴۵؍سال تک مسند ارشاد پر جلوہ افروز رہ کر خلق خدا کی رشد وہدایت، تزکیہ وتصفیہ کی اہم ذمہ داری نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔

آپ کے مریدوں اور خلفا کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے، جن کے ذریعہ انسانی صلاح وفلاح کا کام بڑے پیمانے پر انجام پایا۔

علمی خدمات

آپ نے مختلف علوم وفنون، شعروشاعری، سلوک واحسان، سیر وسوانح پر مشتمل تیرہ تصانیف چھوڑیں۔ ذیل میں ان تمام کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) فتح الکنوز، فن تصوف واخلاق کی یہ کتاب ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں تالیف ہوئی اور ۱۹۱۰ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ (۲) '' مقالات الصوفیہ'' فن تصوف میں شاہ محمد کاظم قلندر کی مولفہ یہ کتاب ہے جس کو شاہ تراب علی قلندر نے مرتب کیا جو ۱۳۱۰ھ میں لکھنو سے شائع ہوئی۔

(۳) اصول المقصود، تذکرہ وسوانح کی یہ جامع کتاب ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء میں تیار ہوئی اور ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں آسی پریس لکھنؤ سے طبع ہوئی جو پانچ سو چھتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ (۴)

شرائط الوسائط، یہ کتاب ۱۸۷۶ھ/۱۲۹۳ء میں مطبع علوی لکھنوی سے شائع ہوئی جو ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس کا موضوع تصوف ہے۔

(۵) مجاہدات الاولیا، یہ کتاب بھی فن تصوف سے متعلق ہے۔ ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۲۶۸ھ میں تالیف کی گئی اور ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں حسن برقی پریس، لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

(۶) کشف التواری فی حال نظام الدین القاری، ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء میں شاہ تراب علی قلندر نے تالیف فرمائی اور ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں اصح المطابع لکھنو سے شائع ہوئی، اس کتاب میں مشہور قادری بزرگ داتا بھکاری کی حیات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

(۷) شجرات طیبات۔ سلسلہ عالیہ ثمانیہ مثلاً قادریہ، قلندریہ، چشتیہ، طیفوریہ، سہروردیہ، فردوسیہ، مداریہ، اور نقشبندیہ کے شجرات پر مشتمل چھ صفحات کا منظوم یہ رسالہ مطبع نظامی، کان پور سے ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۲ء میں شائع ہوا۔

(۸) مطالب رشیدی، یہ رسالہ ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں تالیف ہوا اور ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں مطبع نول کشور سے پہلی بار شائع ہوئی۔

(۹) اسناد المشیخت، یہ رسالہ خانقاہ کاظمیہ میں بخط مولف بشکل مخطوطہ موجود ہے۔ (۱۰) ''تعلیم الاسلام'' یہ بھی بخط مولف خانقاہ کاظمیہ میں موجود ہے۔ (۱۱) مکتوبات شاہ جی قلندر، حضرت مولانا شاہ تراب علی قلندر نے سلسلہ قلندریہ کے بزرگ مجا شاہ قلندر لاہر پوری کے مکتوبات کو ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں مدون کیا جو ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۲ء میں مطبع مجتبائی لکھنؤ سے شائع ہوا۔

(۱۲) کلیات فارسی، آپ کا یہ فارسی کلیات جو دیوان کے علاوہ مثنوی اصل المعارف، ترجیع بند اور مخمس کریما وغیرہ پر مشتمل ہے متعدد بار شائع ہو چکا ہے اور آج بھی دستیاب ہے۔

(۱۳) کلیات اردو، آپ کا یہ کلیات متعدد بار شائع ہو چکا ہے، تقریباً چھ ہزار سے زائد اشعار پر مشتمل ہے۔

(۱۴) کلیات ہندی۔ آپ کے ہندی کلاموں کا مجموعہ ہے جس کو خانوادۂ کاظمیہ کے نامور صوفی محقق شاہ مجتبی حیدر قلندر (متوفی ۲۰۱۰ء) نے ۱۳۲۲ھ/۱۹۵۷ء میں ''امرت رس'' کے نام سے شائع کرایا۔

مولانا شاہ تقی علی قلندر (پ ۱۷؍رجب المرجب ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء م ۱۷؍رجب المرجب ۱۲۹۰ھ)

مولانا شاہ تقی علی قلندر آپ تراب علی قلندر کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے

چچا شاہ حمایت علی قلندر سے حاصل کی، پھر اپنے بھائی شاہ حیدر علی قلندر اور دیگر علما و مشائخ سے علوم عقلیہ ونقلیہ میں کمال حاصل کیا- والد گرامی شاہ تراب علی قلندر نے اجازت وخلافت سے سرفراز کیا- آپ اہل یقین کے لیے رہبر ورہنما تھے، آپ کے روحانی فضل وکمال علمی تبحر اور تفقہ فی الدین میں مکمل دست گاہ کی گواہی معاصرین علما ومشائخ نے دی ہے-

علمی ودعوتی خدمات

آپ سلسلہ قادریہ میں ۴/شعبان ۱۲۲۶ھ کو اپنے والد شاہ تراب علی قلندر سے بیعت ہوئے- تعلیم سے فراغت کے بعد والد محترم کے حکم کے مطابق اپنے چچا مولانا حمایت علی قلندر کی مسند تدریس کو رونق بخشی اور پھر تقریباً ۶۴/سالوں تک رشد وہدایت اور تزکیہ وتصفیہ کے ساتھ تعلیم وتدریس کا یہ سلسلہ نہایت حسن وخوبی کے ساتھ جاری رہا- آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے علما پیدا ہوئے اور آپ کے تبحر علمی کو دیکھ کر مفتی عنایت احمد کاکوری اور ان جیسے معاصر اہل علم حضرات نے آپ کی تعریف رقم کی-

۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء میں آپ نے اپنے والد سے اجازت وخلافت پائی اور آپ نے بڑے پیمانے پر ارشاد وتلقین کا کام انجام دیا- عوام کے علاوہ مشائخ نے بھی آپ سے اکتساب فیض کیا- آپ کے خلفا میں شاہ علی اکبر قلندر اور حافظ علی انور قلندر جیسے نام ور اہل علم مشائخ بھی شامل ہیں- ساٹھ سال کے طویل عرصہ میں جہاں آپ کے شاگردوں میں متبحر علما پیدا ہوئے، وہیں دوسری طرف آپ نے اپنی مایہ ناز تصنیفات بھی چھوڑیں-

(۱) روض الازہر فی مآثر القلندر- یہ ضخیم فارسی تصنیف سیکڑوں کتابوں کے ماخذ ایک مبسوط مقدمہ، ۹ لطائف پر مشتمل ہے- یہ کتاب ۲۷ سطری بڑی تقطیع پر پھیلی ہوئی ہے-

حضرت شاہ علی اکبر قلندر (پ ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء م ۱۷/رجب المرجب ۱۳۱۴ھ)

آپ نے جملہ درسی وغیر درسی علوم اپنے چچا شاہ علی قلندر سے اور دادا تراب علی قلندر اور دیگر مشائخ سے حاصل کی- ۲۵/جمادی الاولی ۱۲۷۱/۱۸۵۵ء میں اپنے جد محترم شاہ تراب علی قلندر کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور والد وچچا محترم سے اجازت وخلافت حاصل کی- آخری عمر میں فالج کا اثر ہوگیا تھا- ۱۷/رجب المرجب ۱۳۱۴ کو کاکوری ہی میں انتقال ہوا اور اپنے والد شاہ حیدر علی قلندر کے پہلو میں مدفون ہوئے-

علمی ودعوتی خدمات

پینتیس سال کی عمر میں آپ نے خانقاہ کاظمیہ کی سجادگی سنبھالی اور رشد وہدایت کا وہ سلسلہ جو متقدمین مشائخ سے جاری تھا، اس میں کوئی کمی نہ آنے دی- ۱۹ نفوس قدسیہ کو آپ نے اجازت

وخلافت سے نوازا، ان میں سے اکثر کے ذریعہ سلسلہ کا فروغ ہوا-

مسند ارشاد کے فرائض کو انجام دیتے ہوئے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا- شاگردوں اور خلفا کی شکل میں جہاں عقل وروح کی زندگی کا سامان فراہم کیا وہیں اپنی مایہ ناز تصانیف کے ذریعہ آئندہ نسلوں کی علمی وروحانی سیرابی کا سامان بھی مہیا کر دیا- ذیل میں آپ کی تصنیفات کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے:

(۱) اصل الاصول فی بیان السلوک والوصول، یہ رسالہ سلوک وتصوف پر مشتمل ہے جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے- مطبع نظامی سے طبع ہو چکا ہے-

(۲) ہدیۃ المتکلمین، ۳۰ صفحات کا یہ جامع رسالہ میلاد النبی میں قیام کے اثبات پر مشتمل ہے ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۵ء میں لکھنؤ سے طبع ہو چکا ہے-

شاہ علی انور قلندر (پ ۱۱/ربیع الآخر ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء/ ۲۰/محرم ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء)

آپ شاہ علی اکبر قلندر کے نام ور صاحبزادہ اور خانوادہ کاظمیہ کے قابل فخر سجادہ ہونے کے ساتھ قصبہ کاکوری کے نہایت متبحر محقق عالم ومدرس ہوئے ہیں- آپ کا دس سالہ دور سجادگی بہت ساری خصوصیات کا حامل رہا ہے- آپ نے اپنی غیر معمولی علمی وروحانی کارناموں سے اسلاف کی یاد تازہ کر دی- مریدین ومسترشدین کی ظاہری وباطنی کامل تربیت فرمانے کے ساتھ اپنی گراں قدر علمی نگارشات چھوڑی، جو ارباب دل ودماغ کے لیے سرمۂ بصیرت ہیں- ذیل میں آپ کی تصانیف شمار کی جا رہی ہیں:

تصانیف:

(۱) تحریر الانور فی تفسیر القلندر- (۲) مکتوبات (جواہر المعارف) (۳) حوض الکوثر فی تکملہ روض الازہر (۴) فوائد الافکار شرح جواہر الاسرار (۵) قول المختار فی مسئلۃ الجبر والاختیار (۶) فاتح الابصار (۷) فیض التقی فی حل مشکلات ابن عربی (۸) القول الموجہ فی تحقیق من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (۹) الانتصاح عن ذکر اہل الصلاح (۱۰) الدر الیتیم فی ایمان آباء النبی الکریم (۱۱) الدرۃ البیضا فی تحقیق صداق فاطمۃ الزہرا (۱۲) کشف الدقائق عن امور الحقائق (۱۳) تصفیہ شرح التسویہ (۱۴) نخبۃ الصوارف شرح خطبۃ العوارف، (۱۵) تنویر الافق فی شرح تبیین الطرق (۱۶) نفخ الطیب فی ذکر مولد الحبیب (۱۷) احسن الافادۃ لارباب الارادۃ المعروف بہ رسالہ بیعت زوجہ بازوج (۱۸) حواشی میر زاہد ملا جلال (۱۹) رشحات انوری لمعات عراقی (۲۰) تسلیۃ الفواد عن ذکر خیر العباد (۲۶) شامۃ العنبر فی میلاد خیر البشر (۲۲) زاد الغریب فی منزل الحبیب (۲۳) تفسیر سورہ یوسف (۲۴) شہادۃ الکونین فی شہادۃ الحسنین معروف بہ شہادت نامہ کلاں (۲۵) الدر المنظم

فی مناقب غوث الاعظم (۲۶) الدرالملتقط فی شرح تحفۃ المرسلۃ (۲۷) گلدستہ پروین۔

شاہ علی انور قلندر کی مختلف علوم وفنون پر مشتمل مندرجہ بالا تصنیفات ایسی ہیں جن سے آج تک اہل علم وروح اور صاحبان حال وقال اپنی علمی وروحانی آسودگی حاصل کر رہے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت حافظ شاہ علی انور قلندر پر اللہ تعالیٰ کا ایسا خاص فضل واحسان ہوا کہ ان جیسا مرید ومسترشد عالم صوفی ان کے زمانہ بلکہ ان سے پہلے کے زمانوں میں ہی کم ہوا ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ ان کے بعد ان کے تینوں صاحبزادگان نے شریعت وطریقت کی خدمت کا خوب حق ادا کیا۔ (۱) شاہ حبیب حیدر قلندر (۲) شاہ تقی حیدر قلندر (۳) شاہ علی حیدر قلندر خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کی علمی، ادبی اور روحانی سرگرمیوں میں ان کے ادوار خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔

شاہ حبیب حیدر قلندر (پ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء، م ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء)

آپ نے تمام متداول علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کے ساتھ علوم طریقت ومعرفت اپنے والد گرامی سے حاصل کی، والد کے وصال کے بعد تقریباً ۳۰/سالوں تک خانقاہ کاظمیہ کی سجادگی کے فرائض انجام دیے، اس درمیان علم وفضل اور رشد وہدایت کی ایسی خدمات انجام دی کہ آپ اپنے معاصرین علما ومشائخ پر فائق ہوگئے۔ بے شمار لوگوں کی رہنمائی کا کام انجام دیا۔ تقریباً دس نفوس قدسیہ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

مسند تدریس کی خدمت اس قدر کی کہ آپ کے شاگردوں سے بکثرت علما وفضلا پیدا ہوئے مسند درس وتدریس، ارشاد وتلقین پر فائز رہتے ہوئے آپ نے مندرجہ ذیل نگارشات بھی چھوڑی:

تصانیف

(۱) شجرات المشائخ (۲) تنویر الہیاکل بذکر اسناد الاوراد والسلاسل (۳) الکلمۃ الباقیہ فی الاسانید والمسلسلات العالیہ (۴) مفاوضات (۵) فیوض مسعودیہ مقدمہ فصول مسعودیہ (۶) مکاتیب حسینیہ (۷) مواہب القلندر لمن یطالع روض الازہر فی مآثر القلندر (۸) الایضاح فی تتمہ الانتصاح عن ذکر اہل الاصلاح (۹) فتاوی مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (ترتیب) (۱۰) نسب نامہ حضرت سید العرفا مجا قلندر لاہرپوری (۱۱) انشائے حیدری (۱۲) ارمغان آزادیہ (۱۳) الشرف المبین فی معراج سید المرسلین (۱۴) تسکین الفواد بذکر عید المیلاد (۲۵) مجموعہ مکتوبات۔

مولانا شاہ تقی حیدر قلندر (پ ۲۶/ شوال المکرم ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء، م ۱۹/ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ/۲۸/اپریل ۱۹۴۰ء)

آپ نے ابتدا سے انتہا تک کی تعلیم والد محترم اور برادر اکرم مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے حاصل کی۔ ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ کو برادر اکرم کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ

(منسوب بہ امام موسیٰ رضا) میں مرید ہوئے اور پھر اجازت وخلافت بھی حاصل کی، اس سے قبل والد محترم نے بھی اجازت وخلافت دے دی تھی۔ آپ برادر اکرم کے فاتحہ سیوم کے روز ۲۰/ربیع الاول ۱۳۵۴ھ/۲۲/جون ۱۹۳۵ء کو جانشینی اختیار کیا۔ تقریباً ۲۵/سالوں تک خلق خدا کو فیض یاب فرمایا۔ بیعت بہت کم کرتے آپ نے صرف تین حضرات کو اجازت وخلافت سے نوازا۔

آپ نے اپنے علم وفضل اور تحقیق وتدقیق سے بکثرت طالبین وتشنگان علوم وفنون کو سیراب فرمایا۔ آپ کا علمی کارنامہ ہزاروں صفحات پر محیط ہے۔ خانقاہ کاظمیہ میں بکثرت مخطوطات آپ کے قلم کے مرہون منت ہیں۔ آپ نے اپنے وقیع علمی وادبی یادگاروں کے علاوہ تصوف وطریقت میں اپنے بعض ایسے تصانیف چھوڑے جن کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ ذیل میں آپ کی تصانیف کے اسما درج کیے جا رہے ہیں:

تصانیف

(۱) ترجمہ اردو الانسان الکامل فی معرفۃ الاواخر والاوائل۔ (۲) ترجمہ اردو الکھف والرقیم فی شرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۳) تنویر الظلمات فی تفسیر المقطعات (۴) انشائے نظامی (۵) ترجمہ مجاہدات الاولیا (۶) مناظر الشہود فی مراتب الوجود (۴) ہدیۃ الشرف فی ترجمۃ من عرف (۷) فاتح الابصار (۹) کشف الدقائق عن رموز الحقائق (۱۰) ترجمہ الدر الیتیم فی بیان ایمان آبا النبی الکریم (۱۱) زواہر الافکار شرح جواہر الاسرار (۱۲) شرح التسویۃ من الافادۃ والقبول۔ (۱۳) ترجمہ قول المختار فی مسئلۃ الجبر والاختیار (۱۴) ترجمہ تنویر الافق فی شرح تبیین الطرق (۱۵) ترجمہ نخبۃ الصوارف شرح خطبۃ العوارف (۱۶) مجموعہ ہفت رسائل قلندریہ (۱۷) جواہر المعارف (۱۸) تحفۃ نظامیہ (۱۹) ترجمہ واقعات رشیدی (۲۰) تعلیمات قلندریہ (۲۱) فیوض العارفین (۲۲) کشف الآثار فی رد کاشف الاسرار (۲۳) مکتوبات حضرت وارث الانبیا (۲۴) نفحات العنبریہ من انفاس القلندریہ (۲۶) اذکار الابرار

مولانا شاہ تقی حیدر قلندر کی یہ وہ علمی وادبی خدمات ہیں جن کے ذریعہ علمی دنیا میں خانقاہ کاظمیہ کو مزید اعتبار حاصل ہوا۔ لوگ بلا تفریق مذہب وملت آپ کے علمی وروحانی فیضان سے سیراب ہوئے اور مزید اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لیے اپنے دو قابل قدر صاحبزادگان (۱) مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر (۲) مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر کی شکل میں اپنے سچے علمی وروحانی جانشیں ویادگار چھوڑے۔ ان دونوں حضرات نے اپنے اسلاف کی نیک نامی اور خانوادہ کی عزت واعتبار کو کامل طور پر باقی رکھا۔

مولانا شاہ علی حیدر قلندر (پ یکم شعبان ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء، م ۱۷/ رمضان ۱۳۶۶ھ/۱۵/

اگست ۱۹۴۷ء)

آپ شاہ علی انور قلندر کے چھوٹے صاحبزادے تھے-ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، بقیہ تمام ظاہری و باطنی تعلیمات اپنے برادر مکرم شاہ حبیب حیدر قلندر سے لی - ۱۵/جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کو برادر مکرم کے دست مبارک پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے پھر سلاسل سبعہ کی اجازت وخلافت عطا کی گئی، آپ کو اپنے والد سے بھی اجازت وخلافت تھی- آپ ۲۹/ربیع الاول ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء کو برادر بزرگ مولانا شاہ تقی حیدر قلندر کے فاتحہ سیوم کے دن خانقاہ کاظمیہ کی سجادگی کو زینت بخشی اور سات سالوں تک بحیثیت سجادہ لوگوں کی علمی و روحانی آسودگی کا سامان فراہم کرتے رہے اور تین نفوس قدسیہ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا- آپ نے ارشاد وتلقین، رشد و ہدایت اور درس وتدریس کے ساتھ اپنے محبوب خاندانی مشغلہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا-

تصانیف

(۱) مصباح التعرف لارباب التصوف (۲) تفریح الاحباب (۳) ترجمہ الدر الملتقہ فی شرح تحفۃ المرسلہ (۴) مراۃ الاعلام فی آثر الکرام معروف بہ تذکرہ مشاہیر کاکوری (۵) الفکر الغریب بذکر الحبیب (٦) رسالہ درتشریح حروف ابجد (۷) احسن الانتخاب فی ذکر معیشۃ سیدنا ابی تراب (۸) نفائس المنن فی ذکر فضائل سیدنا ابی الحسن (۹) مناقب المرتضی من مواہب المصطفی (۱۰) المقصد الجلی فی مسند العلی-

شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر (پ ۲۰/محرم الحرام ۱۳۴۲ھ/۱۷/ستمبر ۱۹۲۴ء، م ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء)

آپ شاہ تقی حیدر قلندر کے بڑے صاحبزادہ ہیں- آپ کی تعلیم وتربیت مشائخ خانوادہ کے علاوہ مولانا محمد اسحٰق سنبھلی، مولانا عبدالحق پیلی بھیتی، مولانا ظفر الحسن جون پوری اور شیخ محمد صالح عربی نے کی اور علوم اسلامیہ کی سندوں سے بھی نوازا-

۲۱/رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ/۱۹۵٦ء کو اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت ہوئے پھر اجازت وخلافت سے نوازے گئے -۱۹/رمضان ۱۳٦٦ھ/۷/اگست ۱۹۴۷ء کو خانقاہ کاظمیہ کی سجادگی سنبھالی اور ۵٦/سالوں تک حسن وخوبی کے ساتھ علمی اور روحانی حیثیتوں سے خانوادہ کی خدمات انجام دیتے رہے- آپ کے مریدین ومتوسلین کی تعداد خانوادہ کے تقریباً تمام مشائخ سے زائد ہے- آپ کے معتقدین برصغیر ہندو پاک کے علاوہ مشرق وسطی اور مغربی ممالک میں بھی پھیلے ہوئے ہیں - آپ نے صرف تین حضرات کو سلسلہ کی اجازت وخلافت عطا کی اور دو کتابیں چھوڑی، (۱) مطالب رشیدی کا ترجمہ (۲) ہمارے نبی-

آپ کے معمولات، عادات واطوار اور فیض رسانی کے سلسلہ میں پروفیسر مسعود انور علوی

کاکوروی صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو آپ کے چہیتے مرید اور بھتیجے بھی ہیں تحریر کرتے ہیں:

ان کا دور سجادگی بہت سے پہلوؤں سے بڑا ممتاز واہم رہا ہے- ان کی ہمہ صفت شخصیت بکثرت لوگوں کے لیے مشعلِ راہ بنی رہی- معمولات خانقاہی، اوضاع خاندانی اور اپنے بزرگوں کی روش پر قائم رہنے اور سر مو انحراف نہ کرنے کی ایسی مثال کہیں نظر نہیں آتی، وہ اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے اور اپنے والد اور اپنے عم محترم شاہ حبیب حیدر قلندر کے خلیفہ و جانشین ہوئے اور اپنے اخلاف وآئندہ نسلوں کے لیے ایک لائحہ عمل چھوڑا- تمام عمر ''دل بیار و دست بکار'' پر عمل کیا اور اپنے مریدین و وابستگان کو اسی کی تعلیم دی- ان کی بردباری، تحمل و برداشت اور صبر وثبات کی مثال مفقود ہے- انہوں نے صحابہ کرام کے مبارک طریقہ پر عمل کر کے حصول معاش کی خاطر راتوں کی باغوں وکھیتوں میں مزدوروں کی طرح کام کیا اور دن کو مسند رشد وہدایت کو زینت بخشی- باوجود علالت اور گھنٹوں کی شدید تکلیف کے محافل سماع کی صدارت میں چار چار، پانچ پانچ گھنٹہ نشست قلندریہ میں (چوزانو) بیٹھنا اور جنبش تک نہ کرنا نہ صرف محیر العقل بلکہ ان کی غیر معمولی استقامت اور روحانیت کی دلیل ہے- انہوں نے اہل خاندان اور مریدین کی ذہنی اور ظاہری عصری تعلیم کی جانب بھی توجہ دی اور بہت سے نوجوانوں کی دنیاوی زندگی سنوارنے وسجانے میں بڑا اہم کردار ادا فرمایا- ان کے دامن فیض سے وابستہ اہل قلم کی ایک طویل فہرست ہے جن میں ڈاکٹر عبدالعلیم خاں، شمیم طارق، قیصر تمکین، سہیل کاکوروی، ڈاکٹر صفی احمد جیسے بے شمار نام ہیں-

(خانقاہ کاظمیہ کی علمی وادبی خدمات، ایک مختصر جائزہ- ص: ۴۱، ۴۲)

شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر (پ ۲۴/ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ/جولائی ۱۹۲٦ء/ م ۷/رمضان ۱۴۳۱ھ/ ۸/ اگست ۲۰۱۰ء)

چار برس کی عمر میں شاہ حبیب حیدر قلندر نے بسم اللہ خوانی کرائی- آپ حفظ قرآن کے بعد مزید اسلامی علوم وفنون کے حصول کی غرض سے مولانا اسحٰق سنبھلی، مولانا عبدالحق پیلی بھیتی، مولانا ظفر الحسن جون پوری، مفتی ابوذر سنبھلی اور شیخ محمد صالح عربی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا- اخلاق وتصوف کی تعلیم اپنے والد اور عم محترم سے حاصل کی- شیخ محمد صالح اور مفتی ابوذر نے آپ کو سند احادیث سے نوازا- آپ سلسلہ قادریہ رضویہ میں ۲۹/رمضان ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء کو شاہ تقی حیدر قلندر کے مرید ہوئے اور انہوں نے آپ کو سلاسل سبعہ کی اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا- مزید یہ نعمت آپ کو اپنے چچا شاہ حبیب حیدر قلندر سے بھی حاصل ہوئی-

دعوتی خدمات

آپ اپنے برادر اکبر شاہ مصطفیٰ حیدر سے از حد محبت اور ان کا احترام کرتے- شاہ مصطفیٰ

حیدر قلندر صاحب سجادہ تھے، ان کی موجودگی میں آپ کسی کو بیعت کرنا بے ادبی خیال فرماتے-برادرمحترم کے وصال کے بعد آپ نے زیادہ لوگوں کو بیعت کیا- آپ نے جن نفوس قدسیہ کواجازت وخلافت سے سرفراز فرمایاان کے اسماذیل میں درج ہیں:

(۱) شاہ تقی انور علوی قلندر(۲) شاہ شبیہ انور علوی قلندر (۳) شاہ شبیب انور علوی قلندر(۴) حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان محمدی صفوی زیب سجادہ خانقاہ عالیہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد(۵) شاہ منصور حسن سہروردی قلندر (۶) شاہ غلام غوث قلندر (۷) شاہ ظفر الیقین قلندر(۸) سیدضیاءالدین رحمانی نقش بندی(مقیم حال جدہ)-

علمی خدمات

آپ جہاں خود متبحر عالم اورعظیم صوفی قلندر تھے، وہیں آپ کی ذات عالم ساز اورصوفی گر بھی تھی-علم کا حریص ہونا اور وقت کی حفاظت کرنا کوئی آپ سے سیکھے- پروفیسر مسعودانور علوی تحریر کرتے ہیں:''صاحبزادگان کوفقہ وحدیث وتصوف کا درس کھیتوں کی مینڈوں اور باغات میں درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ کردیااور یہ باور کرایا کہ الکا سب حبیب اللّٰہ اپنے دست وبازو سے روزق حلال حاصل کرنے والا اللہ کا محبوب ہوتا ہے''(خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری کی علمی وادبی خدمات ایک مختصر جائزہ،ص:۴۳)

پروفیسر صاحب دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں:''خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کی علمی اورروحانی دنیامیں ۱۹۴۷ء سے آج تک اہمیت ووقعت ثابت کرنے میں آپ ہی کا حصہ ہے-اکابر ملت اور مشائخ وقت کے علمی وادبی اور تحقیقی تمام خطوط کے تسلی بخشی اور شافی جوابات سب آپ ہی کے مرہون منت ہیں''(ریاض ہدایت،ص:۳۲۵)

خانقاہ کاظمیہ کی تمام خدمات کونہایت حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرتے ہوئے آپ نے کتابوں کی شکل میں علم وادب کی جوخدمات انجام دی ان کا سرسری جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

تصانیف

(۱)''سانت رس'' شاہ محمد کاظم قلندر کے ہندی کلاموں کا مجموعہ جس کو آپ نے عارفانہ شرح اورصوفیانہ مقدمہ سے مزین فرمایا- یہ کتاب بڑی تقطیع کے بائیس سطری تین سو بیالیس صفحات پر۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء میں نامی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی-

(۲)''امرت رس'' شاہ تراب علی قلندر کے ہندی کلاموں کا مجموعہ جس کو مفید حواشی اور جامع مقدمہ سے آراستہ فرمایا یہ مجموعہ متوسط تقطیع کے ایک سونوصفحات پر۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء میں نامی پریس لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے-

(۳)''آثارات تکیہ شریف'' متوسط تقطیع کے چالیس صفحات کی یہ کتاب ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی یہ کتاب خانقاہ کاظمیہ کی عمارتوں اور دیگر چیزوں کی تاریخ وتفصیل پر مشتمل ہے-

(۴)''النیرین'' یہ کتاب شاہ تقی حیدر قلندر اور شاہ علی حیدر قلندر دونوں بزرگوں کے حالات وکمالات پر مشتمل ہے-(۶)''ترجمہ شرائط الوسائط'' سلوک وتصوف کے عنوان پر شاہ تراب علی قلندر کی فارسی تصنیف کا عام فہم اردو ترجمہ ہے-

ان علمی کارناموں کے علاوہ آپ کی شاعری اورمکتوبات کا اہم ذخیرہ بھی وارثین کے پاس موجود ہے، امید کہ جلد ہی ان موضوعات پر بھی کام ہوگا- آپ اردو، فارسی، ہندی کے اچھے شاعر بھی تھے-مگر خانوادہ کے کسی بزرگ کی جانب سے ناگواری کے اظہار فرمانے کی وجہ سے۱۹۴۳ء میں ہی شاعری چھوڑ دی-

مشائخ خانقاہ کاظمیہ کا اعتقادی،فقہی اورصوفی مسلک

خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کے مشائخ نے مختلف علوم وفنون پر سیکڑوں کتابیں چھوڑیں ہیں- ان میں سیرت رسول اللہ ﷺ سے متعلق تقریباً سات سیرت صحابہ سے متعلق آٹھ اور تحقیق ومناظرہ کے موضوع پر تین اور تاریخ وتذکرہ وسیرت وسوانح مشائخ سے متعلق بیس، ادب وانشا شعروسخن سے متعلق اکیس، مجموعہ اسانید واجازت نامے اورمکتوبات ودرسیات اورمتفرقات سے متعلق تقریباً دس، تفسیر سے متعلق تین جب کہ سلوک وتصوف سے تعلق رکھنے والی تصنیفات کی تعداد ۵۰ر سے زائد ہیں- راقم نے ان میں سے اکثر کتابوں کا سرسری جائزہ لیا، موجودہ مشائخ سے ملاقات بھی کی اور اب تک خانقاہ کاظمیہ کا دوبار سفر بھی کیا ہے- ان تمام تجربات سے راقم جس نتیجہ پر پہنچتا ہے اسے ذیل میں تحریر کرنے کی کوشش کررہا ہے-

اعتقادی مسلک

سیر وسوانح اور تحقیق ومناظرہ سے متعلق مشائخ خانقاہ کاظمیہ کی نگارشات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عقائد وہی ہیں جو قدیم زمانہ سے ہندوستان کی تاریخی خانقاہوں کے مشائخ ،مثلاً مجدد الف ثانی، علامہ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ علم اللہ رائے بریلوی، میر عبدالواحد بلگرامی صفوی، شاہ برکت اللہ مارہروی، علامہ فضل رسول بدایونی، علامہ فضل حق خیرآبادی، اوراعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی وغیرہم کے تھے- جواعتقادی مسلک ومشرب ان مذکورہ علماومشائخ کا تھا وہی مسلک خانوادہ کاظمیہ کے علماومشائخ کا چلا آرہا ہے-

یہ تمام علماومشائخ اعتقاداً ماتریدی اورسواداعظم اہل سنت وجماعت کے ماننے والے تھے اورآج بھی ان میں سے اکثر کے ماننے والے اسی مسلک ومشرب کے پیروکار ہیں-

فقہی مسلک

ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت فقہی طور پر حنفی ہے، تقریباً ۹۹ رفی صد خانقاہیں بھی اسی حنفی مسلک کی پیروی کرتی ہیں- خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری کا بھی فقہی مسلک حنفی ہی ہے، یہاں کے تمام مشائخ نے امام اعظم حضرت نعمان بن ثابت قدس سرہ کے مسلک کی پیروی بھی کی ہے اوراس کی اشاعت بھی- آج کے موجودہ علما ومشائخ بھی اسی پر کاربند ہیں-

صوفی مسلک

خانوادہ کاظمیہ کے مشائخ کا صوفی مسلک قلندریت ہے- اس خانوادہ میں مختلف سلاسل کی اجازت وخلافت چلی آرہی ہے، مگر قلندریت اس خانوادہ کا آج بھی امتیاز ہے- اس ضمن میں قلندر اور قلندریت کی تھوڑی تفصیل مناسب ہے-

قلندر کی تعریف کرتے ہوئے سید اشرف جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں:

''قلندر آں بود کہ مجرد از علائق وعوائق روزگار باشد وتجرید ظاہر وباطن حاصل گردد ہیچ دقیقہ از دقائق شریعت ونکتۂ از حقائق طریقت فرونہ گذاشتہ وغواص بحر شہود ومستغرق دریائے وجود باشد''

''قلندر وہ ہے جو علائق وعوائق زمانہ سے مجرد ہو اور تجرید ظاہری وباطنی حاصل کر چکا ہو اور دقائق شریعت اور حقائق طریقت میں اس سے کوئی فروگذاشت نہ ہو، اور وہ بحر شہود کا غواص اور دریائے وجود میں مستغرق ہو'' (تحریر الانوار فی تفسیر القلندر رص:۵ بحوالہ خانوادہ کاظمیہ کی ادبی خدمات، ص:۴۰-۴۱)

اور سلسلہ قلندریہ کے بزرگ شیخ شاہ مجتبیٰ عرف مجا قلندر کے مطابق ''قلندر وہ ہے جو حالات ومقامات وکرامات سے گزر چکا ہو، چونکہ شیخ عبدالعزیز مکی اس درجہ پر فائز تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو قلندر کے خطاب سے سرفراز فرمایا (تحریر الانوار فی تفسیر القلندر رص:۵ بحوالہ خانقاہ کاظمیہ کی ادبی خدمات، ص:۵۰ فارسی کا ترجمہ) شیخ عبدالعزیز مکی سلسلہ قلندریہ کے سرخیل اور سردار تسلیم کیے جاتے ہیں-

ایک اور بزرگ تحریر کرتے ہیں- ''قلندر وہ ہے جو اپنی امیدیں اور آرزوئیں چھوڑ کر صاف ہو گیا ہو اور جو روحانی ترقی کرکے قیود وتکلفات رسمی چھوڑ کر فوائد کونین سے قطع نظر کرکے سب سے منقطع ہو کر اسی کا ہو رہا ہو، (اذکار الابرار، ص۵، بحوالہ خانقاہ کاظمیہ کی ادبی خدمات، ص:۵۱)

صوفی جب مقصد تک پہنچ جاتا ہے تو اس کو قلندر حق کہا جاتا ہے، قلندر دانا کا دین سب سے مستحکم اور مضبوط ہوتا ہے- قلندر کی دنیا تفریط اور اس کا دین عشق الٰہی اور قرب خاص ہے وہ دنیا میں رہ کر مولیٰ کی طرف مائل- دست بکار اور دل بیار کا حقیقی مظہر ہوتا ہے-

قلندر پرتو نور الٰہی است — قلندر مطلع انوار شاہی است
قلندر را مقام کبریای است — قلندر دُر بحر آشنائی است
قلندر ذرۂ صحرائے عشق است — قلندر قطرۂ دریائے عشق است

خانقاہ کاظمیہ میں آج بھی جو حضرات اپنے مشائخ کے حقیقی وارث ہیں ان کے افعال و اقوال عادات واطوار سے قلندریت کا ظہور ہوتا ہے-

خانوادہ کاظمیہ کی موجودہ سرگرمیاں

خانوادہ کاظمیہ کے موجودہ علما ومشائخ اپنے اسلاف سے شدید محبت کرتے ہوئے ان کے علمی ودعوتی مشن کو مسلسل فروغ دے رہے ہیں- موجودہ علما ومشائخ اور دانش وروں میں شاہ تقی انور قلندر، شاہ عین الحیدر علوی اور پروفیسر مسعود انور علوی وغیرہم آتے ہیں-

شاہ تقی انور قلندر (پ ۱۹۵۰ء)

آپ کی ذات قلندر باہمہ صفات ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ملفوظات جو معتقدات اہل سنت وجماعت کی توثیق وتائید کرتے ہیں اس مجموعہ ''القول الجلی فی ذکر آثار الولی'' کا وہ نایاب قلمی نسخہ جو خانقاہ کاظمیہ کی لائبریری میں موجود تھا، آپ نے اس کا شاندار اردو ترجمہ کیا اور عمدہ طباعت کے ساتھ پیش کیا- آپ کا یہ کام اہل علم وفضل پر ایک بڑا احسان ہے- (۱۲)

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تصانیف وتراجم آپ کے علم وفضل کے گواہ ہیں-

تصانیف: (۱) تذکرہ گلشن کرم، اکیس سطری چار سو صفحات پر مشتمل یہ تذکرہ ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۴ء میں نامی پریس لکھنو سے شائع ہو کر مقبول عوام وخواص ہو چکا ہے- (۲) تذکرہ خواجہ عبید اللہ احرار نقش بندی (۳) ترجمہ تنویر الظلمات فی تفسیر المقطعات، (۴) حضرت جامی حیات اور کارنامے، (۵) ترجمہ بحر المعانی (۶) شرح رسالہ معمہ وغیرہ-

آپ اردو وفارسی میں بڑی پر مغز شاعری بھی کرتے ہیں، آپ کے دو صاحبزادے ہیں: (۱) شبیہ انور علوی (۲) شبیب انور علوی دونوں ذی علم اور متواضع باادب ہونے کے ساتھ صاحب تصانیف بھی ہیں-

شاہ عین الحیدر علوی (پ ۱۹۴۹ء)

آپ شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر کے صاحبزادہ اور موجودہ متولی خانقاہ ہیں- آپ بھی صاحب تصانیف ہیں- ذیل میں آپ کی نگارشات کا ذکر کیا جارہا ہے:

تصانیف: (۱) الخطب الضیائیہ (۲) مولود کعبہ (۳) جواہر البہی فی مرویات سیدنا علی (۴) ترجمہ مناقب مرتضوی (۵) ترجمہ سر الشہادتین وغیرہ، ابھی بھی تصنیف وتالیف اور ترجمہ کا کام

جاری ہے-

پروفیسر مسعود انور علوی: (پ ۱۹۶۱ء)

آپ ایک تاریخی، علمی وروحانی خانوادہ وخانقاہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری کے نمایاں فرد ہونے کے ساتھ ہندوستان کی عظیم دانش گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شعبۂ عربی کے موجودہ صدر بھی ہیں- آپ حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر کے فرزند ہیں- ۱۷رستمبر ۱۹۶۱ء کو کاکوری کے قدیم روحانی گھرانہ میں پیدا ہوئے- ابتدائی تعلیم خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی پھر درجہ پنجم سے لے کر ایم ،اے، پی، ایچ، ڈی تک کی تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے لی- ۱۹۸۶ء میں آپ کو پی، ایچ، ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی- ۵؍مارچ ۱۹۸۹ء میں نکاح کی رسم ادا کی گئی- مارچ ۱۹۸۶ء میں آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں لکچرار اور اپنی متعدد تصنیفات اور علمی کارناموں کی وجہ سے صرف ۳۶؍سال کی عمر میں پروفیسر ہو گئے-

تصنیف وتالیف کا ذوق ورثہ میں پایا ہے- مختلف علوم وفنون پر درجنوں کتابیں اور ملک وبیرون ملک کے سیکڑوں سیمناروں اور کانفرنسوں میں اپنے گراں قدر مقالات پیش کر کے مشاہیر علم وادب سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں-

پچاس سے زائد علمی، ادبی، مذہبی اور تحقیقی مقالات ملک وبیرون ملک کے موقر ومشہور رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں- مزید لکھنے پڑھنے کا سلسلہ آج بھی بڑی تیزی سے جاری ہے، اب تک آپ کی تین کتابیں اترپردیش اردو اکادمی سے انعام حاصل کر چکی ہیں- موصوف نہایت منکسر المزاج اور خورد نواز شخصیت کے مالک ہیں- صوفیہ کرام سے بے حد محبت کرتے ہیں، خانوادۂ کاظمیہ قلندریہ کے سچے وارث ہیں اور تصوف واخلاق کی تعلیمات پر مکمل طور پر کاربند ہوتے ہوئے اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے اپنے اسلاف کا نام روشن کر رہے ہیں- ذیل میں آپ کی تصانیف و تراجم کا ذکر کیا جا رہا ہے:

تصانیف

(۱) مقالات انور (۲) ابونواس اور متنبّی (۳) انتخاب کلام خسرو کاکوروی (۴) رشحات قیصری (۵) کواکب (۶) عربی ادب میں اودھ کا حصہ (۷) ترجمہ زاد المتقین (۸) تفصیل مزارات صاحبان خانقاہ کاظمیہ (۹) محرم راز (۱۰) اپنا اپنا طرز دید (۱۱) جلوۂ بینش (۱۲) لیلائے قیس (۱۳) بہار ادب (۱۴) ریاض ہدایت (۱۵) تصوف، حقیقت اور وقت کی ضرورت (۱۶) جذب وفکر (۱۷) تذکرہ حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی (۱۸) ذکر تقی وغیرہ- آپ کے علمی وادبی کاموں کا سلسلہ جاری ہے-

خانقاہ کاظمیہ کاکوری شریف کی دینی اور علمی تاریخ ہے جس کو مختصر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، اس خانقاہ سے دینی وعلمی خدمات کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے اور امید ہے کہ آئندہ نسلیں بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس سلسلے کو جاری رکھیں گی اور دین وعلم کی بڑی خدمت انجام دے گی- خانوادہ کاظمیہ کے موجودہ وارثین اپنے اسلاف کے طریقوں پر کاربند رہتے ہوئے تصنیف وتذکرہ اور دعوت واصلاح کا کام انجام دے رہے ہیں-

تعلیقات

(۱) آپ کی ولادت ۸۹۰ھ میں ہوئی - آپ مولانا ضیاء الدین محدث مدنی کے شاگرد اور حضرت سید ابراہیم ایرجی کے خلیفہ تھے- اکبر بادشاہ آپ سے ملاقات کرنے آتا تھا اکبر کا داماد یعقوب سلطان آپ کا مرید تھا- آپ کے حکم سے اکبر حضرت سلیم چشتی کے پاس اولاد کے لیے دعا کی غرض سے حاضر ہوا تھا، آپ صاحب تصانیف بزرگ تھے- اصول حدیث، تصوف پر آپ کی کتابیں موجود ہیں، آپ کی اولاد میں چھ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں ملا عبدالکریم آپ بھی آپ کے صاحبزادہ تھے- ۸؍ذی قعدہ ۹۸۱ھ؍ کو آپ کا وصال ہوا مزار کاکوری میں ہے- (۱) والدہ کی طرف سے آپ عباسی ہیں-

(۲) شاہ باسط علی قلندر صاحب تصانیف بزرگ تھے، آپ کا مزار الٰہ آباد میں ہے- آپ کے خلفا میں شاہ محمد کاظم کے علاوہ عبدالقادر جون پوری، فضل علی، شاہ حفیظ اللہ امیٹھوی وغیرہم تھے- تفصیل کے لیے فصول مسعودیہ، اور مناقب الاصفیا کا مطالعہ مفید ہے-

(۳) ان کے علاوہ شاہ ابوسعید رائے بریلوی، اور شاہ لعل رائے بریلوی ان دونوں بزرگوں نے بھی شاہ محمد کاظم قلندر کو سلسلہ عالیہ نقش بندیہ کی اجازت وخلافت عطا کی تھی-

(۴) سلسلہ قلندریہ کے سرخیل شیخ عبدالعزیز مکی ہیں- آپ سے جاری سلسلہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) قلندریہ مکیہ اس کو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا- (۲) قلندریہ علویہ اس کو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا- ہندوستان میں قلندریہ کی اشاعت سید نجم الدین قلندر کے ذریعہ ہوئی- مورخین کے مطابق طریقۂ قلندریہ شیخ قطب الدین بینا دل کا ہے جس کو انہوں نے شیخ معمر خضر رومی سے اور انہوں نے عبدالعزیز مکی سے اخذ کیا جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے- یہ سلسلہ جون پور میں نشو ونما پائی پھر بہار اور دوسرے شہروں میں پہنچا- شیخ مجتبیٰ بن مصطفیٰ عباسی لاہر پوری نے اس کو از سر نو زندہ کیا پھر الٰہ آباد ہوتے ہوئے یہ سلسلہ کاکوری میں شاہ محمد کاظم قلندر تک پہنچا جہاں سے آج بھی فیض جاری ہے-

(۵) آپ کی عمر دو سو سال کی تھی- آپ کے جد سید مبارک غزنوی، شیخ شہاب الدین سہروردی

کے خلیفہ تھے، سید نجم الدین غوث الدھر کی ابتدائی تعلیم وتربیت شیخ شہاب الدین نے کی- پھر حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا نے مرید کیا اور مزید تعلیم وتربیت کر کے حضرت خضر رومی کے پاس بھیج دیا جہاں آپ کا بھر پور حصہ تھا- غوث الدھر کی ملاقات ان مشائخ کے علاوہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر سے بھی ہے- سید اشرف جہانگیر، شیخ کبیر لاہر پوری اور سید عبدالرزاق نورالعین جیسے مشائخ آپ سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لاتے تھے- آپ کے خلفا میں شاہ قطب الدین بینادل کے علاوہ شاہ حسین سرہر پوری، صاحب رسالہ غوثیہ اور شیخ اڈھن بہاء الدین جونپوری بھی ہوئے ہیں- آپ کا مزار مانڈا مالوا میں سلطان غوری کے محل کے پاس ہے- آپ کو سلسلہ قادریہ کی اجازت وخلافت اپنے والد سید نظام الدین غزنوی بن نورالدین مبارک غزنوی سے تھی-

(۶) حضرت خضر رومی روم کے رہنے والے اور شاہ عبدالعزیز مکی قلندر کے خلیفہ تھے- سلسلہ چشتیہ میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ ہوئے- قطب صاحب آپ سے عمر میں چھوٹے تھے- چشتی اذکار دیکھنے کے بعد آپ نے ہی فرمایا ''چشتیاں خدارا مفت یابند'' چشتی خدا کو مفت پالیتے ہیں- حضرت خضر رومی چرم پوش تھے، قلندریہ کشکول اپنے پاس رکھتے کوئی کچھ عطا کرتا تو اس کو اسی کشکول میں ڈال دیتے اور اگر کوئی سائل کچھ سوال کرتا تو اسی کشکول سے نکال کر عطا کرتے، آپ کی عمر تقریباً تین سو سال تھی- نجم الدین غوث الدھر اور شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی دونوں آپ کے خلیفہ تھے-

(۷) سید محمد علم اللہ رائے بریلوی حسنی حسینی آپ ملا جیون کے ہم عصر اور زمانہ قریب کے عربی زبان وادب کے عالمی اسلامی ادیب ابوالحسن ندوی کے جد اعلیٰ ہیں - افسوس کہ آپ کے وارثین واخلاف بعد میں آپ کے معتقدات سے الگ ہوگئے- بلکہ یہ وہ اخلاف ہیں جو اپنے اسلاف کی تحریروں میں تحریف کرنے کو اپنی سعادت مندی خیال کرتے ہیں ان کے معتقدات کو رد بھی کرتے ہیں اور ان کو اپنا راہنما بھی تسلیم کرتے ہیں- جیسا کہ خانقاہ قلندریہ کے موجودہ علما ومشائخ (شاہ تقی انور قلندر، پروفیسر مسعود انور علوی) سے معلوم ہوا کہ شاہ علم اللہ رائے بریلوی کے ملفوظات کا خطی مجموعہ خانقاہ کی لائبریری میں موجود ہے، مولانا ابوالحسن ندوی نے اس کا بارہا مطالبہ بھی کیا- مگر شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر نے عاریتاً بھی دینے سے انکار کرتے ہوئے لائبریری ہی میں بیٹھ کر اخذ ومطالعہ کی اجازت عطا فرمائی- بات آگئی ہے تو سنتے چلیں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ملفوظات کا مجموعہ ''القول الجلی فی ذکر آثار الولی'' کا قلمی نسخہ بھی خانقاہ کاظمیہ کی لائبریری میں محفوظ ہے جس کا اردو ترجمہ شاہ تقی انور قلندر شکیل میاں برادر اکبر پروفیسر مسعود انور علوی نے کیا جو شائع بھی ہو چکا ہے- ان دونوں کرم فرماؤں نے راقم سے بیان فرمایا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ڈاکٹر خلیق احمد نظامی اور ان کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے اپنی

پوری قوت اس لیے صرف کردی کہ مذکورہ دونوں مجموعے ان کے ہاتھ آجائیں، جب اس میں ناکام رہے تو اس بات کی کوشش کی کہ ''القول الجلی'' کسی بھی صورت میں منظر عام پر نہ آئے- مگر اللہ بہتر بدلہ عطا کرے شاہ تقی انور قلندر اور شاہ ابوالحسن زید فاروقی ازہری اور ان دونوں کے معاونین کو کہ ''القول الجلی'' کا متن اور ترجمہ دونوں منظر عام پر آگیا- مترجم صاحب اور ان کے والد سے ڈاکٹر خلیق احمد نظامی کا جو تحریری مکالمہ ہوا اس کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں ہے- القول الجلی کے مقدمہ میں مترجم نے ڈاکٹر خلیق احمد نظامی پر جو شریفانہ اور مہذب تبصرہ کیا ہے- اور جس قدر ڈاکٹر صاحب کی علمی امانت داری کا پول کھولا ہے وہ لائق مطالعہ ہے- امید ہے کہ شاہ علم اللہ رائے بریلوی کے ملفوظات کے قدیم ومحفوظ مخطوطہ پر جلد ہی کام ہوگا- یہ وہ علمی واعتقادی خزانے ہیں جن کے منظر عام پر آنے کے بعد خواص سے لے کر عوام تک اور اپنوں سے لے کر غیروں تک کے لیے یہ فیصلہ آسان ہوجاتا ہے کہ کون حضرات اپنے اسلاف سے منحرف ہو چکے ہیں- اور کون سواد اعظم کہے جانے کے حق دار ہیں اور آج کی کون سی جماعت سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی نمائندہ جماعت ہے- اور اسلاف کے عقائد ومسلمات، معمولات ورسومات پر کون سی جماعت زیادہ کار بند ہے-

(۸) طیفور شامی یعنی بایزید بسطامی سے سلسلہ طیفوریہ کی شروعات ہوئی ہے- آپ عظیم صوفی اور امام جعفر صادق کے خلیفہ تھے- اس سلسلہ کی اجازت وخلافت حضرت خضر رومی کو حضرت میر جمال مجرد ساوجی سے ملی جو حضرت بایزید بسطامی کے اجازت یافتہ تھے-

(۹) شیخ حسین بن معز بلخی آپ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے مرید اور اپنے چچا شیخ مظفر کے خلیہ تھے- آپ نے عوارف المعارف نصف شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے اور نصف آخر کا درس شاہ بدیع الدین مدار سے لیا- شیخ شرف الدین نے آپ کو ''توشہ توحید'' کے لقب سے اور شاہ مدار نے ''سمندر توحید'' سے ملقب فرمایا- آپ کی عمر ایک سو پندرہ سال ہوئی-

(۱۰) سلسلہ فردوسیہ شیخ ضیاء الدین ابو نجیب فردوسی سے منسوب ہے آپ کا مزار دمشق میں حلب کے نزدیک ہے- یہ سلسلہ چند واسطوں سے سید الطائفہ جنید بغدادی تک پہنچتا ہے- ہندوستان میں یہ سلسلہ شیخ رکن الدین فردوسی کے ذریعہ پھیلا، آپ شیخ بدرالدین سمرقندری، کے مرید وخلیفہ تھے- سلطان معزالدین کیقباد نے کیلوکہری میں شہر آباد کیا- اس وقت آپ دہلی میں تھے- سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا بھی اس وقت دہلی میں موجود تھے-

(۱۱) سلسلہ مداریہ کے سرخیل بدیع الدین شاہ مدار کی تاریخ ولادت ووفات کے تعلق سے مختلف روایتیں موجود ہیں- اس کے باوجود یہ تسلیم ہے کہ شاہ مدار کی عمر لمبی تھی، مخدوم جہانگیر سمنانی اور حاجی الحرمین شیخ قوام الدین سے آپ کی ملاقات ثابت ہے- راجح قول کے مطابق آپ اویسی

نسبت کے حامل تھے- آپ کے بعد بیعت وارشاد کا سلسلہ اگر چہ منقطع ہے مگر علما فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو دوسرے سلاسل کی اجازت وخلافت ہو اور ساتھ میں تبرکا سلسلہ مداریہ کی بھی اجازت وخلافت رکھتا ہو تو کوئی حرج نہیں- البتہ سلسلہ مداریہ ہی کو اصل بنانا اور اس میں بیعت وخلافت جاری رکھنا درست نہیں ہے- اس سلسلے میں سبع سنابل اور فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ مفید ہے:

(۱۲) ''القول الجلی فی ذکر آثار الولی'' حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نادر اور مستند جامع، وقیع ملفوظات کا نہایت سلیس اردو ترجمہ اور اصطلاحات تصوف کی عالمانہ تشریح وتوضیح آپ ہی کا حصہ تھا- آٹھ سو سے زائد ملفوظات کا مجموعہ شاہ تقی انور قلندر کے ترجمہ وفاضلانہ مقدمہ سے مزین اور متعدد بار شائع ہو کر علمی، ادبی اور مذہبی حلقوں سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے- مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی جن کی کوشش سے ''القول الجلی'' کا متن شائع ہوا، انہوں نے آپ کے ترجمہ کے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ اس کتاب کے ترجمہ اور اس کی شرح کے بعد اگر آپ اب کوئی دوسری تصنیف نہ بھی فرمائیں تو آئندہ آنے والی نسلوں پر آپ کا یہ احسان اور صدقہ جاریہ علمیہ باقی رہے گا-''

(خانقاہ کاظمیہ کی علمی وادبی خدمات: ایک مختصر جائزہ- ص:۵۲)

کتابیات

(۱) خانوادہ کاظمیہ کی ادبی خدمات، ڈاکٹر عمر کمال الدین، عادل پبلیکیشنز، نئی دہلی ۱۹۹۶ء

(۲) روض الازھر فی مآثر القلندر، شاہ تقی علی قلندر وشاہ علی انور قلندر وشاہ حبیب حیدر قلندر، مطبع سرکاری ریاست رامپور، اصح المطابع واقع لکھنو

(۳) القول الجلی (مقدمہ) مولف: شاہ محمد عاشق پھلتی، مترجم شاہ تقی انور قلندر، کامرشیل پرنٹرس، کھدوا لکھنو ۱۹۹۰ء

(۴) الانتصاح عن ذکر اہل الصلاح، شاہ محمد علی انور قلندر وشاہ حبیب حیدر قلندر، مترجم شاہ عین الحید رعلوی، خانقاہ کاظمیہ کاکوری شریف، ضلع لکھنو

(۵) تذکرہ گلشن کرم، حافظ تقی انور علوی، نامی پریس لکھنو ۱۹۸۵ء

(۶) ذکر تقی، مولف وناشر پروفیسر مسعود انور علوی، ۲۰۰۹

(۷) کواکب: مولف پروفیسر مسعود انور علوی، نشاط آفسٹ پریس، ٹانڈہ فیض آباد ۱۹۹۹ء بار دوم

(۸) تذکرہ مشاہیر کاکوری، حافظ محمد علی حیدر علوی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۹ء بار دوم

(۹) دیوان تراب (مقدمہ)، مرتب: حافظ تقی انور علوی، مقدمہ نگار: پروفیسر مسود انور علوی

نامی پریس لکھنو ۱۹۹۳ء بار اول

(۱۰) زاد المتقین (مقدمہ)، مصنف: شیخ عبد الحق محدث دہلوی، مترجم وناشر: پروفیسر مسعود انور علوی ۲۰۰۹/۱۴۳۰ھ

(۱۱) بحر المعانی (مقدمہ)، مصنف: شیخ محمد ابو جعفر مکی، شارح ومترجم وناشر: شاہ تقی انور قلندر علوی ۲۰۱۰ء/۱۴۳۱ھ

(۱۲) فتح الکنوز، شاہ محمد کاظم قلندر وشاہ تراب علی قلندر مترجم: شبیہ انور علوی، ناشر خانقاہ کاظمیہ کاکوری، ۱۹۹۸ء/ بار اول

(۱۳) اصطلاحات تصوف، شبیب انور علوی، خانقاہ کاظمیہ کاکوری ۲۰۰۷ء/۱۴۲۸ھ

(۱۴) مناقب المرتضی من مواہب المصطفی، شاہ علی حیدر قلندر کاکوری، ناشر کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری ۲۰۰۱ء/۱۴۲۲ھ بار اول

(۱۶) مقالات صوفیہ، شاہ محمد کاظم قلندر وشاہ تراب علی قلندر، مترجم شبیب انور علوی، ناشر: کتب خانہ انوریہ، خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری ۲۰۰۳ء/۱۴۲۳ھ بار اول

(۱۷) احسن الانتخاب فی ذکر معیشۃ سیدنا ابی تراب (مقدمہ) شاہ علی حیدر قلندر، مقدمہ نگار: پروفیسر مسعود انور علوی، ناشر: کتب خانہ انوریہ، خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ بار سوم

(۱۸) خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کی علمی اور ادبی خدمات ایک مختصر جائزہ، مولف: پروفیسر مسعود انور علوی، ناشر: کتب خانہ انوریہ، خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری ۲۰۰۶ء بار اول

(۱۹) عربی ادب میں اودھ کا حصہ، مولف وناشر: ڈاکٹر مسعود انور علوی ۱۹۹۰ء

(۲۰) ریاض ہدایت، مولف وناشر: پروفیسر مسعود انور علوی ۲۰۱۰ء/۱۴۳۱ھ

OOO

صوفی ادب

پروفیسر مسعود انور علوی

امیر خسرو- روحانیت اور تصوف کے علم بردار

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے مشائخ اور ان کے حاشیہ نشینوں نے تصوف کے عملی پہلوؤں پر خصوصی توجہ دی اور اس کی افادیت واہمیت اور معنویت کی بنا پر اسے ایک عوامی شکل دی کیوں کہ ان کے دستور عمل میں سوز وگداز، عشق الٰہی، اپنے شیخ اور مرشد کے تئیں غیر معمولی عقیدت ومحبت، اس کی اہمیت، انسان دوستی، مخلوق خدا کی خدمت، دل داری ودل دہی اور دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ شفقت ومحبت، رواداری اور ارباب حکومت اور صاحبان اقتدار سے دوری وغیرہ کے عناصر غالب رہے- اسی لیے مشائخ چشت کی فرماں روائی اور سلطانی کا دائرہ عوام وخواص کے قلوب اور ذہنوں پر محیط رہا-

یوں تو تمام مشائخ چشت کی مقبولیت ومحبوبیت ہر دور میں اپنی اپنی جگہ مسلم رہی مگر اللہ تعالیٰ نے جو مرجعیت ومحبوبیت حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدس سرہ السامی کو ارزانی فرمائی وہ دوسرے مشائخ میں کم نظر آتی ہے جو کوئی انوکھی بات نہیں واللّٰہ یختص برحمۃ من یشاء- اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص فرماتا ہے-

ہندوستان کے پورے منظر نامہ پر حضرت محبوب الٰہی جیسی دل آویز اور نابغہ روزگار ہستی جس طرح منفرد ہے اسی طرح ان کے دامن فیض سے وابستہ یار وفادار، محرم اسرار اور ان کی تمام عنایات ونوازشات کے مورد حضرت امیر خسرو جیسی غیر معمولی، ہمہ جہت شخصیت بھی دور دور تک کہیں نظر نہ آتی- عظمت وعبقریت ان کی شخصیت کے ہر پہلو کے لیے لازم وملزوم ہیں- وہ ان ہندوستانی فارسی شعرا میں ہیں جن کے تذکرہ کے بغیر اہل زبان (ایرانی) آگے ہی نہیں بڑھتے:

خسروؔ کہ بہ نظم ونثر مثلش کم خاست   ملکیت ملک سخن از خسروِ ماست

ایں خسروِ ما ناصر خسرو نیست   زیرا کہ خدا ناصر خسروِ ماست

(خسرو جیسا شاعری وادب میں کم ہی پیدا ہوا- ملک سخن کی بادشاہ ہی ہمارے خسروؔ سے

ہے- ہمارا یہ خسرو، ناصر خسرو نہیں- اس لیے کہ ہمارے خسرو کا مددگار تو اللہ ہے)

حضرت محبوب الٰہی کی جیسی محبت وعنایت اور شفقت خسرو کے حال پر تھی اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی:

برزبانت چوں خطاب بندۂ تُرک اللہ رفت — دست ترک اللہ بگیر وہم باللہ اش سپار
چوں منِ مسکیں ترا دارم ہمینم بس بود — شیخ من بس مہربان وخالقم آمرزگار

(آپ کی زبان پر چوں کہ خاکسار کا خطاب ترک اللہ (اللہ کا ترک) ہو گیا ہے- اس ترک اللہ (خسرو) کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کے سپرد کر دیجیے- مجھ غریب کے پاس تو بس تو ہی ہے اور یہی بہت کافی ہے- میرے شیخ بہت مہربان اور میرا پروردگار بخشنے اور معاف کرنے والا ہے)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امیر خسرو نہ صرف اپنے دور کے سب سے بڑے عبقری اور قدر آور شاعر وفن کار تھے بلکہ پورے فارسی ادب میں ان کی جیسی ہمہ جہت شخصیت دوسری نظر نہیں آتی جس نے تمام اصناف سخن میں اپنا ایسا پائے دار نقش بٹھالا ہو- انہوں نے زندگی کے ایک ایک پہلو کو ایسا جانچا، پرکھا اور برتا پھر اس میں اپنی قوت ادراک وفکر، تجربہ، سلیقہ اور جولانی قلم سے ایسے ایسے رنگ بھرے کہ ان کی شخصیت معاصر اور ان کے بعد کے ادوار کے لیے بھی ایک ترجمان اور نمائندہ کی بن گئی اور ماہ وسال کی گردش اور زمان ومکان کی بندش ان کی مقبولیت اور اثر انگیزی کو روک نہ سکی- انہوں نے ۵ زبانوں میں جیسی قابل قدر طبع آزمائی کی وہ صرف ان ہی کا حصہ ہے - پر گوئی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ صرف فارسی زبان میں تقریباً ۵ لاکھ اشعار ہیں -حقیقت تو یہ ہے کہ جس کامل ہستی کے دامن سے وہ اخیر عمر تک وابستہ رہے، اس کی کیمیا نظری اور فیض اثری ان جیسے عبقری فن کار سے جو بھی نہ کرواتی وہ کم تھا- مبدأ فیاض سے ان کو جو حظ وافر ملا تھا وہ تو تھا ہی مگر حضرت محبوب الٰہی کی تعلیم وتربیت اور توجہ نے اس پر وہ صیقل کی کہ نہ پوچھیے:

اگرچہ خسرو روئے زمیں شدم بہ سخن — ہم از وفا سوئے تو روئے برزمیں دارم

(اگر چہ روئے زمین پر شعر وسخن کی بادشاہت مجھے حاصل ہو چکی ہے مگر جہاں تک آپ سے وفاداری کا تعلق ہے (ہمیشہ) زمیں بوس رہتا ہوں)

خسروم من گُلے از خونِ دلِ خود رستہ — بوئے من ہست جگر سوز، مبوئید مرا

(میں خسرو ہوں، ایسا پھول جو اپنے خون کی نمی سے اُگا ہے مجھے نہ سونگھنا، میری بُو جگر سوز ہے)

سُخن بشنو مگر از بندہ خسرو — جہاں چوں او سخن گوے نہ دارد

(سُخن کی طلب ہے تو خسرو کو سنو کہ آج دنیا میں اس جیسا سخن گو ہے ہی نہیں)

ان کے عارفانہ کلام کے علاوہ ان کی غزلیات وقصائد اور مثنویوں میں بھی حقایق ومعارف اور حیات انسانی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے جوانمول ذخیرے ہیں ان کی مثال نہیں- ان سے ذرا پہلے فارسی کے عظیم صوفی وعارف شاعر مولانا جلال الدین رومی (م۶۷۲ھ) نے جس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں — گفتہ آید در حدیث دیگراں

(معشوقوں کے اسرار ورموز جب دوسری زبان میں ادا کیے جائیں تو بات ہی کچھ اور ہو جاتی ہے) پوری صوفیانہ شاعری کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے-

امیر خسرو کے کلام میں بھی یہی تمام عناصر ہیں، خواہ وہ ان کی مدحیہ شاعری ہو یا غزلیہ، مثنویات ہوں یا رباعیات، مجازی شاعری کی تہوں میں وہ اسرار ورموز ہیں جن کی تفصیل وتشریح کے لیے دفتر درکار ہیں- ان کی شاعری کی اہمیت ومعنویت اور پیغام کی آفاقیت اس دور میں نہ صرف ناگزیر ہے بلکہ بیمار انسانیت کے لیے نسخہ کیمیا ہے- ان کی وقیع اور عظیم تصنیف ''اعجاز خسروی'' کی حیثیت ایک ایسی تخلیقی تجربہ گاہ کی ہے جس میں ان کی فنکارانہ طبیعت کے لاتعداد منظوم ومنثور نمونے موجود ہیں-

ارباب تصوف نے اخلاقی تعلیمات کو اپنے یہاں غیر معمولی اہمیت دی ہے- قرآن مجید اخلاقیات کا ایک مکمل دستور ہے- امیر خسرو نے ان تعلیمات کو اس انداز اور لب ولہجہ میں اپنی شاعری کے ذریعہ پیش کیا کہ وہ معاشرہ کے لیے ایک اہم اور لاینفک جزو بن گئیں وہ امراو سلاطین سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

''اگر تم طاقت ور بننا چاہتے ہو تو تمہیں رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے- باغیوں سے سختی کے ساتھ آنا جائز ورواہے مگر دوسروں کے ساتھ رحم دلی اور نرمی کا برتاؤ بھی بہت ضروری ہے، اپنی فکر کو بیدار رکھو اور تلوار کو سونے دو...... قوت وطاقت کی بنیاد انصاف اور ایمان داری پر ہونی چاہیے-''

تصوف کی بنیادی تعلیم مخلوق خدا سے، بلاتفریق مذہب وملت محبت وہمدردی ہے- اس کی تکلیف ورنج کو اپنی تکلیف گردانا اور اس کے لیے صحیح راستہ متعین کرنا ہے- حدیث شریف ہے کہ **لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ** (تم میں سے کوئی ایمان والا ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے)-

حضرت خسرو کہتے ہیں:

نزدیک اہل بینش کور ست وکور بیشک — عاشق کہ پیش چشمش زنگی صنم نہ باشد

(صاحبانِ نظر کے نزدیک وہ شخص قطعی نابینا ہے کہ عاشق تو شمار ہو لیکن سیاہ نام شخص کے حسن کی پرستش نہ کر سکے)

نیک و بد سب ہیں تراؔب اس کے ظہور اسما
مجھ کو یک رنگ نظر چاہیے ہر فرد کے ساتھ

وہ معشوقِ حقیقی کو اپنی جان کی طرح ہمہ وقت اپنے جسم میں دیکھتے ہیں:

عاشقی ام کہ گر آواز دہی جانِ مرا   دوست از سینہ ام آواز بر آرد کہ من

(میں وہ عاشق ہوں کہ اگر تم میری جان کو پکارو گے تو اندر سے دوست کی آواز لبیک کہے گی)

مشہور حدیث قدسی ہے کہ **کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف** (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے تو مخلوق کو پیدا کیا تا کہ میری شناخت و معرفت ہو)۔

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے حسن کا مشاہدہ کرنا چاہا تو کائنات کی تخلیق کی اور اس کو اپنا آئینہ بنایا، غیر جسمانی حسن نے جب جلوہ نمائی چاہی تو اپنے یکتائی کے رنگ کو صدہا رنگوں کے سانچے میں ڈھال دیا۔

جمال مطلق آمد جلوہ آہنگ   مقید گشت یک رنگی بصد رنگ

صوفی نیرنگیوں میں بھی یک رنگی کے متلاشی رہتے ہیں کیوں کہ ہر رنگ میں ایک وہی رنگ ہے

نیرنگیوں میں یار کے گھبرا نہ جائیو ؎ ہر رنگ میں اُسی کو نمودار دیکھنا

خسرو بھی اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ حق بیں و حق شناس نگاہ مجازی جلووں کی قید میں گرفتار نہیں رہ سکتی۔

تا تو نمودی جمال نقش ہمہ نیکواں   رفت بروں از دلم نقش تو از جاں نہ رفت

(جب تو نے اپنا جمال دکھایا سب حسینوں کے نقش دل سے محو ہو گئے اور تیرا نقش جان سے نہ گیا)

حسن مطلق کبھی عاشق صادق کو جلوہ ہائے بے محابا سے شاد کام کرتا ہے اور کبھی حجابات میں چھپ کر اس پر ایک انقباضی کیفیت طاری کرتا ہے۔ عاشق کی بے قراری ملاحظہ ہو:

رُخ چہ پوشی چوں حدیث حسن تو پنہاں نہ ماند   گل بصد پردہ دراؤ از بوئے خود مستور نیست

(جب تیرے حسن کا چرچا ہو ہی گیا تو منھ چھپانے سے کیا حاصل۔ پھول سو پردوں میں رہے مگر اپنی خوشبو کی وجہ سے چھپ نہیں سکتا)

انھوں نے ہستی سے نیستی کی جانب سفر کیا تو اس حقیقت کا برملا اظہار بھی فرمایا:

نے گُلم، نے بلبلم، نے شمع نے پروانہ ام   عاشقِ حُسن خودم، بر حُسن خود دیوانہ ام

(میں نہ پھول، نہ بلبل، نہ شمع، نہ پروانہ، اپنے حسن کا عاشق اور اسی کا دیوانہ ہوں یعنی میرا پورا وجود اسی وجودِ کُل کے حسن کا حصہ ہے)

ہستی من رفت و خیالش نماند   ایں کہ تو بینی نہ منم بلکہ اوست

(میری ہستی نابود ہو گئی اس کا تصور بھی نہ رہا تم جو یہ ایک ہیولیٰ دیکھ رہے ہو وہ میں نہیں بلکہ وہ (محبوب) ہے)

تصوف کی راہ میں اصل چیز اپنے نفس امارہ کو مارنا ہے کیوں کہ اس راہ میں تو نفس کشی بُت شکنی ہے اور بغیر اس کے، کامیابی دم نقد ہو ہی نہیں سکتی۔

نفس کی اصلاح کر پہلے ریاضت سے تراؔب   بے شکستِ نفس امارہ ظفر ملتی نہیں

(شاہ تراؔب علی قلندر کاکوروی)

امیر خسرؔو فرماتے ہیں۔

نیست آں مردانگی کاندر غزا کافر کُشی   در صفِ عشاق خود را کشتن از مردانگی ست

(جہاد میں کافر کو مار گرانا مردانگی نہیں۔ ہم عاشقانِ الٰہی کے یہاں تو مردانگی یہ ہے کہ اپنے نفس کو جو سب سے بڑا دشمن ہے مار گرائے)

خودی و پندار سے چھٹکارا پانا بے حد ضروری ہے کہ پندار کی سوئی سے سیا ہوا لباس فقیر کے دھوکے و تزویر کے لباس سے کہیں بدتر ہے۔

خرقۂ تزویر کہ پوشد فقیر   دوختہ از سوزنِ پندار بہ

خود بینی و غرور کے بارے میں کہتے ہیں کہ جواں مردوں کا یہ کام نہیں، آنکھ کی پتلی کو دیکھو کہ وہ بذاتِ خود بینائی کے باوجود خود کو نہیں دیکھتی اسی لیے اسے بلندی حاصل ہے۔

رسم مردم نیست خود بینی، بہ بیں مردم بچشم   عین بینائی و در خود ننگرد زاں سرور است

وہ نفس امارہ پر قابو پانے والوں اور اس سے پورے طور پر آزاد ہو جانے والوں کو خراج دیتے ہیں۔

اے من غلام ہمت آں پاک بندہ   کز بندگیِ نفس بد آزاد می رود

(میں تو اس پاک بندہ کی ہمت کا غلام ہوں جو نفس امارہ کی غلامی سے آزاد زندگی بسر کرتا ہے)

حضرات صوفیہ کے یہاں قناعت و توکل یا فقر، ترک دنیا اور رہبانیت ہے جس کے الزامات ان پر لگتے رہتے ہیں کہ وہ قرآن و حدیث کے صریحی احکام سے اس باب میں بھی روگردانی کرتے ہیں۔ مولانا روم نے تو صاف فرمایا کہ۔

؎ چیست دنیا از خدا غافل بُدن   نے قماش و نقرۂ و فرزند و زن

(دنیا حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جانے کا نام ہے نہ دنیاوی زیب و زینت اور اہل و عیال کو اختیار کرنا)

صوفیہ نے انسان کو قناعت و توکل اختیار کرنے کی بڑی دل پذیر تعلیم دی ہے کیوں کہ یہ وہ صفت ہے جو اس کو بے فکری اور سکون کی لازوال دولت بخشتی ہے۔مولانا نے بڑی اچھی مثال دی ہے۔

کوزۂ چشم حریصاں پُر نہ شد   تا صدف قانع نہ شد پُر دُر نہ شُد

(لالچی لوگوں کی آنکھ کا پیالہ کبھی بھرتا ہی نہیں۔اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب تک سیپ قناعت پسند نہیں ہوتی اس میں موتی نہیں بنتا)

امیر خسروؔ فرماتے ہیں:

کوس شہ خالی و بانگ غلغلش در دِسراست   ہر کہ قانع شد بہ خشک و تر شہ بحر و براست

(بادشاہ کا ڈھول اندر سے پول ہوتا ہے مگر شور اتنا مچاتا ہے کہ سر میں درد ہو جاتا ہے جو پانی کے گھونٹ اور روکھی سوکھی پر قناعت کر جائے وہی بر و بحر کا بادشاہ ہوتا ہے)

ہر کہ بہ سہلے ز جہاں شاد گشت   ہم چو من از بندگی آزاد گشت

(جو شخص تھوڑے میں ہی خوش ہو جاتا ہے وہ میری طرح ہر غلامی سے آزاد ہے)

زحاجت بیش در دُنیا مجو چیز   وگر نا جُستہ یابی رَد مکن نیز

(ضرورت سے زیادہ کی تلاش مت کرو لیکن اگر بغیر تلاش کچھ مل جائے تو اسے رد بھی مت کرو)

صوفیہ نے انسان کو بے کار رہنے سے منع کیا کہ مرد بیکار بدتر از گنہ گار۔خسروؔ کہتے ہیں کہ انسان جہاں ہو مصروفِ کار رہے کیوں کہ بے کار و معطل شخص شرمندہ و ذلیل ہوتا ہے۔مقصود بھی حاصل ہوتا ہے جب اس کے لیے رنج و کلفت اٹھائے جو کاہل و بے کار ہے اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ دنیاوی جنگ میں الجھا رہے۔

مرد ہمہ جا بسر کار بہ   شخص معطل خجل و خوار بہ
بہرۂ مقصود چو بے رنج نیست   کاہل بیکار بہ پیکار بہ

صوفیہ نے ہمیشہ رضائے حق کے لیے عبادت و اطاعت کی نہ کہ جہنم کے خوف اور جنت کی لالچ میں۔ان کی نگاہ میں سب سے بڑی دولت معرفت حق ہے۔

طاعت اگر از پے مال و زرست   کاسہ کہ خاکیست نگو سار بہ

اگر مال و زر کمانے کے لیے عبادت کی جائے تو مٹی کا وہ معمولی سا پیالہ تک اس سے کہیں بہتر ہے جو اوندھا بے کار پڑا ہو۔

عاشقِ زر عاشق درگاہ نیست   زاں کہ دوئی در خورایں راہ نیست

(جو مال و دولت پر مرمٹتا ہے وہ درگاہ عالی کا عاشق نہیں ہوتا کیوں کہ اس کی راہ میں دوئی نہیں چلتی)

اسی طرح رِضا بالقضا بھی اہم ہے، جہاں اپنی مرضی و خوشی اپنی نہیں ہوتی۔کردہ و ناکردہ گناہوں پر شرمندگی و پشیمانی ہی بندگی کا شعار ہے۔

عاشقی اور بہ قید شرط کفر ہے عاشقی نہیں   اس کی خوشی پہ جان دے اپنی خوشی خوشی نہیں

فرماتے ہیں "دوست! اللہ کے حکم پر راضی برضا ہو جا اور حق کی اطاعت کر کے اپنے دین کو مضبوط کر۔اگر تیری آنکھ بھی بے حجابی و بے حیائی کی مرتکب ہو تو شرمندگی کے آنسوؤں سے اُسے پاک کر لے۔"

اے دوست رضا بہ حکم یزدانی دہ   وز طاعت حق، دادِ مسلمانی دہ
چشمت چو زنا کند گرش خواہی پاک   غسلش تو زگریۂ پشیمانی دہ

وہ دنیا کی بے ثباتی، کم حیثیتی و بے مائیگی کا بڑے دل نشیں انداز میں ذکر فرماتے ہیں اور انسان کو تواضع و فروتنی اور خاکساری کی تعلیم دیتے ہیں جو ارباب تصوف کا طرۂ امتیاز ہے۔

آں سروَراں کہ تاج سر خلق بودہ اند   اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاک پا شُدند
اے گُل چو آمدی ز زمیں گو، چگونہ اند   آں روئیہا کہ در تہ گرد فنا شُدند
خورشید بودہ اند کہ رفتند زیر خاک   آں ذرہ ہا کہ ہر ہمہ اندر ہوا شُدند

(وہ تمام لوگ جو مخلوق کے سر کا تاج بنے ہوئے تھے آج دیکھو! تو سب کے سب پیروں کی دھول ہو گئے ہیں۔اے پھول تو زمین کے اندر سے آ رہا ہے، نا بتا کہ وہ چہرے کیسے ہیں جو فنا کی گرد تلے دب گئے۔وہ ذرے جو ہوا میں منتشر ہیں کبھی سورج جیسے تھے مٹی کے تلے دب گئے اور یہ انجام ہوا)

سیلیِ بادبیں کہ چساں افگند بخاک   غنچہ کہ می نہد دو سہ روز ے کلاہ کج

(زمانہ کی مار! توبہ توبہ۔دو تین روز جو کسی کلی نے کج کلہی (ناز) دکھائی تو ہوا نے زور کا طمانچہ رسید کیا اور زمین پر دے مارا)

سرے کہ زیر زمیں شد نہفتہ شاہاں را   ہماں سر است کہ برآسماں فراختہ اند

(جن جن کے سر جہاں بانی کے نشہ میں چور آسمان پر رہا کرتے تھے، اب زمین کی تہوں میں نہ جانے کہاں غاب ہو گئے)

بیاتا بے گل و صہبا نہ باشیم   کہ گل باشد بسے و ما نباشیم

زگل نازک تریم و چند گاہے — بجز زیر گل و خارا نباشیم
چو زیر پائے می باید شدن خاک — چرا چوں خاک زیر پا نباشیم
چو بودن نیست خسرو جز دو روزے — دوروزے نیز بگزر تا نباشیم

(بہت پھول کھلیں گے مگر (اس وقت) ہم نہ ہوں گے جب تک شراب و پھول کی لذت وصحبت میسر ہے، آؤ مل بیٹھ لیں۔ ہم نازکی میں ہر چند پھول سے بھی سوا ہیں، مگر وہ وقت آنے والا ہے کہ کیچڑ پتھر کے نیچے پڑے ہوں گے۔ جب سب کو پاؤں تلے کی خاک (ایک دن) ہونا ہی ہے تو کیوں نہ ہم خاکسار بن کر رہیں۔ خسرو! جب زندگی دوروزہ ہی ٹھہری تو موت سے پیشتر کے ان دو دنوں کو بھی سلام کہ ان سے بھی کیا لینا دینا ہے)

عشق ومحبت فطرت انسانی کا خاصہ، قسام ازل کا عطیہ بے بہا اور عنایت الٰہی ہے اسی لیے حضرات صوفیہ کے یہاں عشق و محبت کو غیر معمولی اہمیت و فضیلت حاصل ہے، کیوں کہ وہ تمام ظاہری و باطنی بیماریوں کی دوا ہے، بغیر اس کے باطنی کمالات کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی۔ اس میں مکمل فنائیت کے بعد اور وجود و عدم سے گزر کر ہی بقا سے ہم کنار میسر آتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

دینِ من از عشق زندہ بودن ست — زندگی زیں جان و سر ننگ منست
از وجود و از عدم گر بگذری — از حیات جاودانی برخوری

(میرا دین وایمان بھی عشق میں ڈوب ڈوب کر جینا ہے، اس ظاہری زندگی سے جو جان و سر سے ہے زندہ رہنا، میرے لیے باعث شرم ہے۔ اگر وجود و عدم سے گزر جاؤ تو ابدی زندگی تمہارے دم نقد ہو جائے گی)

بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں:

آں روح را کہ عشق حقیقی شعار نیست — نابودہ بہ کہ بودن او غیر عار نیست
در عشق باش مست کہ عشقست ہر چہ ہست — کیں کاروبارِ عشق بردوست بار نیست
گویند عشق چیست؟ بگو ترک اختیار — ہرکوز اختیار نرست اختیار نیست
عشق ست و عاشقست کہ باقیست تا ابد — دل برجُز ایں منہ کہ بجز مستعار نیست

(وہ روح جس کا شعار کبھی عشق حقیقی نہ رہا، اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے کیوں کہ اس کا وجود عار و ننگ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ عشق میں مست و بے خود ہو جاؤ کیوں کہ جو کچھ ہے، عشق ہے، دوست کے لیے اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو صرف عشق کرو، کیوں کہ کاروبار عشق اس پر بار نہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں عشق کیا ہے ان سے کہہ دو اپنے اختیار کا مکمل ترک کر دینا۔ جو اختیار سے آزاد نہ ہوا اس

کا کوئی اختیار نہیں۔ عشق و عاشقی ابد تک باقی رہنے والے ہیں اس کے علاوہ دل کسی چیز میں نہ اٹکاؤ کہ اس کے سوا ہر چیز فانی ہے)

امیر خسرو کے کلام میں جا بجا اسی عشق کی اہمیت و ضرورت اور اس کی غرض و غایت کی بازگشت ہے۔ اس لیے بھی کہ وہ جس مقدس ذات کے دامن فیض سے وابستہ تھے، اس کی پوری شخصیت اسی عشق کی تفسیر تھی۔

آنی کہ تو از نام تو می بارد عشق — وز نامہ وپیغام تو می بارد عشق
عاشق شود آنکس کہ بگویت گزرد — آرے زدرو بام تو می بارد عشق

(آپ ہی تو وہ ہیں جن کے نام سے عشق برس رہا ہے، آپ کے نامہ و پیغام سے عشق و محبت ٹپک رہا ہے۔ جو بھی آپ کے کوچہ سے ہو کر گزر جائے، ناممکن ہے کہ عاشق نہ ہو جائے کیوں کہ بام و در سے عشق کا مینہ برس رہا ہے)

حضرت خسرو اسی عشق کی اہمیت و ضرورت کو بیان کرتے ہیں کہ صاحبان عقل و ہوش اور ارباب دل کے لیے یہ مستی وخوشی ناگزیر ہے جس کسی کو یہ نہ ملی وہ تمام عمر بے خبر رہا۔

بگو کہ چند شوی بے خبر زمستی عشق — کسے کہ مستیش از عشق نیست بے خبر است

وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بغیر عشق حقیقی کے زندہ دلوں کا ایک لمحہ فضول و بیکار ہوتا ہے۔ مستوں پر ہوشیاری کا جو دن بھی گزرے وہ بڑا نامبارک و نحس ہوتا ہے۔

ضائع آں وقتے کہ بر زندہ دلاں بے عشق رفت
ناخوش آں روزے کہ برمستاں بہ ہشیاری گزشت

اسی عشق کے سلسلہ میں برملا فرماتے ہیں۔

کافر عشقم مسلمانی مرادر کار نیست — ہر رگِ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

(میں عشق کا مارا کافر مجھے اسلام کی ضرورت کیوں ہو۔ میری ہر رگ تار بن چکی اس لیے مجھے زنار کی (بھی کوئی) ضرورت نہیں)

وہ ایک مقام پر یہ بھی فرماتے ہیں کہ مرادوں کا محل بہت بلند ہے جہاں حرص و ہوس کی حالت میں پہنچا ہی نہیں جا سکتا کیوں کہ عاشقی کے اس شربت کو بغیر جگر خون کیے چکھنا ہی ناممکن ہے۔

ایوانِ مراد بس بلندست — کانجا بہوس رسیدہ نتواں
کیں شربت عاشقی ست خسرو — جز خون جگر چشیدہ نتواں

عشق کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ماسوا سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اگر ملائکہ اور ستر ہزار عالم بھی اس پر پیش کیے جائیں تو وہ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔

حدیثِ جنت و دوزخ دِگر مگو خسرؔو　　وصالِ یار طلب کن گزر ازیں وسواس

(خسرؔو جنت دوزخ کی باتوں میں کیا رکھا ہے- اصل بات تو یار سے ملنا ہے اس کی تدبیر کرو اور ان وسوسوں سے گزر جاؤ)

عشق اور خود پرستی دو متضاد شے ہیں- عشق میں خود رائی اور خود بینی کا کوئی گزر نہیں:

نہ پس زیباست لاف عشق بازی خود پرستاں را

چو باعشق آشنا گشتم ز خود بیگانہ خواہم شد

خود پرستوں کے لیے عشق بازی کا دعوی غیر مناسب ہے جب عشق سے آشنا (ہو کر اس کے کوچہ میں) داخل ہوا تو اپنے آپ سے بیگانہ ہو گیا (ہو جاؤں گا)

خود سے گزرنے اور خدا تک پہنچنے کے طریقے حضرات صوفیہ صافیہ نے اپنے اپنے انداز میں بیان فرمائے ہیں- کیوں کہ خودی کے ساتھ خدا تک رسائی مشکل ہے۔

جب تک خودی ہے تب ہی تلک ہے خدا جُدا　　غیبت گر آپ سے ہو تو حق کا ظہور ہے

(شاہ تراب علی قلندر)

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست　　تو خود حجاب خودی حافؔظ از میاں برخیز

(عاشق و معشوق کے درمیان تو کوئی پردہ ہے ہی نہیں- حافؔظ حجاب خودی اٹھا دو اور بس)

خسرو بھی اپنے آپ سے گزر جانے اور حق تک رسائی کو بیان کرتے ہیں:

یک قدم بر جان خود، نہ یک قدم در کوئے دوست

زیں نکو تر رہروان عشق را رفتار نیست

(ایک ساتھ دو سمت قدم بڑھاؤ ایک اپنی جان پر دوسرا محبوب کے کوچہ میں- عشق کے راہی کے لیے اس سے بہتر کوئی رفتار نہیں ہے)

عاشقے را کہ غم دوست بہ از جاں نبود　　عاشق خود بود و عاشق جانان نبود

(جس عاشق کو اپنی جان سے زیادہ دوست کا غم نہ ہو وہ اپنا عاشق تو ہوگا محبوب کا نہیں ہوسکتا)

وہ اہل دل کو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ محبوب کا دیدار اس وقت تک میسر نہیں جب تک سر کاندھوں پر ہے-

اے اہل دل نخست ز جاں ترک جان کُنی د　　وانگہ نظارہ در رُخ آں دلستاں کُنید

اصغؔر! حریم عشق میں ہستی ہی جرم ہے　　رکھنا یہاں نہ پاؤں کبھی سر لیے ہوئے

غلام عشق شو خسرؔو بزیر تیغ گردن نہ

یہی نہیں بلکہ عاشقان الٰہی کا مذاق اڑانے والوں سے فرماتے ہیں۔

ہرکہ بر حال عاشقاں خندید　　گریہ ای واجب است بر حالش

(جو عاشقوں کے حال پر ہنستے ہیں ان کے حال پر رونا چاہیے)

وہ ایک جگہ راہ عشق میں ثابت قدمی اور مقام قلندری میں اپنے مرتبہ کا بیان بھی فرماتے ہیں۔

در ملک قلندر کہ جہاں بانی ماست　　دیدن بہ پریوشاں سلیمانی ماست

مسند چو بر آسمان خمار کنم　　ہر قطرۂ مے نگین سلطانی ماست

(قلندر کے ملک میں جہاں ہماری حکومت ہے وہاں پری وشوں کے ساتھ ہمارا نظر آنا ہی بادشاہت ہے- جب مے فروش کے یہاں ہمارا مسکن ہوگیا تو شراب معرفت کا ہر قطرہ ہماری بادشاہت کی مہر ہے، یہ لفظی ترجمہ ان اشعار میں مضمر حقایق و مقامات کی تشریح نہیں کرسکتا)

انھوں نے اپنی شاعری میں روحانیت و تصوف کے علاوہ ایسے ایسے حکیمانہ موتی پروئے ہیں کہ ناطقہ سر بگریباں رہ جاتا ہے- حکمت و دانائی کے یہ بیش بہا نکات بغیر عرفان و روحانیت کے زبان سے ادا ہی نہیں ہوسکتے -

باشہاں ہرچہ بر خلاف ہواست　　نتواں گفت گرچہ باشد راست

ہر کہ شد راست گوئی داور خویش　　زد بہ تیغ زبان خود سر خویش

(بادشاہوں کے خلاف مزاج سچی بات بھی نہ کہنا چاہیے جس نے سچائی (سچ بولنے) کو شعار بنالیا اس نے گویا اپنی ہی زبان کی تلوار سے اپنا سر کاٹ لیا)

نغز گفت آں حکیم دانشمند　　کؤ ہنر بیش، دشمن بیش

(ایک دور اندیش، عقل مند نے کیا اچھی بات کہی ہے کہ جس کے پاس ہنر جتنا زیادہ ہو اس کے دشمن اتنے ہی زیادہ)

قطرۂ آبے کہ تن مردم ست　　در دل آں قطرہ جہانے گم است

(جس قطرہ سے پیکر آدم بنا اس کے دل میں ایک دنیا پوشیدہ ہے)

با کہ و مہ صحبت از انساں گزیں　　کز تو خرد مند شود ہم نشیں

(ہر چھوٹے بڑے، کس و ناکس کی صحبت میں اس طرح سے رہو کہ تمہارا ہم نشیں تم سے دانائی حاصل کرے)

نیست ہمہ نسل کریماں عزیز　　تخم خیارست بسے تلخ نیز

(بڑوں، بزرگوں کی سبھی اولاد بڑی بزرگ نہیں ہوتی ککڑی کا کوئی کوئی بیج کڑوا بھی نکلتا ہے)

چناں برعیب خویشم دیدہ کن باز　　　کہ ازعیب کساں بر نارم آواز

(خدایا مجھ پر میرا عیب اس قدر ظاہر کردے کہ لوگوں کی عیب جوئی کے لیے منھ نہ کھول سکوں)

نعمت بحضور سہل چیز ست　　　ہرگہ کہ ز دست شد عزیز ست

(جب نعمت ہاتھ سے چلی جاتی ہے تبھی وہ عزیز ہوتی ہے-یعنی اس کی اہمیت بعد کو معلوم ہوتی ہے)

چو طاؤس شو پیکر آرائے خویش　　　ولیکن فرامش مکن پائے خویش

(مور کی طرح اپنی خوبیوں پر پھولنے والے ذرا اپنے پیروں پر بھی نظر ڈالو- یعنی خوبیوں پر ناز کرنے والے اپنی خامیوں و کوتاہیوں کو بھی دیکھا کرو)

گرامی کن گوہر آدمی　　　گرامی تریں جوہر آدمی

(آدمی کا قیمتی سرمایہ اور آبرو بڑھانے والی چیز ''کلام'' ہے)

کار ایں جا کن کہ تشویش ست در محشر بسے　　　آب ازیں جابر کہ در دریا بسے شور و شر است

(محشر میں تو عجب اُتھل پُتھل ہوگی کچھ کر نہ پاؤ گے- جو کرنا ہے یہیں کرلو- یہیں سے پانی بھر کرلے چلو- دریا پر شور شرابا بہت ہے)

غرض کہ امیر خسرو نہ صرف اپنے دور کے Genious تھے بلکہ ان کے بعد بھی ان کا جیسا ذہین اور ماہر فن نہ پیدا ہوا- ان کی پیدائش پٹیالی میں ہوئی- ان کا پورا وجود محبت کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا- چاہے وہ بیٹے کی حیثیت ہو یا باپ کی مرید و عاشق کی ہو یا محبوب کی- وہ عظیم ماہر موسیقی، بہترین نثر نگار، غیر معمولی ذہین، باکمال شاعر سب کچھ تھے-علم و ادب فن سب سے ان کو غیر معمولی محبت تھی- ان کی شاعری اور نثر ہندوستان، ہندوستانیوں اور یہاں کی ہر چیز سے محبت و شیفتگی سے بھری ہے- ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ دہلی میں گزرا جسے انھوں نے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا ان کو اس شہر کے ذرہ ذرہ سے جو والہانہ لگاؤ تھا اس کی مثال نہیں ملتی- وہ یہاں کی جامع مسجد کو فیض الٰہی کی جامع بتاتے ہیں قطب مینار کے بارے میں جب ان کا قلم چلتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کی عظمت و بلندی اور صناعی کو دیکھ کر چاند نے بھی اپنی ٹوپی اتار پھینکی- حوض شمسی کے پانی کی خوبی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر خضر بھی اس کا پانی پی لیتے تو اپنے چشمہ کو بھول جاتے- دہلی کے چمن کی بہار کا کیا کہنا اس کی سرزمیں پھولوں و غنچوں کی وجہ سے سونے چاندی سے پُر نظر آتی ہے- یہاں تو جنت کی طرح ہریالی ہے یہاں کے لوگ جنتیوں کی طرح فرشتہ سیرت اور خوش اطوار و عادات ہوتے ہیں- بادشاہ کے دربار کی زیب و زینت اور سج دھج کا مقابلہ تو ایران ،خراسان توران کے دربار نہیں کرسکتے -ہاں البتہ جنت سے تو کیا جاسکتا ہے-

ہندوستان کے لیے تو یہ تک کہا ہے کہ چوں کہ یہ ایسا قابل محبت ملک ہے اس لیے سورج کو بھی اس سے عشق ہے- اس کے عشق کی یہ گرمی ایسی ہے کہ اس نے یہاں کی آب و ہوا کو ہی نہ صرف گرم کیا بلکہ دنیا بھر میں پھیل گئی-

انہوں نے ہندوستان کے حسینوں اور نازنینوں کی جیسی تعریف کی ہے وہ صرف ان ہی کا حصہ ہے، انھوں نے دنیا جہان کے حسینوں کی خوبصورتی میں عیب گنائے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہندوستانی حسن میں عاجزی و انکساری ، ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ ، چہرہ پر نمک، مٹھاس، ادامیں چستی و چالاکی ہے- وہ گیہواں رنگ کی اثر انگیزی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ جنت میں حضرت آدم نے گیہوں کو ہی باوجود منع کرنے کے چکھا تو پھر سارے فتنے اسی سے پیدا ہوئے- گیہویں رنگ کے ساتھ اگر نمک ہو تو گورے رنگ سے کہیں زیادہ کھلتا ہے، مثال یہ دیتے ہیں کہ اگر گیہوں کے آٹے میں نمک ملا دیا جائے تو وہ بلا نمک کی نہ جانے کتنی ٹکیوں سے بہتر ہو جاتا ہے-

خسرو یہاں کے پھل، پھول کی تعریف کرنے پر جب آتے ہیں تو کمال کر دیتے ہیں وہ سوسن، بیلا، گُل لالہ، ڈھاک، چمپا، سیوتی، گلاب، گیندا، جوہی کی تعریف میں جو زور بیان دکھاتے ہیں وہ ان ہی کا حصہ ہے- چمپا کو پھولوں کا بادشاہ کہتے ہیں- سیوتی کے لیے لکھتے ہیں کہ بھِڑ اس پر ایسی عاشق ہے کہ جان دے دیتی ہے اور مرنے کے بعد بھی اس سے لپٹی رہتی ہے- ہندوستان میں جب یہ پھول کھلتے ہیں، کالی گھٹائیں گھِر گھِر کر آتی ہیں یا ہلکی پھوار پڑتی ہے تو جنت کا باغ معلوم ہوتا ہے بلکہ شاید وہاں بھی ایسا منظر نہ ہوتا ہوگا-

وہ آم، خربوزہ حتی کہ پان کی صفت بیان کرنے میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتے کہتے ہیں کہ پان دیکھنے میں تو ایک گھاس ہے مگر اس سے اچھا خون پیدا ہوتا ہے، کمزور دانتوں کو مضبوط بناتا، منھ کی بد بو کو دور کرتا، پیٹ بھر کھانے والوں کی بھوک بڑھاتا اور بھوکوں کی بھوک کم کرتا ہے-

انہوں نے اپنی مشہور مثنوی نُہ سپہر میں تو حب الوطنی کے جذبہ اظہار کو کمال پر پہنچا دیا- وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان ان کا وطن ہے، مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ وطن کی محبت ایمان کی نشانی یعنی اس کا ایک حصہ ہے جس کو جتنی اپنے ملک سے محبت ہوگی وہ اتنا ہی سچا اور پکا ہوگا- انہوں نے اپنے وطن بھائیوں ہندوؤں کے متعلق بھی جو کچھ لکھا ہے وہ بہت اہم اور قابل غور ہے- تمام صوفیوں اور خسرو کی شخصیت کو سمجھنے میں یہ باب بھی بڑی خصوصیت کا حامل ہے- لکھتے ہیں کہ ہمارے ہندو بھائیوں کی عقل و فراست اور دانش مندی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا - فلسفہ و منطق یونان و روم سے پھیلے ضرور ہیں مگر یہ لوگ بھی ان علوم و فنون میں کسی سے پیچھے نہیں بلکہ اکثر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ افلاطون وارسطو کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں-

وہ لکھتے ہیں کہ ہندو ہمارے مذہب کے عقیدت مند ہیں ان کے بہت سے عقیدے ہمارے جیسے ہیں وہ اللہ کی ہستی ،اس کا اکیلا ہونا اور ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہونے و رہنے کا اقرار کرتے ہیں- وہی کچھ نہ ہونے سے ہونے کی حالت میں اس دنیا کو لایا، وہی مارتا، جلاتا، روٹی روزی دیتا، نیکی و برائی پیدا کرتا اور ہر چیز کا مالک ومختار ہے، ہندو خدا کو ایک مانتے ہیں اس کو نِرا کار جانتے ہیں وہ پتھر، جانور، پیڑ، سورج کو پوجنے کے باوجود اس کے قائل ہیں کہ یہ سب ایک ہی پیدا کرنے والے کی مخلوق ہیں- اصل میں یہ پوجا اسی ایک نِرا کار کی ہے-

ان کا مشہور شعر ہے۔

اے کہ زبُت طعنہ بہ ہندو بَری ہم زوے آموز پرستش گری

کہتے ہیں کہ ایک آگ کی پوجا کرنے والے ہندو سے پوچھا گیا کہ تم آگ کی پوجا کیوں کرتے ہو اور اس کے لیے جان دیے دیتے ہو- اس نے کہا کہ اصل میں آگ کو دیکھ کر ''اس'' سے ملنے کی امید جاگتی اور بھڑکتی ہے اور آگ میں جل کر فنا ہو کر بقا (ہمیشہ والی زندگی) ملتی ہے- اس کو بیان کرتے ہوئے وہ اس جذبہ کے احترام اور تعظیم کی تلقین کرتے ہیں-

مثنوی نُہ سپہر میں انھوں نے اپنے اس جذبہ کے اظہار میں کہا ہے اسلام اپنی جان کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنے کی اجازت نہیں دیتا- وہ ہندو عورت کی ستی کی عادت سے بہت متاثر ہیں جو اپنے مجازی خدا (شوہر) کی خاطر اپنے وجود کو آگ لگا کر خاکستر کر دیتی ہے- اور اپنی وفاداری وفنائیت کا اس کی ذات میں فنا ہو کر بے دریغ مظاہرہ کرتی ہے اور مرد اپنے بُت اور آقا کی خاطر اپنے وجود کی نفی کرتے ہوئے جان دے دینا اپنے لیے سرمایہ سعادت سمجھتے ہیں- اگر شریعت اسلامیہ میں یہ چیز جائز ہوتی تو وہ وفاداری کے اس طرح کے اظہار کی تلقین کرتے - وہ یہاں کی مروجہ زبان سنسکرت کی فضیلت و بڑائی کے اعتراف میں بھی سب سے آگے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی الہامی کتاب قرآن چوں کہ عربی میں نازل ہوا ہے اس لیے وہ سب سے افضل زبان ہے اور اس کے بعد سنسکرت ہے (دول رانی خضر خاں)

وہ یہاں کے جانوروں تک کی تعریف وتوصیف کرنے سے نہیں تھکتے کہ ہندوستانی طوطے و مینا انسانوں کی طرح باتیں کرتے ،کوے آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر دیتے، مور میں ہندوستانی دلہنوں جیسا حسن اور رعنائی وزیبائی ہے، بگلے جیسے بھولے پرندے ذرا سی تربیت اور سکھانے کے بعد حیران کر دینے والے کرتب دکھاتے ہیں- یہاں ہاتھی تحیم شحیم جانور بھی انسانوں جیسے کام کر لیتے ہیں حد یہ ہے کہ بکری ایک پتلی رسی یا لکڑی پر اپنے چاروں پیروں سے کھڑی ہو جاتی ہے- بندر عجیب وغریب کرتب دکھاتے ہیں-

غرضیکہ خسرو جسے غیر معمولی ذہین اور باریک بیں انسان کی نظر سے ہندوستان کی چھوٹی سی چھوٹی اور معمولی چیز کا حسن وجمال اور خوبی بھی پوشیدہ نہیں رہی- ان کی پوری زندگی اسی محبت کے مرکز کے گرد گردش کرتی نظر آتی ہے- ان کے سوز قلبی سے جو نغمے پھوٹتے تھے وہ ہر طرح کے مذہبی ونسلی تعصّبات، ذاتی مفادات اور سیاسی مصلحتوں سے بالکل پاک وصاف ہوتے ہیں، انہوں نے اپنے ہندو مسلمان سکھ بھائیوں کو ہمیشہ یہی پیغام دیا کہ ہندوستان ان کا ملک ہے، سب کو ساتھ جینا ومرنا ہے، اس لیے وہ یہاں کے ذرہ ذرہ سے ٹوٹ کر محبت کریں- ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ کا برتاؤ کریں ،سب سے محبت و آشتی کا رویہ اپنائیں، ایک دوسرے کے مذہبی جذبات و احساسات کو عزت واحترام اور وقعت کی نگاہ سے دیکھیں- امیر خسرو کی ان آفاقی تعلیمات کی اہمیت اسی بنا پر ہر دور بلکہ ۲۱ ویں صدی کے ہندوستان کے لیے بہت ہی ضروری وناگزیر ہو چکی ہے-

○○○

پروفیسر عقیل ہاشمی

ولی اورنگ آبادی کا تصوف

اردو شاعری کے تشکیلی دور ہی سے تصوف نے اپنا مزاج اور مرتبہ بنائے رکھا- ویسے بھی شاعری میں ''تصوف برائے شعر گفتن خوب است'' کی بازگشت تھی/جب کہ ابتدائی دور میں خاص طور سے دکنی علاقے میں حضرت خواجہ بندہ نواز رحمہ اللہ اور آپ کے خلفا اور مریدین ومتوسلین کے علاوہ گجرات کے بزرگ حضرت عین الدین گنج علم، علی جیو گام دھنی ،محمود دریائی اور بہاء الدین باجن وغیرہم کے نام اردو شاعری میں تصوف کے مضامین کے اندراج کے لیے معروف ہیں- بعد میں یہ رجحان عمومی حیثیت حاصل کر گیا- دراصل تصوف کی تعلیمات میں الٰہیات کے موضوعات پر گفتگو کی جاتی ہے، مزید اس میں مذہبی، اخلاقی، سماجی اصولوں اور قاعدوں کو افہام وتفہیم کی غرض سے بیان کیا جاتا ہے، جس میں خصوصیت سے دنیا کی بے ثباتی، بے اعتباری، علائق سے دوری، صبر وتوکل ،تواضع وانکساری اور انسان دوستی کے جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے اور یہ ساری باتیں اصلاح نفس اور غلبۂ دین کے زیر اثر ہوتی ہیں- دکن میں اور زبان کے اس دور میں تصوف نظم و نثر میں لکھا گیا لیکن تاریخی لحاظ سے سقوط بیجاپور و گولکنڈہ کے بعد ایک بار پھر اس جانب توجہ دکھائی دیتی ہے- شعرائے کرام چوں کہ اپنے وجدان طبع اور دیدہ وری سے اطراف واکناف کے ماحول کے ترجمان بھی ہوتے ہیں، اس لیے انہوں نے انسانی مسائل اور اس کے حل کے لیے حقیقت اور مجاز کی کیفیات کے ذریعے حالات کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی- شاید اس کو معرفت بھی کہا جاتا ہے- چنانچہ تصوف کا عنصر ہر انسان میں موجود ہوتا ہے اور شاعر تو اپنی علمی سنجیدگی یکسوئی اور اختصاص سے ان حقائق کی پردہ دری کرتا ہے- یقیناً ایسی شاعری میں تصوف نفس اور معرفت کائنات کی صورتیں نظر آئیں گی- ولی اورنگ آبادی کا شاعرانہ مزاج بھی صوفیانہ تھا- وہ اولیا تصوف سے اصولی طور پر میل کھاتا نظر آتا ہے- کلیات ولی کا مطالعہ ان رموز کا بڑی حد تک انکشاف کرتا ہے-

ولی اورنگ آبادی اردو کا وہ اولین شاعر ہے جو زبان وبیان کے اس ابتدائی دور میں اپنے اسلوب، طرز نگاری، معنی آفرینی اور معیار سخن سے ایک زمانے کو متاثر کرتا ہے- قادر الکلامی اس کی خاص صفت رہی جب کہ موضوعات شاعری کی فراوانی بھی اس کو امتیاز سے ہمکنار کرتی ہے- ولی کی غزل گوئی خود ولی کی عظمت کی نشاندہی کرتی ہے- اس نے کم وبیش ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن غزل اس کی محبوب صنف سخن رہی- ویسے بھی غزل کی ہمہ گیری، وسعت، مقبولیت ہر دور میں مسلم رہی ہے- ولی کی غزل کے اہم پہلو یا شاعرانہ خصوصیت، ارادت وعشق، درد والم، کیف وسرور، یاس وحرماں نصیبی، رنج ومسرت پر تفصیلی اظہار کا قرینہ ہیں- مولانا احسن مارہروی کے الفاظ میں:

''ولی کو میر وداغ کا ہم عصر سمجھنا چاہیے بلکہ یاد رکھنا چاہیے کہ ولی عہد عالمگیر کا ایک ایسا شاعر تھا، اگر یہ خیال ذہن میں رہے تو ولی کے رتبہ کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے-'' (کلیات ولی)

ولی نے اپنے وقت اور حالات کے مدنظر غزل کو محدود نہ رکھا بلکہ جدت وندرت سے کام لیا اور عشق یعنی عشق مجازی اور عشق حقیقی کی جانب اشارے کیے، ان کے کلام کے مطالعے سے اس روحانیت کا پتہ چلتا ہے جس سے تصوف مراد لیا جاسکتا ہے- ولی اورنگ آبادی کی زندگی کا بڑا حصہ گجرات کی ایک خانقاہ میں گزرا اور وہیں ان کی دینی ودنیوی تعلیم ہوئی- اس وقت علم وادب خصوصاً مذہب اسلام کے تحت تصوف کا زیادہ چرچا تھا، ہر طرف صوفیہ کرام کی قدر ومنزلت تھی، ولی نے گجرات کے صوفی کامل حضرت شاہ نور الدین صدیقی سہروردی کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اور ان کے پیر ومرشد شاہ وجیہہ الدین رحمہ اللہ کی مدح لکھی- مولانا نور الدین صدیقی ابن شیخ احمد صالح احمد آبادی یگانہ روزگار متبحر عالم باعمل تھے- آپ کے اساتذہ میں احمد سلیمان احمد آبادی اور ملا فرید الدین احمد آبادی کے اسما شامل ہیں- وہ حج وزیارت سے مشرف تھے اور مختلف سلاسل وخانوادوں سے خلافت حاصل کی تھی- کوئی ڈیڑھ سو سے زاید چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے جن میں تفسیر کلام اللہ تفسیر ربانی سورۂ بقرہ ہزار ابیات، حاشیہ بر اوائل تفسیر بیضاوی ،شرح صحیح البخاری ،شرح فصوص الحکم ،شرح مثنوی مولانا روم وغیرہ شامل ہیں- ولی اورنگ آبادی کی تربیت وجدان کے لیے یہ ماحول سازگار ثابت ہوا بلکہ ولی کا کلام اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ صوفیہ کرام کا اصول اعتقاد، عشق مجازی اور عشق حقیقی یہاں مختلف روپ میں جلوہ گر ہے- ولی نے اس مسلک تصوف کو اپنی قادر الکلامی کے ذریعے یوں ظاہر کی ہے:

مشق کر اے دل سدا تجرید کی　　عاشقی ہے ابتدا توحید کی
ترک مت کر گفتگو تفرید کی　　جس کو لذت ہے سجن کی دید کی

ان اشعار میں تجرید،توحید،تفرید بنیادی الفاظ ہیں اور یہ الفاظ ہی تصوف کی تعلیمات کے اشارے ہیں۔

تجرید: کائنات میں ناویدیعنی اضافات کو چھوڑ کر صرف اورصرف خدا کو دیکھنا۔

توحید:اسقاط الاضافات،نقش ونگار یعنی اپنی خودی اوردوئی کو دور کر کے حق ہی کا معائنہ کرنا۔

تفرید:غیرحق کونظر سے دور کرنا اور حق کو حق سے دیکھنا،اس ضمن میں مشہور قول **من عرف نفسه فقد عرف ربه** اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ **تفکر وافی آیات اللہ** یعنی اس کو دیکھنے کے لئے اپنی ہستی کو فنا کرنا ضروری ہے۔مشہور حدیث احسان جس میں جبرئیل علیہ السلام نے صحابہ کرام کے مجمع میں نبی کریم سے ایک نو وارد کی شکل وصورت میں دین کے بارے میں سوالات کیےاور آپ رسالت مآب ﷺ نے اس کے جوابات مرحمت فرمائے تھے۔

ترجمہ: مجھے یارسول اللہ ﷺ احسان کے بارے میں بتلایئے،فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ کی عبادت یوں کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو یہ یقین کر لو کہ وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے(متفق علیہ ریاض الصالحین بحوالہ مسلم شریف)ویسے بھی اسلامی تصوف حق تعالیٰ کی نعمتوں کی ان دو بڑی قسموں (ظاہری اور باطنی) کے حصول کے طریقہ کو بتلاتا ہے۔صوفیہ کرام کے عقیدے کے مطابق اللہ کے دین کے دو رخ ہیں،ایک انسان کے ظاہری اعمال جسے شریعت کہتے ہیں اور دوسرا پہلو انسان کے باطنی اعمال جو طریقت،حقیقت ومعرفت کا مجموعہ ہے اور ان کا سرچشمہ قرآن مجید،سیرت رسول پاک ہے۔علما اور حق کا اجماع ہے اولیا اللہ انہی تعلیمات کے پابند ہیں چونکہ اپنے طریق وعمل کی وضاحت کے لئے کبھی کبھی شعروادب کو بھی استعمال کرتے تھے اس لئے اسلامی تعلیمات سے شعروادب بڑی حد تک ہم آہنگ ہو گیا اور ان بزرگوں سے وابستہ افراد جن میں اکثر موزوں طبائع رکھتے تھے،شاعری میں الہیات کے مضامین کو جگہ دینے لگے،ولی اورنگ آبادی کے ہاں بھی الٰہی اسلامی معلومات اور مذہبی دلچسپی نیز صحبت بزرگاں کے اثرات نمایاں ہیں جیسے تصوف کے مسئلۂ وحدت الوجود یا پھر مسئلۂ اوست اور ہمہ اوست کی وضاحت یوں کی ہے:ع

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسن بے حجاب اس کا
بغیر از دیدۂ حیران نہیں جگ میں نقاب اس کا
ہوا ہے مجھ کو شمع بزم یک رنگی سوں یوں روشن
کہ ہر ذرے اپر تاباں ہے دائم آفتاب اس کا

اسی طرح تصوف میں علم لدنی کا فیض بھی بڑا اہم مانا گیا ہے اور یہ فیضان رسول

اکرم ﷺ ہی ہے،سیرت رسول سے استنباط ہے۔رسول اکرم ﷺ نے کلمہ طیبہ کی تشریح یوں فرمائی کہ توحید کا دارومدار اسی کلمہ طیبہ پر ہے کہ **لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ﷺ صوفیہ کرام کے پاس جملہ اول کو تنزیہہ اور دوسرے کو تشبیہہ اور پھر انہی دونوں فقروں کو اصطلاحی طور سے متعدد ناموں یا الفاظ سے پکارا گیا مثلاً جمع،فرق،عینیت،غیریت حضرت عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ہمسایہ وہم نشیں وہمراہ ہمہ اوست   دردلق گدائی واطلس شہہ ہمہ اوست
در انجمن فرق،ونہاں خانہ جمع   للہ ہمہ اوست وثم باللہ ہمہ اوست

اس غزل پر اہل تصوف کی اصطلاحات سے ناواقف اصحاب یا ظاہر پرست مطالب کے سمجھنے میں تسامح کا شکار ہو جاتے ہیں جبکہ اہل اللہ یا ارباب معنی باطنی معنوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں شاید اسی لئے تصوف میں ایک واضح اور عام خیال مجاز اور حقیقت کا بھی مل جاتا ہے اور اسی بنیاد پر عشق مجازی اور عشق حقیقی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

اے ولی عشق ظاہری کے سبب   جلوۂ شاہد مجازی ہے
الٰہی رکھ مجھے تو خاک پا اہل معانی کا   کہ کھلتا ہے اسی صحبت سے نسخہ نکتہ دانی کا

ولی اورنگ آبادی نے شعر کے پردے میں تصوف کی تعلیمات کو بڑی کامیابی سے سمونے کی دانستہ وشعوری کوشش کی ہے خصوصیت سے توحید کے بارے میں کہ ان خیالات کی تشریحات سے علم تصوف کی اصطلاحات،قواعد،حقائق،اور معارف کی نشاندہی ہوتی ہے اور تقرب خداوندی کے نکات کی وضاحت ممکن ہے،جیسے اہل تصوف کے ہاں کلمۂ شریعت،**لامعبود الا اللہ**،کلمۂ طریقت **لامقصود الا اللہ** اسی طرح راہ شریعت کو منزل ناسوت اور منزل طریقت کو ملکوت،ان کے علاوہ منزل جبروت اور منزل لاہوت کے بعد منزل ہاہوت بھی ہے،صوفیہ کرام کے نزدیک یہ مدارج ومقامات،سلوک سے متعلق ہیں اور ان باتوں سے واقفیت کو علم الیقین کہا جاتا ہے اس پر عمل پیرا ہونے سے حال اور کیفیت،وجدان کا حصول ممکن ہے مگر یہ معاملہ بہ جز حق تعالیٰ کے فضل وانعام سے جدا نہیں **یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم**،تصوف میں مسئلہ وحدت الوجود کے ماننے کے لئے اس علم الیقین کی ضرورت ہو گی یعنی یہ معلوم کریں کہ وجود ایک اور ذات دو۲ ہیں،ایک ذات حق اور دوسری مخلوق،خدا کی ذات تو واجب الوجود ہے اور ذات خلق عدم،قابل وجود اضافی اور اسی کو ممکن الوجود بھی کہتے ہیں،ذات حق ذات واجب الوجود ہونے کے لحاظ سے صفات وجود ہی سے ہمیشہ متصف رہے گی۔**حی علیم کلیم سمیع بصیر قدیر** اور مزید یہ سب وجودی صفات ہیں ان کو سبعہ صفات کہا جاتا ہے اب صفات خلق پر نظر ڈالئے جو کہ عدم

قابل وجود ہونے کی وجہ سے اسی قسم کے صفات کی حامل ہے مثلاحی علیم کلیم کے مقابل میت جاہل اور ابکم وغیرہ گویا صفت اور موصوف کی گفتگو لازم وملزوم ہے-مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

جملہ معشوق است وعاشق پردہ　　　زندہ معشوق است وعاشق مردہ

مطلب یہ کہ سوائے ذات حق سب کو زوال اور موت ہے مزید سوائے وجود خداوندی دنیا کی کوئی شئی بذات خود موجود نہیں اور ذات خلق ایک رمز کی صورت سے ذات حق کی پردہ دری کر رہی ہے-ولی اورنگ آبادی نے حضرت شاہ نورالدین صدیقی رحمۃ اللہ سہروردی کی فیض صحبت سے بہرہ مندر ہے اور تصوف کی انہی تعلیمات کے افہام وتفہیم کا کام انجام دیا-

بہ جز رنگین ادا، دوبے سوں مت مل　　　اگر مشتاق ہے تو رنگ ورس کا
ولی کوں ٹک دکھا صورت اپیں کی　　　کھڑا ہے منتظر تیرے درس کا

شاعری میں وضاحتوں سے زیادہ اشارات وکنایات ہی سے کام لیا جاتا ہے صورت دیگر وہ بات بیانیہ سے جدا نہ ہوگی، اور پھر تصوف میں تو اسرار ہی اسرار ہے اس رنگ میں جس قدر ڈوبے رہیں اتنا ہی مزاج آشنائی کا حصول ممکن ہے، ولی اورنگ آبادی اس غزل میں قلب یا دل سے رجوع ہوتے ہیں اور دل کی عظمت ورفعت کا کون قائل نہیں کیونکہ دل کے بارے میں کسی عارف کا کہنا ہے:

دل چہ باشد مطلع انوار حق　　　دل چہ باشد منبع انوار حق

ولی اورنگ آبادی کہتے ہیں:

کہتا ہے ولی دل ستی لو مصرعہ رنگین　　　ہے یاد تری مجھکو سبب راحت جاں کا
عیاں کردل آپر راز طریقت　　　سینے پر کھول دے باب حقیقت
الٰہی دل اپر دے عشق کا داغ　　　یقیں کے نین میں سٹ کمل مازاغ

ولی اورنگ آبادی فی الواقعی اسم بامسمی تھے، عربی لغات کے لحاظ سے ولی کا لفظ کئی معنی رکھتا ہے جیسے کارساز، تابع، مطیع، وارث، نگراں، دوست اور مددگاران تمام معنوں میں محبت اور قربت کے مفہوم کو دیکھا جاسکتا ہے قرآن اور احادیث میں ولی اور اولیاء کے الفاظ کا استعمال جامع اصطلاح کے بطور ہوا ہے قران میں اس کی چار صورتیں ملتی ہیں (۱) اللہ تعالی اپنے بندوں کا ولی ہے (۲) اللہ کے مومن بندے اس کے اولیاء ہیں (۳) شیطان کافروں اور مشرکوں کا ولی ہے (۴) کافر اور مشرک شیطان کے اولیاء ہیں، تصوف میں اللہ کے مومنین کا تصور نمایاں ہوگا یعنی اللہ کے دوست احمد، اللہ کی رحمت ان کے قریب ہے وہی ان کا کارساز ومددگاران کا رفیق ونگراں

ہے، قرآنی ایات اس بات کی بھی گواہ ہیں کہ اللہ اپنے اولیاء کے اوصاف حمیدہ یوں بیان کرتا ہے، **الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیم ولا ھم یحزنون** (سورۂ یونس) ولی بجا طور پر اپنے کلام میں نہایت اخلاص سے توحید اور رسالت کی تفصیلات کو پیش کیا، الفاظ کی موزونیت رنگ وآہنگ اصطلاحات، رموز واسرار، عشق مجازی وعشق حقیقی کے ساتھ ساتھ تصوف کے خاص منازل ناسوت ملکوت وجبروت کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بتلایا ہے-

مدت کے بعد آج کیا جوں ادا سوں بات
کھلنے سوں اس لباں کے ہوئی حل مشکلات
ظلمات سوں نکل کے جہاں میں عیاں رہے
گر حکم لیوے لب سوں ترے چشمۂ حیات
تب سوں اٹھا ہے دل سوں مرے غیر کا خیال
ترا خیال جب سوں ہے مرے سنگات
اس وقت مجھ کوں عیش دوعالم ملے ولی
جس وقت بے حجاب کروں پیو سنگات بات

یوں تو ولی کی رنگ شاعری میں تغزل کی جلوہ آرائیاں نظر آتی ہیں لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اس تغزل کے پردے میں تصوف کی چاشنی محسوس کی جاسکتی ہے، ولی کی مشہور غزل میں بظاہر عشق مجازی کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں مگر بباطن عشق حقیقی کی صورتیں نظر آتی ہیں یہاں صرف اشعار کا اندراج کیا جاتا ہے تشریحات کا کوئی موقع نہیں-

مت غصے کے شعلے سوں جلتے کوں جلاتی جا　　　ٹک مہر کے پانی سوں یہ آگ بجھاتی جا
تجھ مکھ کی پرستش میں گئی عمر مری ساری　　　اے بت کے بجن ہاری اس بات کو پچاتی جا
تجھ عشق میں جل جل کر سب تن کو کیا کاجل　　　یہ روشنی افزاء ہے آنکھوں میں لگاتی جا
اس رین اندھیری میں مت بھول پڑوں تس سوں　　　ٹک پاوں کے بچھوؤں کی آواز سناتی جا
تجھ گھر کی طرف، سندر آتا ہے ولی دائم　　　مشتاق ہے درشن کا ٹک درس دکھاتی جا

اصل بات یہ ہے کہ تصوف میں عشق ہی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور اس عشق کے بارے میں عارفین، اہل اللہ نے جو مکالمات کئے ہیں وہ بجائے خود ایک علحدہ عنوان ہے، مولانا روم نے عشق کے متعلق ایک بے مثال شعر کہا ہے، جب کہ علامہ اقبال نے تو عشق ہی کی بنیاد پر اپنے کلام کو آفاقی حیثیت دیدی مولانا رومی فرماتے ہیں:

شادباش اے عشق خود سودائے ما　　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما

علامہ اقبال کہتے ہیں:

عقل ودل ونگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق — عشق نہ ہو تو یہ جہاں بتکدۂ تصورات

ولی اورنگ آبادی نے اپنی قادرالکلامی طباعی سے جہاں میدان شاعری میں اپنا کمال دکھایا وہیں انہوں نے تصوف کے مضامین کے ذریعے اہل ایمان ویقین کو جذبہ صادق مزاج عشق (مجازی وحقیقی) سے آگاہ وباخبر کیا ہے شاید اسی وجہ سے ولی کے بارے میں کہا گیا ہے-

ولی پر جو سخن لاوے اسے شیطان کہتے ہیں

اور خود ولی کو بھی اپنی عظمت و بزرگی کا اندازہ تھا، طبعا ولی خوددار، صاحب صبر وشکر، تسلیم ورضا کے پیکر، شان وشوکت سے دور، نام ونمود، خوشامد وتملق کے عادی نہ تھے اور یہ ساری باتیں ایک صوفی، صافی شخصیت کی ترجمانی کرتی ہیں، مزید ولی کا کلام بھی اسی کی نمائندگی کرتا ہے چند اشعار دیکھیں-

اسباب جہاں سے ہوں بیزار اس قدر — بن تیل اور بتی روشن چراغ میرا

نہ پاوے دین کی لذت جسے دنیا کی ہے خواہش
قفل ہے لذت دنیا حقیقت کے خزانے کا

پایا ہے جو کوئی دولت فقر — مشتاق نہیں سکندر کا
پھکی لگے اس کو شان دولت — چاکھیا جو مزا قلندری کا

عبارت مختصر: ولی اورنگ آبادی کے کلام میں تصوف کے بنیادی نکات کے ساتھ وسیع مشربی کے بھی نظارے ملتے ہیں، وہ خالصا مذہبی قیود اور تحدید پسندی کے خلاف ہیں، فرقہ بندی اوہام پرستی اور تعصب وعجب سے ولی گریز کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت رکھتے ہیں آپ کی شان اقدس میں جوش وولولہ کے ساتھ نعتیہ قصیدہ اور مثنوی بھی لکھی اور یہ دلیل ہے اسلامی تصوف کی- کہتے ہیں:

محمد وہ کہ جس کے حق میں لولاک — کہا ہے خالق املاک وافلاک
اسی کا ذکر ہے، اے جان مومن — اسی کی یاد اطمینان مومن
ہوا جو کوئی اس گل سوں معطر — رہا وہ مست ہوتا روز محشر

الحاصل، ولی ایک صاحب سوز وگداز محبت کے رسیا، اسلامی تقدس کے دلدادہ، تصوف کے حامل شاعر تھے ان کے ہاں اسلامی معلومات کا قابل رشک ذخیرہ ملتا ہے تبھی تو ان کے کلام میں قرآن حکیم اور احادیث کے کافی اشارے ملتے ہیں جیسے واقعہ معراج النبوی سے متعلق قرآنی آیات کا استعمال دیکھئے-

رات کو آوں اگر تری گلی میں اے حبیب — زیور لب ذکر سبحان الذی اسری کروں

اسی طرح رسول مقبول ﷺ کے القاب یسین وطہ والضحی واللیل والشمس وغیرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

یسین وطہ والضحی نازل ہوئے تجھ شان میں
واللیل اور الشمس ہے تجھ زلف مکھ کے درمیاں

آخر میں ولی کے چند ایسے اشعار درج کئے جاتے ہیں جو خالصا تصوف وعرفان کی اصطلاحات سے تعلق ہیں-

خود فنا ہوکے ذات میں ملتا — یہ تماشہ حباب میں دیکھا
ہوا ترے خیالاں سے سراپا — مرا دل مثل فانوس خیال

عشق میں لازم ہے اول ذات کو فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے

جسے عشق کا زخم کاری لگے ہے — اسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے ہے
آتش عشق نے بہتوں کا کیا خانہ خراب — آگ دریا کو لگی اس کا بجھانا مشکل

○○○

پروفیسر عبدالمنان طرزی

مولانا جلال الدین رومی۔ عظیم فلسفی اور صوفی شاعر

رمزِ عرفان و سرودِ آگہی   اضطرابِ دل، وفورِ تشنگی
انچہ از حاصل فراقِ دوست شد   می بسازد ابیات مثنوی

رقص جلوہ حشر برپا می کند
خاک کویش چہ تماشہ می کند

مثنوئ معنوی اور رموزِ عرفانی

عشق ہی سے ہے تصوّف کی نمود   وہ نہیں تو یہ نمازِ بے سجود
ہے تصوّف، عشق کا وہ راستہ   کیف پرُور ہے جہاں ہر حادثہ
ہے تصوّف، عشق کا ایسا بیاں   لیتا ہے درسِ یقیں جس سے گماں
ہر تصوّر ہے یہاں کا باوضو   بے نیازِ چارہ گر ہے چارہ جو
ہے تصوّف عشق کا بابِ یقیں   آستاں کا ناز ہے پائے جبیں
ہے گذرگاہِ جمالِ دوست بھی   نِرخ بالاتر ہے شوقِ دید کی
یہ بفیضِ عشق ہے وہ لالہ زار   اشتیاقِ وصل ہے فصلِ بہار
ہے تصّوف قلبِ صوفی کا گداز   ذکر ہے محبوب کا اُس کی نماز
ہے تصوّف دیدہ و دل کا سرور   کچھ یہی ہے عشق کی وادی کا نور
اک مفکّر، صوفی و شاعر بڑے   تھے جلال الدّین ہی ایران کے
مولوئ معنوی، 'رومی' کہیں   با ادب فرقِ عقیدت خم کریں
غایتِ ہستی سے وہ تھا باخبر   'سرِّ عرفاں' 'رمزِ حق' سے مفتخر
فکر کا مرکز، اساسِ شاعری   علمِ قرآں اور احادیثِ نبی

اُس کے فکر وفن کے تھے مخزن یہی   دانش و دانائی کے گلشن یہی
مردِ حق آگاہ کی نکتہ رسی   بن گئی ہے مثنوئ معنوی
سوزِ دل ہی، رمزِ عرفاں ہوگیا   شوقِ جلوہ طور ساماں ہوگیا
ایک عارف کا یہ عرفانی بیاں   ہے طلب کی راہ کا سنگیں نشاں
یہ نہیں گرچہ عصائے موسوی   پر ہے پیغامِ حیاتِ دائمی
اس میں اعجازِ یدِ بیضا نہیں   اہلِ دل کے واسطے پر کیا نہیں
شوقِ نظّارہ بھی ہے جلوہ بھی ہے   وادئ ایمن اگر، موسیٰ بھی ہے
مثلِ درسِ معنوی قصّہ بھی ہے   ساغرِ توحید کا نشہ بھی ہے
اکتسابِ دیدۂ بینا بھی ہے   شوقِ دید و شاہدِ معنیٰ بھی ہے
اس میں خونِ دل کا کچھ حصّہ بھی ہے   کچھ جمالِ دوست کا چرچا بھی ہے
کچھ متاعِ عشق کا دعویٰ بھی ہے   ہے اگر حسنِ چمن، صحرا بھی ہے
عقل کا گرچہ فسوں ٹوٹا بھی ہے   عشقِ بے ساماں مگر تنہا بھی ہے
جو کسی کے عشق میں ہوتا بھی ہے   دل کو اس آزار کا سودا بھی ہے
ڈھونڈئے مت اِس میں لطفِ دلبری   مقصدِ رومی نہیں ہے شاعری
شمعِ راہِ عارفاں و سالکاں   یہ چراغِ رُشد کی ہے کہکشاں
ضوفشاں، درسِ ہدایت کے چراغ   علمِ توحید و رسالت کے چراغ
کاہشِ ہستی سے حاصل ہو نجات   نسخہائے کیمیا جیسے نکات
وہ حقیقت کے تصوّر کا وفور   رنجِ فرقت بھی جہاں لطفِ حضور
عشق سے پیدا شدہ سرمستیاں   مثنوی کی ساری محشر خیزیاں
بن گئی ہیں دوریاں وجہِ سرور   یوں کیا ہے شرحِ عرفانی امور
ہے رموزِ عشق کی ایسی بہار   بن گئی جو بے قراروں کا قرار
سوزِ دل کو کامرانی مل گئی   موجِ دریا کو روانی مل گئی
عشق نے پالی خلائے بیکراں   جس کی زد میں ہیں نظامِ دو جہاں
نَحْنُ اقرب قرب کی جب ہو کلید   ہوتی حدِّ فصل مِنْ حَبلِ الْوَرِیْد
ایسے نکتوں کا ہے کچھ اس میں بیاں   جس سے ہو آتش کدہ بھی گلستاں
عقل کی کچھ ہیں اگر ہُشیاریاں   عشقِ سادہ لوح کی معصومیاں
آشیاں کو پھر طلب ہے برق کی   طور پر ہوگا تماشا پھر کوئی

عشق کا شیوہ نہیں ہے احتیاط
زد پہ طوفاں کی چراغِ کم بساط

اصل مرکز ہی سے دوری روح کی
نالۂ نَے کا سبب بھی ہے بنی

وصلِ مبدا کی ہمہ دم آرزو
پھرتا ہے مہجور انساں، کو بہ کو

ہر کسی کو دور ماند از اصلِ خویش
باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

شاعری اُس کی نہیں ہے ساحری
ہاں مگر کشفِ کرامت ہے کوئی

اس سے پہلے صوفیانہ مثنوی
خوب ہی ایران میں لکھی گئی

مثنوی گو کچھ بڑے تھے سامنے
تھی عقیدت بھی بہت ان کے لئے

یہ مگر ہے منفرد انداز کی
عارفانہ فکر ہے کچھ اور ہی

طرزِ تمثیلی سے کام ایسا لیا
رشد و وعظ و پند کا دفتر کھُلا

ایسے پیرائے میں حکمت کا بیاں
یعنی ہشیاری کا پہلو ہے نہاں

درسِ ناصح تو حکایت میں چھپا
کرلیا تاثیر نے کرنا جو تھا

تیز مقصد کی ہوئی ہے آنچ گر
طائرِ فن کے جلے بھی بال و پر

حضرت رومی کی ہے جو مثنوی
جس کو جامیؔ نے ہے دادِ خوب دی

ویسی پائی بھی نہ ویسی پائے گی
''ہست قرآں در زبانِ پہلوی''

معنوی مرشد جو ہو اقبال کا
اللہ اللہ اس کا منصب مرتبہ

فن کا مقصد رومی و اقبال کے
ایک ہیں گر دیکھئے بھی غور سے

فن پہ اک مصرعہ جو ہے اقبال کا
شعر میں مفہوم اس کا یوں رہا

ہو بھی جو خارا شگافی کے لئے
اُس کو مت کہہ شیشہ سازی کے لئے

فن سے اپنی بے نیازی کا جواز
خود ہی ظاہر کر دیا رومیؔ نے راز

قافیہ اندیشم و دلدارِ من
گویدم مندیش جز دیدارِ من

حرف و صوت و گفت تا برہم زنم
تا کہ بے ایں ہر سہ با تو دم زنم

الغرض، یہ مثنویٔ معنوی
علم و عرفان و سرودِ آگہی

اہلِ دل اور صوفیوں کے ہاتھ پر
مثلِ شمعِ رہ نما و راہ بر

یہ ہے اہلِ درد کا گنجِ گراں
رنگ و بو و کیف پرور گلستاں

یہ حریمِ شوق کا بابُ السلام
سر بکف عاشق کا خود رفتہ کلام

بے حجابیِ جلوۂ مطلوب کی
بزم میں جیسے تماشہ کر گئی

عشق محشر خیز کے اسرار کا
مثنوی ہے اک مرقّع دلکشا

☆☆☆

مثنوی جن سے ہے گنجِ بے بہا
وہ خزانہ، وہ دُرِ یکتا ہے کیا

گوہرِ حکمت پہ بھی ڈالیں نظر
زینۂ رفعت پہ بھی ڈالیں نظر

لیں ذرا اُن پہلوؤں کا جائزہ
کہتے جن کو زندگی کے رہ نما

مردِ کامل کی رفاقت مرحبا
در حقیقت ہے طریقت کی بِنا

جستجوئے عارفین و کاملیں
اک حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں

ہے یہی وجہِ سکونِ قلب بھی
زندگی کی غایتِ عظمیٰ یہی

اہلِ حق گوشہ نشیں ہوں کس لئے
نامناسب مانتا رومیؔ اسے

دوستی و دید و وصلِ باہمی
ہوتی ہے تہذیب جن سے نفس کی

کرتی ہیں اخلاق کو آراستہ
شیشۂ دل اِن سے پاتا ہے جلا

نور سے ہوجاتا ہے روشن وجود
ملتا ہے لطفِ رکوع، کیفِ سجود

جس میں ہے کچھ خود پرستی و غرور
وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے ضرور

یہ رہِ انساں کی ہے وہ تیرگی
روح کی جو روک دے بالیدگی

صوفیوں میں یہ صفت ہے لازمی
کچھ فدائیت تو کچھ وارفتگی

ہو نہ تاکہ مادیّت کا شکار
خود مفادی سے نہ ہو رسوا و خوار

جو رہے آلائشِ دنیا سے دور
اُس کو وقتِ مرگ حاصل ہو سرور

خوئے غور و فکر ، وصفِ خامُشی
ایک سالک کے لئے ہے لازمی

خود ستائی، خود نمائی کا شکار
جاہل و کم ظرف میں ہوتا شمار

صوفیوں کو کہتے اہلِ راز بھی
راز پوشی اُن کا وصفِ لازمی

گفت پیغمبر کہ ہر کو سِرّ نہفت
زود گردد بامرادِ خویش جفت

چوں کہ اسرارت نہاں در دل شود
آں مرادت زود تر حاصل شود

خصلتِ بد ہے نمائش اور ریا
مرد ہے، قابو میں دل جس کا رہا

ہے حضورِ قلب وہ دولت بڑی
ہر عمل کو جو بناتی خیر ہی

ہر نبی و ہر ولی را مسلکی است
لیک باحق می برد جملہ یکی است

طالبِ حق کچھ تعصب نہ رکھے
اپنے مقصد کے لئے سب سے ملے

خود کو رکھے کم نگاہی سے وہ دور
کیوں عمل ہی خاص ہو وجہِ سرور

ہو ہمہ مشرب طریقِ زندگی
سارے مذہب کا ہے مقصد حق رسی

امتیازِ و فرق ان کے درمیاں
ہے عمل اک نامناسب بے گماں

ایک ہے منزل، مگر راہیں جُدا
صوفیوں کو علم ہے سچائی کا

ہے جہالت، اختلافِ مذہبی
تنگ نظری قوم کی یہ ہے بڑی

ظاہر و باطن کا فرق انسان کے
اختلافِ باہمی پیدا کرے

ہے وہ طاقت اتحادِ باہمی
ارتقا پاتی ہے جس سے زندگی

افتراقِ باہمی گر دور ہو
شاد پھر تو ہر دلِ رنجور ہو

ایسا ممکن ہے بشرطِ حق رسی
حق رسی بھی چشمِ بینا چاہتی

ڈالیں گر اشیائے عالم پر نظر
متحد بے شک ہیں یہ باہم دگر

درمیاں ان کے نہیں ہے اختلاف
نظم فطرت سے نہیں کچھ انحراف

سب کے سب مامور اپنے کام پر
نظمِ عالم اس لئے ہے معتبر

اس میں جیسا درسِ عبرت ہے چھپا
ہے طریقِ زندگی کا رہنما

دوسروں کو سمجھے اچھا گر کوئی
اچھا ہونے کی سند اُس کو ملی

بد نہاد اوروں کو بد ہیں جانتے
اپنے باطن کے ہی جیسا مانتے

ہو سیہہ شیشہ کسی کی آنکھ پر
اس کو دنیا آئے گی ویسی نظر

پیشِ چشمت داشتی شیشہ کبود
زاں سبب عالم کبودت می نمود

بے تعلق کوئی دنیا سے رہے
کون اس کو اک عمل اچھا کہے

دنیا اور اُس کے لوازم سے حیات
کامراں پاتی ہے اپنے ممکنات

ہے وسیلہ کہتے ہیں دنیا جسے
کیوں کسی کا پھر یہ مقصد بھی بنے

کچھ بھروسہ ہو نہ اپنے علم پر
اس پہ رکھے سخت تنقیدی نظر

ورنہ ہوگا خود پسندوں میں شمار
قصّہ نحوی سے ہے یہ آشکار

ایسی علّت سے رہے صوفی بچا
ہے بھروسہ کچھ نہیں اس نفس کا

ہو نہ کچھ ذات و صفت کا بھی غرور
تاکہ ہو راہِ ترقی سے وہ دور

جہدِ پیہم، عزم ہی سے کام لے
یوں وجود اپنا وہ کچھ محکم کرے

با مشقت ہی معاش حاصل کرے
وہ توّکل کو غلط مطلب نہ دے

سعیِ پیہم سے ہے روشن زندگی
اس زمیں کی یہ حقیقت ہے بڑی

گفت پیغمبر باواز بلند
با توکّل زانوی اُشتر بہ بند

گر توکّل می کنی در کارکن
کِشت کن پس تکیہ بر جبّار کن

الغرض یہ مثنویٔ مولوی
گوہرِ عرفاں سے ہے گویا بھری

اس میں ہے جہد و عمل کا فلسفہ
اور وظیفہ نفس کی اصلاح کا

ذات کی عرفاں کی ہے تدریس بھی
قابلِ تقلید ہے ذاتِ نبی

حکمِ رب ہے اور تعلیمِ رسول
زندگی کرنے کے کچھ زرّیں اصول

سارے گوہر بیش قیمت بے بہا
آئینہ، شاعر کے سوز و ساز کا

ooo

زاویہ

خواجہ ابوسعید ابوالخیر کی شخصیت اور فن پر خصوصی گوشہ

ادارہ

آئینۂ حیات

حضرت خواجہ ابوسعید ابو الخیر

نام: فضل اللہ بن ابوالخیر محمد بن احمد

عرف: خواجہ ابوسعید ابوالخیر

لقب: سلطان طریقت، خاتم المشائخ، فانی مطلق، باقی برحق

ولادت: محرم الحرام، ۳۵۷ھ میہنہ (خراسان)

اساتذہ ومشائخ: ابوعبداللہ الحضرمی، ابوبکر قفال مروزی، ابوعلی زاہد بن احمد، پیر ابوالفضل حسن سرخسی، عبدالرحمٰن سلمی، ابوالعباس قصاب آملی

کمالات: صوفی، واعظ، شاعر، فقیہ، محدث

فقہی مسلک: شافعی

خرقۂ خلافت: پیر ابوالفضل حسن سرخسی، شیخ ابوالعباس قصاب آملی، شیخ عبدالرحمٰن سلمی

تلامذہ وخدام: خواجہ ابوطاہر سعید، حسن مؤدب، عمران عبدالکریم، خواجہ ابوالفتح ابوبکر مکرم، خواجہ ابو القاسم زراد، خواجہ ابوبکر مودب، احمد جام زندہ پیل (روحانی)

دعوتی اور اصلاحی کارنامے: عقائد واخلاق کی اصلاح- علما ومشائخ کی روحانی اصلاح- محافل وعظ کا انعقاد- سالکین کی تربیت- سنت نبوی کی اشاعت- اسرار شریعت پر گفتگو- وعظ کی تاثیر سے آہ وبکا- ہزاروں لوگوں کی توبہ- غیر مسلموں کے درمیان تبلیغ اسلام وغیرہ۔

تصنیفات: (۱) اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید (حالات، ملفوظات ومواعظ کا مجموعہ) (۲) رباعیات ابوالخیر

ہم عصر علما ومشائخ: (۱) شیخ ابوالحسن خرقانی (۲) شیخ ابوالقاسم گرگانی (۳) امام عبدالکریم ابو

القاسم قشیری (۴) امام الحرمین ابوالمعالی جوینی (۵) شیخ ابوعلی فارمدی طوسی (۶) شیخ بوعلی سینا (۷) امام قاضی عیاض مالکی سرخسی (۸) استاذ ابوعلی دقاق قدست اسرارہم

وفات: ۴/شعبان ۴۴۰ھ - ۱۸/نومبر ۱۰۴۸ء

شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ: شخصیت اور کارنامے

ولادت وسکونت

بمقام میہنہ ماہ محرم الحرام ۳۵۷ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی -خزینۃ الاصفیا میں بھی یہی تاریخ مذکور ہے-

نام ونسب

ابوسعید فضل اللہ بن ابوالخیر محمد بن احمد میہنی نفحات الانس میں مولانا جامی قدس سرہ فرماتے ہیں- آپ کا نام فضل اللہ بن ابی الخیر ہے-خزینۃ الاصفیاء میں بھی یہی مذکور ہے-

تعلیم وتربیت

استاد ابومحمد عنازی جونہایت تقوی شعار اور خراسان کے مشہور قراء میں سے تھے سے آپ نے قرآن پڑھنا سیکھا اس کے بعد علوم عالیہ کے لیے آپ نے مختلف شہروں اور قصبوں کی خاک چھانی اور وقت کے بلند پایہ ائمۂ فن سے الگ الگ علوم وفنون میں کمال پیدا کیا- آپ کے پوتے حضرت محمد بن منور کے بقول علوم شرعیہ کی تکمیل میہنہ، مرو، سرخس میں ہوئی جہاں درج ذیل ائمہ فن کی شاگردی اختیار کی:

(۱) پانچ سال سرزمین مرو میں امام وقت مفتیٔ عصر امام ابوعبداللہ الحضرمی کی خدمت میں رہ کر علم فقہ میں درک وکمال حاصل کیا-

(۲) حضرت ابوعبداللہ الحضرمی کی وفات کے بعد امام ابوبکر قفال مروزی کی صحبت میں آ کر پھر پانچ سال علم فقہ کی باقی جزئیات پر مہارت حاصل کی- گویا آپ نے صرف علم فقہ کی تحصیل میں دس سال صرف کیے-

(۳) سرخس میں حضرت بوعلی زاہد بن احمد کی خدمت میں حاضری دی جو بیک وقت مایۂ ناز

محدث، مفسر، اور اصولی تھے شیخ ابوسعید نے ان سے مختلف اوقات میں تینوں میں علوم وفنون پر دسترس حاصل کی یعنی حدیث، تفسیر، اصول۔

صاحب کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ آپ کے ابتدائی احوال کا تذکرہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

آپ کا ابتدائی حال یہ ہے کہ آپ میہنہ سے تحصیل علم کے لیے سرخس آئے اور حضرت بوعلی زاہد کی درس میں بیٹھے، آپ ان سے ایک دن میں تین دن کا درس لیتے تھے، اور تین دن عبادت میں گزارتے آپ کے استاد نے آپ کے رشد کا یہ حال دیکھا تو تعظیم وتکریم میں اضافہ کر دیا،،

توصیفی کلمات

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری ان کے فضل ومقام کو واشگاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ائمہ متاخرین، شہنشاہ محباں، ملک الملوک حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد میہنی قدس سرہ ہیں، جو سلطان وقت اور جمال طریقت تھے۔تمام لوگ آپ کے مسخر تھے کچھ آپ کے دیدار جمال سے اور کچھ عقیدت سے اور کچھ قوت حال سے، آپ علوم وفنون میں دسترس اور نرالی شان رکھتے تھے، اسرار الٰہی سے مشرف حضرات میں آپ کا مرتبہ بلند تھا، علاوہ ازیں آپ کی نشانیاں اور براہین بکثرت ہیں۔

اسرار التوحید فی مقامات التوحید میں آپ کا تعارف کچھ اس طرح ہے: ''از مشاہیر عرفا ومحدثین اوایل قرن پنجم ہجری واز ناشران اندیشۂ وحدت وجود در خراسان است''

ترجمہ:- آپ کا شمار پانچویں صدی ہجری کے اوایل دور میں مشہور عارفوں اور محدثوں میں ہوتا ہے نیز سرزمین خراسان میں نظریۂ وحدت الوجود کے حامیان اور ناشرین میں ہیں۔

صاحب نفحات الانس حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: آپ سلطان الوقت، اہل طریقت کے جمال اور مشرف القلوب تھے آپ کے زمانے میں تمام مشائخ وقت آپ کے گرویدہ تھے۔

خزینۃ الاصفیاء میں آپ کا تذکرہ یوں ہے: مقتدائے وقت وپیشوائے اہل طریقت بود وصاحب علوم ظاہر وباطن ومشرف القلوب وہمہ اہل زمانہ مسخر وے بودند،،

آپ کی عظمت وجلالت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کے احوال واقوال کا تذکرہ متعدد بار سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کی زبان حق بیان سے ہوا جیسا کہ آپ کے ملفوظات مبارکہ میں مذکور ہے۔

ایام طفولیت کا ایک دلچسپ واقعہ

آپ کے والد محترم بابو ابوالخیر چونکہ صوفیہ نواز اور سماع کے نہایت ہی دل دادہ تھے اس لیے درویش حضرات اکثر اپنی محفلوں میں آپ کو مدعو کرتے تھے۔ایک شب اسی طرح درویشوں کی

دعوت پر بابو ابوالخیر سماع کے لیے جانے لگے تو شیخ ابوسعید کی والدہ محترمہ نے آپ سے گزارش کی کہ اگر ابوسعید کو بھی آپ اپنے ہمراہ لے جاتے تو بہت ہی بہتر ہوتا تاکہ محفل میں موجود اعلی مقام درویشوں کی نگاہ اس پر پڑ جائے چنانچہ آپ نے حضرت شیخ ابوسعید کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا جب سماع شروع ہوا اور قوال نے درج ذیل اشعار پڑھے

ایں عشق عطائے درویشانست — خود راکشتن ولایت ایشانست

دینار ودرہم نہ زینت مردان است — جان کردہ نثار کار مردان است

تو درویشوں پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور وہ پوری شب اس رباعی پر رقص کرتے رہے اشعار کی تکرار سے شیخ کو وہ اشعار ازبر ہو گئے، جب گھر واپس آئے تو آپ نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ اباجان: وہ اشعار جن کو سننے کے بعد درویشوں پر ایک زبردست کیفیت طاری ہوگئی تھی ذرا مجھے بھی ان کا مطلب بتا دیجیے، اس پر والد محترم نے فرمایا خاموش! تمہیں اس کے معنی ومطلب سے کیا غرض، ابھی تم اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے۔بعدہ جب شیخ کی حالت خود اس درجہ پر پہنچ گئی اور والد محترم وفات پا چکے، تو اکثر درمیان گفتگو آپ ان اشعار کو پڑھتے اور فرماتے کہ اگر آج بابو ابوالخیر باحیات ہوتے تو میں انہیں بتاتا کہ خود ہی نہیں معلوم کہ ان اشعار کا مطلب کیا ہے۔

تکملۂ سلوک اور بیعت وخلافت

یوں تو آپ نے ایام طفولیت ہی سے ریاضت ومجاہدہ کا آغاز کر دیا تھا مگر کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر باضابطہ تزکیہ نفس کا آغاز اس وقت کیا جب آپ پیر ابوالفضل حسن کی خدمت میں پہنچے، آپ کی ارادت انہیں سے قائم ہوئی، حضرت پیر ابوالفضل حسن نے آپ کو ریاضت ومجاہدات کے مختلف مراحل سے گزار کر خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔واضح رہے کہ خرقۂ خلافت کے سلسلہ میں دو روایتیں ہیں ضعیف روایت کے مطابق پیر ابوالفضل حسن نے اپنی حیات میں خرقہ عطا کیا تھا اور میہنہ روانہ ہونے کا حکم فرمایا تھا۔

جب کہ دوسری روایت جو درست راویت کہی جاتی ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو پیر ابوالفضل نے اپنی حیات میں خرقۂ خلافت نہیں دیا بلکہ آپ کی وفات کے بعد شیخ ابوسعید ابوعبد الرحمان سلمی کی بارگاہ میں آگئے اور تھوڑے دنوں کے بعد ان کے ہاتھ سے خرقہ عطا ہوا۔ا

آپ کا شجرہ طریقت جو پیر ابوالفضل سے ثابت ہے وہ یوں ہے:

(۱) شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ، (۲) شیخ ابوالفضل حسن سرخسی قدس سرہ، (۳) شیخ ابونصر سراج المعروف بہ طاؤس الفقراء قدس سرہ، (۴) شیخ ابومحمد عبداللہ بن محمد المرتعش بغدادی قدس سرہ

،(۵) شیخ سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ ،(۶) شیخ سری سقطی قدس سرہ ،(۷) شیخ معروف کرخی قدس سرہ ،(۸) شیخ داؤدطائی قدس سرہ ،(۹) شیخ حبیب عجمی قدس سرہ ،(۱۰) شیخ امام حسن بصری قدس سرہ ،(۱۱) شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام ،(۱۲) سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

شجرۂ طریقت جو ابوعبدالرحمان سلمیٰ قدس سرہ سے منسوب ہے یوں ہے:

(۱) شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ ،(۲) شیخ ابوعبدالرحمان سلمی قدس سرہ ،(۳) شیخ ابوالقاسم نصر آبادی قدس سرہ ،(۴) شیخ شبلی قدس سرہ ،(۵) سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی قدس سرہ ، (۶) شیخ سری سقطی قدس سرہ ،(۷) شیخ معروف کرخی قدس سرہ ،(۸) شیخ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ،(۹) امام محمد باقر رضی اللہ عنہ ،(۱۰) امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ،(۱۱) سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ ،(۱۲) شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ،(۱۳) سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ وسلم۔

خرقۂ دوم

دوسرا خرقہ حضرت شیخ ابوالعباس قصاب آملی قدس سرہ سے عطا ہوا، شیخ ابوسعید نے شیخ ابو العباس سے متعدد بار شرف ملاقات حاصل کیا اور آپ کی صحبت میں سخت مجاہدے کیے، درست روایت کے مطابق آپ نے شیخ کی خدمت میں مکمل ایک سال گزارا جبکہ دوسری ضعیف روایت کے مطابق ڈھائی سال کی مدت خدمت مذکور ہے۔

آپ کا شجرۂ طریقت جو ابوالعباس قصاب سے منسوب ہے وہ یوں ہے:

(۱) شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ ،(۲) شیخ ابوالعباس قصاب آملی قدس سرہ ،(۳) شیخ محمد بن عبداللہ الطبر ی قدس سرہ ،(۴) شیخ ابومحمد جریری قدس سرہ ،(۵) شیخ جنید بغدادی قدس سرہ ، (۶) شیخ سری سقطی قدس سرہ ،(۷) شیخ معروف کرخی قدس سرہ ،(۸) شیخ داؤدطائی قدس سرہ ، (۹) شیخ حبیب عجمی قدس سرہ ،(۱۰) شیخ امام حسن بصری قدس سرہ ،(۱۱) شیر خدا حضرت مولیٰ علی علیہ السلام ،(۱۲) سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ،

اس پر تمام تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ آپ کے پیر صحبت وارادت حضرت شیخ ابوالفضل حسن سرخسی تھے چنانچہ صاحب کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ رقم طراز ہیں کہ شیخ ابوسعید نے شیخ ابوالفضل حسن قدس سرہ سے رشتۂ طریقت استوار کیا۔

مولانا جامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ طریقت میں آپ کے مرشد شیخ الشیوخ ابوالفضل سرخسی قدس سرہ ہیں

خزینۃ الاصفیاء میں مذکور ہے کہ شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی سے آپ کو نسبت ارادت تھی۔

بقیہ وہ حضرات جن سے آپ کو خرقے عطا ہوئے وہ پیر خرقہ کی فہرست میں آتے ہیں۔

پیر ابوالفضل حسن سرخسی قدس سرہ سے ارادت کیسے قائم ہوئی، اس ضمن میں صاحب کشف المحجوب ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک روز شیخ ابوسعید ندی کے کنارے جارہے تھے کہ شیخ ابوالفضل حسن قدس سرہ سامنے آگئے اور فرمایا کہ اے ابوسعید! تیرا راستہ یہ نہیں جس پر تو چل رہا ہے۔اپنے راستہ پر چل چنانچہ شیخ ابوسعید نے انہیں سے رشتۂ طریقت استوار کرلیا اور وہاں سے اپنی جگہ تشریف لے آئے پھر ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہوگئے، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کا دروازہ کھول دیا اور اعلیٰ درجہ پر فائز کیا۔

نفحات الانس اور اسرار التوحید میں متفقہ طور پر اس ضمن میں یہ حکایت درج ہے:

شیخ ابوسعید فرماتے ہیں کہ میں سرخس جارہا تھا، شہر کے اطراف میں راکھ کا ایک تودا تھا جہاں لقمان مجنوں بیٹھے ہوئے تھے۔میں نے ان کے پاس جانا چاہا، اس لیے میں اس ٹیلے پر چڑھ گیا، دیکھا کہ وہ اپنی پوستین میں پیوند لگارہے ہیں جب وہ پیوند لگا چکے تو فرمایا کہ اے ابوسعید! ہم نے تم کو بھی اس پوستین کے پیوند کے ساتھ سی دیا ہے پھر وہ اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر پیر ابوالفضل کی خانقاہ پر لے آئے اور انہیں آواز دی، جب پیر ابوالفضل باہر تشریف لائے تو ان سے کہا کہ اے :ابوالفضل لو ان کی دیکھ بھال کرو کہ یہ بھی تمہیں میں سے ہیں، شیخ ابوالفضل نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور خانقاہ میں لے آئے پھر صفہ پر بیٹھ گئے، دریں اثناء شیخ ابوالفضل ایک جزء، کو اٹھا کر لائے اور اسے دیکھنے لگے شیخ ابوسعید فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ تجسس پیدا ہوا کہ اس جز کو دیکھوں کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ شیخ ابوالفضل اس خیال سے آگاہ ہوگئے اور مجھ سے فرمایا کہ اے ابوسعید! ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو اللہ تعالی نے مخلوق کی طرف بھیجا تھا اور انہوں نے بندگان خدا سے کہا تھا کہ "اللہ کہو، تو جن لوگوں نے یہ کلمہ پڑھا وہ اس میں مستغرق ہوگئے۔

شیخ ابوسعید فرماتے ہیں کہ پیر ابوالفضل کی اس مختصر سی گفتگو نے مجھے رات بھر اضطرابی کیفیت میں رکھا، میری نیند اڑادی۔صبح ہوتے ہی میں نے شیخ ابوالفضل سے تحصیل علم کے لیے اجازت مانگی اور پھر شیخ ابوعلی فقیہ کے پاس تفسیر پڑھنے کے لیے پہنچ گیا، جب میں پڑھنے بیٹھا تو بوعلی فقیہ نے پہلا درس تفسیر یہ دیا، **قل اللّٰہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون** ،اس آیت کو سنتے ہی میرے اوپر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اللہ تعالی نے شرح صدر فرمایا اور میں بے خودی کے عالم میں ہوگیا خواجہ بوعلی فقیہ میری حالت کو دیکھ کر فرمایا کہ کل تم کہاں تھے؟ میں نے کہا پیر ابوالفضل کی خدمت میں، تو انہوں نے فرمایا کہ اٹھو اور پھر ان کی خدمت میں جاؤ، اس لیے کہ

تمہارے لیے اب طلب معرفت وطریقت کو چھوڑ کر یہاں آنا حرام ہے حسب حکم میں دوبارہ شیخ ابو الفضل کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور میرا حال اس وقت یہ تھا کہ میں اس کلمہ کا شیدائی ہو گیا تھا جب پیر ابوالفضل نے مجھ کو دیکھا تو فرمایا اے ابوسعید!

مستک شدہ ای ہمی ندانی پس وپیش　　ہاں گم نہ کنی تو ایں سر رشتۂ خویش

میں نے عرض کیا اے شیخ کیا ارشاد ہے؟ فرمایا آؤ بیٹھو! اب اسی کلمہ کے ہو کر رہو تم سے یہ کلمہ بہت کام لے گا، شیخ ابوالفضل فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو میں انہیں کے طرف رجوع کرتا کسی دوسرے کے پاس نہ جاتا، ہاں ان کی وفات کے بعد دوسری ہستی شیخ ابو العباس کی تھی، ان دو حضرات کے سوا میرے لیے کوئی مرجع نہ تھا-

شیخ کا فقہی مسلک

فقہ میں آپ شافعی مسلک کے پیروکار تھے جیسا کہ آپ کے پوتے حضرت محمد بن منور کی تحریر سے معلوم ہوا مزید وہ لکھتے ہیں کہ اس طرح جتنے بھی مشائخ حضرت امام شافعی کے بعد ہوئے ان کا مسلک شافعی ہی تھا-

لیکن یہ شوافع کے لیے باعث فخر اور برتری نہیں اور دیگر مسالک کے ائمہ وپیروکار کے لیے نقص وعیب بھی نہیں، اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہوئے اور اعتدال پسندی کی مثال قائم کرتے ہوئے خود تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی گمان نہ کرے کہ امام اعظم کے مسلک میں نقص ہے اسی وجہ سے سارے مشائخ نے مذہب شافعی کو ترجیح دیا، نعوذ باللہ، حاشا وکلا کوئی شخص ایسا نہ سوچے، اس لیے کہ میرے علم کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہ جیسے تقوی شعار بزرگ کہیں نہیں گزرا وہ سراج امت اور مقدائے ملت ہیں-

درحقیقت دونوں مسلک ایک ہی ہیں دونوں امام کا قول بھی موافق کتاب وسنت ہے- رہ گئی یہ بات کہ مشائخ شافعی مذہب کو کیوں اختیار کرتے ہیں تو اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چوں کہ مذہب شافعی میں احکام واوامر میں بہت زیادہ شدت ہے اور مذلتِ نفس کا کام اس سے زیادہ آسان ہوتا ہے اس بنا پر اس مذہب میں مشائخ کی دلچسپی رہی نہ یہ کہ امام شافعی کا مقام ومرتبہ اور مسلک امام اعظم سے افضل وبرتر تھا یا حق کے زیادہ قریب تھا-

اتباع سنت کا جنون عشق رسول کی شاہکار مثال

بلاشبہ عشق رسول جز ایمان ہے، اگر کسی مومن کا قلب عشق نبی سے خالی ہو تو گویا وہاں ایمان کی بنیاد ہی نہ پڑی-

شیخ ابوسعید کی زندگی سراپا عشق رسول سے معمور تھی اور آپ کو سنت رسول پر عمل کرنے کا

جذبہ جنوں کی حد تک تھا، وہ خود فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں نے کتابوں میں لکھا ہوا پایا یا کسی سے سنا کہ یہ کام رسول اللہ نے کیا ہے یا ایسا کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے وہ سب کر ڈالا یہاں تک کہ جب مجھے یہ خبر ملی کہ جنگ احد کے موقع سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اطہر میں زخم تھا جس کی وجہ سے آپ نے اپنی انگلی کے بل کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی تھی میں نے اپنے آقا کی اس سنت کی تعمیل کے لیے چار ہزار رکعت انگلی کے بل کھڑے ہو کر ادا کی فوائد الفواد شریف میں بھی یہ روایت مذکور ہے مگر اس میں ایک اور واقعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت رسالت پناہ نے ایک دفعہ نماز معکوس بھی ادا کی ہے میں بھی گیا اور پاؤں رسی سے باندھا اور اپنے آپ کو ایک کنویں میں لٹکا دیا اور اس طرح نماز ادا کی-ع

فرض ہے مذہب عشاق میں سنت تیری

شیخ کی زندگی عشق رسول سے عبارت تھی، یہاں اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ کا ذکر عبث نہ ہوگا جو صرف اتباع حدیث کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ آپ کی اعلی سیرت اور عظمت کردار کی بھی شہادت دیتا ہے-

واقعہ یہ ہے کہ حکیم محمد الدینوری فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھیوں میں ایک عظیم المرتبت زاہد اور یگانۂ عصر عبادت گزار شخص تھا، اس نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ میں مسلسل ایک سال اپنے رب کے حضور جبین بندگی جھکا کر اور خوب تضرع وزاری کر کے بس یہی دعا کرتا تھا کہ مولی مجھے وہ کار خیر بتا دے جس کو کرنے کے بعد میں شیخ ابوسعید قدس سرہ جیسا درجہ حاصل کر لوں، اسی فکر میں میں ایک سال عبادت وریاضت کرتا رہا جب سال مکمل ہوا تو ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ہاتف غیبی آواز دے رہا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے کہ شیخ ابوسعید کو جو مقام حاصل ہے وہ صرف ایک حدیث پاک پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے میں خواب سے بیدار ہوا اور پھر ایک سال تک عبادت وریاضت میں مشغول ہو گیا اور رو رو کر یہ دعا کرنے لگا کہ مولی مجھے اس حدیث سے بھی باخبر کر دے، جب سال مکمل ہوا تو دوران عبادت مجھے نیند آ گئی پھر خواب میں ہاتف غیبی نے آواز دی اور کہا کہ وہ حدیث جس پر عمل کرنے کی وجہ سے، شیخ ابوسعید کو مقام ملا وہ یہ ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے **صل من قطعک واعط من حرمک واعف عمن ظلمک** میں خواب سے بیدار ہوا اور یہ جان گیا کہ شیخ ابوسعید کا مقام ومرتبہ طلب کرنا مجھ جیسے کمتر لوگوں کا کام-نہیں اس لیے میری ریاضت ومجاہدات کے دوسال صرف اس حدیث کی تلاش میں ختم ہو گئے تو اس پر عمل کرنے میں کیا حال ہوگا-

بلند اس درجہ ہے ایوان مستی　　کہ منہ تکتی ہے پرواز زمانہ

بے مثال حافظہ

شیخ ابوسعید کا ذہن بہت ہی بیدار او رنکتہ رس تھا- وہ تحریر وکتب پر اتنا اعتماد نہیں کرتے جتنا اپنے حافظہ وذہن پر اعتماد تھا،ان کی خداداد ذہانت کی شہادت کے لیے بے شمار واقعات ہیں منجملہ ایک واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں، استاد امام اسماعیل صابونی کہتے ہیں کہ جس وقت میں نیشاپور میں تھا دل میں شیخ ابوسعید سے ملاقات کی آرزو ہوئی، میں ان سے ملاقات کے لیے چل دیا،راستہ میں مجھے خیال آیا کہ ہم دونوں یعنی شیخ ابوسعید اور میں جب سرحسن سرخسی میں بوعلی زاہر کے پاس درس حدیث لیتے تھے تو ان میں سے کوئی حدیث مجھے یاد نہیں آرہی تھی اور بار بار کوشش کرتا تا کہ وہ یاد آجائے لیکن نہیں یاد آئی یہاں تک کہ میں شیخ کے پاس پہنچ گیا اور سلام کیا، شیخ نے مجھے اپنے ساتھ بیٹھایا اور فرمایا کہ اے استاد وہ حدیث جو ہم نے بوعلی زاہد کی صحبت میں سنی تھی اس میں پہلی حدیث کون تھی اور کس حصہ میں تھی ؟ میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا کہ مجھے ابھی یاد نہیں البتہ مطالعہ کرلوں تو بتادوں گا، شیخ نے فوراوہ حدیث بیان کردی اور فرمایا کہ وہ حدیث یہ ہے **حب الدنیا رأس کل خطیئة** پھر شیخ نے دوسری حدیث کا سوال دہرایا میں نے پھر جواب دیا کہ مجھے یاد نہیں شیخ اس حدیث کو بھی بیان کردیا اور فرمایا وہ حدیث یہ تھی:

دع مایریبک الی مایریبک پھر تیسری حدیث کے تعلق سے فرمایا، میں نے لاعلمی کا اظہار کیا، جواباً آپ نے وہ حدیث بھی سنائی،فرمایا کہ وہ حدیث یہ تھی،، **کان رسول الله** ﷺ **لایدخر شیألغد**‘‘ استاد صابونی کہتے ہیں کہ مجھے یاد آ گیا کہ وہ احادیث اسی طرح تھیں-

رجوع خلائق

شیخ ابوسعید کی بارگاہ میں ہر قسم کے لوگ آتے تھے عقیدت مندوں کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا آپ کی محفل وعظ کی شہرت ومقبولیت اس قدر زیادہ ہوگئی تھی کہ اہل ذوق اور ارباب علم وفن دور دور سے آپ کی خدمت میں حاضری دیتے حتی کہ معاصر علما ومشائخ بھی آپ کی مجلس سے استفادہ کرتے اور ہر ایک کو ان کے مطلوبہ مسائل کا حل مل جایا کرتا، یہ ایک طرح کی کرامت بھی تھی چوں کہ آپ کا شمار ان نادر اور عبقری مشائخ میں ہوتا ہے جو قطب الاقطاب یا غوث الوقت ہوتے ہیں اس لئے آپ مرجع خلائق بن گئے -آپ کی مجلس کی خصوصیت یہ تھی کہ جو بھی سائل اپنا مدعا لے کر اپ کی محفل میں شریک ہوتا تو اس کو بتانے کی حاجت نہیں رہتی بلکہ شیخ کی تقریر دل پذیر ہر ایک کے خیالات وافکار کی ترجمانی کرتی ہوئی نظر آتی بقول غالب:

دیکھیے تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا وہ بھی میرے دل میں ہے

آپ کی محفل سے اٹھنے کے بعد ہر شخص یہی کہتا نظر آتا کہ شیخ کی گفتگو کا محور آج میں تھا، جیسا کہ ایک واقعہ ہے استاد امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہ نے ایک رات یہ سوچا کہ میں شیخ ابوسعید سے کل یہ سوال کروں گا کہ شریعت کیا ہے؟ اور طریقت کیا ہے؟ تا کہ آزماؤں کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں صبح شیخ کی مجلس حسب دستور منعقد ہوئی، استاد بھی پہنچے اور شیخ وعظ کے لئے تشریف لائے لیکن استاد قشیری نے ابھی اپنا سوال پیش بھی نہیں کیا تھا کہ شیخ نے گفتگو کی ابتدا ہی اس سے کردی اور فرمایا کہ اے وہ شخص جو جاننا چاہتا ہے کہ شریعت کیا ہے؟ اور طریقت کیا ہے؟ تو وہ سن لے کہ ہم نے سارے علوم کو صرف اس شعر میں جمع کردیا ہے-

از دوست پیام آمد کہ آراستہ کن کار ایں است شریعت
مہر دل پیش آر وفضول از رہ بردار ایں است طریقت

امام الحرمین جوینی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں نے کتابوں میں پڑھا، یاد کیا اور لکھا وہ سب اس شاہ طریقت وشریعت شیخ ابوسعید نے صرف اسی ایک شعر میں بیان کردیا-

شیخ کی ذات مرجع عوام وخواص تھی نیز حسن صوری وکمالات معنوی کا پیکر مجسم، خلق نبوی ﷺ کی جیتی جاگتی تصویر تھی، مخالفین ومعاندین کے ساتھ اس طرح پیش آتے کہ وہ بھی آپ کے گرویدہ ہوجاتے عفو درگزر، تحمل وصبر، آپ کی سرشت میں ودیعت تھی انہیں محاسن جمیلہ واوصاف عالیہ کی کشش تھی کہ خلق خدا کا ہجوم جوق درجوق والہانہ انداز سے آپ کے ارد گرد منڈلاتا ہوا نظر آتا-

آپ کے روحانی واصلاحی کارنامے

دعوت وارشاد، تزکیۂ وتصفیہ، اصلاح احوال کے میدان میں ایسے ایسے نادر الوقوع کارنامے چھوڑے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں- چاہے اپنی خانقاہ میں رہتے یا سیر وسفر میں ہر جگہ کوئی نہ کوئی دعوتی واصلاحی سرگرمی ضرور ہوتی ، بہت سے غیر مسلموں کو ایمان سے مشرف کیا، ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے دست اقدس پر تائب ہوئے اور تعلق باللہ کے میدان میں کود پڑے- کتنے دین بیزار لوگ آپ کی نگاہ کرم سے جادۂ مستقیم پر گامزن ہوگئے اس سلسلہ میں کتنے واقعات وحکایت ہیں کہ ان سب کو قلم بند کرنا ایک ضخیم کتاب مرتب کرنے کے مرادف ہے-مختصر یہ کہ امام غزالی کے پیرومرشد شیخ بوعلی فارمدی طوسی قدس سرہ جیسی شخصیت جو امام قشیری اور امام ابوالقاسم گرگانی سے مکمل فیض یافتہ تھی وہ اپنی اصلاح وتزکیہ کے لیے شیخ کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہوئے نظر آتی ہیں، امام ابوالقاسم قشیری جیسے متبحر عالم اور بلند پایہ صوفی بھی آپ کی مجلس سے استفادہ فرماتے ہیں-

تربیت واصلاح کا حسین انداز

دعوت واصلاح کے طریق کار، منہج واسلوب میں جوامتیازات مشائخ کو حاصل ہیں وہ کسی اور طبقہ کو حاصل نہیں-حکمت ومواعظ حسنہ کا استعمال کوئی ان سے سیکھے، شیخ ابوسعید قدس سرہ کا بھی بہت ہی حسین انوکھا انداز اور موثر طریقہ تھا آپ ایسے احسن طریقے سے اصلاح فرماتے کہ بڑے بڑے دانشوران اور مفکرین سوچتے رہ جاتے، جیسا کہ ایک واقعہ ہے کہ شیخ کے ایک مرید تھے جو دورافتادہ گاؤں سے آتے تھے ان کے جوتے کے نعل کی آواز سے پوری خانقاہ گونج اٹھتی، جب وہ خانقاہ میں داخل ہوتا تو سب کو خبر ہوجاتی کہ فلاں صاحب آ گئے اس لیے کہ جوتے کی آواز گونج اٹھتی اس بدو مرید کو یہ احساس بھی نہ ہوتا کہ میری اس حرکت سے یاران طریقت کو تکلیف پہنچتی ہے، خیر بات شیخ تک پہنچی تو شیخ نے اسے ایک چلہ پر بھیج دیا، ایک پہاڑ کی طرف جانے کا حکم دیا اور کچھ نصیحت فرمائی بہر کیف وہ شخص اس پہاڑی وادی میں پہنچا وہی جوتا پہنے ہوئے جوں ہی اس نے پتھروں پر چلنا شروع کیا تو اس کے جوتے کی نعل سے ایک تیز آواز نکلتی اور اس وادی میں صدائے بازگشت کی طرح ہوجاتی اس بے سری آواز سے خود اس کو اذیت ہونے لگی، فوراً اس نے وہ جوتے وہیں اتارے اور پھینک دیے جب واپس خانقاہ میں آیا تو کسی کو خبر نہ ہوئی کہ فلاں صاحب آ گئے ہیں اس لیے کہ وہ اب جوتا پہن کر نہیں آیا تھا، اس طرح بغیر کہے اور نصیحت کیے اس کی اصلاح ہوگئی-

اس طرح کے بے شمار واقعات اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید میں مذکور ہیں-

آپ کا ادبی وعلمی مقام

علم وادب کی دنیا میں بھی آپ کی ایک الگ شناخت ہے-علوم عقلیہ ونقلیہ پر آپ کو کمال و مہارت تھی ایک تو آپ خود زبردست ذہانت وفطانت کے مالک تھے مزید آپ نے جن ماہرین سے علوم سیکھے وہ بھی یگانۂ عصر اور ممتاز زمانہ علماء راسخین تھے، آپ کی گفتگو اور مجالس کے مواعظ و بیانات سے آپ کی فنی بصیرت وعلمی وسعت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، بروقت وبرمحل قرآنی آیت واحادیث مبارکہ، آثار سلف صالحین کا ذکر اور اپنی بات کو ان کے موافق ومطابق ثابت کرنا، پھر اس میں احوال ومکاشفات کا مجرب نمونہ پیش کرنا آپ کی عام عادت تھی، جس سے عوام وخواص سب پر آپ کی علمی ہیبت وفکری جلال غالب رہتا-

منظوم ادبی گلدستے

آپ کو صنف شعر سخن پر بھی ملکہ حاصل تھا اور آپ کی زبان سے بے شمار ایسے اشعار ظاہر ہوئے جو فصاحت وبلاغت، ادبی بصیرت اور فنی گہرائی، کے شاہکار شمار ہوئے-یہی وجہ ہے کہ فارسی ادب میں جن شعرا کا تذکرہ ہے ان میں نمایاں نام آپ کا بھی ہے آپ رباعیات کے

حوالے سے مشہور ہوئے-

آپ کی شاعری کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ کی تعظیم اچھی اور بہت ہے مثلاً شیخ اوحد کرمانی اور شیخ ابوسعید ابوالخیر-

خزینۃ الاصفیاء میں مذکور ہے: منقول ہے کہ شیخ ابوسعید کے تصوف میں بہت سے اشعار ہیں اور یہ رباعی انہیں میں سے ہے:

چشم ہمہ اشک شد چو از غم بگریست   زعشق تو بے چشم ہمی باید زیست
از من اثرے نماند ایں عشق چیست   چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

ایک مشہور شعر جس کا تذکرہ فوائد الفواد شریف میں ہے سلطان المشائخ نے اس شعر کو بھی شیخ ابوسعید کی طرف منسوب کیا ہے، شعر یہ ہے:

با عاشقاں نشیں وغم گزیں   باہر کہ نیست عاشق کم شو باو قریں

ذیل میں عربی اور فارسی شاعری کے چند نمونے پیش ہیں،

تقشع غيم الجهد عن قمر الحب
واشرق نور الصبح فی ظلمة الغيب
وجاء نسيم الاعتذار مخففا
فصادفه حسن القبول من القلب
تقنع بالكفاف تعش رخاء
ولاتبغ الفضول مع الكفاف
ففی خبز القفار بغير ادم

....

وفی ماء القراح غنی وكاف
وكل تزين بالمرء زين
وازينه التجمل بالعفاف

خواہی کہ کسے شوی زہستی کم کن   ناخوردہ شراب وصل مستی کم کن
بازلف بتاں دراز دستی کم کن   بت راچہ گنہ تو بت پرستی کم کن

....

تاروئے ترا دیدم اے شمع طراز   نے کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز
چوں باتو بوم مجاز من جملہ نماز   چوں بے تو بوم نماز من جملہ مجاز

....

در شب تاریک برداری نقاب از روئے خویش
مرد نابینا بہ بنید باز یابد راہ را

منشور ادبی شہ پارے

نظم کے ساتھ ساتھ آپ نثر کے میدان میں بھی یگانہ تھے، بسا اوقات آپ کی زبان فیض ترجمان سے ایسے بے بدل اور وقیع جملے نکلتے جسے سن کر بڑے بڑے ارباب علم وادب حیرت میں پڑ جاتے، ساتھ ہی وہ جامع اور پر مغز نکات اور لطیف اشارات کا حسین مرقع بھی ہوتے اور تلقین وارشاد کا شاہکار نمونہ بھی۔

آپ کے عربی ملفوظات

(۱) ایاک وصحبة الاشرار ولاتقطع عن الله بصحبةالاخیار
(۲) کان التصوف ألمافصار قلما
(۳) سیروا الیٰ الله سیرا جمیلاوسیروا الیٰ الله بالھمم لابالقدم
(۴) السلامة فی التسلیم والبلاء فی التدبیر
(۵) الله بس وماسوا ھوس وانقطع عن النفس
(۶) من احب ثلاثة فالنار اقرب الیه من حبل الورید لین الکلام ولین الطعام ولین اللباس

فارسی ارشادات کے نمونے

(۱) تصوف دو چیز است یک سونگریستن و یکسان زیستن
(۲) ہر رشتہ دیگر باشد بر بستہ دگر
(۳) کار دیدار دل دارد نہ گفتار زبان
(۴) ہزار دوست اندک بود و یک دشمن بسیار بود
(۵) مسلمانی گردن نہادن بود حکمہاے ازلی را والاسلام ان یموت عنک نفسک
(۶) ہر کجا پنداشت تست دوزخ است و ہر کجا تو نیستی بہشت است

مذکورہ ملفوظات اپنی جگہ نہ صرف فنی وادبی محاسن کے شاہکار ہیں بلکہ حکمت وموعظت اسرار وحقائق، تجربات ومشاہدات، پند نصائح کا حسین گنجینہ بھی ہیں۔

وصال

متفقہ روایتوں کی روشنی میں شیخ جمعہ کی شب عشا کے وقت بتاریخ ۴ر شعبان ۴۴۰ھ (۱۸ر

نومبر ۱۰۴۸ء کو اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے اور سارے عالم کو سوگوار کر گئے بقول سعدی شیرازی۔

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشہ می روی

یہی کیفیت آپ کے وصال کے وقت تھی جس شب آپ کی وفات ہوئی اس میں بساط عالم کو بھی تکلیف گزری۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر

انسانی دوستی اور خلق خدا سے انس ومحبت اور رحمت ورافت کا سلوک صوفیہ کرام کا امتیازی خاصہ رہا ہے حضرت شیخ ابوسعید اس معاملہ میں رأفت کی اعلیٰ مثال تھے۔ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے میں حاضرین سے ایک شخص بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی بیل کو چابک مارا گیا تو آپ تکلیف کی شدت سے کراہنے لگے اور ایسے آہ کی کہ معلوم ہوتا کہ انہیں ہی مارا گیا ہو، وہاں ایک مخالف بھی موجود تھا اسے شیخ کی اس کیفیت پر یقین نہیں آرہا تھا وہ سمجھ رہا تھا، کہ یہ ڈھونگ کررہے ہیں چنانچہ شیخ ابوسعید نے اپنی کمر سے کپڑے اتار کر اس جگہ کو اسے دکھایا تو اس نے دیکھا کہ شیخ کی پشت مبارک پر اس چابک کا اثر ونشان موجود تھا۔

ہم عصر علما ومشائخ

(۱) شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ (۲) شیخ ابوالقاسم گرگانی قدس سرہ (۳) استاد امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہ (۴) امام الحرمین ابوالمعالی جوینی قدس سرہ (۵) ابوعلی فارمدی طوسی قدس سرہ (۶) شیخ اسماعیل ساوی قدس سرہ (۷) شیخ اسماعیل صابونی قدس سرہ (۸) استاد ابوعلی فقیہہ قدس سرہ (۹) شیخ بوعلی سینا (۱۰) شیخ احمد نصر قدس سرہ (۱۱) شیخ محمد آملی قدس سرہ (۱۲) امام قاضی عیاض سرخسی قدس سرہ۔ (۱۳) استاذ ابوعلی دقاق قدس سرہ۔

تلامذہ وخدام

(۱) حضرت حسن مؤدب قدس سرہ
(۲) حضرت عمران قدس سرہ
(۳) حضرت عبدالکریم قدس سرہ
(۴) خواجہ ابوالفتح قدس سرہ
(۵) ابوبکر مکرم قدس سرہ
(۶) خواجہ ابوالقاسم زراد قدس سرہ

(۷) خواجہ ابوبکر مودب قدس سرہ-

صاحبزادگان

(۱) خواجہ ابوطاہر سعید

(۲) خواجہ مفضل

(۳) خواجہ ابوالوفا مظفر

(۴) خواجہ ابوالعلا ناصر

مراجع و مصادر

(۱) کشف المحجوب، اردو ترجمہ، از داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ، مترجم مفتی غلام معین الدین نعیمی، مطبع رضوی کتاب گھر، دہلی، ص:۲۴۳، ایضا:۲۴۴

(۲) اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید تالیف محمد بن منور بن ابی سعید، چاپ خانہ تہران، ص:۴، ایضا:۱۶، ایضا:۲۱/۲۳، ایضا ۲۰۲ - ایضا ۲۷۴

(۳) نفحات الانس، مترجم، از مولانا جامی قدس سرہ، مترجم، شمس بریلوی، مطبع دانش پبلشنگ کمپنی دریا گنج دہلی، ص:۵۳۳، ۵۳۶

(۴) خزینۃ الاصفیا، جلد، دوم از مفتی غلام سرور لاہوری، مطبع ثمر ہند لکھنؤ، ص: ۲۲۸، ۲۲۹،

(۵) فوائد الفواد شریف، از حضرت حسن علا سنجری، ص:۱۳۱، ۱۳۶

OOO

ڈاکٹر سید شمیم الدین احمد منعمی

اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید - ایک جائزہ

حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر میہنی قدس سرہ، صف اکابر میں ایک ایسی شخصیت کے متحمل ہیں، جن کے اعمال اور اشعار، دونوں ہی محققین صوفیائے کرام کے نزدیک درجہ استناد رکھتے ہیں، کشف المحجوب اور کیمیائے سعادت سے پہلے جس نے ان بلند مرتبہ شاہکار کے لیے زمین فارسی ہموار کی وہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر ہیں- فارسی شاعری کے گلہائے رنگارنگ میں یا عرفانی شاعری کے نورتن، نظامی، سنائی، عطار، سعدی، رومی، خسرو، حافظ سب کے سب خواجہ ابوسعید ابوالخیر کی لگائی فصل کے ہی سبع سنابل ہیں-

ابوسعید فضل اللہ بن ابوالخیر محمد بن احمد میہنی کی بے پناہ مقبولیت اور قدر و منزلت کا اندازہ ان کے القاب وآداب سے بھی لگایا جا سکتا ہے، جو مختلف اکابر فکر وفن نے آپ کے لیے اختیار فرمایا ہے- چنانچہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کشف المحجوب میں آپ کو، شیخ المشائخ، شاہنشہ محبان اور ملک الملوک صوفیان کے لقب سے یاد فرماتے ہیں:

شیخ الرئیس بوعلی سینا آپ کو ''خاتم المشائخ'' کے لقب سے یاد فرماتے ہیں:

فہرست نسخہ ہای خطی، مصنفات ابن سینا مرتبہ دکتر یحییٰ مہدوی، تہران، ۱۳۳۳/شمارہ ۲۰۶،ص:۵)

شیخ فریدالدین عطار اپنی تذکرۃ الاولیا میں انہیں ''فانی مطلق''، ''باقی برحق''، ''محبوب الٰہی''، معشوق نامتناہی ''قطب عالم'' اور بادشاہ عہد جیسے القاب عالیہ سے ان کا ذکر چھیڑتے ہیں-

حضرت عطار اپنی مثنوی ''اسرار نامہ'' میں آپ کو سلطان طریقت لکھتے ہیں: ''روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ الہرات'' میں شیخ معین الدین محمد زنجی اسفزاری نامی، آپ کو ''سلطان الاحرار'' اور ''قطب الابرار'' تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی لطائف اشرفی میں ''قطب الاولیا'' کے لقب سے یاد

فرماتے ہیں:

اکثر بزرگوں نے آپ کو ''سلطان ابوسعید ابوالخیر'' لکھا ہے- کہتے ہیں کہ ایرانی صوفیہ کرام اوران سے محبت کرنے والوں میں سے سات بزرگوں کو ''سلطان'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اوراسی لیے انہیں سلاطین سبعہ کہا جاتا ہے- یہ سلاطین سبعہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) امام علی بن موسی رضا (۲) حضرت بایزید بسطامی (۳) حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی (۴) حضرت جنید بغدادی (۵) خواجہ ابوسعید ابوالخیر (۶) محمود غزنوی (۷) سنجر سلجوقی -واللہ اعلم

شیخ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب شیخ تقی الدین السبکی (م ۷۷۱ھ) اپنی طبقات الشافعیہ میں فرماتے ہیں:

شیخ الوقت ابو سعید بن ابی الخیر المیھنی مقدم شیخ الصوفیه واهل المعرفة فی وقته سنی الحال عجیب الشان اوحد الزمان لم یر فی طریقة مثله (طبقات الشافعیہ، ج:۴، ص:۱۰)

حضرت ابوسعید ابوالخیر کے سوانح حیات کا سب سے بنیادی ماخذ ''اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید'' ہے، جس کے مؤلف حضرت محمد بن منور بن ابوسعید ہیں-

صوفیہ کرام اور مشائخ عظام کے قدیم ترین فارسی تذکروں میں ''مقامات ابوسعید ابوالخیر'' بھی ایک ہے- فارسی تذکرہ نگاری کی تاریخ میں بھی اس تذکرے کی اہمیت مسلم ہے- اس کی زبان اوراس کا اسلوب بھی ایسی خوبیوں سے پُر ہے کہ فارسی سوانح نگاری، تاریخ نگاری اور تذکرے کی تاریخ ''مقامات ابوسعید'' کا ذکر کیے بغیر نامکمل ہے-

حضرت محمد بن منور نے ''مقامات ابوسعید'' کو بادشاہ غوری غیاث الدین ابوالفتح محمد بن سام بن حسین بن سام کے نام اتحاف وانتساب فرمایا ہے- بادشاہ موصوف کا زمانہ ۵۵۸ھ سے ۵۹۹ھ کو محیط ہے-

مقامات ابوسعید میں سن تالیف درج نہیں ہے، اس لیے اس کے تعین کے لیے داخلی شواہد سے مدد لی جاتی ہے- مقامات ابوسعید کا اتحاف وانتساب غیاث الدین غوری (م ۵۹۹ھ) کے نام ہے- اس لیے یہ طئے ہوجاتا ہے کہ اس کی تالیف ۵۹۹ھ سے قبل ہوئی ہے-

مقامات ابوسعید میں سلطان سنجر سلجوقی کا ذکر سلطان شہید لکھتے ہوئے کیا گیا ہے اوراس کی شہادت ۵۵۲ھ میں ہوئی اس لیے یہ بھی طے ہے کہ مقامات کی تالیف ۵۵۲ھ کے بعد اور دوران حکومت سلطان غوری ۵۵۸ھ سے ۵۹۹ھ کے درمیان ہوئی ہے-

مقامات ابوسعید میں حضرت ابوسعید کے حالات وکرامات کے لیے ایک اہم ماخذ اوحد

الطائفہ محمد بن عبدالسلام کی شخصیت ہے جو کہ حضرت ابوسعید کے مولازادگان میں سے ایک تھے، اور حملہ ترکان غز کے نتیجے میں ہونے والی بربادی وتباہی کے بعد آستانہ حضرت ابوسعید پر مقیم ہوکر مصروف خدمت ہوگئے تھے- ان کا مندرجہ ذیل بیان مقامات ابوسعید کے زمانہ تالیف کے تعین میں بڑا مددگار رہے-

''ہمچناں بر سر تربت شیخ (ابوسعید ابوالخیر) باخدمت بیستاد، مدت بیست سال زیادت وخدمت آں بقعہ مبارک می کرد و اگر درویشی رسیدی خدمت او بجا می آوری وعورات را بہ حصار فرستادی واو بر در مشہدی بود'' (مقامات، ص:۳۸۷)

اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حملہ ترکان غز ۵۴۸ھ سے بیس یا بائیس سال بعد محمد بن عبد السلام سے مؤلف مقامات ابوسعید نے ملاقات وروایت کی یعنی ۵۷۰ھ کے قریب مقامات کا سن تالیف متعین ہوتا ہے- واللہ اعلم

مقامات ابوسعید ابوالخیر ایک مقدمہ اور تین ابواب پر مشتمل ہے- ابواب کی تعداد تین رکھنے کے لیے مقدمے میں یوں دلیل دیتے ہیں:

''چوں احوال جملۂ آدمیان ومرتبہ کارہا از سہ وجہہ بیرون نیست، ابتدا، ووسط، ونہایتہا، ایں مجموع بر سہ ۳، باب نہادہ آمد''

پہلا باب: حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی ولادت سے جوانی تک یعنی آپ کی نشوونما اور حصول تعلیم وتربیت کا احاطہ کرتا ہے-

دوسرا باب: مقامات ابوسعید کا اہم ترین حصہ ہے اور کل کتاب کی دوتہائی ضخامت اسی باب کے تحت آتی ہے، اس باب میں حضرت ابوسعید ابوالخیر کے وسط زندگی کے حالات کا احاطہ کیا گیا ہے اور باب کو بھی ۳ فصول میں منقسم کیا گیا ہے-

مؤلف مقامات نے باب دوم کے فصل اول میں حضرت ابوسعید ابوالخیر کی ایک سودس کرامات اور خرق عادات کو بعنوان حکایات بیان فرمایا ہے- اس فصل کے تحت جن واقعات کو نقل کیا گیا ہے ان کے بارے میں مؤلف کہتے ہیں:

''مشہور ست ودرست شدہ است''

باب دوم کی دوسری فصل میں ۱۱۳ حکایات نقل کی گئی ہیں، ان میں سے بعض حضرت ابوسعید ابوالخیر کے حالات وسوانح اور مزاج وطبیعت کی نشاندہی اور وضاحت کرتی ہیں اور بعض خود حضرت ابوسعید ابوالخیر کے ملفوظات کا مقام رکھتی ہیں-

باب دوم کی تیسری فصل میں حضرت ابوسعید کے ارشادات واقوال کو بڑی خوب صورتی کے

ساتھ جمع کر دیا گیا ہے اس فصل کی حیثیت بھی ملفوظات علمیہ کی ہے- اس فصل میں حضرت ابوسعید کے ۹ عدد مکتوبات بھی محفوظ کر لیے گیے ہیں- یہ مختصر مکتوبات یا نامے جن حضرات کو لکھے گئے ہیں ان میں معروف یہ ہیں:

(۱) سلطان چغری (۲) فقیہ ابوبکر خطیب (۳) بنام بزرگان شہر نیشاپور برائے تعزیت خواجہ امام محمد بن عبداللہ بن یوسف الجوینی نیشاپوری

ان مکاتیب میں سے تین نامے بزبان عربی ہیں- اس کے بعد ابیات کی سرخی سے ایسے فارسی اور عربی ابیات کا چھوٹا سا مجموعہ ہے، جسے حضرت ابوسعید ابوالخیر کی زبان مبارک سے مختلف مواقع پر سنا جاتا رہا-

مقامات کا تیسرا باب حضرت ابوسعید ابوالخیر کے زمانہ اخیر سے بعد وفات تک کے حالات وواقعات وکرامات کا احاطہ کرتا ہے، اسے بھی تین فصول میں تقسیم کیا گیا ہے- پہلی فصل، حضرت کی ان وصیتوں پر مشتمل ہے جو انھوں نے اخیر وقت میں فرمائیں-

دوسری فصل خاص وفات کے وقت کے حالات کا احصا کرتی ہے- تیسری فصل میں بعد وصال پیش آنے والے ان واقعات پر مشتمل ہے جس کی پیش گوئی حضرت ابوسعید ابوالخیر نے اپنی حیات ظاہری میں فرمادی تھی اور وہ ان کے وصال کے بعد بعینہٖ وقوع پذیر ہوئے- ان کے علاوہ ان کرامات کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو ان کی وفات کے بعد ظاہر ہوئے-

مقامات ابوسعید کے مصنف اس کی ثقاہت واستناد میں اپنی دقت نظر کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’ودر تصحیح اسانید آں باقصی الامکان بکوشید وہر چہ درروایت آں خللی ویادر اسناد آں شبہتی بود حذف کرد واز ایراد آں تحاشی نمود‘‘ (مقامات، ص:۸)

مقامات ابوسعید ابوالخیر کے سب سے معروف خطی نسخے تین ہیں:

(۱) نسخۂ پطرز برگ (لینن گراد) (۲) نسخۂ کوپن ہاگ (۳) نسخۂ کتاب خانہ سلیم آغا استنبول ترکی

ان تینوں نسخوں میں قدیم ترین مخطوطہ استنبول کا ہے جس کی کتابت ۷۰۰ھ میں ہوئی ہے- سب سے پہلے نسخۂ پطرز برگ اور نسخۂ کوپن ہاگ کو پیش نظر رکھ کر مقامات ابوسعید ابوالخیر کا تحقیقی متن معروف مستشرق ’’والنتن زوکوفسکی‘‘ نے ۱۸۹۹ء میں شائع کیا تھا- اس کے بعد نسخۂ استنبول سے مقابلہ وتطابق کرتے ہوئے اس کا تحقیقی متن معروف محقق ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے ۱۳۴۸ء میں شائع کیا-

ہندوستان میں مقامات ابوسعید ابوالخیر کے نسخے کم ملتے ہیں، تادم تحریر رضا لائبریری رام پور میں اس کے ایک مخطوطے کا علم ہوا ہے- لیکن حضرت ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات اور اس کی شروح

کے خطی نسخے یہاں اچھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں-

مقامات ابوسعید ابوالخیر صرف ایک سوانح نہیں بلکہ وہ حضرت ابوسعید ابوالخیر کے حوالے سے فکر وفلسفۂ تصوف کا بھی ایک حسین تعارف ہے- اس کی حیثیت ایک ملفوظات کی بھی ہے اور مقامات اپنے زمانے کی علمی، سیاسی، معاشی اور سماجی صورت حال کی ایک بہترین گواہ اور مشاہد بھی ہے- مقامات ابوسعید سے حضرت ابوسعید کے معاصرین کے طرز فکر وعمل پر بھی خوب خوب روشنی پڑتی ہے- مقامات ابوسعید اپنے دور کی مسلکی کش مکش اور تشدد وتصلب اور ایسے ماحول میں تصوف کا نظریہ یا صوفی کا طرز عمل بھی پیش کرتی ہے- چنانچہ جب ہر ایک مسلکی تشدد اور تنفر کے حمام میں غوطہ زن ہے تو محمد بن منور صاحب مقامات ابوسعید کا یہ تبصرہ بے حد قیمتی نظر آتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

’’شیخ ما قدس اللہ روحہ العزیز مذہب شافعی داشتہ است .... تا کسی گمان نبرد کہ دریں کلمات کہ در قلم آمد کہ مشائخ مذہب امام بزرگوار شافعی داشتہ اند، ازیں بسبب نقصانی افتد بر مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، کلا وحاشا- ہرگز ایں صورت نباید کرد ونعوذ باللہ کہ ایں اندیشہ بہ خاطر کسی درآید چہ بزرگواری وزہد او بیش از آں است کہ بہ علم ایں دعا گوی درآید وشرح پذیرد کہ او سراج اُمت ومقتدای ملت نبوی بودہ است- صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ وہر دو مذہب در حقیقت برابرند وہر دو امام در آن چہ گفتند متابع کلام مجید حق سبحانہ وتعالیٰ گفتند وموافقت نص حدیث مصطفیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہ کردند وبحقیقت ہر کہ درنگرد درمیان ہر دو مذہب بے تعصبی بداند کہ ہر دو امام در حقیقت یکی اند واگر در فروع اختلافی یابد آں را بہ چشم ’’اختلاف امتی رحمۃ‘‘ نگرد...... نہ از راہ تعصبی کہ اغلب مردمان بداں مبتلا اند...... وایں ائمہ بزرگوار ازایں چنیں تعصب کہ در نہاد ہاے ما ہست محفوظ ومعافی اند-‘‘

بڑے بڑے علما وفقہا جب زبانی وتحریری مناظرے ومناقشے اور رد وکد میں مصروف ومشغول تھے تو صوفیہ کرام کی ہی وہ واحد جماعت تھی جو اہل سنت والجماعت کو توسع اور تواضع کا قیمتی سبق پڑھا رہی تھی اور اختلاف امت کو بجاے زحمت کے رحمت بنائے ہوئے تھی-

مقامات ابوسعید ابوالخیر یا اسرار التوحید پر بعض مورخین وناقدین نے چند مقامات کے لیے اعتراض کیا ہے- خاص طور پر حضرت ابوسعید کے اپنے معاصرین سے تعلقات سے متعلق اطلاعات پر جرح وتنقید کی گئی ہے- حضرت ابوالقاسم قشیری، اور بوعلی سینا سے متعلق جو کچھ صاحب مقامات نے اطلاع دی ہے وہ سند کے ساتھ بیان کی ہے اور تحقیقی وتنقیدی سفر ابھی تمام نہیں ہوا ہے- کیا پتا کل صاحب مقامات کی روایات سب کو تسلیم ہو جائے-

مقامات ابوسعید ابوالخیر کا فرانسیسی ترجمہ آقا محمد آشنا کی کوششوں سے مکمل ہوا اور یونسکو کے

ذریعہ اس کی طباعت ہوئی-۱۳۵۹ھ میں مقامات کا عربی ترجمہ بنیاد فرہنگ ایران کے ذریعہ شائع ہوگیا ہے- مقامات ابوسعید کا عربی مترجم اسعاد قندیل ہے-

حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر کے آثار وحالات پر ''مقامات'' سے پہلے حالات وسخنان شیخ ابو سعید ابوالخیر تالیف ہو چکی تھی لیکن مقامات اس سے زیادہ تفصیلی، تحقیقی اور عمدہ ہے- زبان و بیان، انداز تحقیق وترتیب اور مواد سوانح وآثار ہر لحاظ سے، مقامات ایک عمدہ کوشش اور مابعد کے تذکرہ نگاروں کے لیے ایک قابل تحسین پیش رو ہے-

○○○

مولانا اشتیاق عالم ضیاء شہبازی

خواجہ ابوسعید ابوالخیر کی مجالس وعظ

بنی نوع انسان کی صلاح وفلاح کیلئے موعظت کی بڑی اہمیت ہے- یہ منصب نبوت میں اپنا ایک الگ بلند مقام رکھتی ہے، انبیا علیہم السلام کی تبلیغ وارشاد کا اہم ذریعہ پند وموعظت ہی رہا، اسی کے ذریعہ پژمردہ قلوب واذہان میں ہدایت کی نسیم بہاری نے تحریک پیدا کی اور پتھر دلوں کو دل گداختہ-

داراوسکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللٰہی

مردان خدا کی اس مقدس جماعت کو دنیا ''صحابہ کرام'' کے نام سے یاد کرتی ہے، جس کی رضا وخوشنودی کی توثیق وتصدیق قرآن پاک میں اللہ پاک نے اس شان سے بیان فرمائی **رضی اللہ عنهم ورضوا عنه**، رضا کا نقطۂ کمال یہ ہے کہ پہلے خدا نے اپنی رضا کا ذکر فرمایا کہ ''اللہ ان لوگوں سے راضی ہے'' بعد میں ان مردان حق آگاہ کی رضا کا تذکرہ آیا- ظاہر ہے خدا جس سے راضی ہو جائے اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوگی کہ سارے اخلاص، عبادت، ریاضت ومشقت کا صلہ تو رضائے الٰہی پانا ہے، جسے یہ مل گیا اسے سب کچھ مل گیا-

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا   ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

اسلام جیسے مذہب مہذب کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی نے انسان کی خیر خواہی کے لیے پند وموعظت، علم وحکمت اور ہدایت انسانی کا ذمہ جہاں ہادی آخر الزماں ﷺ دوش نبوت پہ ڈالا وہیں ختم رسالت ﷺ کی حیات ظاہری کے بعد آپ کے پیروکاروں کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ وہ **امر بالمعروف** اور **نهی عن المنکر** کے مستحکم فارمولے کو ہر کس وناکس کے گوش شنوا تک پہنچاتے رہیں اور عہد بعہد داعی اسلام پیغمبر اعظم ﷺ کی یاد تازہ کراتے رہیں-

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون الناس بالمعروف وتنهون عن المنكروتومنون باللّٰه(سورۃ آل عمران آیت نمبر۱۱۰)

ترجمہ:- تم بہترین امت ہوتمہیں لوگوں کے فائدے کے لیے نکالا گیا،تم بھلائی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے ہواوراللہ پرایمان رکھتے ہو-

امت مرحوم کے داعیوں اور ہادیوں کوقرآن نے یہ مژدہ جاں فزا سنایااور **امر بالمعروف اور نھی عن المنکر** کے فارمولے پرکھرے اترنے والوں کو''خیرامت'' کے لقب سے نوازا گیا-

ہمیں خلافت راشدہ کا زریں دوران ذمہ داریوں کو پوری جاں فشانیوں سے ادا کرتا ہوانظر آتا ہے لیکن جب'' ملوکیت'' کی بدعت نے اسلام میں جنم لیا تو جابرانہ نظام اور تشدد پسندانہ رویوں نے وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرڈالا اور خلافت کا پایہ تخت حب جاہ اور شروفساد کے دلدل میں ایسا دھنس گیا کہ ہدایت وموعظت کی ذمہ داری ادا کرنی تو دور کی بات رہی خلافت راشدہ والی عظمتوں کے گم ہونے کا احساس زیاں بھی جاتا رہا-ایسے ہی سوختگان شمع تجلائے محمدی اور آشفتگان زلف سمن سائے احمدی کے حلقوں میں بلندو بالا نام حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر مہنوی قدس سرہ، کا بھی آتا ہے جن کی ذات بڑی شفاف اورصفات مجموعہ ہمہ خوبی اوصاف تھی-آپ کی مجلس وعظ کے تعلق سے زیرنظرمضمون میں کچھ حقائق کی نشان دہی کرنی مقصود ہے-

بہترین وعظ اسے کہا گیا ہے جو سامع کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے اور مافی الضمیر کی ادائیگی متکلم اس طرح کرے کہ اس کا اسلوب سخن سامع کے قلوب واذہان کو مسخر کرلے،اس سلسلے میں الفاظ کی نشست وبرخاست،حکمت ودانائی کی باتوں کا انتخاب،سامعین کی ضرورت،ندرت بیان،محاورات ولغت،فصاحت وبلاغت-ان سب چیزوں کے ہونے کے باوجود موعظت میں اثرانگیزی ہو،یہ کوئی ضروری نہیں-وعظ کے اندرقوت تاثیر وعظ کہنے والے کی پرکشش ذات سے ہوتی ہے-ذات جتنی پاکیزہ اور پرکشش ہوگی بات اتنے ہی زیادہ تاثیر پیدا ہوگی،پھر اس سادہ سے جملہ کے آگے محاورے ولغت،فصاحت وبلاغت،اسلوب سخن،ندرت بیان،سب دم توڑتے نظر آئیں گے-یہاں تک کہ ام معبد کے سکورار کھنے،،بلی کے چھینکنے پرکود جانے،،اور بھنے ہوئے انڈے کے زمین پر خاک مال ہوجانے کا معمولی سا تذکرہ بھی ساری مجلس وعظ میں ہیجان برپا کرتا نظر آئے گا،ایسے عالم میں جب قول کے ساتھ قائل کی شخصیت سامعین پہ اثرانداز ہوتی ہے تو کتنے مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ملتے ہیں،کتنے گریباں چاک کرتے ہیں اور کتنے خرقہ پھاڑتے ہیں اور غرۂ علمی سراپا حیرت بن کر دیکھتا رہ جاتا ہے-بقول غالب:

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
اشارت کیا ،عبارت ، کیا، ادا کیا

وہ ذات کہ موضوع گفتگو ہے ابوسعید الفضل بن احمد بن محمد المعروف بہ ابن ابی الخیر المیہنی کی ہے(۱)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام،، کے مقالہ ابوسعید ابی الخیر کے ضمن میں آپ کا نام فضل اللہ بتایا ہے-(۲)

آپ کی جائے ولادت میہنہ ضلع خابران بتائی گئی ہے-کہتے ہیں کہ یہ بستی سرخس اور ابیورد کے بیچ واقع ہے جسے اب معانہ کہا جاتا ہے-تاریخ پیدائش یکم محرم ۳۵۷ھ مطابق ۵/دسمبر ۹۶۷ء ہے-وصال کی تاریخ اور سن ۴/شعبان المعظم ۴۴۰ھ مطابق ۱۲جنوری ۱۰۴۹ء ہے-آپ کے تذکار اور سوانح لکھنے کا شرف آپ ہی کی اولاد میں سے دو شخصیتوں کو حاصل ہوا،ان میں سے اول محمد بن ابی روح لطف اللہ بن ابی سعید بن ابی طاہر کا نام آتا ہے جنہوں نے کتاب کا نام،،حالات وسخنان شیخ ابی سعید بن ابی الخیر،رکھا جسے ژوکوفسکی نے ۱۸۹۹ء میں سینٹ پیٹرزبرگ سے شائع کیا-دوسری شخصیت محمد بن منور بن ابی سعید کی ہے جنہوں نے''**اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید**'' لکھی-اس کی اشاعت بھی ژوکوفسکی کے ذریعہ ۱۸۹۹ء میں سینٹ پیٹرزبرگ سے شائع ہوئی-یہ کتاب پہلے کے مقابلے زیادہ تفصیلی ہے-(۳)

شیخ ابوسعید کے والد ابوالخیر کا پیشہ عطاری کا تھا،انہیں باب الخیر کے نام سے شہرت حاصل تھی ،آپ شیخ ابوسعید کو بچپن ہی سے صوفیہ کے یہاں لے جایا کرتے اور مجلس سماع میں بٹھلاتے-شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم تصوف ابوالقاسم بشر یاسین (۳۸۰ھ/۹۹۰ء) کے ذریعہ ہوئی-شیخ ابوالقاسم کا میلان طبع سخن وری کی طرف زیادہ تھا-حضرت ابوسعید کی مجالس وعظ جب گرم ہوتیں تو آپ دوران وعظ زیادہ انہیں کے اشعار پڑھا کرتے تھے-

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی تحصیل علم کا جائزہ لینے سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے بچپن میں ابوعبداللہ العصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابوبکر القفال الصغیر رحمۃ اللہ علیہ (م۴۱۷ھ) سے فقہ شافعی پڑھی،ابومحمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ(م۴۳۸ھ) امام الحرمین کے والدان کے ہم درس تھے،اس کے بعد آپ سرخس میں مقیم ہوئے،وہاں ابوعلی ظاہر رحمۃ اللہ علیہ(م۳۸۹ھ) سے تفسیر،اصول،اورحدیث کی تکمیل کی-ابوعلی ظاہر کا سرخس سے معتزلہ کا قلع قمع کرنے میں بڑا اہم کردار رہا-لقمان السرخسی المجذوب کا واقعہ انہیں دنوں کا ہے-جن کے ذریعہ آپ کی ملاقات ابوالفضل محمد بن حسن السرخسی سے ہوئی اور ان کی بیعت کی(۴) آپ کے پیرومرشد نے آپ کے حاصل کردہ علوم ظاہری کو آپ کے حق میں

کافی سمجھتے ہوئے اسے بند کرنے کا حکم دیا اور معرفت الٰہی کی طرف آپ کی لو لگا دی۔ پیرومرشد کے
وفات پا جانے کے بعد جب کبھی آپ پر قبض کی کیفیت طاری ہو جاتی تو سرخس جا کر اپنے پیر کی قبر کی
زیارت کرتے اور بست کشاد میں بدل جاتا۔ پیرومرشد کے کہنے ہی پر شیخ السلمی کے ذریعہ آپ کو خرقہ
عطا ہوا تھا۔ آپ نے کافی دنوں شیخ ابوالعباس القصاب کی خدمت میں بھی ریاضت کی، شیخ ابو
العباس القصاب کے جماعت خانے میں ایک جگہ تھی جہاں اکتالیس سال مقیم رہے۔ حضرت
ابوالعباس کی یہ عادت تھی کہ رات کو اگر کوئی مرید زیادہ جاگتا تو آپ فرماتے کہ بیٹا سو جاؤ جو یہ فقیر
کر رہا ہے تمہاری خاطر کر رہا ہے ورنہ فقیر کے لیے یہ مجاہدہ ضروری نہیں ہے، لیکن انہوں نے اس
درمیان شیخ ابوسعید کو ایک دفعہ بھی ایسا نہ کہا جیسا کہ دوسروں کو کہتے تھے۔

ایک دفعہ رات کے وقت حضرت ابوالعباس اپنے حجرہ سے باہر آئے، آپ نے فصد
کرایا ہوا تھا (رگ کھول کر خون نکلوانا) شیخ ابوسعید کو یہ حال معلوم تھا، اٹھے اور شیخ کے سامنے آکر
ہاتھ دھلائے اور شیخ سے چادر لے لی (شاید خون آلودہ رہی ہوگی) اور اپنی چادر انہیں پیش کی شیخ
ان سے چادر لے کر اوڑھ لی اور نماز پڑھنے لگے۔ شیخ ابوسعید نے جب چادر دھوا اور سکھا کر آپ کی
خدمت میں پیش کی تو آپ نے اشارتاً فرمایا کہ تم اوڑھ لو! جب صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ شیخ
ابوسعید اور شیخ ابوالعباس ایک دوسرے کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، لوگوں نے تعجب کیا تو شیخ ابوالعباس
نے فرمایا ہاں رات کو کپڑے نذر ہوئے، یہ سب ابوسعید کا نصیبہ ہے۔ اسے مبارک ہو۔ (۵)

آپ اپنا وقت قرب وجوار کی خانقاہوں میں گزارتے ان خانقاہوں میں ''رباط کہن'' کا نام
خصوصیت سے لیا جاتا ہے۔ آپ کا سینہ جہاں علوم ظاہری سے لبریز تھا وہیں علوم باطنی کا بھی بحر
مواج تھا۔ آپ عشق الٰہی میں جاں سوزی سے انتہائی لطف اندوز ہوا کرتے، کبھی متعدد دنوں سے
کھانے پینے سے ناطہ توڑ لیتے، فقر و فاقہ کی تنگی میں، ،قوت لایموت، ، کا لطف اٹھاتے، مہینوں
پہاڑوں میں غائب ہو جاتے، پاپیادہ صحراؤں میں چکر کاٹتے رہتے یہاں تک کہ آپ کی عمر
چالیس سال ہوگئی اور آپ کی ریاضت نفس کا دورہ اسی طرح جاری رہا۔ (۶) دوسرا دور آپ
کا ''خدمت درویشاں'' کا دور ملتا ہے اس میں آپ کا مقصد تذلیل نفس تھا، آپ فرمایا کرتے تھے
کہ اللہ تک پہنچنے کا آسان ذریعہ ہے راحتے بدل مسلمانے رساندن۔

آپ انتہائی کشادہ دست تھے، مریدوں کے لیے پرتکلف دعوتوں کا اہتمام کراتے، اختتام
دعوت پر مجلس سماع قائم ہوتی، جہاں عشق الٰہی کے شعلے بھڑکتے، نعرے لگائے جاتے، خرقے
پھاڑے جاتے، اور گریباں چاک ہوتے، ان دعوتوں پر ہزاروں دینار خرچ ہوتے، کئی بار حضرت
ابوسعید مقروض بھی ہو جاتے اور ان کے ناظم حسن مودب کو پریشانی بھی اٹھانی پڑتی لیکن بالعموم ایسا

ہوتا کہ کوئی مال دار مرید نذر گزار کر اخراجات کی ادائیگی کا سبب بن جاتا۔ الغرض شیخ ابوسعید خندہ
رو، خوش خو، بااخلاق، صاحب مروت بزرگ تھے۔ آپ کھانے پینے رہنے سہنے مثلاً خیمے، فرش
، فانوس اور چراغ روشن کرنے وغیرہ میں بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے جسے ان کے زمانے میں
بہت سے کم نگاہ لوگ اسراف کہا کرتے تھے۔ (۷)

حضرت شیخ احمد جام عارف زندہ پیل قدس سرہ کی تربیت حضرت ابوسعید فضل اللہ ابوالخیر
المیہنی رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارکہ کے ذریعہ ہوئی تھی، اور آپ ہی کے حکم سے حضرت شیخ زندہ پیل
کو آپ کے بیٹے شیخ ابوطاہر کی معرفت خلافت صدیقی عطا ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر
نے اپنی زندگی میں چالیس عارفان کامل کی تربیت کی تھی اور انہیں میں حضرت زندہ پیل بھی تھے
جو روحانی طور پر اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ (۸)

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر المیہنوی کو شخصیت ہشت پہلو یا مجموعۂ ہمہ خوبی کہا جائے تو کوئی
غلط بات نہ ہوگی، نفحات الانس میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ نے سلطان وقت،
جمال اہل طریقت اور شرف القلوب جیسے القاب سے انہیں یاد فرمایا ہے۔ (۹)

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی جیسی بلند پایہ شخصیت آپ کی مہمانی پر فخر کیا کرتی تھی، ایک دفعہ
حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کے یہاں آپ اپنے مریدوں کے ہم راہ مہمان ہوئے، اس وقت آپ
کے گھر میں چند ٹکیوں کے سوا کچھ میسر نہ تھا، آپ کے کہنے پر آپ کی اہلیہ نے اس پر چادر ڈھک
دیا اور مہمانوں کو حسب ضرورت کھلاتی گئیں، سب شکم سیر ہو گئے پھر بھی چادر کے نیچے روٹیاں بچی
رہ گئیں، آپ کے خادم نے تعجب کیا اور چادر ہٹائی کہ ماجرا کیا ہے دیکھا تو وہاں کچھ نہ پایا، شیخ
خرقانی نے فرمایا نادان! تو نے بہت برا کیا اگر تو چادر نہ اٹھاتا تو فضل خدا سے قیامت تک روٹیاں
نکلتی رہتیں، کھانے سے فارغ ہو کر شیخ ابوسعید نے آپ سے سماع کی فرمائش کی، باوجود اس کے کہ
آپ نے کبھی سماع نہیں سنا از راہ مہمان محفل آراستہ کرا دی، قوال نے جب چٹکیاں بجا بجا کر
اشعار پڑھنا شروع کیا تو حضرت ابوسعید کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ اپنی آستین جھٹک کر اس زور
سے زمین پر پاؤں مارے کہ خانقاہ کی دیواریں تک ہل گئیں، حضرت ابوالحسن نے گھبرا کر کہا: بس
کیجئے کیوں کہ مکان گر جانے کا خطرہ ہے اور زمین وآسمان آپ کے ساتھ وجد کر رہے ہیں۔ اپنی
اصلی حالت پہ لوٹ آنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی جماعت تم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ
اس طرح رقص کیوں کرتے ہو؟ تو جواب دینا کہ گزشتہ بزرگوں کے اتباع میں جس میں ابوالحسن
جیسی شخصیت بھی ہوتی۔ (۱۰)

آپ کے مقام ولایت کے لیے اس سے بڑی سند اور کیا ہوگی کہ حضرت ابوالحسن خرقانی نے

ایک روز آپ سے فرمایا کہ میں نے تمہیں موجودہ دور کا ولی مقرر کر دیا ہے، تمہاری شان ولایت بہت بلند بالا ہے ، میں ایک زمانے سے یہ دعائیں کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ایسا فرزند عطا کر دے جو میرا ہم راز بن سکے اور اب میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے تم جیسا شخص عطا کر دیا- تذکار کی کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے ادب واحترام کی حد درجہ رعایت فرماتے تھے -ایک مرتبہ رخصت کرتے وقت حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالحسن خرقانی کی خانقاہ کے دروازے کو بوسہ دے دیا ، حضرت شیخ خرقانی نے فرمایا کہ چوکھٹ کے پتھر کو احترام کے طور پر اٹھا کر محراب میں نصب کر دو، حسب الحکم ایسا کیا گیا، لیکن صبح کو دیکھا گیا تو وہ پتھر اپنی جگہ پہنچ گیا تھا مسلسل تین یوم ایسا ہوتا رہا لہذا شیخ خرقانی نے حکم دیا کہ اسے اب یہی رہنے دو اور شیخ ابوسعید کے احترام کی نیت سے اس دروازے کو مستقل طور پر بند کروا دیا ، آمد ورفت کے لیے دوسرا دروازہ کھلوا دیا -حضرت ابوسعید بھی احترام میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے یہاں تک کہ حضرت ابوالحسن خرقانی کے سامنے کبھی لب کشائی نہیں کی - وجہ پوچھنے پر فرمایا سمندر کے مقابلے میں ندیوں کی اہمیت نہیں ہوتی، شیخ کے بالمقابل بات نہ کرنا ہی داخل ثواب ہے-

شیخ ابوسعید مہنوی جہاں طریقت کے سلطان وقت تھے وہیں آپ کشور لوح قلم کے بڑے تاجدار تھے، مشہور ہے آپ نے موضوع تصوف پر ایک گراں قدر کتاب تصنیف فرمائی اور اس پر اپنا کافی وقت بھی صرف کیا پھر اچانک آپ کے دل میں کیا خیال گزرا کہ مسودہ کی شکل میں وہ سارا علمی سرمایہ زمین کے اندر دفن کر ڈالا اور فرمانے لگے-

''نعم الدليل انت والاحتفال بالدليل بعد الوصول محال''

یعنی سب سے اچھی دلیل تیری ذات ہے اور تجھ تک رسائی کے بعد غیر کے ساتھ مشغول ہونا محال ہے-(۱۱)

آپ کا طبعی میلان شروع ہی سے شعر وشاعر کی جانب تھا اور اس میں ید طولیٰ رکھتے تھے- حضرت ابوسعید جتنے الوالعزم، صاحب شوکت، مرد حق آگاہ تھے آپ کی شاعری بھی اسی درجہ بلند پایہ، نکات آفریں اور معرفت الٰہی سے سرشار تھی، آپ کی رباعیات اب تک اس کی زندہ مثال ہیں- حضرت ابوسعید کے تعلق سے مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے صوفیانہ خیالات حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر نے ادا کیے ، وہ شیخ بوعلی سینا کے ہم عصر تھے ، ان سے اور شیخ سے مراسلت رہتی تھی - شیخ مشکل مسائل ان سے دریافت کرتے تھے اور وہ ان کا جواب دیتے تھے یہ مراسلات آج بھی موجود ہیں-'' (۱۲)

حضرت شیخ کی رباعیاں اور ان کے آتشیں اشعار اپنے اندر عشق حقیقی کی آگ بھری رکھتے

تھے، دل بریاں، قلب سوزاں، چشم گریاں اور وجود حیراں کے امتزاج سے جو چیزیں عشق حقیقی کی صورت میں نمودار ہوتی ہیں وہی ان کی رباعیوں میں نظر آتی ہیں -مولانا شبلی کی منتخب کردہ رباعیوں میں سے ایک رباعی تمثیل کے طور پر پیش کی جاتی ہے-

دل جز رہ عشق تو نہ پوید ہرگز　　جز درد محبت تو نہ جوید ہرگز
صحرائے دلم عشق تو شورستاں کرد　　تا مہر کسے دگر نہ روید ہرگز

جس طرح رباعیات کی صنف میں حضرت شیخ ابوسعید رحمہ اللہ کو شہرت دوام حاصل ہوئی اسی طرح آپ کی مجالس وعظ کو بھی عظمت تام حاصل ہوئی -آخر میں ان کی چند جھلکیاں پیش کر کے مضمون کو تمام کرتا ہوں ،آپ نے طہارت باطنی ،صفائے قلب اور ورع پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لوگو! خواہشات نفسانی کا ترک کرنا قرب خداوندی کا ذریعہ ہے، انسانی مزاج بھی یہی ہے کہ وہ ہر اچھی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا اور اس کے لیے بہت ساری مشقتیں اٹھاتا ہے اور دوری اختیار کرتا ہے ، پھر کیا ممکن ہے کہ خدا تک رسائی بغیر اوامر پر عمل کیے اور منہیات سے اجتناب کیے ہو جائے - ہرگز ممکن نہیں ، مجھ فقیر ابوسعید ابوالخیر کو دیکھو کہ میں نے اپنے ابتدائے سلوک میں اٹھارہ چیزیں خود لازم کر لی ہے اور ان لزومات کے ذریعہ میں نے اٹھارہ ہزار عالموں کو خود سے دور کر لیا- ان میں سے پہلی یہ کہ میں نے ہمیشہ روزے رکھے ، دوسری حرام باتوں سے پرہیز کیا، تیسری ہمیشہ ذکر الٰہی کیا، چوتھی ہمیشہ شب بیداری کی وہ بھی اس طرح کہ نہ تو کبھی لیٹا اور نہ کبھی کسی چیز سے ٹیک لگائی، پانچویں قناعت کی، چھٹی اگر سونے کی بہت ضرورت محسوس کی تو بیٹھے بیٹھے سو گیا ساتویں ہمیشہ قبلہ رو بیٹھا، آٹھویں کسی نابالغ لڑکے کو نہ دیکھا اور محراب کی طرف نگاہ کی ، نویں دریوزہ گری نہ کی تا کہ صرف حلال روزی ہی مجھ کو پہنچے، دسویں خود کو اللہ کے سپرد کر دیا ، گیارہویں ہمیشہ مسجد میں بیٹھا رہا، بارہویں ہرگز کسی ضرورت کے بغیر بازار نہ گیا، تیرہویں ہر شبانہ روز میں ایک بار ختم قرآن کیا، چودھویں دیکھنے میں اندھا سننے میں بہرا اور بولنے میں گونگا ہو گیا، یہاں تک کہ مخلوق مجھ کو دیوانہ کہنے لگی اور میں اس کو درست سمجھتا ہوں- پندرہویں یہ کہ پیغمبر ﷺ سے منقول ہر بات جو مجھ تک پہنچی میں نے اس پر عمل کیا، اگر وہ بری بات سے روکنے والی ہوئی تو اس سے پرہیز کیا وغیرہ-(۱۳)

حضرت شیخ ابوسعید رحمہ اللہ نے اصلاح احوال کے تحت بڑا عجیب وغریب فارمولہ پیش کیا جو، جہاں یہ ندرت بیان کے اعتبار سے منفرد ہے وہیں حب مال وجاہ سے باز رکھنے میں بے مثال ہے-

آپ فرماتے ہیں:

"لوگو! اگر تم دیکھو کہ کوئی درویش اپنی خانقاہ میں کسی شراب خوار کو رکھتا ہو تو اسے نرمی کے ساتھ سمجھاؤ، سختی نہ کرو لیکن اس کے پاس سونے یا چاندی کا ایک سکہ پاؤ تو اس کو آگ میں گرم کرو اس کے پہلو کو اس سے داغ دو کہ جو چیز تم کو خدا سے باز رکھے وہ منحوس ہے اور اس کی صحبت اختیار کرنا مذموم ہے- آپ نے فرمایا جو کوئی مال رکھتا ہے وہ پامال ہے- اس سے صرف نظر کر دینا چاہیے کہ اس وجہ سے اپنے اور مخلوق کے لیے بلا بن چکا ہے- عقل مندو! سنو حاجت مند تو ساری دنیا ہے ہر ایک کو ایک نہ ایک حاجت ضرور ہے لیکن ہماری یہ حاجت ہے کہ ہمیں کوئی ضرورت و حاجت ہی نہ ہو، اس اعتبار سے ہمیں تم پر فضیلت ہے کہ تم ہم سے کہتے ہو اور ہم اس سے کہتے ہیں- مخلوق کے لیے تو بہت آسانی ہے کہ ان کا کام رحیم اور رحمٰن سے پڑا ہے اور ہمارے لیے مشکل ہی مشکل کہ ہمارا کام جبار اور قہار سے پڑا ہے-" (۱۴)

حضرت شیخ ابوسعید رحمہ اللہ کا خاص طریقہ لطف وعنایت اور رافت و رحمت بر خلق کا طریقہ تھا، غالباً ان کے پیش نظر حضور اقدس ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ رہی ہوگی **صل من قطعک واعط من حرمک واغفر من ظلمک** آپ نے تصوف کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: **التصوف، ترحم النفس فی العبودیۃ وتعلق القلب بالربوبیۃ والنظر الی اللہ بالکلیۃ** یعنی لوگو: تصوف کیا ہے؟ مقام بندگی میں نفس پر رحم کرنا اور اپنے قلب کا ذات ربوبیت سے وابستہ رکھنا اور اپنی تمام تر توجہات اللہ جل شانہ پر مرکوز رکھنا- مقام فنا پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

ارباب طریقت اور دوستان معرفت بخدا جان لو تیس سال ہو گئے تھے کہ میں خدا کو ڈھونڈتا تھا کبھی پاتا تھا اور کبھی نہیں- اب چالیس سال ہو گئے کہ میں ابوسعید کو ڈھونڈتا ہوں اور نہیں پاتا ہوں- دوستو! یہ حقیقت ہے تہتر (۷۳) سال کے بعد مجھ کو میری خودی سے نکالا گیا، اگر ابو سعید کی نیستی کے ایک ذرے کے مقابل آٹھ جنتیں ہوں تو محو و نابود ہو جائیں، خدا کو تو دیکھا جا سکتا ہے لیکن درویش کو نہیں، کیونکہ خدا خدا ہے اور درویش نہیں ہے- دوستو! ایک بار میں نے ضعیف العمر تجربہ کار ایک مرد سے کہا کہ مرد پیر: تم بھی کچھ کہو، اس نے کہا "سوا حق تعالی کے جو کچھ جانتا ہے فراموش کر دے اور حق تعالی کی طرف سے سوا خاموشی کے کوئی بات نہیں ہے، عارف اور معرفت جہاں ہوتے ہیں حق سے حق کی طرف ہوتے ہیں" لوگو! بندگی کا قاعدہ نیستی پر ہے، جب تک ایک ذرہ اثبات کی صفت میں رہے گا تب تک حجاب باقی رہے گا، کیونکہ اثبات خدا کی صفت ہے اور نفی بندے کی، بادشاہ غلام کو نہیں بیچتے ہیں، کوشش کرو کہ غلام ہو جاؤ- تم نے جب یہ گمان کیا کہ حق کو پالیا تو سمجھو اسی وقت اس کو کھو دیا، جس جگہ خودی ہے وہ دوزخ ہے اور جس جگہ نیستی ہے وہ

بہشت ہے- بندے اور خدا کے درمیان آسمان، زمین، عرش و کرسی حجاب نہیں بلکہ پندار اور خودی حجاب ہے اس کو درمیان سے ہٹا دیں تا کہ خدا تک پہنچ جائیں-

میرے عزیز!

"ساری وحشتیں تو نفس کی طرف سے ہیں اگر اس کو ہلاک نہ کرو گے تو یہ تم کو ہلاک کر دے گا"

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر مہنوی کی شہرت و مقبولیت بعض اصحاب علم کو بغض و عناد کی وجہ سے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اور وہ جگہ جگہ شکوہ و شکایت اور غیبت کی زبان کھولے رہتے تھے- ان کی پر تکلف دعوتوں، مجالس سماع، اور مجالس وعظ کی تقریبوں کو دیکھ کر ایک بار ابوبکر محمد بن اسحاق ممشاد الکرامی نے حنفی قاضی محمد سعید محمد الاستوائی سے گٹھ جوڑ کر کے سلطان محمود کے پاس ان کی شکایت کر دی جس پر سلطان نے ابوبکر کو تحقیقات کرنے کا حکم دیا- ان پر یہ الزام لگایا کہ یہ منبر پر چڑھ کر قرآن وحدیث کی بجائے اشعار پڑھتے ہیں، پر تکلف دعوتیں قائم کرتے ہیں اور نوجوانوں کا ناچ ہوتا ہے مگر شیخ ابوسعید رحمہ اللہ نے اپنی فراست سے ان دونوں کی کوششوں کو ناکام بنا دیا-

آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کے پسماندگان میں ایک بڑا کنبہ تھا- آپ کے بڑے صاحب زادے ابو طاہر سعید کو آپ کا جانشین بنایا گیا- انہوں نے اپنے والد کی طرح خدمت خلق، رشد و ہدایت اور محافل و مجالس کے اہتمام کا کام جاری رکھا جس کے سبب سے وہ بہت مقروض بھی ہو گئے لیکن جب نظام الملک کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے از رہ خدمت درویش آپ کے سارے قرضے ادا کر دئے- (۱۵)

یک حملۂ مستانۂ مردانہ بگردیم
از علم گزشتیم و بمعلوم رسیدیم

مآخذ و مراجع

(۱) اللباب جلد۳ صفحہ۲۰۳ بحوالہ رسالہ قشیریہ صفحہ۸۴
(۲) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، مقالہ ابوسعید بن ابی الخیر
(۳) رسالۂ قشیریہ صفحہ۸۴- شیخ ابوالقاسم القشیری
(۴) رسالۂ قشیریہ صفحہ۸۵-۸۴ شیخ ابوالقاسم القشیری
(۵) مراۃ الاسرار صفحہ۴۷۰-۴۶۹ -مصنفہ شیخ عبدالرحمٰن جامی
(۶) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، رسالہ قشیریہ صفحہ۸۵
(۷) مراۃ الاسرار۴۷۳
(۸) قصر عارفاں صفحہ۱۳۱-۱۳۰ حضرت شیخ مولوی احمد چشتی حیدرآباد (ترجمہ و ترتیب پیر

زادہ علامہ اقبال احمد فاروقی)
(۹) نفحات الانس درذکر شیخ ابوسعید ابوالخیر، مولانا عبدالرحمان جامی
(۱۰) تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۲۸۶ - ۲۸۵ - مصنفہ شیخ فریدالدین عطار
(۱۱) مقدمہ عوارف المعارف صفحہ ۱۱، علامہ شمس بریلوی
(۱۲) شعرالعجم جلد پنجم صفحہ ۱۲۰، مولانا شبلی نعمانی
(۱۳) کائنات تصوف، شیخ ابوسعید کی رباعیات کی تشریح، سید شاہ محمد اشتیاق عالم شہبازی
(۱۴) مقالات صوفیہ صفحہ ۹۴ -۹۳، مولانا شاہ محمد کاظم قلندر علوی کاکوروی واضافہ فرمودہ
(۱۵) مقالات صوفیہ صفحہ ۹۵ -۹۴، شاہ تراب علی قلندر کاکوروی (مترجم مولوی حافظ شبیب احمد علوی کاکوروی)
(۱۶) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (مقالہ ابوسعید بن ابوالخیر) - بحوالہ رسالہ قشیریہ صفحہ ۸۷-۸۶-

○○○

شاہ صفی اکیڈمی کی فخریہ پیش کش

داعی اسلام عارف باللہ شیخ **ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی** مد ظلہ العالی

کی قلبی واردات، گنجینۂ معانی، بحر حقائق ومعارف، مثنوی

نغمات الابرار فی مقامات الابرار

جو

سلیس اردو زبان میں شریعت ومعرفت کا انمول خزانہ ہے

تیسرا ایڈیشن

اپنے نئے رنگ وآہنگ اور ضروری توضیحی حواشی کے ساتھ

منظر عام پر آرہا ہے-

حواشی نگار

ذیشان احمد مصباحی

زیرِ اہتمام

شاہ صفی اکیڈمی، خانقاہ عارفیہ/جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد

پیمانہ

نام کتاب:الحقیقة المحمدیة، **مصنف**: علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی علیہ الرحمہ،
فارسی شرح: شرح حقیقت محمدیہ، **شارح**: شیخ عبدالعزیز الخالدی،
اردو ترجمہ: ایضاح حقیقت، **مترجم**: مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی،
صفحات:۳۰۴، **قیمت**: درج نہیں، **ناشر**: المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور (اعظم گڑھ)

علم تصوف اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے اس فن کے اساطین وائمہ نے متعدد کتب ورسائل تالیف کیے، زیر نظر کتاب ''ایضاح حقیقت'' بھی اسی سلسلة الذہب کی ایک حسین کڑی ہے، یہ کتاب ''شرح حقیقت محمدیہ'' کا اردو ترجمہ ہے، جو''حقیقت محمدیہ'' کی فارسی شرح ہے، حقیقت محمدیہ دسویں صدی ہجری کے معروف صوفی بزرگ اور عظیم محقق علامہ سید وجیہ الدین احمد علوی گجراتی متوفی ۹۹۸ء کی فن تصوف میں ایک معرکتہ الآرا تصنیف ہے، افادۂ عام کے لیے علامہ وجیہ الدین ہی کے شاگرد رشید علامہ عبدالعزیز خالدی علیہ الرحمہ نے فارسی زبان میں اس کتاب کی شرح تحریر فرمائی، فارسی زبان میں ہونے کے ناتے اردوداں طبقہ کے لیے اس شرح سے کما حقہ استفادہ وافادہ مشکل تھا، اس لیے حضرت مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی صاحب نے مولانا نظام الدین مصباحی، بولٹن یو، کے ومولانا مقصود مصباحی ڈیوز بری یو، کے صاحبان کی فرمائش پر اس فارسی شرح کا اردو ترجمہ فرمایا ہے، شروع کتاب میں مترجم مکرم کی طرف سے پیش لفظ مرقوم ہے، جس میں آپ نے حقیقت محمدیہ اور اس کی فارسی شرح کا مختصر تعارف پیش کیا ہے، اور اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ کس طرح سے فارسی شرح کے دو نسخے دو مختلف لائبریریوں سے المجمع الاسلامی کے پاس بھیجے گئے، اور پھر اس شرح کے ترجمہ، تحقیق، تحشیہ اور تقدیم کے تعلق سے آپ نے کس قدر جاں فشانی اور عرق ریزی کا مظاہرہ فرمایا ہے، اس کے بعد ص ۶ سے لے کر ص ۱۷ تک حقیقت محمدیہ کے مصنف علامہ وجیہ الدین گجراتی کی حیات وخدمات پر مشتمل مولانا ابن یونس برکاتی رضوی استاد مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ کی ایک معلوماتی تحریر ہے-

اس کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے، کتاب ''حقیقت محمدیہ'' ایک مقدمہ دو مطلب اور ایک تکملہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں مطلوب ومقصود سے متعلق امور موضوع، مبادی اور مسائل مندرج ہیں، مطلب اول میں مراتب تعینات میں وجود باری تعالیٰ کے ظہور اور عالم کے منصۂ شہود پر آنے کی کیفیت بیان کرنے کے ساتھ حقیقت محمدیہ پر روشنی ڈالی گئی ہے-

کتاب کا اردو ترجمہ کافی سلیس وعام فہم ہے، تاہم ترجمہ میں کہیں کہیں فارسی الفاظ کی کثرت وجہ ثقالت ضرور بن رہی ہے، کتاب میں موجود آیات، الفاظ احادیث اور دوسری عربی عبارتوں کا ترجمہ بھی پیش کیا گیا ہے، ہاں ایک جگہ چند عربی اشعار کا ترجمہ نہ کرکے بعینہٖ اشعار کو نقل

کر دیا گیا ہے-پروف ریڈنگ میں زبردست احتیاط کے باوجود کہیں کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں ،مثلاًص۱۴۳پر ذاتی صفات کی تعداد سات بتائی گئی ہے،اور بشکل مشتق ساتوں صفتیں مذکور ہیں ،مگر بشکل مصدر صرف ۶/ہی صفات کا ذکر ہے،صفت کلام مذکور نہیں ہے،ان سب باتوں کے ساتھ ترجمہ میں بہت ساری خوبیاں بھی ہیں،مترجم مکرم نے ترجمہ میں آنے والی شخصیات اور کتب ورسائل کا حاشیہ میں جامع تعارف پیش کیا ہے،مفہوم واضح کرنے کے لیے دوران ترجمہ تشریح سے بھی کام لیا ہے،مضمون میں رنگ بھرنے کے لیے اپنی طرف سے اشعار بھی پیش کیے ہیں ،کتاب کے دونوں نسخوں میں اگر کسی لفظ میں ترمیم کی ہے تو نیچے حاشیہ میں اس کی صراحت کر دی ہے، کچھ اصطلاحات ومطالب کی وضاحت کے لیے الملفوظ کے حوالے سے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے اقوال وارشادات پیش کیے ہیں- بہر حال ہم مترجم مکرم کی خدمت میں اس عظیم علمی کام کے لیے تشکر وتہنیت کے سوغات پیش کرتے ہیں-

تبصرہ نگار:کمال احمد علیمی

نام کتاب: مشائخ نقش بندیہ،**مولف**: مولانا نفیس احمد قادری مصباحی
سال اشاعت:۲۰۱۰ء،**صفحات**:۸۱۶،**قیمت**:۳۵۰/روپے
ناشر: کتب خانہ مینائیہ،مسجد پولیس لائن،نیوحیدرآباد،لکھنو(یوپی)

زیر تبصرہ کتاب ''مشائخ نقش بندیہ'' جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں صرف نقش بندی بزرگوں کے احوال وآثار کو شامل کیا گیا ہے جن کی دینی،سماجی اور اصلاحی خدمات ہر میدان وسطح پر قابل تحسین ہیں-

اس کتاب کے مؤلف مولانا نفیس احمد قادری مصباحی ہیں جو عالم گیر شہرت یافتہ دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی مسندِ تدریس پہ متمکن ہیں-آپ بہت ہی دین دار،خلیق وملنسار اور کشادہ ظرف انسان ہیں-آپ ایک برق نگار صاحب قلم ہیں یہی وجہ ہے کہ کثرت مشاغل، ہجوم افکار اور عدیم الفرصت ہونے کے باوجود اتنی ضخیم کتاب کو صرف چار مہینے کی قلیل مدت میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا-کتاب بہت ہی قیمتی اور اہم معلومات پر مشتمل ہے-علاوہ ازیں محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین رضوی دام ظلہ کے قلم فیض سے لکھے ہوئے ایک وقیع اور تحقیقی مقدمہ نے اس کی اہمیت وافادیت کو دوبالا کر دیا ہے-

مؤلف گرامی نے ایک اچھا قدم یہ اٹھایا ہے کہ اس میں چند قدیم مشائخ کرام کے ساتھ ساتھ متاخر بزرگوں کے احوال زندگی اور ان کے نمایاں کارناموں کو محفوظ کر کے حوادث زمانہ اور گم ناموں کی فہرست میں ان کو شامل ہونے سے بچایا ہے-

اس میں آپ نے قدیم ومتاخر کل اڑتیس مشائخ کرام کے حالات وواقعات اور ان کی خدمات کو عصری تقاضے اور جدید ضرورت کے مطابق ایک نئے رنگ وروپ،عمدہ طرز اور بہترین اسلوب میں قلم بند کیا ہے اور ان کی کتاب حیات کے اہم گوشوں اور قیمتی معلومات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا ہے جو بلاشبہ شائقین طریقت ومعرفت اور مریدین ومنتسبین کے اطمینان قلب اور روحانی سکون کا سامان اور متلاشیان حق کی ذہنی وفکری رہنمائی کے لیے مشعلِ راہ اور تشنہ لبوں کے لیے سیرابی اور شادکامی کا بہترین ذریعہ ہے-

اس میں شامل قدیم اور مشاہیر مشائخ کے چند اسمایہ ہیں:حضرت ابو یزید بسطامی،حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی،حضرت سید محمد بہاء الدین نقش بندی،حضرت خواجہ محمد باقی باللہ،حضرت مجدد الف ثانی سرہندی،حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی،حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدست اسرارھم وغیرہ-

انداز تحریر اور اسلوب بیان شستہ وشگفتہ ہے، فارسی اور عربی عبارات خاص کر اشعار کا

بامحاورہ اور مطلب خیز ترجمہ مطالعہ میں مزید دلچسپی پیدا کرتا ہے- زبان وبیان کی سلاست وصفائی قارئین کو عبارت فہمی اور اصل معانی ومطالب تک رسائی میں کسی قسم کی پیچیدگی اور دشواری محسوس ہونے نہیں دیتی- کاغذ بھی عمدہ ہے اور طباعت وپروف ریڈنگ اور ٹائٹل بھی سراہے جانے کے لائق ہے البتہ دوران مطالعہ چند توجہ طلب اور غیر مربوط الفاظ وعبارات نے میرے ذہن کو اپنی طرف مائل کیا جو شاید کتابت یا پھر پروف ریڈنگ میں عدم توجہ اور اس سے بے اعتنائی کی وجہ سے راہ پا گئی ہیں- اس مختصر سی تحریر میں قابلِ توجہ اور اصلاح طلب امور کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے تاہم چند کی نشاندہی ضروری ہے-

(۱) ملاعلی قاری علیہ الرحمۃ الباری، (ص ۳۵)، جو اصل میں ملاعلی قاری علیہ رحمۃ الباری ہونا چاہیے- (۲) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شکم مبارک سے ہوئیں، (ص ۳۸) جو اصل میں ''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے ہوئیں'' ہونا چاہیے- (۳) حضرت زینب رضی اللہ، ص ایضا، جو اصل میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہونا چاہیے- (۴) ''مرض موت میں ایک شخص نے اس قسطنطنیہ میں دیکھا کہ ایک دکان میں لیٹا ہوا ہے-'' (ص ۲۵۰) جو اصل میں یہ ہونا چاہیے- مرض موت میں ایک شخص نے اس کو قسطنطنیہ میں دیکھا کہ وہ ایک دکان میں لیٹا ہوا ہے جیسا کہ ماقبل کی عبارت سے بھی یہی مفہوم ہو رہا ہے (۵) ''موسوا جسے عالم کہا جاتا ہے'' ص ۵۹۶، جو اصل میں ''ماسوا جسے عالم کہا جاتا ہے'' ہونا چاہیے (۶) ''آپ کی تعلیم وتربیت بے حد خیال تھا''، (ص: ۶۰۸)، جو اصل میں ''آپ کی تعلیم وتربیت کا بے حد خیال تھا'' ہونا چاہیے-

مولف گرامی نے مواد اور معلومات کی فراہمی اور ان کے اخذ وقبول میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے، غیر محقق اور بے بنیاد باتوں کی تحقیق وتفتیش کر کے اصل حقیقت سے روشناس کرایا ہے جس میں آپ کی باریک بینی، لطافت اور محققانہ شان کی جھلک نمایاں ہوتی ہے جس کا اندازہ کتاب کے مطالعے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے-

بہر حال کتاب بہت ہی جامع ہے- بہت سے اہم مباحث اور نکات پر مبنی ہے- آپ نے مشائخ کرام کے اوصاف وکمالات اور ان کے ارشادات کو بڑے حسین پیرایے میں بیان کیا ہے اور ان کے روشن ہدایات کو عمدہ لب ولہجہ میں ذکر کیا ہے- بلاشبہہ مؤلف محترم کی یہ کاوش بڑی گراں قدر ہے-

تبصرہ نگار: ابرار رضا مصباحی

نام کتاب: مجددین امت اور تصوف، **مصنف:** ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری
سال اشاعت: مارچ/۲۰۰۹ء، **صفحات:** ۷۲، **قیمت:** ۳۵/روپے
ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی

عبدالحق انصاری تحریک اسلامی کے معتبر اسکالر اور معروف دانش ور ہیں- پروفیسر صاحب کی ایک درجن سے زائد کتابیں اور پچاس کے قریب مقالے اور کتابچے انگریزی اور اردو زبان میں شائع ہو چکے ہیں- لیکن ان کی تصوف پر تصنیف (Sufism and Shariah) جو اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر، انگلینڈ سے شائع ہوئی اسے غیر معمولی عالمی شہرت حاصل ہوئی- اس کا اردو ترجمہ مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی سے متعدد بار شائع ہوا اور ترکی ترجمے کی اشاعت استنبول سے ہوئی- اردو زبان میں ''مقصد زندگی کا اسلامی تصور'' پروفیسر صاحب کی مقبول ترین تصنیف ہے- زیر بحث کتاب چار ابواب میں منقسم ہے اور ہر باب کو مصنف نے اپنے طرز پر کسی ایک مجدد کے نام سے موسوم کیا ہے- باب اول: امام عالی ابو حامد محمد غزالی، باب دوم: شیخ الاسلام احمد تقی الدین ابن تیمیہ، باب سوم: مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، باب چہارم: حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی، آخر میں ''مشائخ قادریہ کے اشغال'' کے نام سے ایک ضمیمہ شامل کیا گیا ہے جو چھ صفحات پر مشتمل ہے- ضمیمے کو کتاب کے چوتھے باب میں ہی شامل رکھا گیا ہے- ابتدائیہ میں پروفیسر صاحب کا مختصر مگر بصیرت افروز مقدمہ ہے جس میں مصنف نے تجدید دین کا کارِ عظیم انجام دینے والے اصحاب کی فہرست میں ان چار اشخاص کو سر برآوردہ علما ومجددین میں شمار کیا ہے اور تصوف کے اعمال وافکار پر امام غزالی، ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، اور شاہ ولی اللہ کے خیالات کی تلخیص کو یکجا کیا ہے- ان کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''ابن تیمیہ'' کو چھوڑ کر باقی تینوں خود صوفی ہیں، اور آگے اپنے قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''ابن تیمیہ'' کے بارے میں بعض حلقوں میں یہ خیال عام ہے کہ وہ تصوف کے شدید مخالف اور ناقد ہیں- لیکن یہ خیال صحیح نہیں، ابن تیمیہ نہ نفسِ تصوف کے مخالف ہیں اور نہ بغیر تخصیص صوفیہ کے اعمال واشغال، آرا وافکار کے ناقد ہیں- وہ صرف انہی اوراد ووظائف، افکار ونظریات پر تنقید کرتے ہیں جنہیں وہ قرآن وسنت کے مطابق نہیں پاتے-'' تصوف کے ضمن میں کئی کتابیں موجود ہیں، بزرگان دین کے ملفوظات بھی بڑی تعداد میں دستیاب ہیں مگر عصر حاضر میں جن مشکلات کی فضاؤں میں انسان سانس لے رہا ہے- اس کے پاس تصوف جیسے عمیق موضوع کو سمجھنے کے لیے ضخیم کتابوں کا مطالعہ ناممکن امر بن چکا ہے- حصول زر اور ضروریات زندگی کے زیر اثر آدمی اتنا مصروف ہو گیا ہے کہ تحریر اور تقریر سے اس کا رشتہ کٹتا چلا جا رہا ہے، ایسے دور میں جب وقت ہر انسان کے لیے بیش قیمتی شئے بن چکا ہے،

ایک کتاب کی چھ چھ، سات سات، جلدیں کون پڑھے گا- پروفیسر محمد عبدالحق انصاری کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مختصر مگر جامع کتاب کی تالیف کا کام انجام دیا اور وہ سارے سوالات جو تصوف کے متعلق ایک بیدار شخص کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ان کے جوابات اکابر کی کتب سے دیے، جیسے تصوف فی الحقیقت کیا ہے؟ تصوف کا آغاز کب ہوا اور کن ادوار سے گزار؟ صوفیہ اپنا سفر سلوک کس طرح طے کرتے ہیں؟ فنا و بقا، جمع و فرق، صحو و شکر وغیرہ مختلف احوال و مقامات سے گزرتے ہوئے وہ بالآخر کس مقام پر پہنچے ہیں؟ تصوف کی غایت کیا ہے؟ صوفیہ نے وصول الی اللہ کا جو طریقہ اپنایا کیا وہ وہی طریقہ ہے جیسے انبیاے کرام نے اختیار کیا اور اپنے اصحاب کو سکھایا؟ کیا طریقہ ولایت اور طریقہ نبوت دو الگ الگ طریقے ہیں؟ اور اگر ہیں تو کیا ان کی حیثیت ایک ہی منزل تک پہنچنے کی دو الگ الگ راہوں کی ہے یا ان کی منزلیں بھی الگ ہیں؟ کیا قرب نبوت و قرب ولایت دو الگ الگ تصورات ہیں یا ایک ہی تصور ہے، جس کے یہ دو نام ہیں؟ صوفیہ جس کشف و شہود کا ذکر کرتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں اور انبیا کی وحی میں کیا فرق ہے؟ کیا دینی امور کی تعیین اور دینی زندگی کی تشکیل میں صوفی کے کشف و شہود کی کوئی افادیت ہے؟ صوفیہ نے اپنے کشف و شہود کی روشنی میں حقیقت کے بارے میں جو نظریات پیش کیے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نام سے جو فلسفے مرتب کیے گئے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ کیا وہ دونوں مختلف ہیں- یا فی الحقیقت ایک ہی نظریہ ہے او راختلاف صرف چند غیر اہم امور میں ہے؟ یہ اور اس طرح کے مختلف امور کے سلسلے میں ہمارے مجددین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے- امام غزالی کو چھوڑ کر تینوں اربابِ بصیرت کی مختصر ترین سوانح بھی اس کتاب (حاشیے) میں شامل کی گئی ہے- کتاب کے اختتام پر ''مشائخ قادریہ کے اشغال'' کے نام سے جو ضمیمہ موجود ہے اس میں ذکر جہر، ذکر خفی، مراقبہ اور کشف الوقائع کے عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے- پروفیسر صاحب نے تصوف کی ان اصطلاحات اور طریقۂ وظائف کے ضمن میں اس ضمیمہ کو اس میں شامل کیا ہوگا-

مجموعی طور پر یہ کتاب مفید ہے اور اس سے تصوف کے تعلق سے بہت سے وہ حقائق واضح ہوتے ہیں جن کے بارے میں عام طور سے تصوف کے مخالفین و موافقین الجھے رہتے ہیں-

مبصر: سید تالیف حیدر

نام کتاب: جہان تصوف، **مصنف:** شاہ محمد انور علی سہیل فریدی
صفحات: ۲۹۶، **قیمت:** ۱۵۰/روپے
ناشر: محمد انور علی سہیل فریدی 161/3 ریلوے کالونی، تھامسن روڈ، نزد منٹو برج نئی دہلی-2

زیر نظر کتاب ''جہانِ تصوف'' تصوف کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں ایک خوب صورت اضافہ ہے جس میں تصوف، صوفی اور علم تصوف کا تعارف و حقیقت، وحدت الوجود، وحدت الشہود، اقسام صوفیہ اور تصوف سے متعلق ابن تیمیہ جیسے علما کے عقائد و نظریات کی تفصیل کے بعد حسب ذیل نکات و عنوانات کو موضوع قلم بنایا گیا ہے:

منازل تصوف، ارکان تصوف، بیعت و طریقت، شیخ طریقت اور شرائط شیخ، خلافت اور خرقۂ خلافت، خانقاہ و معمولات خانقاہ، حقیقت و سماع اصفیا، سلاسل طریقت جس میں چار پیرانِ طریقت کے تحت تصوف کے چودہ اصولی خانوادوں کا تذکرہ پھر ۴۳ فروعی خانوادوں کا تذکرہ درج ہے- شجرات طریقت سلسلۂ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، رفاعیہ وغیرہ، منظوم شجرات اور مشائخ چشت کا پیغام محبت سمیت مبارک راتوں کی معروف دعائیں، وظائف، اوراد، مناجات اور جوازِ وسیلہ کی حقیقتِ عرفی و شرعی پر بھی خصوصی گوشہ موجود ہے جس کے بعد مصنف کو تصوف اور خانقاہوں کے حوالے سے ''امید کی کرن'' نظر آئی ہے-

اس طرح سے تصوف کے موضوع پر موجود کتابوں میں ''جہان تصوف'' ایک خوب صورت اضافہ ہے اور تصوف اور صوفیہ کے حوالے سے سیدھے سادے انداز میں معلومات حاصل کرنے والے افراد کے لیے بڑی ہی مفید تصنیف ہے- ابتدائی صفحات میں پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی اور پروفیسر نثار احمد فاروقی کے معلوماتی پیش لفظ اِس کتاب کی اہمیت و ضرورت کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہو رہے ہیں- مصنف کسی خانقاہ کے روایتی پیر یا شیخ، کسی مسجد کے امام یا کسی مدرسہ کے استاد نہیں بلکہ عملاً ایک سرکاری ملازم ہیں اور شمالی ریلوے اسپتال دہلی میں چیف لیبارٹری سپرنٹینڈنٹ کے عہدہ پر فائز ہیں، ہاں خانقاہ آبادانیہ فریدیہ بدایوں شریف یوپی اور خانقاہ قادریہ آبادانیہ فریدیہ سربیلہ سہرسا بہار کے سجادہ نشین اور پابند شرع صوفی و عالم ہیں- یہ کتاب اسی روحانی سلسلے کی برکت، علمی ذوق اور شوق مطالعہ کا قابل ذکر نمونہ ہے-

مبصر: ظفر الدین برکاتی

نام کتاب:الاِبریز –خزینۂ معارف، **مصنف**: علامہ احمد بن مبارک سجلماسی
مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن راولپنڈی **صفحات**:۶۲۴، **قیمت**:۳۵۰/روپے
ناشر: رضوی کتاب گھر ۴۲۳-اردو بازار مٹیا محل جامع مسجد دہلی-۶

ابــریــز نامی اس کتاب کے مؤلف علامہ احمد بن مبارک سجلماسی افریقی جزیرہ کے ہی مسلم سپوت ہیں جنہوں نے اپنے مرشد طریقت حضرت شیخ سید عبدالعزیز دباغ مغربی علیہ الرحمۃ والرضوان کے صوفیانہ مواعظ، عالمانہ بیانات، قرآنی آیات اور احادیث رسول کے عارفانہ توضیحات وتشریحات، باطنی احوال وعلوم سے متعلق بے شمار استفسارات اور تصوف وطریقت کے متعلق سوالوں کے عمدہ وصحیح جوابات اور حافظے میں محفوظ سبھی مفید ملفوظات کو کتابی شکل میں جمع کر دیا- حضرت دباغ مغربی ایک امی بزرگ تھے اور صاحب کشف وکرامت ولی تھے- دسویں صدی ہجری کے اخیر میں آپ کے کشف وکرامات کا بڑا چرچا تھا، اسی شہرت نے علامہ احمد بن مبارک کو آپ کی بارگاہ میں حاضری پھر ارادت وخلافت کی سعادت کا موقع فراہم کیا- ماہ رجب ۱۱۲۹ھ سے علامہ احمد بن مبارک نے اس کتاب کی جمع وتالیف کا آغاز کیا، اس سے واضح ہے کہ علامہ دباغ مغربی دسویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں- ابریز نامی کتاب کے مندرجات اور معلوماتی مشمولات سے آپ کی دینی بصیرت، فکری صلاحیت اور عقیدے کی پختگی آشکارا ہوجاتی ہے، ساتھ ہی آپ کے مرید خاص اور تلمیذ ارشد علامہ احمد بن مبارک کے اندر آپ کے سفر وحضر، خلوت وجلوت، بحث ومباحثہ میں شرکت اور موعظت ومذاکرے میں حصہ لے کر آپ سے اکتساب فیض کرتے رہنے کا جذبۂ صادق بھی جھلکتا ہے- اسی جذبۂ صادق کا کرشمہ ہے کہ یہ کتاب ملفوظات کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی ایک مستقل تصنیف وتالیف اور معلومات ومعارف کا خزانہ معلوم ہوتی ہے- اسی لیے ابــریــز کے مترجم نے اس کا نام ''خزینۂ معارف'' تجویز کیا ہے-

''خزینۂ معارف'' سے پہلے ''ابریز'' کا ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے قلم سے ''تبریز'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے لیکن انہوں نے اُن مقامات کا ترجمہ نہیں کیا ہے جن سے اُن کا اعتقادی اختلاف ہے، اس لئے ڈاکٹر محمد حسن صاحب نے کتاب کے سبھی حصے کا خوب صورت، سلیس، بامحاورہ اور عام فہم اردو میں ترجمہ کیا ہے- ڈاکٹر حسن نے ترجمہ کے ساتھ ایک بڑی خدمت یہ انجام دی ہے کہ پوری کتاب میں جہاں بھی اکابر علمائے اسلام، فقہائے کرام، مشائخ عظام اور معروف وغیر معروف اولیائے کاملین کا ذکر آیا ہے، اُن کے نام، تعارف اور معلومات کی حدتک کارنامے کا تذکرہ بھی حاشیہ میں کر دیا ہے-

مترجم ومحشی ڈاکٹر پیر محمد حسن نے تقریباً ۲۸ صفحات پر مشتمل ایک جامع ''دیباچہ'' بھی لکھا

ہے جس میں انہوں نے اصلی اور جعلی صوفیوں، حقیقی اور مصنوعی ولیوں، ریا کار مجذوبوں کی حقیقت بتاتے ہوئے صحیح اولیائے کرام اور حقیقی صوفیۂ کرام کا تعارف کرایا ہے اور متعلقہ حقائق سے متعلق کج روی اور کج بحثی کا جائزہ بھی لیا ہے نیز تصوف کی حقیقت، حقیقی صوفیۂ کرام اور صحیح اولیاءاللہ کی پہچان بیان کرتے ہوئے قابل ذکر معتبر ومعروف علمائے اسلام کے اقوال سے اپنی جامع تحریر کو مستند ومدلل بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں- ڈاکٹر صاحب نے اپنے تفصیلی مقدمہ میں علامہ ابن عربی اور منصور حلاج جیسے مافوق الفطرت باتیں کرنے والے صوفیہ پر کیے گئے اعتراضات کا تصفیہ بھی کیا ہے اور بڑی فراخ دلی کے ساتھ اُن باتوں کا اعتراف بھی کیا ہے جن سے ہماری کورانہ عقیدت کے سبب ہماری جگ ہنسائی ہوتی ہے اور نتیجے میں تصوف بدنام ہوتا ہے اور صوفیۂ کرام کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے- دیباچے میں ''ولی معصوم نہیں ہوتا، صوفی معصوم نہیں ہوتا'' کو تسلیم کرتے ہوئے مقدمہ نگار نے بڑی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ جذباتی فتویٰ باز علمائے کرام نے اہل اللہ، اولیاءاللہ اور صوفیۂ کرام کی تعظیم وتوقیر کا لحاظ کیے بغیر جلد بازی کا مظاہرہ کیا، نتیجے میں کسی صوفی کو مشرک کہا، کسی کو صوفی کو بدعتی، کسی کو کذاب، کسی کو ریاکاری کا نمونہ اور کسی کو تصوف کا مریض بتایا، اگر چہ دنیا میں غلط افراد کی کمی نہیں مگر حقیقت کیا ہے اور حق کہاں ہے؟ اس میں یہ ظاہری احکام سے واقف علمائے کرام خطا کر گئے- اپنے طویل مقدمہ میں مترجم ومحشی نے اسلاف اور بزرگانِ دین کی کتابوں سے نتیجہ خیز اقتباسات نقل کر کے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ صوفیائے کرام کا روحانی مسلک اور طرزِ طریقت کتاب وسنت کے عین مطابق ہے-

خلاصہ یہ ہے کہ اصل کتاب کے ساتھ مقدمہ اور حاشیہ بھی معلوماتی ہے اور مکمل کتاب ''خزینۂ معارف'' تو ہے ہی- اس کی انہی خوبیوں کی بدولت نئی کمپوزنگ، محتاط پروف ریڈنگ اور عمدہ طباعت کے ساتھ رضوی کتاب گھر دہلی نے اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے- اس پہلے اردو ترجمہ کے ساتھ یہ کتاب ہندوستان میں دستیاب نہیں تھی بلفظ دیگر ہندوستان میں نایاب تھی، اس لیے اس کتاب کی جدید کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے ساتھ معیاری طباعت واشاعت اپنے آپ میں ایک قابل ذکر کارنامہ اور بڑی خدمت ہے- خدا کا شکر ہے کہ اس نے یہ خدمت رضوی کتاب گھر دہلی سے لی ہے- **فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک**-

امید ہے کہ قارئین اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور اس کے علمی وروحانی معارف سے اپنے دل ودماغ کو منور کریں گے-

مبصر: ظفر الدین برکاتی

نام کتاب:صوفیہ نمبر(جلداول)،**مرتبین**: پروفیسر مسعود انور علوی،سید شمیم الدین احمد منعمی ، قاری محمد میاں مظہری،سید محمد جیلانی ،شہباز عالم مصباحی
صفحات:۳۹۲،**قیمت**:۳۰۰/روپے،**ناشر** :صوفی فاؤنڈیشن،انڈیا

امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ بعض ناسمجھ لوگ یہ بات برملا کہہ دیتے ہیں کہ ہم صوفی نہیں ہیں ، یہ کیا ہی بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے بلا جھجک نکل جاتا ہے،انہیں اس بات کی کچھ بھی فکر نہیں ہوتی کہ ہماری یہ بات آخر کہاں جا کر ٹکرائے گی-اگر اس بات کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو دبے لفظوں میں کتاب وسنت کا انکار سمجھ میں آتا ہے یا کم از کم کتاب وسنت سے عدم تعلقی ضرور ظاہر ہوتی ہے-یہ بات ان کی زبان سے صرف اس لیے نکلتی ہے کہ وہ صوفیہ اور ان کے افکار وخیالات اور معمولات سے یکسر ناواقف ہوتے ہیں یا صوفیہ کو قریب سے پرکھے نہیں ہوتے ہیں-صوفیہ ہی اصل دین پر گامزن اور دین سے مستفید ہونے والے ہیں-انہیں کی ذات مقدسہ کے تعلق سے لکھی جانے والی کتاب صوفیہ نمبر ہے جو ابھی میرے پیش نظر ہے-

اس کتاب کی دیگر خوبیوں میں سے ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کتاب کی ترتیب میں حصہ لینے والے عہد حاضر کے نامور اور مستند علمائے کرام ہیں اس سے اس کی قدر و قیمت دوبالا ہوجاتی ہے-اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کتاب کو پانچ بابوں میں تقسیم کردیا گیا ہے جس کی وجہ سے کتاب کو سمجھنے میں کافی سہولیت ہوگئی ہے وہ پانچ باب اس طرح ہیں-

باب اول :افکار تصوف ، باب دوم ،اقدار تصوف ، باب سوم : خدمات تصوف ، باب چہارم ، اصحاب تصوف ، باب پنجم : تحقیق تصوف

باب اول میں تصوف کی ماہیت اور منبع ومنہج وغیرہ پر بحث کی گئی ہے خاص طور سے تصوف کا اہم مسئلہ جسے بیعت وخلافت ،صدق وصفا،صبر ورضا،تقوی وورع ،خوف ورضا،محاسبہ ومراقبہ جیسے امور پر مختصر گفتگو کی گئی ہے اور عام طور پر یہ اعتراض صوفیہ کی ذات پر کیا جاتا ہے کہ حضرات صوفیہ اپنی کتابوں میں احادیث موضوعہ کو اپنے موقف کا مستدل بناتے ہیں ،اس کے تعلق سے بھی قدرے گفتگو کی گئی ہے-اس کتاب کے مطالعہ سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جو لوگ صوفیہ کے احوال ومقامات سے نا آشنا ہیں اور اس کے نتیجہ میں بڑی بڑی بات بول دیتے ہیں وہ بخوبی ان سے آشنا ہو جائیں گے اور اس کتاب کے مطالعہ سے جہاں علم وعمل میں اضافہ ہوگا وہیں ایمان ویقین میں بھی زیادتی ہوگی-میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور خوب سے خوب تر پایا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کتاب لائق مطالعہ اور قابل استفادہ ہے صرف کہیں کہیں کمپوزنگ کی غلطیاں نظر آتی ہے ورنہ کمپوزنگ نیز ورق اور ٹائٹل پیج قابل دید اور قابل ستائش ہے-

مولیٰ تعالی سے دعا ہے کہ صوفیہ کرام کی ذات مقدسہ کے فیوض ہم سب پر جاری وساری فرمائے اور ان کی حیات وخدمات سے استفادہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے-

مبصر:اصغر علی سعیدی

نام کتاب: رنگ نمود در مسئلہ وحدۃ الوجود
مصنف: علامہ الحاج مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی
صفحات: ۴۰، **سال اشاعت**: ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء، **ناشر**: جامعہ حبیبیہ، الٰہ آباد (یوپی)

علامہ الحاج مفتی محمد عاشق الرحمٰن صاحب قادری صاحب کی ایک بہترین تصنیف ''رنگ نمود در مسئلہ وحدۃ الوجود'' میرے پیش نظر ہے- اس کتاب میں آپ نے ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ سلجھانے کی کوشش کی ہے جو کہ صدیوں سے مختلف فیہ رہا ہے، اور یہ مسئلہ سمجھنا بھی بغیر علوم عقلیہ ونقلیہ کے مشکل تو ضرور ہے لیکن محال نہیں، اتنی ساری دشواریوں کے باوجود آپ نے اس مسئلہ کو نہایت ہی آسان اور عام فہم اردو زبان میں تحریر کر کے قوم کو ایک بے بہا سرمایہ دیا ہے- جس کی حفاظت واشاعت ہم سب کے لیے ضروری ہے-

یہ کتاب چالیس صفحہ پر مشتمل ہے جس میں آپ نے مختلف زاویے سے گفتگو کی ہے، اور جگہ جگہ اس بات کی نشان دہی فرمائی ہے کہ ''اس مسئلہ کو صرف وہ سمجھ سکتے ہیں جو اہل کشف ہوں یا علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر ہوں'' اس بات کی مکمل تصدیق تو نہیں کی جاسکتی ؛ کیوں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اللہ کے خاص بندوں کی چند مجلسوں میں بیٹھنے والا شخص ان چیزوں سے اچھی طرح واقف ہو جاتا ہے، ہاں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کے عنوان سے جو کتابیں تحریر کی گئی ہیں ان کے سمجھنے کے لیے علوم عقلیہ ونقلیہ کی سخت ضرورت ہے-

اس کتاب میں آپ نے کثیر تعداد میں ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق اسی مسئلہ سے ہے، اور بہت سے علما وفضلا اور صوفیہ کا تذکرہ کیا ہے جو اس مسئلہ کے مداح اور اس حالت میں غرق تھے، یہ باتیں محترم فاضل موصوف کے مطالعہ کی وسعت اور تبحر علمی کی کھلی دلیل ہے-

الغرض مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کا تعلق جتنا قیل وقال سے ہے اس سے کہیں زیادہ مقام وحال سے ہے، یہ الگ الگ دو احوال ہیں جب طاری ہوتے ہیں تو کبھی وحدۃ الوجود کے بحر بے کنار میں ڈوبنے پر مجبور کر دیتے ہیں تو کبھی وحدۃ الشہود کے سمندر میں غوطہ زن ہونا لازمی ہو جاتا ہے، بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ یہ ایک ہی حالت کے دو مختلف پہلو ہیں کیوں کہ جب بندہ تجلیات ربانی میں غرق ہوتا ہے تو ہمہ از وست (وحدۃ الشہود) کا قول کرتا ہے اور جب متجلی تک رسائی ہوتی ہے تو ہمہ اوست (وحدۃ الوجود) کا قول کرتا ہے، اس کے باوجود اس پاک ذات کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے سب فہم ناقص اور عقل قاصر کی بنائی ہوئی باتیں ہیں-

مبصر: رکن الدین سعیدی

نام کتاب: زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین
مولف: شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، **مترجم**: ڈاکٹر مسعود انور علوی
قیمت: ۱۵۸ روپے، **سال اشاعت**: بار اول ۲۰۰۹ء/ ۱۴۳۰ھ، **ناشر**: ڈاکٹر مسعود انور علوی

یہ کتاب سالکین طریقت کے لیے عظیم سرمایہ ہے، یہ بات میری نہیں بلکہ خود مصنف کتاب لکھتے ہیں سب کچھ میں نے تفصیل سے لکھا اور ''زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین'' نام رکھا- اگر صراط مستقیم اور منہج قویم بھی اس کا نام رکھوں تو مناسب ہے اور اس کو میزان عدل اور دین حق سے ملقب کروں تو بھی بجا ہے- گمان یہ ہے کہ اگر کوئی سالک اس راہ پر چلے تو وہ منزل مراد تک پہنچے اور اگر حاکم وقت اس کو دستور عمل بنائے تو راہ سے بے راہ نہ ہوگا- اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ کتاب لکھنے والا خود سالکین راہ طریقت کا عظیم شہسوار ہے، جس کے معاصرین اور بعد کے جملہ مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نویں، اور دسویں صدی ہجری میں جس ذات نے ہندوستانی مسلمانوں کے بکھرے شیرازے کو منظّم کیا وہ ذات آپ ہی کی ہے- گویا کہ جہاں پہ آپ ایک عظیم محدث اور صوفی ہیں وہیں آپ ایک بہترین سیاسی، اور سماجی، رہنما بھی- گویا کہ آپ ہمہ جہت شخصیت کے حامل تھے، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں، مطالعۂ کتاب کے دوران ایک واقعہ ہماری نگاہوں سے گزرا جسے مترجم نے اپنے مقدمے میں درج کیا ہے، بیان فرماتے ہیں کہ عام طور پر لوگ اپنے بچوں کو اسکول جانے اور پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں اس کے برعکس مجھے کھیل کی جانب متوجہ کیا جاتا تھا- پڑھتے پڑھتے جب رات کے بارہ بج جاتے تو والد ماجد فرماتے، بابا کیا کر رہے ہیں تو فوراً ہی لیٹ جاتا کہ تا کہ جھوٹ نہ ہو جائے اور پھر عرض کرتا جی میں سو رہا ہوں فرمایئے کیا حکم ہے؟ اس کے بعد پھر پڑھنے لگتا- اکثر ایسا ہوا کہ چراغ کی لَو سے میرے عمامہ اور سر کے بالوں میں آگ لگ گئی- اور مجھے اس وقت پتا چلا جب حرارت میرے دماغ پر پہنچی-

یہ کتاب اخلاقی، سماجی، معاشرتی، سیاسی، ہر اعتبار سے مفید ومعین ہے، اور تمام تر خوبیوں کی وجہ سے ضرورت تھی کہ عام فہم، اور سلیس انداز میں اردو ترجمہ ہر خاص وعام تک پہنچایا جائے، اللہ نے اس ضرورت کو ڈاکٹر مسعود انور علوی مدظلہ العالی کے ذریعہ پورا کیا جو ایسے فاضل مصنف ہیں کہ خود تصوف کے زیر وزبر سے واقف ہیں، آپ خانقاہ قلندریہ کاکوری شریف سے تعلق رکھتے ہیں جو ثمر دار اور فیض رساں خانقاہ ہے-

مختصر یہ کہ کتاب ہر طرح سے خوب ہے اور تین مقاصد پر مشتمل ہے، پہلا مقصد: حضرت شیخ علی متقی کے حالات ومقامات کے بیان میں، اس میں پانچ ابواب ہیں، پہلا باب: اس میں آپ

کے ابتدائی احوال اور سلوک کے سفر کی ابتدا سے مکہ معظّمہ پہنچنے تک اور وہاں علما اور شیوخ حدیث سے ملاقات، نیز مشائخ طریقت کے سلاسل سے آپ کی نسبت، کتابوں کی تصنیف وتالیف میں آپ کی مشغولیت، طالبین حق کی تعلیم وتربیت او رجملہ اعمال کے مختصر بیانات ہیں - باب دوم: آپ (شیخ علی متقی) کے بعض طریقے، آداب، عبادت وریاضت اور طالبین کے واسطے جو کچھ ارشاد وتلقین فرمائے - باب سوم: آپ کے چند ارشادات وواقعات جو آپ کے سلسلہ، آداب، طور طریقوں، استقامت اور باطنی احوال کی مضبوطی پر واضح دلیل ہیں - چوتھا باب: آپ کے بعض خوارق وکرامات کے بیان میں - پانچواں باب: آپ کے بعض آخری حالات، رحلت کا واقعہ اور ان سے متعلق بعض دوسرے امور کا بیان -

دوسرا مقصد: شیخ عبدالوہاب متقی کے حالات کے بیان میں، یہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے - پہلا باب: آپ کے مختصر حالات مکہ مکرمہ پہنچنے تک نیز حضرت علی متقی کی صحبت، آپ کے ظاہری احوال اور روش وغیرہ کے بیان میں ہے - باب دوم: آپ کے طور طریقہ، طریق تصوف میں آپ کے آداب، ارشاد وتلقین اور طالبین ومسترشدین کو سلوک طے کرانے سے متعلق ہے - باب سوم: اس میں آپ کے ریاضات ومجاہدات، مناقب وکرامات احوال ومقامات وغیرہ کا بیان ہے جو آپ کے بچپن سے اس وقت تک ظہور پذیر ہوئے - باب چہارم: ان عجائب وغرائب کا بیان، جو آپ نے سفر یا سیاحت کے دوران دیکھے یا سنے - باب پنجم: آں جناب (شیخ عبدالوھاب متقی) کی خدمت میں اس فقیر کی حاضری، آپ کی صحبت کی پابندی، اجازت وخلافت، عطائے خرقہ پوشی، علم حدیث وتصوف، دعاؤں، اوراد ووظائف اور دیگر عنایات کا حصول جو وطن اصلی کی طرف رجوع میں معاون ومددگار رہوئیں، ان سب کا بیان ہے -

تیسرا مقصد: اس دیار کے بعض مشائخ وفقرا کے حالات میں، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت وکرم کی بارش فرمائے اور ہمیں ان کے فرامین پر عمل کرنے کی سعادت بخشے -

مبصر: صاحب حسین سعیدی

نام کتاب: بحر المعانی
مصنف: سید محمد بن جعفر مکی، **مترجم وشارح:** شاہ تقی انور علوی
قیمت: ۴۰۰، **صفحات:** ۴۷۰، **سال اشاعت:** ۲۰۱۰ء **ناشر:** شاہ تقی انور علوی، کاکوری

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معرفت الٰہی کے بحر ناپیدا کنار میں اسرار ورموز، حقائق ومعارف کے لعل وگہر موجود ہیں، اور اس بحر کے غواص حضرات صوفیہ ہیں - مگر اکثر صوفیہ نے اسرار واشارات کو بیان کرنے سے پرہیز کیا البتہ بعض مامور صوفیہ نے مخصوص تشنگان معرفت اور محبین بارگاہ کے لیے اپنے روداد قلب کو کتابی شکل میں ڈھالا تاکہ اس کے ذریعہ وہ اپنی پیاس بجھا کر پوری طرح سیراب ہوسکیں اسی طرح کی شخصیات میں سے ایک ناصر الاولیاء شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید وخلیفہ حقائق ومعارف کے بحر زخار سید شیخ محمد بن جعفر مکی کی عظیم شخصیت بھی ہے -

زیر تبصرہ کتاب بحر المعانی آپ کے ہی ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جس کو آپ نے حضرت ملک عرف شیخن رحمہ اللہ کے نام تحریر فرمایا تھا، اس میں کل چھتیس مکتوبات ہیں جو حقائق ودقائق، احوال وکوائف، مشاہدات ومکاشفات کے مخزن ہونے کے ساتھ ساتھ آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے پوری طرح مزین ہیں اللہ تعالی اس کے مترجم اور شارح بقیۃ السلف مولانا شاہ تقی انور علوی کاکوروی کے ہزاروں گنا درجات بلند فرمائے جنہوں نے ایسی معرکۃ الآرا کتاب کا سلیس اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے بہترین انداز میں جگہ جگہ مشکل اور ادق الفاظ کی تشریح بھی کی ہے مردان حق آشنا کے علاوہ عام علما اس کام کو پوری طرح صحیح انجام نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ اس میں مصنف نے اپنے جو ظاہری وباطنی حالات تحریر فرمائے ہیں ان کو دیکھ کر عقل انسانی بغیر حیران رہے نہیں رہ سکتی آپ ''دقائق المعانی'' میں ایک مقام پر خود فرماتے ہیں کہ ''قدرت لایزالی کے جو عجائب وغرائب میں نے دیکھے ہیں اگر ان میں سے کچھ بیان کردوں تو اہل ظواہر اور عام مخلوق کا پتہ پانی ہوجائے اور وہ بے جان ہوجائیں بے چارے اہل ظواہر کا معدہ دودھ پیتے بچوں جیسا ہے جو حلوے اور بھنے ہوئے پکوان ہضم نہیں کرسکتا - جب گزک ہی نہیں برداشت کرسکتے تو شراب خالص کیا برداشت کریں گے'' اور اسی مفہوم کو ''بحر المعانی'' میں بھی کئی مقامات پر دہرایا ہے ایک جگہ ۲۶ ویں مکتوب میں یہ فرماتے ہیں ''کہ میں اگر ان تمام کلمات کو جو مجھ پر وارد ہوئے اس بحر المعانی میں درج کردیتا تو سارا جہان لرزہ براندام ہوجاتا'' اس لیے اس کتاب کے اردو ترجمہ اور شرح کا حق بھی ایسی ہی کسی جامع شخصیت کو پہنچتا تھا جو اس کا حق پوری طرح سے ادا کرسکے رب قدیر کا فضل واحسان ہے کہ اس نے مذکورہ شخصیت سے یہ کام بخوبی پورا فرمادیا پھر اس پر پروفیسر ڈاکٹر مسعود انور علوی کاکوروی صدر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کا مقدمہ جن کی شخصیت محتاج

تعارف نہیں- کتاب کے مطالب کے لئے عظیم سہارا ہے کیوں کہ آپ نے اس میں ان تمام چیزوں کو یکجا فرما دیا ہے جن پر کتاب کا سمجھنا موقوف تھا-

حاصل یہ کہ اس کتاب میں حقائق ومعارف کا ایک عظیم خزانہ موجود ہے جس سے اہل دل صوفیہ خوب خوب فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن اس بات کا لازمی طور پر خیال رکھا جائے کہ اس میں جو بھی اشارات ہیں انہیں اشارات ہی جانا جائے ان سے مسائل نکالنے کی کوشش نہ کی جائے ورنہ یہ کتاب فائدہ کے بجائے نقصان دہ ہوگی-

مبصر:عبدالرحمٰن سعیدی

تصوف وسلوک پر شاہ صفی اکیڈمی
کی ایک نادر اور دستاویزی پیش کش

نویں صدی ہجری کی جامع شریعت وطریقت شخصیت

حضرت **مخدوم شیخ سعید خیرابادی** قدس سرہ (م۹۲۲)

کے قلم سے ساتویں صدی ہجری کی مشہور متن تصوف

الرسالة المكيه

کی عالمانہ وعارفانہ شرح

مجمع السلوک

جو شریعت وطریقت کا انسائیکلوپیڈیا اور سالکین وطالبین کے لیے دستور العمل ہے-
مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی کی نوک خامہ سے ترجمہ وتحقیق وتخریج کا کام تیزی کے ساتھ جاری ہے اور بہت جلد اشاعت پذیر ہو جائے گی-

شاہ صفی اکیڈمی

خانقاہ عالیہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی

مکتوبات

مولانا عبد الشکور مصباحی (شیخ الحدیث، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی))

''الاحسان'' کا پہلا شمارہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی - نہایت خوش ذوقی کے ساتھ مجلّہ کو ترتیب دیا گیا ہے- بڑے قابل قدر مقالات ومضامین شامل اشاعت ہیں- مادہ پرستی کے اس دور میں لوگوں کو تصوف سے قریب کرنے اور اس کے رموز ونکات سے آشنا کرنے کی واقعی ضرورت تھی-خوشی ہے کہ خانقاہ عارفیہ نظامیہ سید سراواں الہ آباد نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور قابل قدر مجلّہ قوم کے سامنے پیش کیا- اس مجلّہ میں تصوف کی حقیقت، اس کی موجودہ ضرورت اور صوفیہ کرام کے احوال سے متعلق اچھی معلومات فراہم کی گئی ہے- امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر خصوصی گوشہ بھی پیش کیا گیا ہے- مشمولات کے مطالعہ سے بلاشبہ تصوف اور صوفیہ کرام سے عقیدت ومحبت میں اضافہ ہوگا-

یہ امر باعث طمانیت ہے کہ اس کے مرتبین میں نوخیز علما پیش پیش ہیں جو اس بات کا اشاریہ ہے کہ ہماری نئی نسل کو اگر اپنے بڑوں کی اس طرح کی سرپرستی حاصل رہی تو وہ اپنی اخاذ طبیعت سے بہت کچھ مثبت تحقیقی کارنامے انجام دے سکتے ہیں- اللہ تعالیٰ ہمیں خلوص وللّٰہیت کے ساتھ دین متین کی خدمات انجام دینے کی توفیق خیر سے نوازے- (آمین)

مولانا محمد احمد مصباحی: (صدر المدرسین، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی))

آپ حضرات کی کاوش کا نقش اول نظر نواز ہوا، تصوف کو دل کش ودل پذیر انداز میں پیش کرنا آپ حضرات کا حوصلہ مندانہ اقدام ہے، رب کریم ہر طرح کی کامیابیوں سے ہم کنار فرمائے، موانع کو دور فرمائے اور نگارشات کو اغلاط سے پاک وصاف بنا کر مقبول عام فرمائے-

مولانا عبد المبین نعمانی (المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور)

الاحسان کتابی سلسلہ شمارہ نمبرا دستیاب ہوا- تصوف کے عنوان پر شاید یہ پہلا سلسلہ وار مجلّہ ہے جو شاہ صفی اکیڈمی مدرسہ عارفیہ سید سراواں الہ آباد سے شائع ہوا ہے- اور اسے سالانہ طور پر جاری رکھنے کا عزم بھی ہے- ان شاء اللہ اس رسالہ سے تصوف کے تعلق سے پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا- جتنے مضامین ہیں سب تحقیقی اور فکری ہیں دو ایک مضامین بہت مختصر ہیں مثلاً مولانا فیضان المصطفیٰ قادری کا مضمون ''تصوف کا نام رہ گیا ہے اور روح نکل چکی ہے'' یہ مضمون بہت اچھا ہے مگر تشنہ ہے- اعزاز محمد فاروقی صاحب کا انٹرویو بھی پسند آیا بڑے سنجیدہ جوابات اور اچھے افکار پر مبنی ہے-

مولانا محمد مجیب الرحمٰن علیمی صاحب کا مضمون ''خانقاہ صوفیہ تاریخ اور کارنامے'' بڑا جامع اور معلومات افزا ہے- اس میں خانقاہ صفویہ، کی پوری تاریخ کو بڑی خوبی سے سمیٹ دیا ہے لیکن

مضمون نگار سے ایک جگہ بڑی چوک ہوگئی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ قرأت خلف الامام'' کے قائل صرف اس لیے تھے کہ ان کے پاس حدیث تھی یہاں انہوں نے قول امام پر عمل کرنے سے زیادہ بہتر قولِ رسول پر عمل کرنے کو خیال کیا اور یہ معمول اس سلسلے میں آج بھی چلا آرہا ہے۔صوفی حکیم ہوتا ہے۔مقاصد شریعت پر اس کی نگاہ ہوتی ہے،ضرورت وحاجت کے تحت یا روحانی کشف کی بنیاد پر بعض مسائل میں منفرد ہوتے ہیں اس کے باوجود مقلد ہی کہے جائیں گے۔'' (الاحسان، شمارہ ۱، ص: ۲۵۰)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قول امام پر عمل کررہے ہیں وہ حدیث پر عمل نہیں کرتے اور قول امام کی تائید میں حدیث نہیں۔ یہ تو فقہ حنفی اور احناف پر بہت بڑا الزام ہے پھر یہ بات آپ حصر کے ساتھ کہہ رہے ہیں اس پر اور زیادہ تعجب ہے اور یہ بات بھی عجیب ہے کہ قول امام پر عمل کرنے سے زیادہ بہتر قول رسول پر عمل کرنے کو خیال کیا۔ جب کہ خود احناف کے نزدیک بھی حدیث رسول کے مقابلے میں قول امام کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ قول امام حدیث کے مقابل آسکتا ہے۔قول امام تو اس وقت قابل عمل ہوتا ہے جب وہ کسی حدیث سے مستنبط ہو، یا کوئی شرعی حدیث نہ ہو تو پھر قیاس امام پر عمل ہوگا اور اگر محض قول امام حدیث کے مقابلے میں ہو تو اس کو ترک کرنا اور حدیث پر عمل کرنا نہ صرف یہ کہ زیادہ بہتر ہوگا بلکہ واجب ہوگا کہ خود ہمارے امام اعظم نے فرمایا: **اذا صح الحدیث فھو مذھبی**

اس کی پوری بحث اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی معرکہ آرا کتاب ''**الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی**'' میں ملاحظہ کی جائے۔

حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ جس وجہ سے بھی قرأت خلف الامام کے قائل رہے ہوں مگر اس کی بہتر حال صحیح طریقے سے نہیں کی گئی۔ پھر آگے چل کر کشف کو بھی بنیاد بتایا گیا ہے۔ اگر کشف پر اعمال کا دارومدار رکھا جائے تو پھر جتنے کشوف ہوں گے اتنے مسالک جنم لیں گے۔ کیوں کہ کشف غیر کے لیے حجت نہیں اور خود اپنے لیے بھی یقین کا فائدہ نہیں دیتا لہٰذا اس کی وجہ سے قول امام کو رد نہیں کیا جاسکتا اور اولیاء اللہ نے کشف کو فقہیات میں بنیاد بھی نہیں بنایا ہے۔ اور نہ بتایا ہے۔ لہٰذا اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔ ورنہ آپ کا رسالہ اکھاڑا بن جائے گا اور آزادروی کو فروغ ملے گا۔

''صوفی حکیم ہوتا ہے اور مقاصد شریعت پر اس کی نگاہ ہوتی ہے۔'' یہ جملہ بھی اس بات کا غماز ہے کہ گویا ائمۂ مجتہدین حکیم نہیں ہوتے اور ان کی نظر مقاصد شریعت پر نہیں ہوتی جب کہ یہی فقہا و مجتہدین کا طرۂ امتیاز ہے اللہ کی طرف سے انہیں یہی قوت ملتی ہے کہ وہ اجتہاد کے عمل میں

کامیاب ہوتے ہیں اور مجتہدین کرام خود بھی صاحب کشف تھے۔مگر کہیں بھی نہیں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے کشف کی بنیاد پر کسی مسئلے کا استنباط کیا ہو۔

امید ہے کہ الاحسان کو تصوف کے ساتھ خاص کرنے کے ساتھ ساتھ مسلک اہلِ سنت پر تصلب کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے گا کہ مسلک حق پر کاربند رہنا ہی اصل ہے۔اس کے بعد ہی تصوف کا تصور کیا جاسکتا ہے ورنہ تصوف بھی محض ایک تخیل بن کر رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ الاحسان کو نظر بد سے بچائے۔

پروفیسر اختر الواسع (وائس چیئرمین: اردو اکادمی، دہلی، صدر: اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ، نئی دہلی)

اسلامی خانقاہیں ہمیشہ سے علم وعرفان کا مرکز رہی ہیں اور اسی لیے ایک مرشد کامل کے لیے سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا نے یہ پہچان بتائی کہ اسے علم، عقل اور عشق کا مجموعہ ہونا چاہیے۔سید سراواں کی خانقاہ عارفیہ اور اس کے سربراہ اسی کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ خانقاہ میں جو روحانی کیفیات اور عرفانی ماحول ہے، اس کا تجربہ تو انہی خوش نصیبوں کو ہوسکتا ہے جو وہاں جاکر کچھ وقت گزاریں لیکن جو لوگ وہاں سے دور ہیں ان کے لیے وہاں سے شائع ہونے والا سالانہ مجلّہ ''الاحسان'' تصوف اسلامی کی علمی، فکری اور نظری مباحث ومعلومات سے بہرہ مند اور مستفید ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس جریدے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مختلف مسالک کے نمائندہ اہل علم و دانش کی ایسی اچھی تحریریں پڑھنے کو ملی ہیں، جن سے تنوع وتوسع جو کہ صوفیہ کا سب سے بڑا وصف رہا ہے، کا اظہار ہوتا ہے۔ اس رسالے کی اشاعت پر مخدومی ومکرمی حضرت صاحب سجادہ قبلہ شاہ ابوسعید احسان اللہ محمدی صفوی کی خدمت میں ہدیہ تبریک وتشکر پیش کیا جانا چاہیے کہ انہوں نے مسلکی تنازعات اور مذہبی تفرقات کے اس دور میں وصل خواہی اور امن وآشتی کی روایتوں کی ترویج واشاعت کے لیے ایسا شاندار علمی جریدہ نکالنے کا فیصلہ کیا۔ مزید یہ کہ اس سے ان لوگوں کو بھی اسلامی تصوف کے چشمۂ صافی سے اپنی فکری پیاس بجھانے کا موقع ملے گا جو کہ روحانی تشنگی اور اضطراب سے دوچار ہیں۔

مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اس رسالے کی انتہائی متین، شائستہ، متوازن اور مدلل تحریریں ان لوگوں کے لیے بھی خاصی موثر ہوں گی جو کسی وجہ سے تصوف کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ انہیں پتا چلے گا کہ تصوف فرار کا نہیں قرار کا پیغام دیتا ہے۔ وہ تشکیک کی تاریکیوں سے نکال کر ہمیں یقین کے اجالوں تک لاتا ہے۔ وہ انسانوں کا دوست بناتا ہے، ان سے بیزاری نہیں سکھاتا۔ وہ دغا کے بدلے میں بھی دعا دیتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ حضرت ابومیاں صاحب کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پہ بنا رہے اور ان

کی روحانی سرپرستی اور علمی توجہ سے ہم اسی طرح سے سرفراز ہوتے رہیں۔

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی (سابق صدر اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

آپ کے محبت بھرے اصرار کے لیے ممنون ہوں۔ ''الاحسان جیسے کتابی سلسلہ تصوف میں جگہ دینے کے لیے سراپا سپاس۔ حسب وعدہ تصوف کی اجمالی تاریخ پر ایک مختصر مقالہ حاضر خدمت ہے۔ شدید بیماری اور نقاہت کے سبب تاخیر ہوگئی جس پر معذرت خواہ ہوں۔

تصوف پر علمی، تحقیقی اور دعوتی مجلّہ ''الاحسان'' کی اشاعت سے شاہ صفی اکیڈمی نے ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ تصوف وطریقت پر پہلے بھی کئی رسائل وجرائد نکلے اور خوب نکلے مگر وہ شعلہ مستعجل کی مانند جلد ہی منظر عام سے غائب ہوگئے۔ اس تاریک منظر نامہ میں آپ سب نے ''الاحسان'' کی مشعل طریقت جلا کر دلوں کو سرور ونشاط اور آنکھوں کو نور فراہم کر دیا۔ اللہ کرے کہ وہ تادیر طریقت اسلامی اور تصوف حقیقی کی خدمت کرتا اور اذہان وقلوب کی تطہیر وتہذیب کا کام کرتا ہے۔ ''الاحسان'' کا اولین شمارہ اپنے مواد و پیش کش اور ترتیب وتہذیب کی ندرت کے لیے خاص ہے اور سرمۂ بصیرت بھی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم خدمات پر خصوصی گوشہ اس کا ایک طرۂ امتیاز ہے۔ حضرت امام کی خدمات دین وطریقت کا صحیح تجزیہ نہیں کیا جاتا۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت اور بوقلموں خدمات نے علم وتجربے پر عظیم مینار قائم کیے ہیں۔

تصوف وطریقت کی حیثیت، تاریخ، تعلیم، مقصد اور اثرات پر متعدد مقالات ومضامین بہت عمدہ ہیں۔ بعض مضامین بھرتی دم بھی ہیں کہ ان کے لکھنے والے اہل علم سے زیادہ صرف شہرت کے جویا اور اسی کے لیے زندہ سرگرداں ہیں۔ صوفیہ کرام کے احوال ومقامات، مشائخ وشطحیات، علامہ ابن جوزی، ناقد تصوف یا محدث صوفی، حضرت شقیق بلخی، ترکی کی معاصر صوفی تحریکات عمدہ تحقیقی وتنقیدی مضامین ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے مقامات بھی عملی اور روح پرور ہیں۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی کا مضمون ''عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصوف میں'' اور مولانا فیضان المصطفیٰ قادری کا مقالہ ''تصوف کا نام رہ گیا ہے اور روح نکل چکی ہے'' حقیقت پر مبنی ہیں اور سچی تنقید کے علم بردار، بس ایک کسر ان میں رہ گئی کہ ان میں بعض اساطین تصوف اور اکابر طریقت کا استثنا نہیں۔ ابھی اسی خانقاہ طریقت میں عقاب بھی ہیں اور ان میں روح بھی ہیں بس وہ خال خال ہیں اور خدمت دین وشریعت اور اشاعت وتوسیع طریقت میں خاموشی کے ساتھ مصروف ہیں۔

''الاحسان'' اپنے نام وعنوان کی طرح سرمایۂ حقیقت ہے، اسے دین وشریعت کا حصہ بنائے رکھیے۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہے۔

ڈاکٹر سید شمیم الدین احمد منعمی (سجادہ نشیں: خانقاہ منعمیہ، متن گھاٹ، پٹنہ)

الاحسان بلاشبہ اپنی پہلی کوشش میں بھی بہت ہی موثر اور مؤقر ثابت ہوا ہے، اس کے مشمولات کی پاکیزگی و سنجیدگی، اس کے سرپرست سے لے کر جملہ معاونین کے خلوص نیتی کی گواہی دے رہی ہے۔ میں نے مختلف اہل علم سے خانقاہ عارفیہ کی جو تعریفیں سنی تھیں، الاحسان اس پر دال ہے۔

امام غزالی پر شائع ہونے والا زاویہ بھی بہت خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ اس رسالہ کی عمر طویل فرمائے اور ہر شمارے کو گذشتہ سے بہتر فرمائے اور علم تصوف اور فیضان تصوف کو اس رسالے کے ذریعہ عام اور مفید فرمائے آمین

پروفیسر علی احمد فاطمی (سابق صدر شعبۂ اردو یونیورسٹی آف الہ آباد)

یہ رسالہ اپنے مزاج اور مذاق کے اعتبار سے منفرد نوعیت کا ہے، میں انسان دوستی کا بے حد قائل ہوں اور مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ انسان دوستی کا بنیادی محرک تصوف ہوا کرتا ہے۔ اس ملک کی تاریخ میں انسان دوستی، خیر سگالی، محبت اور اخوت کے جتنے پیغام صوفیوں نے یا صوفی شعرا نے دیے ہیں کوئی اور نہ دے سکا۔ لیکن گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ اور نئے نئے افکار ونظریات نے صوفیوں کے کارناموں پر پردہ سا ڈال دیا لیکن آج تمام تر ترقی وتبدیلی کے باوجود جو ایک ذہنی اور روحانی اضطراب ہے اس کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر روحانیت کی طرف نظریں اٹھ چلی ہیں، ایسے میں صوفی مزاج کا آپ کا یہ رسالہ بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ اس کی ابتدا تو بڑا ہی شاندار ہے۔ خدا کرے ارتقا بھی شاندار ہو میری نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔

مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہنامہ اشرفیہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ)

جب الاحسان کا پہلا شمارہ آنے والا تھا تو مجھے بھی کچھ لکھنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے کچھ لکھ نہیں سکا، خیال یہی تھا کہ ایک خانقاہ کے تعارف اور اشتہار کے لیے کوئی رسالہ جاری کرنے کا ارادہ ہوگا، اور پھر بات ذہن سے نکل گئی، لیکن جب عرس حافظ ملت کے موقع پر مبارک پور میں کسی صاحب نے مجلّہ الاحسان مجھے عنایت فرمایا تو ایک نظر دیکھ کر اسے رکھ دیا، بعد میں جب میں نے اس کا بغور مطالعہ کیا تو مختلف جہتوں سے اس کی اثر انگیزی نے مجھے بے پناہ متاثر کیا۔ الاحسان عصر حاضر کے جدید اسلوب میں واقعی، ایک علمی، تحقیقی اور دعوتی مجلّہ ہے۔ سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ اس عہد تخصص میں مجلّہ کا خاص موضوع تصوف ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم ہندوستان میں اپنی نوعیت کا یہ منفرد کتابی سلسلہ ہے جسے عرفانی ماحول میں فکر وادب کی تیز روشنی میں سلیقہ شعاروں نے مرتب کیا ہے۔

یہ خانقاہ عارفیہ سید سراواں کے شیخ طریقت حضرت ابوسعید شاہ احسان اللہ چشتی دام ظلہ العالی کے اخلاص بے پایاں کا نتیجہ ہے انہیں ابھرتے قلم کاروں کی ایک باشعور ٹیم مل گئی، اس کو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نوجوان قلم کاروں کو ایک خانقاہ کی دہلیز پر فکر وقلم کی سمت قبلہ مل گئی، اور یہ سب کچھ بروقت ہوا اب نہ ان کی تحریریں واجب الاعادہ ہوں گی اور نہ انہیں اپنی فکروں کی تصحیح کے لیے سجدہ سہو کی حاجت ہوگی، ان قلم کاروں سے میری مراد مرتبین کی جماعت ہے اللہ تعالیٰ اس مجلّہ کے مرتبین اور مرتبین کے معاونین کو مزید عزم وحوصلہ عطا فرمائے-

مجھے امید ہے کہ الاحسان کا دوسرا شمارہ نقش اول سے بہتر ثابت ہوگا دراصل قلم کے میدان میں ہر منزل پر مزید بہتر کا امکان باقی رہتا ہے اگر مزید بہتر کی تلاش کا سلسلہ جاری رہا تو ان شاءاللہ برصغیر میں یہ مجلّہ تصوف کا ایک اہم حوالہ ہوگا - اللہ تعالیٰ مجلّہ، خانقاہ اور مدیران مجلّہ کو نظر بد سے محفوظ رکھے-(آمین)

پروفیسر سید بدیع الدین صابری (چیرمین بورڈ آف عربک اسٹڈیز عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد)

گراں قدر مجلّہ ''الاحسان'' اور آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا، جس کے شکریہ کے ساتھ چند کلمات جو قلبی جذبات کے ترجمان ہیں پیش خدمت ہیں-

عصر حاضر کی سائنسی ترقی ہمارے گھروں کے در و دیوار کو روشن کرسکتی ہے مگر ہمارے دل کی تاریکی کو روشنی میں تبدیل نہیں کرسکتی ہے، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ ایجادات انسانی معلومات میں احاطے کے ساتھ جہاں دنیاوی راحتیں فراہم کراسکتی ہیں، وہیں روحانیت اور اخلاقیات میں شدید انحطاط پیدا کر کے انسان کو انسانیت کے مقام سے بھی گراسکتی ہے- جدید ایجادات ظاہری سکون تو پہنچاسکتی ہے لیکن روحانی وقلبی سکون کا سامان فراہم نہیں کرسکتیں-

وہ علم جو انسان کو انسانیت کا مقام بتاتے ہوئے اس کے روحانی وقلبی سکون کی غذا فراہم کر سکتا ہے اور اسے بہیمت کے مرتبہ سے نکال کر قوت ملکیہ کے غلبہ کے طریقوں سے روشناس کرتا ہے اسے علم تصوف کہا جاتا ہے-تصوف کی ہر دور میں ضرورت رہی اور آج دنیا کو سب سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے اس اہمیت کے پیش نظر مولانا مجیب الرحمٰن علیمی اور ان کے معاونین نے علم تصوف پر ایک علمی، تحقیقی ودعوتی مجلّہ بنام ''الاحسان'' الہ آباد سے شائع کر کے بے چین دلوں کے چین اور پیاسی روحوں کی سیرابی کا سامان مہیا کیا ہے- یوں تو اور مجلّات بھی اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں لیکن مجلّہ الاحسان میں اپنی اس ضخامت کے ساتھ دور جدید کے تقاضوں کا پورا لحاظ کیا گیا ہے جیسا کہ آج کا انسان ہر چیز کو ریسرچ کے آئینہ میں اور دلیل کی روشنی میں دیکھنا چاہتا ہے، چنانچہ یہ مجلّہ عقل وعشق دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ افراد امت کو

اس کتابی سلسلہ سے زیادہ سے زیادہ نفع اٹھانے کی توفیق عطا کرے اور اصحاب مجلّہ کی کوششوں کو بارآور بنائے-آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ-

ڈاکٹر قمر الھدیٰ فریدی (ریڈر ڈپارٹمنٹ آف اردو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

اس بار بھی آپ کے پیہم اصرار کے باوجود ''الاحسان'' کے لیے مضمون نہیں بھیج سکا- معذرت قبول فرمائیں- امید ہے سابقہ شمارہ کی طرح تازہ شمارہ بھی بھرپور ہوگا-تصوف پر ایک علمی، تحقیقی اور دعوتی مجلّہ کی ضرورت مدت سے محسوس کی جارہی تھی- ''الاحسان'' نے اس کمی کو پورا کردیا- ابواب اور مضامین کی ترتیب پسند آئی-محترم شمو میاں صاحب سے حسن سعید چشتی صاحب کا انٹرویو دلچسپ ہے-آپ کا مقالہ بہت خوب ہے- دیگر مندرجات بھی معیاری ہیں- مبارک باد قبول فرمائیں-

فروغ احمد اعظمی مصباحی (پرنسپل: دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی یوپی)

سید سراواں الہ آباد کے مشہور چشتی بزرگ حضرت مخدوم شاہ عارف صفی قدس سرہ (وصال ۱۳۲۰ھ) خلیفہ حضرت عبدالغفور قل ھواللہ شاہ قدس سرہ (وصال ۱۳۲۴ھ) مرید وخلیفہ حضرت خادم صفی محمدی صفی پوری قدس سرہ کی خانقاہ عارفیہ واقع سید سراواں الہ آباد اپنے موجودہ سجادہ نشین حضرت شیخ ابوسعید احسان اللہ شاہ چشتی صفوی محمدی دامت برکاتہم العالیہ کے دم قدم سے اس وقت علمی وعملی تصوف کی تعلیم وتبلیغ میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کررہی ہے-خانقاہ عارفیہ کے ساتھ جامعہ عارفیہ بھی جڑا ہوا ہے، گویا یہاں علم ظاہر اور علم باطن دونوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام ہے ،خانقاہ اور جامعہ دونوں بہترین اور مثالی تنظیم وانتظام اور خوش گوار و پرسکون روحانی وعلمی امتزاج کے ماحول میں امت مسلمہ کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت اور شخصیت سازی میں مصروف ہیں-اساتذہ اور دوسرے اہل کار انتہائی کی اخلاص ولگن اور محنت کے ساتھ عمل پیہم کی تصویر بن کر اپنے فرائض ادا کررہے ہیں، خاص بات یہ ہے کہ اساتذہ صاحب علم بھی ہیں اور صاحب کردار بھی اور مکمل اخلاص اور شوق کے ساتھ اپنے شیخ وسربراہ کی صالح ولائق قیادت ورہبری میں کچھ ہی نہیں، بلکہ بہت کچھ کرلینے کے لیے پرعزم ہیں-اساتذہ وطلبہ اور ارباب خانقاہ وجامعہ کی شبانہ روز کی سرگرمیاں اور کردار وعمل کو دیکھ کر کوئی بھی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ؎

خوشا مسجد ومکتب وخانقاہے
کہ دروے بود قیل وقال محمد

صحیح یہ ہے کہ احسان وتصوف کے بغیر مکمل اسلامی مزاج وماحول نہیں پیدا ہوپاتا، اور پختہ علم ظاہر کے بنا، احسان وتصوف کی راہ کبھی کبھی بے سمت ہی نہیں بلکہ مضر اور پرخطر بھی ہوجاتی

ہے- جب کہ آج کا المیہ یہ ہے کہ عموماً آج کی درس گاہیں احسان وتصوف سے بہت حد تک دور اور خانقاہیں ظاہری علم سے بہت حد تک محروم ہیں، دور حاضر کے اس عام ماحول میں عارفی خانقاہ ودرس گاہ اپنی ایک الگ شناخت بنانے کی کوشش میں ہے اور کامیاب بھی ہے، ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے-

آج تصوف وصوفی اور روحانیت کے تئیں دنیا موافقت ومخالفت کے دو الگ الگ خیموں میں بٹی ہوئی ہے، اور دونوں خیموں کے بہت سے لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں، موافق خیمے کے کچھ لوگ تصوف وروحانیت کے نام پر محض بعض رسوم کے پابند رہ گئے ہیں، ان کے پاس نہ تو ظاہر کا علم ہے اور نہ باطن کا، صحیح عمل اور حسن عمل تو بہت دور کی بات ہے، اور جن رسموں کی پابندی کی جارہی ہے، ان میں بھی کچھ رسمیں ایجاد بندہ اور بدعت ہیں، جو قرآن وسنت اور شریعت وطریقت سے میل نہیں کھاتیں، حالانکہ تصوف تو اسلام کی روح ہے-

خانقاہ عارفیہ نے خالص اسلامی تصوف کے تعارف اور اس پر عمل کی راہ ہموار کرنے کے لیے دو سال پہلے ''الاحسان'' کے نام سے سالانہ کتابی سلسلے کی اشاعت کا پروگرام بنایا، اور اس کا پہلا شمارہ اپریل ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آیا، جس نے اپنے ہدف کی طرف شاندار پیش قدمی کر کے قدردانوں سے خراج تحسین وصول کیا، ہر طرف پذیرائی ہوئی اور توقع سے زیادہ ہوئی، یہ رسالہ اپنی مقصدیت اور عصری انداز واسلوب کے سبب ایک وقیع اور کامیاب کوشش کہی جاسکتی ہے، جسے آگے بھی جاری رہنا چاہیے، امید ہے کہ ......ع

نقّاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

تصوف کے اس رسالے پر امام غزالی کا رنگ وآہنگ غالب ہے، گویا امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) خانقاہ عارفیہ اور اس کے اس رسالے کا محور ہیں، اور ہونا بھی چاہیے، امام غزالی اور ان کی فکر کو عام کرنے کی ضرورت ہے، امام غزالی نے ہی اسے باضابطہ فن کا درجہ دیا اور یہی اس فن کے مدوّن ہیں، آپ فکر وعمل اور تصوف وروحانیت کے سخت عملی تجربے سے بھی گزرے ہیں، امام غزالی نے فکر وعمل کے تجربات سے گزر کر روحانیت اور تصوف کو منقح کیا اور مقصد شریعت کو بیان فرمایا، اور اسلام کے منقح روحانی پہلو کو ترجیح دی، جس کا ثبوت خاص طور سے ان کی زندگی کے اخیر دور کی آخری الہامی تصنیف ''منہاج العابدین'' ہے، امام غزالی پر رب العالمین کی رحمت خصوصی طور سے متوجہ رہی اور انھوں نے ربانی الہامات اس آخری کتاب میں ذکر کیے ہیں، ہر مسلمان اور بالخصوص تصوف سے دل چسپی رکھنے والے لوگوں کو اس مختصر کتاب کا مطالعہ ایک بار ضرور کر لینا چاہیے، اپنا تجربہ ہے کہ قاری اسے ایک بار پڑھ کر دوبارہ ضرور پڑھے گا-

لہٰذا امام غزالی سے اس ادارے اور رسالے کی دل چسپی بلا وجہ نہیں ہے، میرے علم کے مطابق امام غزالی کی شخصیت اور فکر کی قرار واقعی حیثیت سے کم ہی دل چسپی لی گئی ہے، اور ان پر کم ہی کام ہوا ہے، جب کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی فکر پر نسبتاً زیادہ کام ہوا ہے، اگرچہ ابھی بھی غیروں نے زیادہ کام کیا ہے، اور ان کی کتابوں میں ایک خاص فریق کی تحریفات والحاقات کے سبب اور ان کے نام جعلی کتب ورسائل منسوب کر دیے جانے کی وجہ سے بہت سے تضادات در آئے ہیں، لہٰذا فکر ولی اللہی کی تنقیح کی ضرورت ہے تاکہ صحیح فکر واضح ہو کر سامنے آسکے-

۴۰۸ صفحات پر مشتمل ''الاحسان'' کا یہ پہلا شمارہ ۲۰۱۰ء درج ذیل گیارہ موضوعات پر مشتمل ہے، یہ شمارہ حسن ترتیب وتدوین کا اچھا نمونہ ہے، جو اس کے مرتبین کے ذوق سلیم کی علامت ہے- (۱) بادہ وساغر (۲) احوال (۳) بادۂ کہنہ (۴) تذکیر (۵) تحقیق وتنقید (۶) بحث ونظر (۷) شناسائی (۸) صوفی ادب (۹) زاویہ (۱۰) پیمانہ (۱۱) مکتوبات-

زاویہ کے کالم میں امام غزالی کی خدمات پر خصوصی گوشہ بھی ہے، جس میں چھ مقالات ہیں، جو ص ۲۷۵ سے ص ۳۶۵ کو حاوی ہیں-

تصوف کے اس موضوعاتی مجلّے کے مضامین نے فن تصوف کے بہت سے نئے گوشے اجاگر کیے ہیں، جو نا معلوم نہ سہی مگر خفی ضرور تھے، تصوف کے موضوع پر اس مجلّے کے ذریعہ وقیع جدید وقدیم مواد سامنے آرہے ہیں- خدا کرے ''الاحسان'' تصوف پر دستاویزی مجلّہ ثابت ہو اور اسے قبول عام حاصل ہو-

شمیم طارق (فلیٹ نمبر ۲۷/ چوتھا منزلہ، مرزبان مینشن، بائیکلہ فروٹ مارکیٹ، ممبئی ۲۷)

مولانا صادق رضا مصباحی صاحب کی عنایت سے مجھے ''الاحسان'' کا پہلا شمارہ حاصل ہوا تھا- میں نے پورے رسالے کو بڑے انہماک سے پڑھا اور استفادہ کیا- خانقاہِ صفی پور کے سجادہ نشین صاحب کا انٹرویو بہت بامعنی ہے- اس انٹرویو کو شائع کر کے آپ حضرات نے بھی اپنی کشادہ قلبی اور کشادہ ذہنی کا مظاہرہ کیا ہے- علم کشادہ قلبی ہی کا متقاضی ہے- حضرت مولانا یٰسین مظہر صدیقی صاحب اور پروفیسر مسعود احمد علوی صاحب کے مضامین بھی بہت وقیع ہیں- دونوں حضرات الگ الگ مسلک یا افتادِ طبع سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں نے اپنے انداز میں سچی باتیں لکھی ہیں- حقیقت یہ ہے کہ ایک طرف تو ہماری خوش عقیدگی کا یہ حال ہے کہ ہم گدھے شاہ اور ملعون شاہ کو بھی سرمۂ نظر بنا لیتے ہیں اور دوسری طرف بدعقیدگی کا حال یہ ہے کہ خوش عقیدگی کے نام پر وہ کام کرنے میں بھی قباحت محسوس نہیں کرتے جس کو فقہا اور صوفیہ نے مشترکہ طور پر برا کہا ہے-

میری دعا ہے کہ ''الاحسان'' خوب سے خوب تر کی منزل کی طرف سفر کرتے ہوئے جاری رہے

اورتصوف کے سلسلے میں دوانتہاؤں کے درمیان نقطۂ اعتدال کی تشریح وتفہیم کا مؤثر ذریعہ بنے-

معین شاداب(ذاکرنگر،اوکھلا،نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵)

کتابی سلسلے''الاحسان'' میں علم وعرفانیت کے جس تسلسل کو تاریخی تناظر کے ساتھ اہل دانش تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے وہ قابل قدر ہے-اردو میں اس طرح کے وقیع علمی مجلّے کی ایک طویل عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی جس کو پوری متانت اور ذمہ داری کے ساتھ فاضل نوجوان حسن سعید چشتی نے پیش کیا ہے-''الاحسان'' کے مشمولات کی روشنی میں آسانی کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مجلّہ ''تصوف'' پر صحت مند مباحث کے نئے دریچے وا کرتا ہے، اس اہم اور بسیط موضوع پر یک طرفہ موقف کے بجائے مکالمے کی فضا کا قیام لائق تحسین کوشش ہے-مشمولات کی زمرہ بندی مدیر کی مدیرانہ صلاحیت کی غماز ہے-بادہ وساغر، سے 'مکتوبات' تک تمام تحریریں اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کرتی ہیں-قلم کار بھی اپنے اپنے حوالے سے معتبر ہیں-'ابتدائیہ' میں آپ نے متصوفانہ شاعری کی ترویج کے عزم کا اظہار کیا ہے جو خوش آئند ہے-صوفیانہ شاعری ہماری ادبی روایت کی اساس ہے، میں اس روحانی اور علمی مجلّے کی اشاعت پر نیک خواہشات پیش کرتے ہوئے اس کی بقا کی دعا کرتا ہوں-

محمد زبیر قادری(ایڈیٹر:سہ ماہی مسلک،ممبئی)

امید کہ خیر سے ہوں گے-کتابی سلسلہ الاحسان برادرم مولانا مظہر علیمی کے توسط سے وصول پایا-اور اسے ہر اعتبار سے خوب پایا-البتہ اب اس کو خوب تر بنانے کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے-احقر بےنوا کی پرخلوص دعا ہے کہ وہ اس مجلّہ کو افق عالم پر جگ مگائے اور اس کے ذریعے خوب دین کی ترویج واشاعت ہو-امین

رسالے کے مشمولات کو دیکھ کر ہی اندازہ ہوگیا کہ آپ نے دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی کوشش کی ہے جو واقعی کامیاب ہے-احقر عرصہ دراز سے تصوف پر کتابیں پڑھنے سے اس لئے احتراز کرتا رہا کہ اس کی اصطلاحات، واردات وکیفیات بعض اوقات ذہنی خلجان میں مبتلا کردیتی ہیں ایسے میں کسی استاذ یا رہنما کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے، ورنہ بھٹکتا ہوا ذہن پتا نہیں کہاں لے جائے- مجھے یقین ہے کہ مجھ جیسوں کے لئے یہ گراں قدر سرمایہ رہبر ورہنما ہوگا-

۴۰۸صفحات پر مشتمل الاحسان گراں قدر مضامین پر مشتمل ہے- میرے خیال سے اسے کتابی سلسلے کے طور پر ہی جاری رکھا جائے اور سال میں ۳یا۴ شمارے اتنی ہی ضخامت کے شائع کیے جائیں-دوشماروں کے بیچ زیادہ وقفہ نہ ہو کہ لوگ بند ہوگیا سمجھ کر مایوس ہوجائیں (خدا نہ

کرے)اس کے علاوہ رسالے کا سائز اور رسالوں کے مقابل چھوٹا ہے،جس سے لمبائی چوڑائی میں میٹر کم آرہا ہے اگر اسے بڑھا دیا جائے تو مزید مواد شائع کیے جاسکتے ہیں یا صفحات کم کر کے خرچ کم کیا جاسکتا ہے-

اپنے رسالے''مسلک'' کا پہلا وتازہ شمارہ بھجوا رہا ہوں،امید کہ آپ اپنے قیمتی تاثرات سے ضرور نوازیں گے-حضرت شاہ احسان اللہ چشتی مدظلہ العالی ودیگر راکین کی خدمت میں سلام عرض ہے-

محمد ساجد رضا مصباحی جامعہ صمدیہ،دارالخیر،پھپھوند شریف(اوریا)

کلکتہ کے ایک سفر میں مولانا ذیشان احمد مصباحی کے توسط سے''الاحسان'' کا پہلا شمارہ دست یاد ہوا-''الاحسان'' عصری اسلوب میں تصوف پر علمی مجلّہ ہے-تصوف کے رموز واسرار اور ارباب تصوف کے روحانی حالات کو سمجھنے کا یہ ایک حسین مجموعہ ہے-تصوف پر اس اہتمام کے ساتھ کتابی سلسلے کا آغاز جامعہ عارفیہ، سید سراواں کا اہم کارنامہ ہے- شیخ طریقت شیخ ابوسعید احسان اللہ چشتی دام ظلہ کی سرپرستی میں ذی شعور اور باذوق مرتبین نے محنت وکاوش سے کام لیا ہے-مقالات کے انتخاب میں علمی وتحقیقی معیار کا خیال رکھا گیا ہے-ابواب بندی اور مقالات کی ترتیب میں حسن ذوق اور وسعت فکر صاف جھلکتی ہے-بحث ونظر، سناشائی، پیمانہ اور زاویہ کے کالم نے مجلّے کی اہمیت وافادیت کو دوبالا کردیا ہے-اس سلسلے کو برقرار رکھا جائے-اللہ تعالیٰ ادارہ کے ارباب حل وعقد کو جزائے خیر عطا فرمائے-(آمین)

سید تالیف حیدر (ایف:۸،گلی نمبر۹،ذاکرنگر،نئی دہلی-۲۵)

کتابی سلسلہ'الاحسان' کا پہلا شمارہ نظر نواز ہوا،عصر حاضر میں ادبی،علمی اور مذہبی مجلّوں کا جو حال ہے اس سے عوام وخواص بخوبی واقف ہیں اور تصوف جیسے عمیق موضوع پہ تو بہت کم جامع رسائل منظر نامے پر ہیں،'الاحسان' سید سراواں شریف،الہ آباد، کے شیخ طریقت حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی چشتی قبلہ کی سرپرستی میں شائع ہو رہا ہے اور تصوف پہ ایک تحقیقی رسالہ ہے- شیخ صاحب کی سرپرستی ہی اس پرچے کے معیاری ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے-عربی کی ایک مثال ہے **الاناءُ یترشحُ بما فیہ** اور شیخ طریقت کا پیمانہ تصوف سے لبریز ہے،حضرت کی تعلیمات کا جو ماخذ ہے وہ اس مجلّے کے ہر مضمون سے مترشح ہے-

'الاحسان' کے مطالعے کے بعد اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ تصوف کسی مافوق الفطرت معاملے کا نام نہیں بلکہ ہر وہ شخص صوفی ہے جو شریعت اور طریقت کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے اور معرفت سے اس کا قلب روشن ہو جائے، دنیا اس طرح کمائے کہ ہاتھوں تک پہنچے دل

تک نہ آئے اور خدا کی نگرانی کا احساس اسے ہر حال میں رہے۔ رسالے میں موجود سبھی مضامین اعلیٰ ہیں بالخصوص حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کی جس نایاب تحریر کو اس مجلّے کی رونق بنایا گیا ہے اس سے توحید کی تعلیم اور اس کے درجات کا خلاصہ طالبِ مطالب توحید کی تشنگی کو بجھاتا ہے۔ ''تصوف کی حقیقت و ماہیت'' حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے اس بصیرت افروز مضمون کے متعلق کچھ کہنے کے لیے جس وسیع النظری کی ضرورت ہے، حقیر اس سے محروم ہے۔

'صلاے کار کجا و من خراب کجا'

دیگر مضامین میں مولانا یٰسین اختر مصباحی کا 'عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں' پروفیسر اختر الواسع کا 'صوفیہ خدمت انسانیت میں مصروف ہیں' ضیاء الرحمٰن علیمی صاحب کی شستہ وشائستہ تحریر 'علامہ ابنِ جوزی: ناقد تصوف یا محدث صوفی' اور محمد مجیب الرحمٰن علیمی صاحب کی تحقیقی اور معلوماتی تحریر 'خانقاہ عالیہ نظامیہ صفویہ، صفی پور: تاریخ اور کارنامے' بہت کارآمد ہیں۔ ذیشان احمد مصباحی صاحب کا 'واردات' اور حسن سعید چشتی صاحب کے ابتدائیہ کلمات 'الاحسان' جیسی کوششوں کی ضرورت کو آشکار کرتے ہیں۔

مدیرانِ گرامی کی فہرست میں اس کتابی سلسلے کے ذریعے جو نام شامل ہوئے ہیں وہ باعثِ مسرت ہیں۔ برادرم حسن سعید چشتی کے معیاری انتخاب نے اس پرچے کو آفاقی شہرت دلانے میں سنگِ بنیاد کا کام انجام دیا ہے۔ اللہ انہیں سلامت رکھے۔ اخیر میں 'الاحسان' کی مقبولیت کے لیے اس رسالے کے مرتبین، مولفین اور مجلسِ مشاورت کے جملہ اراکین کو تہہ دل سے مبارک باد۔ میں بارگاہِ الٰہی میں دست بہ دعا ہوں کہ اللہ رب العزّت اس کوشش کو قبول کرے۔

صادق رضا مصباحی (مولانا آزاد روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی)

سب سے پہلے تو مبارک باد قبول فرمائیے کہ تصوف جیسے اہم ترین موضوع پر آپ لوگوں نے اتنا وقیع، جامع اور پُر مغز کتابی سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس موضوع کے حوالے سے بلا تفریق مسلک وملت، مخالف وموافق ہر دو طرح کے نقطۂ نظر رکھنے والوں کو آپ نے اپنی بات کہنے کا پلیٹ فارم مہیا کیا ہے۔

مولانا مظہر حسین علیمی صاحب کی عنایت سے ''الاحسان'' کے مطالعے کی سعادت حاصل کی۔ اس شمارے میں سبھی تحریریں پڑھنے کی ہیں ان میں کوئی تحریر ایسی نہیں کہی جاسکتی ہیں کہ جسے بھرتی کا مضمون کہا جاسکے۔ خانقاہوں کا تعارف وکارناموں اور سجادگان کے انٹرویوز کا سلسلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کالم میں کوشش یہ کی جائے کہ زیادہ تر وہی سجادگان یا خانقاہیں جگہ پائیں جو گمنام ہیں یا نسبتاً غیر معروف ہیں۔ ہندوستان میں سیکڑوں ایسی خانقاہیں

ہیں جو خاموشی سے دعوت واصلاح کا فریضہ انجام دے رہی ہیں مگر ہم ان سے واقف نہیں ہیں۔

تازہ شمارے میں حضرت شمومیاں (جو غالباً اب علیہ الرحمہ ہو چکے ہیں) کا انٹرویو بہت پسند آیا۔ مجھے ان کی اس بات سے مکمل اتفاق ہے کہ ''اس وقت اہلِ خانقاہ بھی غلطی پر ہیں اور وہابی بھی دونوں کی اصلاح ضروری ہے حق اور ایمان دونوں کے بیچ میں ہے''۔ بلاشبہ حضرت شمومیاں نے یہ بات بڑی جرأت وہمت سے کہی ہے اور حق یہ ہے کہ بالکل سہی کہی ہے۔ ممکن ہے یہ بات بعض لوگوں کو ہضم نہ ہو مگر کسی کے ہضم نہ ہونے سے حقائق کو جھٹلایا تو نہیں جاسکتا۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اپنا سارا نزلہ اپنے حریفوں پر ہی گراتے ہیں اور اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے۔ ہماری قبا میں بھی کم چھید نہیں ہے ان کو درست کرنے کی ضرورت ہے مگر بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے کون؟

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی صاحب تصوف کے مخالفین میں سے ہیں مگر ان کی تحریر ''حقیقت تصوف: ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' پڑھ کر کہیں بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا وہ تو اس تحریر میں تصوف کے حامی معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے یہ لکھتے ہوئی بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ آپ لوگوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا ہے اور ایک اہم موضوع پر لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ خدا کرے آپ کے ارادے ثمر بار ہوں اور ''الاحسان'' معاشرے کو عملی تصوف سے ہم رشتہ کرنے میں معاون ثابت ہو۔ ہماری نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔

محمد شمس الدین علیمی (دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵)

خانقاہ عارفیہ صفویہ، سید سراواں سے گزشتہ سال (۲۰۱۰ء) سے تصوف پر علمی اور تحقیقی سال نامہ کا آغاز اس کے لیے میں اس مجلّے کے سرپرست حضرت شاہ احسان اللہ محمدی صفوی و راس کی پوری ٹیم خصوصاً مولانا حسن سعید چشتی، مولانا ذیشان احمد مصباحی، مولانا مجیب الرحمٰن علیمی، مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی وغیرہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اس ظاہری و باطنی تصوف مخالف عہد میں اتنا ضخیم شمارہ نکالنا معمولی بات نہیں ہے۔ ہندو پاک کے متصوفانہ حلقوں میں ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ علمی، تحقیقی، معروضی اور زبان وبیان کی جاذبیت وکشش کے اعتبار سے ''الاحسان'' واحد مجلّہ ہے جو فی زمانا تصوف کی ترسیل کو یقینی بنانے کے لیے کوشاں ہے اور وہ بھی اس شان سے کہ اس کے زیادہ تر قلم کار جواں عزم وجواں عمر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تحریک کو تادیر قائم رکھے۔ (آمین)

ابرار رضا مصباحی (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

علم تصوف پر جامع ''الاحسان'' کا پہلا شمارہ اپنی تمام تر خوبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ نظر نواز ہوا جس کو پڑھ کر ذہن وفکر کے دریچے وا ہو گئے۔ یقیناً سلوک وتصوف پر مشتمل یہ ضخیم علمی وتحقیقی

سرمایہ سالکین طریقت کے لیے مینارۂ نور ہے اور تصوف کے تعلق سے مریضانہ ذہنیت رکھنے والوں کے لیے باعث شفا اور سکون قلبی کا عمدہ سامان بھی- تصوف اسلامی پر تحقیقی نوعیت کا یہ واحد رسالہ ہے جس کو اپنے پہلے ہی شمارے میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی، جس کا اندازہ ہندوستان کے معروف اور کثیر الاشاعت اخبارات ورسائل میں شائع شدہ گراں قدر تبصروں سے ہوتا ہے-

میرے خیال میں ''الاحسان'' کی مقبولیت کا راز یہ ہے کہ اس کو داعی اسلام حضرت شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی حاصل ہے جو اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اپنی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں اور ساتھ ہی آپ کی سرپرستی میں کام کرنے والی متحرک وفعال ٹیم کی قوت بھی کارفرما ہے جس نے اپنی تمام فکری وعملی توانائیوں کو بروئے کار لاکر علم تصوف کی اہمیت وضرورت سے خوابیدہ افراد کو روشناس کرایا ہے جو ایک حوصلہ افزا اور خوش کن قدم ہے-

تمام مضامین وعناوین دل نشیں، بصیرت افروز اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں اور دعوت مطالعہ دینے والے ہیں- البتہ مجھ ہیچ مداں کے خیال میں کچھ خامیاں ضرور راہ پاگئی ہیں جو ایک علمی وتحقیقی کتاب کے شایان شان نہیں ہے- ان خامیوں میں بعض کا تعلق تو جملوں کی پیچیدگی اور قبض بیانی سے ہے اور بعض کا تعلق کمپوزنگ میں رہ جانے والی غلطیوں سے ہے- اس لیے میں نے یہ بہتر سمجھا کہ ان خامیوں کی طرف نشاندہی کردی جائے تاکہ ان اغلاط کی اصلاح شائع ہوجائے اور اس طرح ''الاحسان'' کے قارئین یہ باور کرنے پر مجبور ہوجائیں کہ مجلّہ الاحسان واقعی علمی اور تحقیقی قدروں کا پاسبان ہے-

چناں چہ مدیر محترم جناب حسن سعید چشتی صاحب تصوف کی حمایت ومخالفت کے دونوں پہلوؤں کو سامنے لانے کے لیے ایک اسٹیج کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''خیال آیا کہ کیوں نہیں تصوف پر کوئی ایسا مجلّہ سامنے آئے جس میں ......(ص:۱۹) میرے خیال میں یہ اس طرح زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ ''خیال آیا کہ کیوں نہ تصوف پر کوئی ایسا مجلّہ سامنے آئے جس......'' اس کے بعد تذکیر کے کالم میں ص:۴۴ پر ایک شعر یوں تحریر ہے:

اسی کے نور سے اس کو بلا چون وچرا دیکھوں
وہ ایک نور مجسم ہے وہاں چون وچرا کیسا

جبکہ اس شعر کو یوں ہونا چاہیے:

اسی کے نور سے تم اس کو بے چون وچرا دیکھو
وہ اک نور مجرد ہے وہاں چون وچرا کیسا

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی صاحب اپنے مضمون کے ذیلی عنوان ''نفس ارادہ یا بشری صفات

کا ازالہ'' کے تحت ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں: ''اس طریق نبوت میں برے ارادہ، قوت بہمیہ کی برتری وچالاکی اور بشری صفات پر قابو اور ان کو صحیح ارادہ کے تابع بنانے کی کوشش کی جاتی ہے'' (ص:۷۶) میرے خیال میں یہاں ''برے ارادہ'' کی بجائے ''برے ارادے'' ہونا چاہیے تاکہ جمع میں اتحاد باقی رہے اور اس کی پوری عبارت اس طرح ہونی چاہیے- ''اس طریق نبوت میں برے ارادے، قوت بہمیہ کی برتری اور چالاکی اور بشری صفات پر قابو اور ان کو صحیح ارادہ کے تابع بنانے کی کوشش کی جاتی ہے'' اسی طرح ''تصوف وطریقت کی حیثیت'' کے تحت ایک جگہ لکھتے ہیں کہ تصوف وطریقت کو کوئی بھی شریعت ودین کی طرح لازمی اور فرض نہیں بتا سکتا اور نہیں بتاتا ہے- (ص:۷۹) میرے خیال میں بہتر یہ ہونا چاہیے ''فرض نہیں بتا سکتا اور نہ ہی بتاتا ہے''

پروفیسر مسعود انور علوی صاحب اپنے معلوماتی اور گراں قدر مضمون ''عصر حاضر میں تصوف اور خانقاہ کی ضرورت'' کے تحت قرآن حکیم کی حکمت وموعظت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ''اس کا تعلق نہ کسی ٹیکنالوجی سے ہے نہ مادیت واقتصادیات سے'' (ص:۱۱۱) اس کی صحیح عبارت اس طرح ہونی چاہیے- ''اس کا تعلق نہ کسی ٹیکنالوجی سے ہے اور نہ مادیات واقتصادیات سے'' تاکہ الفاظ میں ربط قائم ہو- اسی صفحہ پہ ایک جگہ یوں ہے: ''اور ظاہری چکا چوند'' (ص: ایضا) جو اصل میں ''اور ظاہری چکاچوندھ'' ہونا چاہیے- اسی سطر کے فوراً بعد لکھتے ہیں کہ ''جس کی تعبیریں اور مفہوم زمانے کے نشیب وفراز کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں'' (ص: ایضا) اس میں مفہوم کی جگہ میں مفاہیم ہونا چاہیے تاکہ جملے کی صحیح نشست ہوسکے- اور پوری عبارت اس طرح ہونی چاہیے ''جس کی تعبیریں اور مفاہیم زمانے کے نشیب وفراز کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں-''

ڈاکٹر مشتاق احمد تجاوری اپنے مضمون ''حضرت شقیق بلخی: حیات وافکار'' کے صفحۂ اول پر ہی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''ان کا انتقال بھی ایک جنگ میں بطور شہید ہوا'' (ص:۱۷۰) میرے خیال میں یہاں ''بطور شہید ہوا'' کی تعبیر محل نظر ہے اور غیر مناسب معلوم ہورہی ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ جب جنگ میں انتقال ہوگا تو وہ شہید ہی ہوگا لہٰذا یہاں ''بطور'' کو ذکر نہ کرکے آسان جملہ میں یہ کہتے کہ ''وہ ایک جنگ میں شہید ہوئے'' یا پھر یہ کہ ''ان کا انتقال ایک جنگ میں ہوا'' تو بہتر ہوتا- اسی کے بعد ایک جگہ یہ ہے: ''آپ ہی بتایئے فتوت کیا'' (ص:۱۷۳) یہ حقیقت میں اس طرح ہے: ''آپ ہی بتایئے فتوت کیا ہے؟'' اسی طرح ایک جگہ بے توجہی کی وجہ سے یہ آگیا ہے کہ ''شفیق بلخی علامہ الرحمہ کی حیات'' (ص:۱۸۵) یہ دراصل ''شقیق بلخی علیہ الرحمہ کی حیات ہے''

مولانا فیضان المصطفیٰ قادری صاحب اپنے مضمون ''تصوف کا نام رہ گیا ہے اور روح نکل چکی ہے'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''جب تک روئے زمین پر ''اللہ اللہ'' کہنے والی باقی ہیں''

(ص:۲۱۸) یہ اصل میں اس طرح ہونا چاہیے ''جب تک روے زمین پر ''اللہ اللہ'' کہنے والی جانیں باقی ہیں'' تاکہ عبارت کی پوشیدگی دور ہوجائے اور مطلب واضح ہوجائے۔ ''شناسائی'' کے کالم میں ایک جگہ عبارت یوں ہے:

''حضرت شیخ سعد خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مخدوم شاہ صفی رحمۃ اللہ علیہ نے جو خلافت نامہ لکھا تھا'' (ص:۲۲۴) جب کہ عبارت یوں ہونی چاہیے کہ ''حضرت شیخ سعد رحمۃ اللہ علیہ نے مخدوم شاہ صفی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے جو خلافت نامہ لکھا تھا'' کیوں کہ مخدوم صاحب شیخ صاحب کے خلیفہ تھے نہ کہ شیخ صاحب مخدوم صاحب کے۔

اس کے بعد ایک جگہ عبارت یوں ہے: ''ان شاء اللہ وہ ضرور بند ہوجائے (ص:۲۲۸) یہ درحقیقت اس طرح ہے ''ان شاء اللہ وہ ضرور بند ہوجائے گا۔''

مولانا مجیب الرحمٰن علیمی صاحب، اپنے مضمون ''خانقاہ عالیہ نظامیہ صفویہ، صفی پور تاریخ اور کارنامے'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''یہ وہ پاک نفوس قدسیہ ہیں'' (ص:۲۶۹) میرے خیال میں اس میں لفظ ''پاک'' کا لانا لغو معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ''نفوس قدسیہ'' ہی سے خود مفہوم واضح اور آشکار ہے لہٰذا صرف یہ اس طرح ہونا چاہیے۔ ''یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں'' یا پھر یہ کہ ''یہ وہ پاک نفوس ہیں'' تاکہ عبارت میں سلاست باقی رہے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ یہ لکھتے ہیں کہ ''اور دنیاوی مے کدہ سے نکل کر روحانی کے شہسوار بن گئے'' (ص:۲۵۶) یہاں پر شہسوار کی تعبیر غیر معقول معلوم ہورہی ہے کیوں کہ مے کدہ یعنی شراب خانہ کے شہسوار بننے یا ہونے کا تصور ممکن نہیں ہے بلکہ مناسب اور صحیح عبارت یہ ہونی چاہیے ''اور دنیاوی مے کدہ سے نکل کر روحانی مے کدہ کے مئے خوار بن گئے'' یا پھر یہ کہ ''اور دنیاوی مے کدہ سے نکل کر روحانی مے کدہ میں داخل ہوگئے۔''

صفحہ نمبر ۲۳۸ پر جہاں مخدوم شاہ صفی کے ان خلفا کا ذکر ہے جن سے سلسلہ کو فروغ ملا اس ضمن میں تحریر ہے ''تیسرے حضرت شیخ فضل اللہ گجراتی سے اور یہ سلسلہ بھی حضرت شاہ قطب عالم (حضرت قل ھو اللہ شاہ قدس سرہ) کے واسطے سے یہاں موجود ہے'' اس عبارت میں حضرت قل ھو اللہ شاہ قدس سرہ) جو قوسین میں تحریر ہے یہ درست نہیں کیوں کہ جس قطب عالم کا ذکر یہاں چل رہا ہے، وہ قل ھو اللہ شاہ سے الگ ہیں، قطب عالم قل ھو اللہ شاہ جن کا نام عبدالغفور تھا وہ حضرت خادم صفی قدس سرہ کے خلیفہ ہیں جو بارہ بنکی کے رہنے والے تھے یہاں پہ مقالہ نگار سے قطب عالم کے اشتراک کی وجہ سے سہو ہوگیا ہے۔

ڈاکٹر سید حسنین اختر صاحب اپنے مضمون ''عربی صوفیانہ شاعری'' میں ایک مصرع ''فاذا انت انا فی کل حال'' کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''پس تو ہر حال میں ہوں'' (۲۶۸)

اس کا صحیح ترجمہ یہ ہونا چاہیے ''پس تو ہر حال میں، میں ہوں''

مولانا منظر الاسلام ازہری صاحب اپنے مضمون ''امام غزالی اور اصول فقہ'' میں حسن و قبح کے تحت ایک جگہ لکھتے ہیں ''مثلاً ڈوبتے ہوئے ہوا شخص کو بچالینا'' (ص:۳۰۶) یہ اصل میں یہ ہونا چاہیے ''مثلاً ڈوبتے ہوئے شخص کو بچالینا'' جو شاید بے خیالی میں نوکِ قلم میں آگیا ہے۔

ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی صاحب اپنے مضمون ''امام غزالی اور شاہ ولی اللہ دہلوی: تناظر وتقابل'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''خاص طور مشکات الانوار کا رد لکھا ہے'' (ص:۳۴۴) یہ اصل میں اس طرح ہونا چاہیے ''خاص طور سے/ پر مشکات الانوار کا رد لکھا ہے''

مولانا اظہار احمد مصباحی صاحب اپنے مضمون ''امام غزالی کی طرف غلط منسوب شدہ کتب و رسائل'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں ''کیوں کہ وہ لوگ اس صوف کی طرف منسوب گئے ہیں'' (ص:۳۷۱) اس کی صحیح عبارت یہ ہونی چاہیے ''کیوں کہ وہ لوگ اسی صوف کی طرف منسوب کیے گئے ہیں''

مولانا اشرف الکوثر مصباحی کتاب ''تصوف کیا ہے'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں ''تصوف کی گتھی کو سلجھانے کا بڑا ہی تفصیلی کام کا ہے'' (ص:۳۸۹) یہ اصل میں اس طرح ہونا چاہیے ''تصوف کی گتھی کو سلجھانے کا بڑا ہی تفصیلی کام کیا ہے۔''

ان مذکورہ اغلاط کے علاوہ اور بھی قابل اصلاح چیزیں ہیں جن سے خوف طوالت کی وجہ سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ میں نے اپنے ناقص مطالعہ اور بساط علم کے مطابق ان کی اصلاح کی اپنی سی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تمام کاموں میں درستی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

پروفیسر عبد المنان طرزی (دربھنگہ)

دین و طریقت کی پہچان الاحسان — علم تصوف کی اک شان الاحسان
تخلیقوں سے اس کی ہوتا اندازہ — اہل دل کا ہے ارمان الاحسان
حمد ونعت مرشد عالی ابو سعید — حال وقال کا بھی سامان الاحسان
گنج گراں یہ گوہر علمی کا ہے خوب — پہلو دار صد عرفان الاحسان
بھیک یقیں کی اہل گماں نے پائی ہے — دانا ہیں، جو تھے نادان الاحسان
مشمولاتِ تحقیقی ہیں بیش بہا — جویائے حق ہیں قربان الاحسان
طرزیؔ! کیوں ہے زورِ باطل سے خائف — جب سینے میں ہے قرآن الاحسان

○○○

اس شمارے کے خاص قلم کار

- **مولانا یٰسین اختر مصباحی**، بانی: دارالقلم قادری مسجد روڈ، ذاکر نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۔۲۵
- **مولانا عبدالمبین نعمانی**، بانی رکن: المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)
- **پروفیسر اختر الواسع**، صدر: شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۔۲۵
- **پروفیسر مسعود انور علوی**، صدر: شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یوپی)
- **مولانا سید اشتیاق عالم شہبازی**، سجادہ نشیں: خانقاہ شہبازیہ، ملا چک، بھاگل پور (بہار)
- **پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی**، سابق چیئرمین: شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (یوپی)
- **مولانا مبارک حسین مصباحی**، مدیر اعلی ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، (یوپی)
- **مولانا منظر الاسلام ازہری**، کیری مسجد، ۱۰۷۶ کیری، نارتھ کیرولینا (امریکا)
- **مولانا امام الدین مصباحی**، استاذ: کلیۃ البنات السعیدیہ، جہانگیر نگر، گھورے، فتح پور (یوپی)
- **ڈاکٹر سید شمیم الدین احمد منعمی**، خانقاہ منعمیہ، متن گھاٹ، پٹنہ (بہار)
- **پروفیسر عقیل ہاشمی**، شعبہ اردو، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد (آندھرا پردیش)
- **مولانا کوثر امام قادری**، دارالعلوم قدوسیہ پروسنی بازار مہراج گنج، یوپی

''الاحسان'' حاصل کرنے کے پتے

☆ **مکتبہ امام اعظم**، ۴۲۳ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-۶ رابطہ نمبر: 09350323137

☆ **مکتبہ طیبہ** مرکز اسمٰعیل حبیب مسجد، 126 کامبیکر اسٹریٹ، بمبئی، رابطہ نمبر: 09323953352

☆ **عرشی کتاب گھر** 22-6-244، # منڈی میر عالم روڈ، پتھر گھاٹی، حیدرآباد، رابطہ نمبر: 09440068759

☆ **حافظ سرفراز حسین**، سنی جامع مسجد، دھروای, مین روڈ، چمڑا بازار، دھراوی، بمبئی 09323861303

☆ **نوری ساغر اکیڈمی**، روبرو، اکبر حسینی اسکول، درگاہ راڈ، گلبرگہ (کرناٹک) 09035126496

☆ **دارالعلوم تاج الشریعہ**، مصری گنج، کوتوالی چوک، مدھوبنی (بہار) 09939711280